

مفتی محمد عبد القیوم قادری

تاریخ نجد و حجاز

رضا پبلی کیشنز
مین بازار داتا منشا
لاہور ۲

58816

کتاب _____ تاریخ نجد و حجاز
تصنیف _____ مفتی محمد عبدالقیوم قادری
کتابت _____ محمد عاشق حسین ہاشمی
پروف ریڈنگ _____ تالیف قصوری
طباعت بار اول _____ ۱۳۹۸ھ
مطبع _____ محبوب پرنٹنگ کارپوریشن
صفحات _____ ۵۲۸
قیمت _____ ۳۶ روپے
تعداد _____ گیارہ سو

ملنے کا پتا

رضابہ بی کیشنرز، مین بازار داتا صاحب لاہور ۲

فہرست مضامین

صفحہ		صفحہ	
۵۱	طاقت اور بیہیہ کے زور سے وہابیت کی اشاعت	۱۱	انتساب
		۱۵	معروضات
۵۳	وہابیت کے فروغ کے ظالمانہ ہتھکنڈے		<u>پہلا باب</u>
۵۴	ستم بالائے ستم		
۵۵	سعود کے ہاتھوں مزارات کا انہدام	۲۱	شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی
۵۶	محمد بن سعود کا انتقال	۲۳	شیخ نجدی کے والد
۵۷	کربلا میں وہابیہ کے مظالم کی تفصیل	۲۸	شیخ نجدی کے بھائی
۶۰	عبدالعزیز بن سعود کی حکومت کا خلاصہ	۲۹	شیخ نجدی کی ولادت اور جائے پیدائش
۶۱	سعود بن عبدالعزیز	۳۲	شیخ نجدی کی تعلیم و تربیت
۶۲	شیخ نجدی کی موت	۳۷	جزیرہ عرب میں بت پرستی کا دعویٰ
۶۳	شوکانی کا مرثیہ	۳۹	شیخ نجدی میدان عمل میں
	<u>دوسرا باب</u>	۴۱	تکفیر مسلمین اور قتل عام
۶۵	شیخ نجدی کی دعوت اور اس کی حقیقت	۴۵	مزارات صحابہ کا مسامر کرنا
۶۶	توسل	۴۷	شیخ نجدی کا محمد بن سعود سے رابطہ
۶۹	توسل میں مسلمانوں اور کفار کا فرق	۴۹	دعوت شیخ نجدی بزور شمشیر اشاعت
۷۱	انبیاء علیہم السلام کی بارگاہ الوہیت میں وجاہت	۵۰	امیر الحجاز کی ابن سعود سے جنگ

صفحہ	صفحہ
۱۱۱	۷۲
۱۱۲	۷۹
۱۱۳	۸۱
۱۱۵	۸۲
۱۱۹	۸۶
۱۲۲	۸۹
۱۲۳	۹۰
۱۲۶	۹۰
۱۲۸	۹۰
۱۲۹	۹۹
۱۳۲	۱۰۰
۱۳۳	۱۰۲
۱۳۴	۱۰۳
۱۳۵	۱۰۴
۱۳۶	۱۰۶
۱۳۷	۱۰۹

بالعطا انبیاء کو نفع اور ضرر کی طاقت کا حصول

توسل کا ثبوت احادیث سے

شفاعت

شفاعت میں شیخ بخدی کا موقف

اور اس کا اعلان

اہل اسلام کا شفاعت میں مسلک

اللہ تعالیٰ کا حکم شفاعت

شفاعت کو طلب کرنا

انبیاء اور اولیاء کی تعظیم اور ان کے

قرب کا حصول

استمداد اور استغاثہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے استغاثہ

حال غیبت میں استغاثہ

قدرت اور عدم قدرت میں مقالہ

سیدہ میمونہ کی قبر سے استغاثہ

تیسرا باب

شیخ بخدی کے بارے عالم اسلام کے

تاخرات

شیخ سلیمان بن عبدالوہاب

صفحہ	صفحہ
۱۸۶	۱۳۹
۱۸۴	۱۵۲
۱۸۶	۱۵۵
۱۸۸	۱۵۷
۱۹۵	۱۵۷
	۱۵۸
	۱۵۹
۲۰۱	۱۶۱
۲۱۲	۱۶۲
۲۱۳	۱۶۳
۲۱۳	۱۶۴
	۱۶۶
۲۱۷	۱۶۶
۲۱۸	۱۶۷
۲۱۹	۱۶۸
۲۲۱	۱۶۹
۲۲۳	۱۷۰
۲۲۴	۱۷۱
۲۲۶	۱۷۲
۲۲۷	۱۷۳
۲۲۸	۱۷۴
۲۲۹	۱۷۵
	۱۷۶
	۱۷۷
	۱۷۸
	۱۷۹
	۱۸۰
	۱۸۱
	۱۸۲
	۱۸۳

صفحہ		صفحہ	
۳۲۷	ایک جاسوس کی موت		جواز پر صرف سلطان کی نہیں کل قوم
۳۲۶	گھٹنے ٹیک دیئے	۳۱۹	کی بادشاہت ہے۔
۳۲۹	خفیہ ہدایات	۳۲۱	امور دنیوی میں بھی عدم مساوات
۳۵۰	تصویر کا بھیانک رخ	۳۲۲	علماء نجد اور عدم مساوات
۳۵۱	مال غنیمت کی فکر	۳۲۳	نتیجہ۔
۳۵۲	جنگی چالیں	۳۲۴	ہوں ملک گیری قیام امن کے منافی ہے
۳۵۲	عرب لیڈر کی تلاش	۳۲۶	امیر علی کی وزارت خارجہ کی ایک تحریز
۳۵۵	ہاشمی شہزادہ، انگریز کے دام میں	۳۳۰	جواز میں امن کی خاص ضرورت
۳۵۶	انگریز کی عیاری	۳۳۱	وفد کی دوبارہ تشکیل حکومت جواز
۳۵۸	ایک شرمناک خفیہ معاہدہ	۳۳۲	عالم اسلام کی نگرانی
۳۵۹	سازش کا انکشاف	۳۳۳	اہل جانا بیت میں اہل نجد سے کم نہیں
۳۶۰	لارنس کی پر فریب ذہانت		سائلوں باب
۳۶۱	خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک جواز	۳۳۵	لارنس آف عربیہ
۳۶۳	چہ ارزاں فروختند	۳۳۹	ہونہار بردا
۳۶۵	ترکوں کی مشکلات	۳۴۰	پد امرا سفر
۳۶۶	وعدوں کا نیب جال	۳۴۱	جاسوسی کے انداز
۳۶۸	پہلا راؤنڈ	۳۴۱	یورپ کا سرد بیمار
۳۶۰	اگر اتری برادران	۳۴۲	یورپی طاقتوں کے مفادات
۳۶۱	ڈرامے کا ایک منظر	۳۴۳	گرفتاری اور دہائی
۳۶۲	نیا اعلان پر فریب و دہیے	۳۴۵	عورت کے بھیس میں
۳۶۳	صیہونیوں کے عزائم		

صفحہ	صفحہ
۲۶۶	۲۲۶
۲۶۶	۲۲۶
۲۶۸	۲۲۶
۲۶۸	۲۲۶
۲۶۹	۲۲۸
۲۶۹	۲۲۹
۲۸۰	۲۵۸
۲۸۰	۲۶۱
۲۸۲	۲۶۱
۲۸۲	۲۶۲
۲۸۲	۲۶۲
۲۸۵	۲۶۵
۲۸۶	۲۶۶
۲۸۶	۲۶۶
۲۸۸	۲۶۸
۲۸۸	۲۶۹
۲۸۹	۲۶۱
۲۸۹	۲۶۳
۲۹۰	۲۶۴
۲۹۰	۲۶۴
۲۹۰	۲۶۵

سپاس نامہ

بجذ میں گیتا بجلی کے بھجن

سعودیوں کا ہنر و پر بھروسہ

جانبین سے محبت کا مظاہرہ

ہنر و کے دورہ پر ہندوستانی اخبارات

کارڈ عمل

پاکستانی اخبارات رسائل کارڈ عمل

ابوالاعلیٰ مودودی کا بیان

سعودی عربیہ کے عام اندرونی حالات

کٹم کی چکنگ

سعودیوں کی عبادات کی کیفیت

آل شیخ نجدی کے لئے مراعات

بجذیوں کے پاکستانی غیر مقلدوں سے روابط

قدیم اور جدید طبقوں کی نظریاتی کشمکش

ریاض کی شان و شوکت

سعودی کھانے

سعودی عربیہ میں ترکی غلاموں کی فروخت

سعودی ثقافت

سعودیہ میں عام سیر کی اجازت نہیں

ترکوں کی خدمات

ترکوں پر منظم

گیارہواں باب

صفحہ	صفحہ	صفحہ
۵۰۱	مالیاتی نظام	۲۹۳
۵۰۲	تیل سیال دولت	۲۹۵
۵۰۳	سعودی عربیہ کاشکوہ	۲۹۶
۵۰۴	مساجد کی کیفیت	۲۹۶
۵۰۵	ماثر و مشاہد کی کیفیت	۲۹۶
۵۰۶	کسٹم	۲۹۶
۵۰۷	شرک اور عشق کا فرق	۲۹۷
۵۰۹	جنت المعلىٰ	۲۹۸
۵۱۱	وادی بدر	۲۹۸
۵۱۳	جنت البقیع	۲۹۹
۵۱۹	دامن احد	۲۹۹
۵۲۱	جیل کلع	۵۰۰
۵۲۱	ندینہ	۵۰۰
۵۲۱	الوداع	۵۰۰
۵۲۳	فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مزار پر	۵۰۰
		شاہ فیصل کا دورہ حکومت
		فیصل میدان عمل میں
		بنیادی ضروریات
		تعلیم
		صحت عامہ
		ذرائع آمدورفت
		مواصلات
		معدنی وسائل
		صنعتیں
		تیل بردار جہاز
		ریڈیو اور ٹیلی ویژن
		معیار زندگی
		غیر ملکی سرمایہ کاری

انتساب

محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سرور احمد قادری حشمتی رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جنہوں نے

پاکستان میں نجدیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھا

اور

اسلامیہ پاکستان کے دلوں کو عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے انوار کی آماجگاہ بنا دیا۔

محمد عبدالقیوم قادری

تاریخ کی بنیاد عقائد و افکار پر نہیں، قوی شہادتوں پر ہوتی ہے اور عقائد کی صحت، کتاب و سنت کے دلائل اور اسلاف کے معمولات سے ہوتی ہے۔ اس کتاب میں زیادہ تر تاریخ سے بحث کی گئی ہے اور اس کے ثبوت میں مٹھوس دلائل پیش کئے ہیں جو مسلمات میں سے ہیں یا وہ شواہد ہیں جو اخبارات و رسائل سے یکجا کئے گئے ہیں، صرف ایک باب میں عقائد سے بحث کی ہے اور اس کی بنیاد کتاب و سنت اور مستند مفسرین ہیں۔

محمد عبدالقیوم قادری

۱۱ شعبان المعظم ۱۳۹۷ھ

معروضات

۱۔ سرزمین عرب کے ذرہ ذرہ سے مسلمانوں کو اپنے ایمان کی دھڑکنیں سنائی دیتی ہیں۔ جب کوئی مسلمان حج کر کے سرزمین حجاز سے ہو کر آتا ہے تو وہ اس کے ہاتھوں کو چومتے ہیں کہ یہ ہاتھ کعبہ کی دیواروں اور گنبد خضراء کی جالیوں کو مس کر کے آئے ہیں ان کی نگاہیں حاجیوں کی آنکھوں کے بسے لیتی ہیں کمان آنکھوں نے اس سرزمین کو دیکھا ہے، جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظریں پڑی تھیں، وہ اس شخص سے بغل گیر ہوتے ہیں، معانقہ کرتے ہیں کہ یہ شخص ممکن ہے حجاز کی اس جگہ فیضیابول ہو جہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم لگے ہوں۔ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے غسل (وضو کرنے وقت گرا ہوا پانی) پر پروانہ وار جھپٹ پڑتے تھے اور اس پانی کو اپنے چہرے اور بدن سے ملتے جس صحابی کے حصے میں پانی نہ آتا وہ دوسرے صحابی کے ہاتھوں کی ترمی کو اپنی آنکھوں اور بدن سے لگاتا کہ کسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی نسبت قائم ہو جائے سلف صالحین میں ایسے بزرگ گزرے ہیں جو مدینہ منورہ کے کتوں کا بھی احترام کرتے تھے۔ انہی لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ :-

نسبت خود بگت کردم و منقلتم زانکہ نسبت بگ کوئے تو شد بے ادبی
 میں نے آپ کے کتوں کی طرف اپنی نسبت کی اور اس پر بھی شرمندہ ہوں کیونکہ آپ کی
 گلی کے کتوں کی طرف اپنی نسبت کرنا بھی بے ادبی ہے)

سرزمین پاکستان ایسے ہی عشاق رسول مسلمانوں کا گہوارہ ہے جو مدینہ طیبہ کی گلیوں کے کتوں کا بھی احترام کرتے ہیں اور ان کتوں کی طرف اپنی نسبت کرنے کو بھی بے ادبی سمجھتے ہیں۔

۲۔ آج کل سرزمین نجد و حجاز پر وہابیوں کا قبضہ اور ان کی حکومت ہے اور یہ بات کسی سے

ڈھکی چھپی نہیں ہے اس کے باوجود جب ۱۹۷۶ء میں امام حرم نبوی اور امام حرم کعبہ آئے تو پاکستانی مسلمان دیوانہ وار ان کے استقبال کے لئے ٹوٹ پڑے، ان کی راہ میں پلکیں بچھائیں جہاں گئے ان کا اہلا وسہلا مرحبا کے نعروں اور تحسین و آفرین کی گونج سے استقبال ہوا یہ عقیدت کے مظاہرے اس لئے نہ تھے کہ ان میں سے ایک شخص کا نام عبدالعزیز بن باز اور دوسرے کا نام عبداللہ بن سبیل تھا، ہزاروں لوگ سفارتی اور تجارتی سطح پر عرب سے پاکستان آتے رہتے ہیں، انہیں کوئی پوچھتا بھی نہیں، اس واپسیت کی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ ان میں سے ایک شخص کی نسبت مسجد نبوی اور دوسرے کی مسجد حرام سے تھی۔

دوبارہ امام حرم کے پاکستان آنے کا پروگرام بنا تو ایک واپسیت نواز

۰۳

اجبار نے لکھا کہ جب امام حرم کراچی میں لاکھوں فرزند ان توحید کو نماز پڑھائیں گے، تو پتہ چل جائے گا کہ سواد اعظم کون ہے میرے خیال میں سواد اعظم کی تعداد معلوم کرنے کا یہ پیمانہ درست نہیں ہے، بات تو جب تھی کہ اخبار مذکور لکھتا کہ فلاں تاریخ کو کراچی میں وہ شخص نماز پڑھائے گا جو یہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرنا کفر ہے اور موجب قتل ہے جو یہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا کفر ہے جو یہ کہتا ہے کہ اولیاء اللہ کی قبروں پر جا کر ان کے وسیلہ سے دعا کرنا ان کی قبر پر پھول چڑھانا حرام اور شرک سے کم نہیں جو یہ کہتا ہے کہ پاکستان میں غیر مقلدوں کے سوا سب مشرک ہیں۔ پھر ہم دیکھتے کہ اس شخص کے پیچھے واپسوں کے سوا کتنے لوگ نماز پڑھنے جاتے اور ان کی کتنی تعداد ہوتی۔

حالانکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ روزنامہ نوائے وقت ۱۱ مئی ۱۹۵۵ء کے ملاحظہ اس وقت کہ وزیر اعظم ایف بی فیصل نے گاندھی کی سادھی پر پھول چڑھائے اور نجد کی واپس شریعت کی پیشانی پر کوئی شکر نہیں آئی، اسی طرح روزنامہ نوائے وقت ۱۲

فروری، ۱۹۵۷ء کی خبر کے مطابق اس وقت کے بادشاہ شاہ سعود نے انگلٹن کے قبرستان میں ایک (مشرک) کی قبر پر پھول چڑھائے اور روزنامہ کوہستان ۲ فروری، ۱۹۵۷ء کی خبر کے مطابق اس وقت کے وزیر دفاع شہزادہ فہد نے جارج واشنگٹن کی قبر پر پھول چڑھائے اور بادشاہوں اور شہزادوں کے اس علانیہ شرک پر نجد کے علماء مہربلب رہے، کہیں سے اس کے خلاف عدلے بازگشت نہیں سنائی دی۔ ہو سکتا ہے علماء نجد کے نزدیک شرک کے پیمانے عام مسلمانوں اور شاہی خاندان کے لئے مختلف ہوں۔

۴۔ ستمبر ۱۹۵۶ء میں پڈت نہرو جو ایک بدترین مشرک اور سخت دشمن اسلام تھا، اس کو سعودی عرب میں دعوت دی گئی اور اس کا ”مرحباً یا رسول السلام“ کے پر جوش نعروں سے استقبال کیا گیا۔ عرب اور ہندوستان کے وہابیوں میں اس نعرے کو سراہا گیا۔ پاکستان کے علماء اخبارات اور رسائل نے آزادی صحافت اور آزادی ضمیر کا اظہار کرتے ہوئے سعودی حکومت کو سخت مطعون کیا، لیکن پاکستان کے غیر مقلد علماء اس وقت بھی مہربلب رہے اور دین میں مہانت سے کام لیتے رہے۔

یہ باتیں اب پرانی ہو گئی ہیں، لیکن تاریخ میں محفوظ ہو چکی ہیں اور تاریخ ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔

۵۔ زیر نظر کتاب ۱۷۰۳ء سے لے کر ۱۹۵۷ء تک کے نجد و حجاز کے تاریخی احوال اور تاریخ پر پھیلی ہوئی ہے، اس کتاب کے لکھنے کا باعث یہ ہے کہ عام لوگ نہیں جانتے کہ ترکوں کی خلافت عثمانیہ جس نے تمام ممالک اسلامیہ کو ایک رشتہ وحدت میں پرورکھا تھا اس کو کس سازش سے ختم کیا گیا۔ محمد بن عبدالوہاب شیخ نجدی کون شخص تھا، اس نے مسلمانوں کے سامنے کون سی نئی دعوت پیش کی۔ علماء اسلام پر اس دعوت کا کیا رد عمل ہوا۔ عرب میں قومیت کی تحریک پیدا کر کے جزیرہ عرب کو ترکوں کے خلاف بغاوت برپا کرنے میں کس شخص نے پارٹ ادا کیا۔ لارنس آف عربیہ کون تھا۔ برطانیہ اور

دوسری طاقتیں عرب سے ترکوں کا اقتدار ختم کرنا کیوں چاہتی تھیں۔ امریکہ کا اس میں کیا مفاد تھا۔ وہابی تحریک عرب میں دوبارہ اٹھی اور کپل دی گئی۔ وہاں بیس کے دور اوّل میں گنبد خضراء کی زنگار چھت برباد کر دی گئی۔ گنبد سے سونے کا ہلال اور کردہ آٹا لیا گیا۔ خود گنبد خضراء کو بھی گرانے کا قصد کیا گیا، مگر اس کوشش میں دو آدمی ہلاک ہو گئے۔ پھر اس ارادہ کو ترک کر دیا گیا۔ تیسری بار عبدالعزیز بن عبدالرحمان آل سعود نے ایک بار پھر نجد و حجاز پر یلغار کی۔ خلافت عثمانیہ اس بار حجاز کا دفاع کیوں نہ کر سکی۔ وہ کیا حالات تھے، جنہوں نے ترکوں کو بے دست و پا کر دیا اور وہابیوں کو نجد و حجاز میں پنچے گاڑنے کا موقع مل گیا اور اس جنگ میں طائف کے مسلمانوں پر کیا حالت گزری۔

سلطان عبدالعزیز آل سعود کے سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد مرکزی خلافت کمیٹی نے اس کے سامنے کیا تجاویز رکھیں، سلطان نے صحابہ کے ماثر و مشاہد کے تحفظ اور مقابر کی حفاظت اور منہدم شدہ قبہ جات کی تعمیر کا وعدہ کیا اور پھر کس طرح ان محدوں سے منحرف ہوا۔

سلطان عبدالعزیز آل سعود کے ۲۸ سالہ دور حکومت میں عربوں کی کیا حالت تھی، اس کی رحلت کے بعد شاہ سعود نے کس طرح حکومت کی اور اس کو کیوں مغزول کیا گیا۔ شاہ سعود کے گیارہ سالہ عہد حکومت میں حجاز مقدس کس حالت تک پہنچ چکا تھا۔ اس کے بعد شاہ فیصل نے اپنے گیارہ سالہ عہد حکومت میں کس حکمت اور سیاست سے ملک کو ترقی دی اور سعودی عرب دنیا کا امیر ترین ملک شمار ہونے لگا۔ اس کے باوجود فیصل کے عہد حکومت میں ماثر و مشاہد کی کیا کیفیت تھی۔ موجودہ شاہ کے دور میں پاکستان کی مادی امداد کے باوجود پاکستانی مسلمانوں کے دینی جذبات کو کس طرح مجروح کیا گیا۔ یہ تمام اجبار و احوال ہم نے وہابی اور دیوبندی مصنفین کی کتابوں اور اخبار رسائل سے جمع کر کے ایسا تاریخ مرتب کر لی ہے۔

۶۔ اس کتاب میں جتنے واقعات درج ہیں وہ سب وہابی مکتبہ فکر اور سعودی عرب سے شائع شدہ کتابوں سے لئے گئے ہیں۔ یہ کتابیں عنقا نہیں ہیں۔ بازاروں میں عام فروخت ہوتی ہیں۔ رسائل اور اخبارات کو ان کے دفاتر اور لائبریریوں سے حاصل کر کے دیکھا جاسکتا ہے۔ میں عام مصنفوں کی طرح یہ تو نہیں کہتا کہ اس کتاب کا اگر ایک حوالہ بھی غلط ثابت ہو گیا تو میں ایک ہزار روپیہ انعام دوں گا۔ میں ہزاروں میں کھیلنے والا آدمی نہیں ہوں! البتہ میں ایک صاف سیدھے اور سچے مسلمان کی طرح یہ ضرور کہوں گا کہ اگر میرا دیا ہوا کوئی حوالہ غلط ثابت ہوا اور اس کا بدلہ ہیانہ ہو سکا، تو میں آئندہ ایڈیشن میں اس حوالہ کو کتاب سے نکال دوں گا، لیکن انشاء اللہ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ میں نے حوالوں کو بہت چھان بھٹک کر اخبارات کے دفاتر میں جا کر پرانے اخبارات کے فائل دیکھ کر مختلف لائبریریوں میں گھنٹوں وقت خرچ کر کے اس کتاب کے لئے مواد حاصل کیا ہے۔ کتابت کی غلطی یا ایڈیشن کے مختلف ہونے کی وجہ سے یہ ممکن ہے کہ صفحہ کا نمبر تبدیل ہو جائے، لیکن اصل واقعہ انشاء اللہ کتاب میں موجود ہوگا۔

۷۔ اس کتاب کی تصنیف سے کسی شخص یا کسی مکتبہ فکر کی دل آزاری مقصود نہیں ہے، بلکہ صرف حقائق کا آئینہ دکھایا ہے اور اگر کسی شخص کو آئینہ میں اپنے خدوخال نظر آئیں تو اس کو آئینہ پر غصہ نہیں کرنا چاہیئے۔ آئینہ توڑنے سے اس کی بگڑی ہوئی شکل سنور نہیں جائے گی۔ تاریخ ماضی کے حالات و واقعات کا آئینہ ہوتی ہے۔ ہونا یہ چاہیئے کہ اگر کسی شخص یا ادارہ کو اس آئینہ میں اپنی کوئی غلطی نظر آئے تو اس کی اصلاح کرے اور ماضی کی غلطیوں کو مستقبل کے لئے روایت نہ بنالے۔

۸۔ عام طور پر یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ سواد اعظم اہل سنت دیوبندیوں، وہابیوں کی تکفیر کرتے ہیں، اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا کہ حقیقت میں مسلمانوں کی

تکفیر کون کرتا ہے۔ محمد بن عبدالوہاب شیخ نجدی اور ان کے پیروکاروں کی تصریح کے مطابق جو مسلمان ان کے عقائد سے متفق نہ ہوں۔ وہ سب کافر اور مشرک ہیں۔ اور اس فتویٰ کی لپیٹ میں عہد صحابہ سے لے کر آج تک کے تمام مسلمان آجاتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ نجدی اور ان کے متبعین کے نزدیک تیرہ سو سال کی ساری امت کافر ہے جو فوت ہو گئے وہ کفر پر مرے اور جو زندہ ہیں وہ واجب القتل ہیں۔

میں اپنے لئے اور تمام اجنباب کے لئے خصوصاً اور جملہ سواد اعظم اہل سنت کے لئے عموماً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ بے کس پناہ میں شفاعت کی درخواست کرتا ہوں۔ رسول اللہ اپنے ان فلاموں کی عزت کی لاج رکھ لیجئے اور روزِ محشر ان کی شفاعت فرما کر انہیں سرخرو فرمائیے۔ شفاعت کا تاج آپ کے سر پر ہے۔ مقام محمود پر آپ فائز ہیں۔ حمد کا جھنڈا آپ کے ہاتھوں میں کوثر کے آپ واحد ساقی ہیں۔ میزان اور صراط پر آپ کی شفاعت کا ڈنکا ہے۔ تمام میدانِ محشر میں آپ کی شفاعت کی گونج ہے اور ہم آپ کی شفاعت کے بھکاری ہیں۔ ہماری شفاعت کیجئے۔

محمد عبدالقیوم قادری
 شعبان الحکم ۱۳۹۸ھ

باب

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی

۲۲

58816

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
مُحَمَّدًا وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

شیخ محمد عبدالوہاب نجدی ۱۷۹۲/۱۲۰۶ تا ۱۸۰۳/۱۱۱۵ ہجری میں پیدا ہوئے، ان کی شخصیت نے ملت اسلامیہ میں افتراق اور انتشار کا ایک نیا دروازہ کھولا، اہل اسلام میں کتاب و سنت کے مطابق جو معمولات صدیوں سے رائج تھے، انہوں نے ان کو کفر اور شرک قرار دیا۔ مقابر صحابہ اور مشاہیر و آثار کی بے حرمتی کی، قبہ جات کو مسمار کر دیا، رسومات صحیحہ کو غلط معنی پہنائے اور ایصالِ ثواب کی تمام جائز صورتوں کی غلط تعبیر کر کے انہیں "الذبح لغیر اللہ" اور "النذر لغیر اللہ" کا نام دیا، توسل کا انکار کیا اور انبیاء علیہم السلام اور صلحاء امت سے استمداد اور استغاثہ کو یدعون من دون اللہ کا جامہ پہنا کر عبادت لغیر اللہ قرار دیا۔ انبیاء علیہم السلام، ملائکہ کرام اور حضور تاجدار مدنی محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے شفاعت طلب کرنے والوں کے قتل اور ان کے اموال لوٹنے کو جائز قرار دیا۔

شیخ نجدی نے جس نئے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دی، وہ عرف عام میں ہابیت کے نام سے مشہور ہوئی اور ان کے پیروکار وہابی کہلائے، چنانچہ خود شیخ نجدی کے متبعین اپنے آپ کو بر ملا وہابی کہتے اور کہلاتے ہیں چنانچہ علامہ طنطاوی نے لکھا ہے:

اما محمد، فهو صاحب الدعوة التي عرفت بالوهابية
(محمد بن عبدالوہاب نے جس تحریک کی دعوت دی تھی، وہ ہابیت کے نام سے معروف ہے۔)

۱۷ شیخ علی طنطاوی جوہری مصری متوفی ۱۳۵۸ھ، محمد عبدالوہاب نجدی، ص ۱۳

مخالفت کا سیلاب اُمنڈ آیا۔ اعزہ واقربا درپے آزار ہو گئے، خود باپ کو بھی یہ ادا پسند نہ آئی۔ شیخ نے باپ کے ادب اور استاذ کی عزت کا پورا لحاظ کیا، پر جو قدم آگے بڑھ چکا تھا وہ پیچھے نہ ہٹا۔ لہ

اس اقتباس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ توحید کے نام پر تنقیص رسالت اور توہین صحابہ و اولیاء کی جو دعوت لے کر شیخ نجدی اٹھے تھے، اس کی صدیوں پیچھے اسلام میں کوئی نظیر نہ تھی نہ جزیرہ عرب میں توحید کی اس نئی تشریح سے کوئی واقف تھا اور نہ شیخ نجدی کا اپنا خاندان اور ان کے اساتذہ اس سے واقف تھے۔

شیخ عبدالوہاب رحمہ اللہ اور ان کے بیٹے شیخ نجدی کے درمیان عقائد کا جو مناقشہ تھا، اس پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ طنطاوی لکھتے ہیں:

وَجَلَسَ فِي حَلْقَةِ أَبِيهِ يَحْضُرُ دَرُوسَهُ وَيُنْكِرُ مَا يَرَى مِنَ الْبَدْعِ وَالْمَخَالَفَاتِ فِي ذَلِكَ حَتَّى أَثَارَ عَلَيْهِ النَّاسَ وَلَمْ يَرْتَضِ أَبُوهُ هَذَا الْمَسْلُوكَ مِنْهُ وَلَمْ يَقْرَأْ عَلَيْهِ وَكَانَ يُؤَثِّرُ الْمَسَالِمَةَ وَيَكُونُ الصَّنْفَ فَنَهَاةً حَتَّى وَقَعَ بَيْنَهُمَا كَلَامٌ وَلَكِنَّهُ اسْتَمَرَ عَلَى دَعْوَتِهِ وَإِنْكَارِهِ وَاسْتِجَابَ لَهُ فَرُيقٌ مِنَ النَّاسِ وَتَابِعُوهُ وَصَارَ طَلِبَةُ الْعِلْمِ طَائِفَتَيْنِ، قَلِيلٌ مِنْهُمْ مَعَهُ وَالْكَثِيرُ عَلَيْهِ وَكَانَ أَبُوهُ مِنْ أَيْ الطَّالِفَةِ الثَّانِيَةِ. لہ

شیخ نجدی اپنے والد کے حلقہ درس میں حاضر ہوا کرتا تھا اور (نام نہاد) بدعات پر اعتراض کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ تمام لوگ اس کے مخالف ہو گئے اور اس کے والد بھی اس پر ناراض ہوئے اور اس کو سرزنش کی۔ شیخ عبدالوہاب صلح بر شخص تھے، جھگڑے کو ناپسند فرماتے تھے، انہوں نے اس کو (شعرا اہل سنت) کی مخالفت کرنے سے منع کیا۔

محمد عبدالوہاب، ص ۳۱

لہ سعود عالم ندوی،

لہ شیخ سی سعادوی، ری سر مشافیر، ص ۳۱

(لیکن شیخ نجدی باز نہ آیا) اور اپنے والد سے سخت تکرار اور بحث کی اور (شعارِ اہل اسلام) کی مخالفت پر قائم رہا۔ چند لوگ اس کے ساتھ ہو گئے اور اکثر اس کی مخالفت کرنے لگے، حتیٰ کہ شیخ عبدالوہاب کے حلقہ درس کے طلباء میں دو گروہ قائم ہو گئے۔ اقلیت شیخ نجدی کے ساتھ تھی اور اکثریت اس کے والد گرامی شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ کے ساتھ تھی۔

اس اقتباس سے واضح ہو گیا کہ شیخ نجدی نے شعارِ اہل اسلام اور طریقہ اہل سنت کی مخالفت میں اپنے والد کا بھی پاس نہیں کیا اور ان سے بھی تلخ کلامی سے پیش آتا رہا، تاہم والد کی زندگی میں شیخ نجدی میں کو کھل کر اپنے عقائد کے پرچار کا موقع نہ مل سکا، لیکن والد وفات ہوتے ہی شیخ نجدی نے پوری قوت کے ساتھ اپنی دعوت اور تحریک کو آگے بڑھایا، چنانچہ علامہ طنطاوی لکھتے ہیں:

وكان يرعى لادبيه حرمته ويوقره وان رأى ان حق ابیه وطاعته

لا تسرع له التوقف عن دعوتہ، فلما توفى ابوه سنة ۱۱۵۳ انطلق من عقاله ونشط في دعوتہ و بذل فيه ما اعطى من قوة و اندفاع۔

دشمنین: اپنے والد کا قدرے لحاظ کرتا تھا، لیکن اس کے باوجود اس کا عقیدہ

تھا کہ والد کی بات و توقیر میں اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے افکار کی دعوت

سے دستبردار رہے، لیکن جب اس کے والد رحمۃ اللہ ۱۱۵۳ھ میں واصل بحق

ہوئے تو شیخ نجدی کی دعوت میں رہی یہی زنجیریں بھی ٹوٹ گئیں۔ پھر اس نے علی الاعلان

اپنی دعوت کو پھیلانا شروع کیا اور اپنی پوری قوت اور طاقت کو اس میں خرچ کر دیا۔

محمد منظور نعمانی دیوبندی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ان کے والد شیخ عبدالوہاب صنبلی بھی اگرچہ اپنے وقت کے بڑے عالم اور فقیہ تھے،

لیکن وہ اپنے خاص صوفیانہ مزاج اور مسلک کی وجہ سے اپنے بیٹے شیخ نجدی کی برپا کی ہوئی

۱۷ شیخ علی طنطاوی جوہری مصری متوفی ۱۳۳۵ھ، محمد بن عبدالوہاب، ص ۲۳

تحریک اور جدوجہد سے عملاً الگ رہے، بلکہ انہوں نے اپنے کو الگ در ایک سو رکھنے کے لیے اپنے اصل وطن عینیہ کی سکونت ترک کر کے اس علاقے کے ایک دوسرے شہر "حرملہ" میں سکونت اختیار کر لی تھی، کیونکہ عینیہ "شیخ محمد کی تحریک کا مرکز بن گیا تھا۔ یہاں اس شخص کے علم میں ہے جو اس خاندان کی تاریخ سے کچھ واقفیت رکھتا ہے یہ اور عثمان بن بشر نجدی لکھتے ہیں:

فلما ان الشیخ محمد وصل الی بلد حرملہ جلس عند ابیہ یقرأ علیہ وینکر ما یفعل الجمال من البدع واشتک فی الاقوال والافعال وکثر منه الانکار لذلک ولجمیع المحظورات حتی وقع بنیہ وبنی ابیہ کلام وکذلک وقع بیہ وبنی الناس فی البلد، فاقام علی ذالک مدة سنین حتی توفی ابوه عبد الوهاب فی سنة ثلاث وخمسين و مائة والفت ثمانین بالدعوة والانکار والامر بالمعروف والنهی عن المنکر وتبعه ناس من اهل البلد وما لوامعه! واشتهر بذلک۔^۱
 شیخ نجدی حرملہ پہنچ گئے اور اپنے والد سے پڑھنا شروع کر دیا اور وہاں کے لوگ اپنے جن معمولات میں مشغول تھے۔ شیخ نجدی نے ان کو شرک اور بدعت قرار دیا اور اس بات میں ان کا اپنے والد عبد الوهاب سے بھی مباحثہ ہوا اور شہر کے دوسرے عمائدین نے بھی شیخ نجدی کی مخالفت کی۔ کئی سال تک یونہی نزاع ہوتا رہا، حتیٰ کہ شیخ نجدی کے والد عبد الوهاب رحمہ اللہ ۱۱۵۳ھ میں فوت ہو گئے، والد کی وفات کے بعد شیخ نجدی نے کھل کر اپنی تحریک کو پھیلایا اور بہت سے لوگ شیخ نجدی کے تابع ہو گئے اور ان کی دعوت مشہور ہو گئی۔ اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ شیخ نجدی کے والد عبد الوهاب رحمہ اللہ صحیح العقیدہ

^۱ محمد منظور نعمان، ماہنامہ المنبر فیصل آباد، جلد ۳، شمارہ ۹

^۲ عثمان بن بشر نجدی، متوفی ۱۲۸۸ھ، عنوان المجد فی تاریخ نجد، مطبوعہ ریاض، ج ۱، ص ۸

مسلمان تھے اور عینیہ میں اس کے جو استاذ تھے، وہ بھی ایک صالح اور دین دار شخص تھے، البتہ حجاز میں اس کو ابن السیف اور شیخ محمد حیات سندھی دو غیر معتقد استاذ ملے جنہوں نے اس کو ابن تیمیہ کی کتابیں پڑھا کر اسلاف کی روایات سے باغی بنا دیا۔

شیخ نجدی کے بھائی

شیخ نجدی کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب متوفی ۱۲۰۸ھ اپنے والد کے مسلک کے حامل تھے اور اسلاف کے معمولات کو عقیدت سے سینے سے لگاتے ہوئے تھے، ان کا تعارف کراتے ہوئے طنطاوی نے لکھا ہے:

وكان لعبد الوهاب ولدان محمد وسليمان اما سليمان فكان عالما فقيها، وقد خلف اباہ في قضاء حريملة وكان له ولدان عبد الله وعبد العزيز وكانا في الورع والعبادة اية من الايات به
 رشیخ عبدالوہاب کے دو بیٹے تھے محمد اور سلیمان شیخ سلیمان بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے اور حرمیلہ میں اپنے والد کے بعد قاضی مقرر ہوئے، ان کے دو لڑکے تھے عبداللہ اور عبدالعزیز وہ بھی عالم تھے اور عبادت اور تقویٰ میں اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت تھے۔
 شیخ سلیمان بن عبدالوہاب تمام زندگی شیخ نجدی سے عقائد کی جنگ لڑتے رہے۔ انہوں نے شیخ نجدی کے عقائد کے رد میں ایک انتہائی مفید اور مدلل رسالہ الصواعق اللہیہ تصنیف کیا جس کو عوام و خواص میں انتہائی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ موجودہ دور کے نجدی علماء کہتے ہیں کہ شیخ سلیمان نے اخیر عمر میں اپنے عقیدہ سے رجوع کر کے شیخ نجدی سے اتفاق کر لیا تھا، لیکن یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اس دعویٰ کے ثبوت پر کوئی

۱۔ شیخ علی طنطاوی جوہری مصری متوفی ۱۳۳۵ھ : محمد بن عبدالوہاب، ص ۱۳

۲۔ سید احمد بن زینی دحلان کی تالیف، ص ۱۳۰۴ھ : الدرر السنیہ، ص ۲۷

تاریخی شہادت ہے اور شیخ سلیمان رحمۃ اللہ نے "الصواعق الالہیہ" کے بعد کوئی ایسی کتاب لکھی جس نے الصواعق الالہیہ میں مذکور دلائل پر خطِ نسخ کھینچ دیا ہو۔

شیخ نجدی کی ولادت اور جائے پیدائش

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی ۱۷۰۳ء میں نجد کی جنوبی جانب وادی صنیفہ کے ایک مقام عینیہ میں پیدا ہوئے۔ اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ نجد اور عینیہ کی جغرافیائی شرعی اور تاریخی حیثیت واضح کر دیں:

نجد سرزمین حجاز کے مشرق میں واقع ہے۔ مشرق میں خلیج فارس قطار سے لے کر راس الشعب تک اور راس الشعب سے لے کر راس القلیعہ تک نجد اور کویت کے درمیان سرزمین بے آئین تھی، مغرب میں مملکت حجاز واقع ہے۔ جنوب میں سرحد بحیرہ قلمزم کے قنقطہ کے مقام سے شروع ہو کر عسیر کے نیچے سے ہوتی ہوئی وادی دو اسیر کے جس میں نجران واقع ہے۔ جنوب میں سے ہوتی ہوئی رُبَع الخالی کے شمالی کنارے کے پاس سے گزرتی قطار کے علاقہ تک چلی جاتی ہے۔

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ سرزمین عرب کے مغرب میں حجاز اور مشرق میں نجد واقع ہیں۔ آئیے اب دیکھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کے بارے میں کیا فرمایا ہے:

لے عثمان بن بشر نجدی، متوفی ۱۲۸۸ھ، عنوان المجدنی تاریخ نجد ص ۶ مطبوعہ ریاض، ج ۱

ایضاً مسعود عالم ندوی : محمد بن عبدالوہاب، ص ۲۴

" محمد صدیق قریشی فیصل، ص ۱۲

" میرزا حیرت دہلوی حیات طیبہ، ص ۳۰۰

" شیخ علی طنطاوی جوہری مصری متوفی ۱۳۲۵ھ، محمد بن عبدالوہاب ص ۱۳

لے سید سردار محمد حسنی - بی۔ لے (آنرز) سوانح حیات سلطان بن عبدالعزیز آل سعود، ص ۳

متعارف معنی یعنی شام اور یمن مراد ہیں، اسی قریبہ سے نجد سے لغوی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ متعارف معنی صوبہ نجد مراد ہے، علاوہ ازیں دوسرا قریبہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کے ذکر پر مشرق کی طرف اشارہ فرمایا اور عرب کے مشرق میں صوبہ نجد واقع ہے نہ کہ کوئٹہ اُپچی زمین۔ مزید برآں یہ کہ الفاظ کو ان کے معانی متعارفہ پر محمول کیا جاتا ہے اور نجد کا متعارف معنی صوبہ نجد ہے۔

یہ تو تھا نجد کا تعارف، آئیے اب نجد کی جنوبی وادی حنیفہ کے ایک خاص مقام عینیہ کی تاریخی حیثیت دیکھیں، جہاں شیخ نجدی پیدا ہوا:

عقر بارہی کے ایک حصے کا نام جبیلہ ہے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں سب سے پہلے مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس سے جنوب مغرب کی طرف چند میل کے فاصلہ پر ایک مقام عینیہ ہے جو مسیلمہ کذاب کی جائے پیدائش ہے یہ

غور فرمائیے کہ نجد وہ نام مسعود مقام ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے محروم رہا، جس کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ وہاں سے فتنے نکلیں گے اور زلزلے آئیں گے جو جبکہ حضور کی دُعا سے محروم رہی ہو، وہاں قیامت تک کبھی خیر و برکت کی صبح نمودار نہیں ہو سکتی جس مقام کے بارے میں حضور نے زلزلوں اور فتنوں کی خبر دی ہو وہاں امن و سکون کا آفتاب کیسے طلوع ہو سکتا ہے جس جگہ کو آپ نے قرن شیطان کا مطلع قرار دیا ہو، وہ رحمت و ہدایت کا منبع کیسے بن سکتی ہے۔

تاریخ اسلامی میں نجد میں سب سے پہلا فتنہ مسیلمہ کذاب نے برپا کیا جو نجد کی جنوبی وادی حنیفہ کے ایک مقام عینیہ میں پیدا ہوا۔ دوسرا بڑا فتنہ گیارہ سو سال بعد ٹھیک اسی جگہ شیخ نجدی محمد بن عبدالوہاب نے برپا کیا، جس کے وجود نامحمود نے صحیح اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کے عقائد کو متزلزل کر دیا۔ یہ ایک قیامت خیز زلزلہ تھا جس کے جھٹکے ۱۱۱۵ھ سے لے کر

لے محمد عاصم، سفرنامہ ارض القرآن، ص ۱۱۳

آج تک محسوس کیے جا رہے ہیں۔ وہ ایک ایسا تباہ کن زلزلہ تھا جس نے صحابہ کرام کے تمام مشاہد و مآثر کو زمین بوس کر دیا۔ جنت البقیع کے تمام مزارات کو قاعاً صمصفا کے مصداق چٹیل میدان بنا دیا، وہ ایسا فتنہ تھا جس نے ریگزار عرب کو خون سے نہلا دیا، طائف سے کربلا تک اور مکہ سے مدینہ تک کوئی حرم نہ رہا، حتیٰ کہ رحمتہ للعالمین کے گنبد خضرا کی زرنگار چھت برباد کر دی گئی اور قبر انور سے چادر اتار لی گئی۔ شیخ قرن شیطان جس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہوگا۔ اس نے محبت رسول کے متوالوں کے خلاف تلوار میان سے باہر نکالی اور ان کی جان و مال کو اپنے لیے لالچ قرار دیا۔ اس کے اذتاب اور اتباع نے لوگوں کا ایساں خریدنے کے لیے سیم و زر کی تحصیلوں کا منہ کھول دیا۔ ان تمام حقائق کی تفصیلات تاریخی دستاویز کے ساتھ آئندہ صفحات میں آرہی ہیں۔

شیخ نجدی کی تعلیم و تربیت

شیخ نجدی کی تعلیم کے بارے میں سردار حسنی نے لکھا ہے: شیخ نجدی ۱۲۰۳ھ مطابق ۱۱۱۵ھ بمقام عینہ جو کہ جنوبی نجد کی وادی حنیفہ میں واقع ہے، پیدا ہوئے، شروع سے ہی عمدہ ذہین اور صحت مند تھے۔ دس برس کی عمر میں کلام اللہ ختم کر چکے تھے۔ ان کے والد کا بیان ہے کہ وہ بارہ برس کی عمر میں بلوغت کو پہنچ گئے تھے۔ اسی سال ان کی شادی کر دی گئی، بعد ازاں انہوں نے حج کیا اور مدینہ منورہ کی زیارت کی، پھر اپنے وطن مالوف کو واپس آکر اپنے والد ماجد سے فقہ امام احمد بن حنبل کی تعلیم شروع کی تحصیل علم کی غرض سے متعدد بار حجاز گئے۔ لے شیخ نجدی مدینہ منورہ حصول علم کے لیے گئے، وہاں ان کی ملاقات شیخ محمد حیات سندھی سے ہوئی۔ شیخ محمد حیات سندھی انتہائی متعصب قسم کے غیر مقلد عالم تھے جنہوں نے کرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد حاصل کرنے کو شرک قرار دیتے تھے، انہوں نے شیخ نجدی کو یہی تعلیم دی۔

لے سید سردار محمد حسنی بی اے آئندہ: سوانح حیات سلطان بن عبدالعزیز آل سعود ص ۲۱/۲۰

عثمان بن ثمر نے اس دوران ایک واقعہ یوں لکھا ہے :

وحكى ان الشيخ محمد اوقف يوما عند الحجرة النبوية عند اناس
يدعون ويستغيثون عند حجرة النبي صلى الله عليه وسلم فقال
الشيخ ما تقول في هؤلاء قال ان هؤلاء متبرما هم نيه وباطل ما
كانوا يعلمون ، فاقام في المدينة ماشاء الله ثم خرج منها الى نجد
وتجهز الى البصرة يريد الشام فلما وصلها جلس يقرأ فيها عند
عالم جليل من اهل المجموعة - قرية من قرى البصرة في مدرستا
فيها ذكرى ان اسم محمد المجموعى فاقام مدة يقرأ عليه فيها
وينكر اشياء من الشريكيات والبدع والملن بالانكار واستحسن
شيخنا قوله . ۱۰

(حکایت ہے کہ ایک دن شیخ نجدی حجرہ نبویہ کے سامنے کھڑا ہوا تھا، وہاں لوگ
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے وسیلہ سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ شیخ نجدی
نے شیخ محمد حیات سے پوچھا کہ ان لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ شیخ محمد حیات
نے کہا یہ لوگ تباہ ہونے والے ہیں اور ان کے یہ اعمال باطل ہیں۔ شیخ نجدی اس کے بعد
نجد چلا گیا اور وہاں سے پھر بصرہ جانے کی تیاری کی اور وہاں سے شام کا ارادہ کیا، جب
وہاں پہنچا، تو بصرہ کی ایک بستی میں محمد مجموعی سے ملاقات ہوئی، ان کے پاس شیخ نجدی
ایک مدت تک ٹھہرا اور (نام نہاد) شرک اور بدعات کا انکار کرتا رہا اور اس کے استاذ
کی تعریف کرتے رہے۔ ۱۰)

شیخ نجدی کی حجاز میں جن علماء سے ملاقات ہوئی، وہ غیر مقلد تھے اور ابن تیمیہ کے
افکار سے متاثر تھے۔ انہوں نے ابن تیمیہ کے افکار میں شیخ نجدی کو اس طرح ڈھالا کہ وہ

۱۰ عثمان بن بشر نجدی متوفی ۱۲۸۸ھ : عنوان المجد فی تاریخ نجد ج ۱، ص ۸

غلط اور شدت میں ابن تیمیہ سے بھی کہی ہاتھ آگے نکل گیا، چنانچہ علی طنطاوی لکھتے ہیں،
 والتي في المدينة رجلين وكان لهما في حياة وتوجيه اثركبير
 الاول شيخ نجدى، من اسرة لها الوجاهة والرياسة في قرية الجمعة
 عالم عاقل من العاكفين على كتب ابن تيمية والمتبعين له و
 الاخذين بارائه هو الشيخ عبد الله بن ابراهيم بن سيف به
 (شيخ نجدى کی ملاقات مدینہ منورہ میں دو ایسے شخصوں سے ہوئی جو اس کی زندگی
 کا رخ بدلنے میں بہت موثر ثابت ہوئے۔ ان میں سے پہلا شخص نجد کا ایک ایسا بااثر
 عالم تھا جس کو مجمع میں ریاست کا درجہ حاصل تھا اور وہاں کے ایک بااثر خاندان سے تھا
 اس کا اور ٹھکانا بچھونا ابن تیمیہ اور اس کے پیروکاروں کی کتابیں تھیں، اس شخص کا نام شیخ
 عبد اللہ بن ابراہیم بن سیف تھا۔

طنطاوی اس کے بارے میں مزید لکھتے ہیں،

وقد حدث الشيخ محمد بن عبد الوهاب قال كنت عندة يوم افعال
 لي اتريد ان اريك سلاما اعدته للمجمعة قلت له نعم فادخلني
 غرفة مملوءة بالكتب وقال هذا هو السلاح الذي اعدته لها
 وابن سيف هو الذي دل محمد بن عبد الوهاب على كتب ابن تيمية
 واعانة على قرائتها به

(شیخ نجدی کہتے ہیں کہ میں ایک دن ابن سیف کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس نے
 مجھ سے کہا، کیا میں تم کو وہ ہتھیار دکھاؤں جو میں نے مجمع والوں کے لیے تیار کیے ہیں،
 میں نے کہا ہاں۔ وہ مجھے ایک کمرہ میں لے گیا جو ابن تیمیہ کی کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔

۱۵ علی طنطاوی جوہری مصری متوفی ۱۳۵۳ھ، محمد بن عبدالوہاب، ص ۱۵

ابن سیف نے کہا یہی وہ ہتھیار ہیں جو میں نے اہل مجوعہ کے لیے جمع کیے ہیں اور ابن سیف
 ہی وہ شخص ہے جس نے شیخ نجدی کو ابن تیمیہ کی تصانیف کی طرف رہنمائی کی اور ان سے
 استفادہ میں مدد دی

شیخ نجدی نے جس دوسرے استاذ کا گہرا اثر قبول کیا، اس کے بارے میں علی طنطاوی
 لکھتے ہیں:

واما الرجل الثاني فهو شيخ هندي الاصل سلفي المشرب ينكر
 البدع والمحدثات انكاراً صريحاً هو الشيخ محمد حیات السندی ويظهر
 ان الشيخ كان يغلو في الانكار على فاعلها حتى يصل الى تكفيرهم
 وتطبيق الايات التي نزلت في المشركين عليهم، وقد نبه محمد الى
 ما يضاع بعض ذوارق الرسول صلى الله عليه وسلم من المنكرات
 التي لم تكن وقال له اترى هؤلاء لان هؤلاء متبرلما هم فيه و
 باطل ما كانوا يعملون - ويظهر ان ما انكروه على ابن عبد الوهاب
 من تكفير الناس كان اثراً من آثار هذا الشيخ النجدي الهندي
 (دوسرا شخص ہندوستان کا ایک غیر مقلد عالم تھا جس کا نام محمد حیات سندھی تھا یہ شخص
 بدعات (یعنی حضور اور بزرگان دین کی تعظیم اور شفاعت کا سخت روکرتا تھا اور ان (نام نہا)
 بدعات کرنے والوں کو کافر کہتا تھا اور جو آیتیں مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، ان
 کو ان مسلمانوں پر چسپاں کرتا تھا۔ اس نے شیخ نجدی کو حضور کے روضہ پر تعظیم کیے جانے والے
 امور دکھلائے اور یہ آیت چسپاں کی یہ لوگ تباہ ہونے والے ہیں اور جس کام میں لگے ہوتے
 ہیں، وہ برباد ہونے والا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نجدی نے جو تمام لوگوں کو کافر قرار دیا،
 وہ ہندوستان کے اسی غیر مقلد عالم کی تعلیم کا اثر تھا۔

اے علی طنطاوی جوہری مصری متوفی ۱۲۵۳ھ : محمد بن عبدالوہاب ص ۱۶، ۱۷

ابن سیف نجدی اور محمد حیات سندھی کی تعلیمات نے شیخ نجدی کے ذہن میں باعیانہ افکار بھر دیئے اور وہ ابن تیمیہ سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ اسلاف کی روایات کو مٹانے پر تل گیا۔ ابن تیمیہ نے صرف قلم کے زور میں سے اپنے افکار کو پھیلا یا تھا اور شیخ نجدی کو قلم کے ساتھ تلوار کی قوت بھی حاصل ہوئی اور وہ بے دھڑک اپنے مخالفین کی گردنیں اڑاتا چلا گیا۔

جزیرہ عرب میں بت پرستی کا دعویٰ اور اس کی حقیقت

جن لوگوں نے شیخ نجدی کی سوانح حیات پر کتابیں لکھی ہیں، وہ سب کے سب یا یونہی مکتبہ فکر سے وابستہ ہیں یا غیر مقلدین اور نجدی ہیں۔ ان حضرات کا عقیدہ ہے کہ اولیا کرام کے وسیلے سے دعائے مانگنا ناجائز ہے۔ انبیاء و اولیاء سے استمداد یا ان کی قبور کے آثار سے تبرک حاصل کرنا ارتداد کے مترادف ہے، حالانکہ مسلمانوں کے سوا اعظم میں یہ تمام معمولات عہد رسالت سے لے کر آج تک رائج ہیں، چنانچہ شیخ نجدی نے جس فضا میں اپنی بلوغت کی آنکھ کھولی، وہاں یہی معمولات صدیوں سے رائج تھے۔ شیخ نجدی نے ان تمام امور کو کفر اور شرک قرار دیا اور اس کی اتباع میں شیخ نجدی کے سوانح نگاروں نے بھی ان تمام امور کو شرک اور کفر قرار دیا۔ قبروں پر جا کر اصحاب قبور کے وسائل سے مرادیں مانگنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد خضرا پر جا کر آپ سے شفاعت کی درخواست کرنا یہ تمام باتیں ان کے نزدیک عبادت لغیر اللہ تھیں اور انہوں نے ان امور کو بت پرستی قرار دیا، بلکہ اس خلاف واقع الزام میں اس حد تک کرتے ہوئے کہا کہ جزیرہ عرب کے تمام لوگ مزارات کے قریب درختوں اور پتھروں کی عبادت کرتے ہیں، حالانکہ یہ بات حضور کی پیشگوئی کے سراسر خلاف ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں:

عن جابر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الشیطان

قد ایس ان یعبده المصلون فی جزیرة العرب ولكن فی التحرش
بینهم۔ لہ

(حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان اس
بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ مسلمان جزیرہ عرب میں اس کی عبادت کریں، البتہ وہ ان کو
آپس میں لڑاتا رہے گا۔)

اور حاکم، البویعلی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ
فرمان روایت کیا:

ان الشیطان قد یئس ان تعبدوا الا صنم بارض العرب۔ لہ
(تحقیق شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ سرزمین عرب میں بت پرستی کی جائے)
جو شخص صادق و مصدوق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث پر رکھتا ہے،
وہ کبھی اس بات کو نہیں مان سکتا کہ محمد بن عبد الوہاب کے ظہور سے پہلے جزیرہ عرب بت پرستی
کا شکار تھا۔ ہمیں ان لوگوں پر سخت حیرت ہوتی ہے کہ جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہلاتے نہیں
تھکتے۔ انہوں نے اس حدیث کے علی الرغم محمد بن عبد الوہاب کی سوانح میں لکھا ہے:
بارھویں صدی ہجری کے آغاز میں اسلامی دنیا اور مقامات مقدرہ کا جو حال تھا اس
کا ہلکا سا اندازہ اوپر کے بیانات سے ہوا ہو گا، لیکن جزیرہ العرب کے قلب (مخبر) کی حالت اور
بھی خراب تھی، کم سے کم جو کہا سکتا ہے، وہ یہ کہ اہل نجد اخلاقی انحطاط میں حد سے گزر چکے تھے
اور ان کی سوسائٹی میں بھلائی، بڑائی کا کوئی معیار نہیں قائم رہا تھا۔ مشرکانہ عقیدے صدیوں
کے تسلسل سے اس طرح دلوں میں گھر کر چکے تھے کہ ایک بڑا طبقہ انہیں خرافات کو دین صحیح
کا نمونہ جانتا تھا اور غلط یا صحیح وہ اپنے آباؤ اجداد کی روش سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

لہ سلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ

صحیح مسلم ج ۲، ص ۳۷۶

لہ البویعلی محمد بن عیسیٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹ھ

جامع ترمذی، ص ۲۸۷

جسیدہ (وادئ حنیفہ) میں زید بن خطاب (حضرت عمر کے بھائی) کی قبر کی پرستش ہوتی تھی، درعیہ میں بھی بعض صحابہ کے نام سے منسوب قبریں اور قبے عوام کی جاہلانہ عقیدت کے مرکز بنے ہوئے تھے۔ وادی نمیرہ بن ضرار بن ازدر رضی اللہ عنہ، کاتبہ بدعتوں کی نمائش گاہ بن رہا تھا۔ لہ

ایک اور اہل حدیث عالم نے شیخ نجدی کے مشن کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لیے حضور اکرم کی حدیث مبارک کی تکذیب کرتے ہوئے جو لکھا ہے، وہ بھی سُن لیجیے :

جوں جوں وقت گزرتا گیا، یہاں کے رہنے والوں میں بدعتوں اور دیگر غیر اسلامی عادات نے رواج پکڑا، اب وہ لات و منات کی پرستش توڑ کرتے، لیکن قبریں ان کی عقیدت کا مرکز بن گئیں، تو تم پرستی عام ہو گئی، مستقبل میں ہونے والے واقعات کی نشاندہی کرنے والے کاہنوں کی خدمات حاصل کی جانے لگیں۔ فاسد عقائد اور بدعات دلوں میں جڑ پکڑنے لگے، دور جاہلیت پلٹ آیا، حجر اور شجر پرستی کا دور دورہ ہوا۔ لہ

ایک اور نجدی عالم لکھتے ہیں :

نجد کا علاقہ بارہویں صدی ہجری میں ضلالت و گمراہی کا مرکز بنا ہوا تھا اور ان کی جاہلیت کی تمام اقتصادی بیماریوں اور اخلاقی بیماریوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، مذہبی اقدار کو پاؤں تلے روند اجا رہا تھا۔ شرک، بت پرستی، بدعات و خرافات کے مجموعہ کا نام ہی اسلام تھا اور ان کے عقیدوں میں اس قدر تبدیلی آچکی تھی کہ وہ ان کو ہی اساس قرار دیتے ہوئے اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت سے انحراف کرتے ہوئے مشرکانہ کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ نفع و نقصان کی قدرت کا اعتقاد رکھتے ہوئے قبروں، درختوں، چٹانوں سے دُعائیں کی جا رہی تھیں اور ان سے مرادیں ماننی جا رہی تھیں، ان پر جانوروں

محمد بن عبدالوہاب، ص ۲۱، ۲۲

لہ سعود عالم ندوی :

فیصل، ص ۱۱، ۱۲

لہ محمد صدیق قریشی :

کو ذبح کیا جا رہا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ نجد کا علاقہ جاہلیتِ اولیٰ کی آغوش میں پہنچ چکا تھا اور جاہلی رسم و رواج دوبارہ ان کی عادت بن چکے تھے، چنانچہ ان کی زندگی کے تمام شعبوں میں امورِ جاہلیت کو ہی موثر دخل تھا۔ نیک فالی اور بد فالی کے لیے جہاں پرندوں کو اُڑتے وہاں کاہنوں، نجومیوں، رمالوں سے مشورے میں مصروف رہتے۔ ۱۰

ایک کویلو بندی عالم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے خلاف سرزمینِ عرب کا یوں نقشہ کھینچے ہیں:

شیخ سے پیشتر نجد کے مسلمانوں کی مذہبی کیفیت مسخ ہو چکی تھی۔ طرح طرح کے خیالات سے یہ لوگ متاثر ہو چکے تھے۔ بعض بدوی صابی رسوم اختیار کر چکے تھے اور بعض قرامط کی بدعات، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام سے یہ لوگ کوسوں دور تھے۔ مزارات اور قبوں کی پرستش کرتے تھے۔ چٹانوں اور درختوں سے سنتیں اور مرادیں مانگتے تھے۔ اگر کبھی کبھی نماز پڑھتے، تو خدا کے بندوں کو بھی خدا کے ساتھ شامل کر لیتے تھے۔ ۱۱

اب اس بات کا فیصلہ ہم اہل انصاف و دیانت کی بصیرت پر چھوڑتے ہیں کہ آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فداءِ نفسی و امی کا یہ فرمانا درست ہے کہ شیطان ارضِ عرب میں بت پرستی سے مایوس ہو چکا ہے یا شیخ نجدی کی وکالت میں وہابی اور دیوبندی مؤرخین کا بیان درست ہے کہ سرزمینِ عرب میں شجر و حجر، قبروں اور قبوں کی عام پرستش کی جاتی تھی۔

شیخ نجدی میدانِ عمل میں

شیخ سردار حسنی لکھتے ہیں: بصرہ میں نہ صرف تحصیلِ علم کرتے رہے، بلکہ توحید کی تبلیغ

۱۰ شیخ احمد عبدالغفور عطار، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نجدی، ص ۳۰ ملخصاً

۱۱ سید سردار محمد حسنی بی اے آنرز، سوانح حیات سلطان بن عبدالعزیز آل سعود، ص ۲۰

واشاعت بھی کرتے رہے۔ شیخ کہتے ہیں کہ بعض مشرک میرے پاس آتے، مسائل دریافت کرتے اور میرے جواب دینے پر دم بخود اور مہبوت رہ جاتے۔ میں کہتا کہ صرف خدا پرستش کے لائق ہے۔ اولیاء اللہ اور خدا کے نیک بندوں کا احترام واجب ہے، لیکن ہم نماز صرف خدا کی پڑھتے ہیں اور اسی سے دُعا مانگتے ہیں۔ ہم اولیاء اللہ کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور ان کی تقلید کرتے ہیں، لیکن دعائیں اور مرادیں صرف خدا سے مانگتے ہیں۔

بصرہ سے جب وہ عینیب سے واپس آئے، تو انہوں نے بڑی گرجوشی سے اپنے خیالات کی تبلیغ شروع کی اور لوگوں کو بے ہودہ رسومات اور گمراہ کن طریقوں سے بچنے کی ہدایت کرنے لگے۔ اس پر بہت سے لوگ ان کے جاں نثار اور بہت سے جانی دشمن ہو گئے، اسی حالت میں انہوں نے پہلی کتاب "کتاب التوحید" تصنیف کی۔

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ نجد کے کچھ لوگوں کی توہم پرستی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اولاً انہوں نے ولیوں کی اس قدر تعظیم کی کہ عبادت کے درجہ تک پہنچ گئے۔ بعد ازاں ان کے مزاروں کی پرستش شروع کی، پھر یہاں تک عقیدہ نے غلو کیا کہ ان کے مزاروں کے درخت اور دیگر چیزیں متبرک اور مقدس ٹھہریں، قرب و جوار کے لوگ آتے، سنتیں مانتے اور دُعا مانگتے۔ لہ

سردار حسنی نے یہ جو کچھ لکھا ہے، صحیح مسلم، حاکم، ابویعلیٰ اور بیہقی کی حدیث صحیح کے لحاظ سے قطعاً باطل اور خلاف واقع ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ عہد رسالت سے لیکر آج تک جزیرہ عرب میں تمام کلمہ گو انسان الحمد للہ کسی قسم کی بت پرستی یا قبر پرستی سے محفوظ رہے ہیں، البتہ ہر دور میں صالحین امت کے توسل سے دُعا مانگی جاتی رہیں اور انبیاء عظام اور اولیاء کرام کے آستانوں پر جا کر ان استمداد اور استغاثہ کیا جاتا رہا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت اور دیگر مرادوں کے لیے دُعاؤں کی درخواست

لہ سید سردار محمد حسنی بی اے آنرز، سوانح حیات سلطان بن عبدالعزیز آل سعود، ص ۴۱

کی جاتی ہے، اس کو غیر مقلدوں نے بالعموم اور شیخ نجدی نے بالخصوص شرک بت پرستی اور گورپرستی کا نام دے کر عہد رسالت سے لے کر بارہویں صدی تک کے تمام دنیا کے مسلمانوں کو بالعموم اور جزیرہ عرب کے مسلمانوں کو بالخصوص کافر قرار دے دیا۔ فالی اللہ المشتکی۔

تکفیرِ مسلمین اور قتلِ عام

شیخ نجدی اپنے مسلک کے موافقین کے سوا تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتے تھے اور ان کے قتل اور مال لوٹنے کو جائز قرار دیتے تھے۔ طنطاوی اس موضوع پر لکھتے ہیں:

وقد عاد الی نجد فاستاذن اباه ان یکمل رحلتہ فی طلب العلم فیتوجه الی الشام، فاذن له وكان الطريق علی البصرة فلما وصل الیها وجد فیها عالما سلفیالہ مدرسة یقرئ فیها اسمہ الشیخ محمد المجموعی فحضر علیہ وسمع دروسه وراة قائما بانکار المنکر صریحا فی ذالک لا یداری فیہ ولا یسایر وکان فی نفس ابن عبدالوہاب مثل البرکان یرید ان یتفجر علیہ فلقی منفاذا فانطلق یعلن بالانکار یشجعہ علی ذلک شیخہ المجموعی وزاد حتی راح یکفر المسلمین جمیعا۔ وقد حدث الشیخ محمد بن عبدالرحمان نفسه بما کان بینہ وبين اهل البصرة فقال! کان ناس من مشرکی البصرة یاتون الی بشبہات یلقونها علی فاقول لا تصالح العبادۃ الا اللہ فبہت کل منهم ولا ینطق وهذا صریح کلامہ تکفیر المسلمین واعتبارہم مشرکین لہ

۱۹ لہ علی طنطاوی جوہری مصری، متوفی ۱۳۵۳ھ : محمد بن عبدالوہاب، ص ۱۹

(ابن السیف نجدی اور محمد حیات سندھی (غیر مقلد عالم) سے تحصیل علم کے بعد شیخ نجدی اپنے والد کے پاس نجد لوٹ آیا اور مزید حصول علم کے لیے شام جانے کی اجازت طلب کی، والد نے اجازت دے دی۔ ابھی بصرہ تک پہنچا تھا کہ اس کی ایک غیر مقلد عالم محمد مجموعی سے ملاقات ہوئی جو بصرہ کے ایک مدرسہ میں پڑھاتا تھا اور (نام نہلو) بدعات کے انکار میں سخت متشدد تھا اور کسی قسم کی نرمی نہیں کرتا تھا۔ ادھر شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے دل میں آتش فشاں کا لاوا اُبل رہا تھا اور عنقریب پھٹا چاہتا تھا۔ شیخ نجدی نے محمد مجموعی سے ملاقات کی اور وہ لاوا پھٹ پڑا اور شیخ مجموعی اس کا حوصلہ بڑھاتا رہا یہاں تک کہ محمد بن عبد الوہاب نجدی نے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دے دیا اور خود محمد بن عبد الوہاب کہتا ہے کہ مشرکین بصرہ میں سے لوگ میرے پاس آتے اور شبہات پیش کرتے۔ میں جواب میں کہتا اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنی چاہیے اور یہ سن کر وہ لاجواب ہو جاتے شیخ نجدی کا یہ کلام اس بات میں نض ہے کہ وہ مسلمانوں کو کافر قرار دیتا تھا، کیونکہ اس نے بصرہ کے مشرکین سے تعبیر کیا ہے)

اور مسلمانوں کی تکفیر اور ان کے قتل عام کے جواز اور ان کے اموال لوٹنے کی اباحت پر شیخ نجدی خود لکھتے ہیں:

وَعَرَفْتِ اَنْ اَقْرَارَهُمْ بِتَوْحِيدِ الرَّبُّوبِيَةِ لَمْ يَدْخُلْهُمْ فِي الْاِسْلَامِ
وَاِنْ قَصَدَهُمُ الْمَدَائِكَةُ وَالْاَنْبِيَاءُ وَالْاَوْلِيَاءُ يَرِيدُونَ شَفَاعَتَهُمْ
وَالْتَقَرُّبُ اِلَى اللّٰهِ بِذَلِكَ هُوَ الَّذِي اَحَلَّ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ
(اور تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ ان لوگوں (مسلمانوں) کا توحید کو مان لینا انہیں اسلام میں داخل نہیں کرتا اور ان لوگوں کا نبیوں اور فرشتوں سے شفاعت طلب کرنا اور ان کی تعظیم سے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہنا ہی وہ سبب ہے جس نے ان کے قتل اور اموال

۱۰ شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی، متوفی ۱۲۰۶ھ، کشف الشبہات، ص ۲۱، ۲۰

لوٹنے کو جائز کر دیا ہے)

اور شیخ عطار، محمد بن عبدالوہاب کی سیرت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں،
 "شیخ الاسلام صاف صاف اعلان کر رہے تھے کہ جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے ان لوگوں کے خلاف اعلانِ جہاد کیا جنہوں نے آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا، اسی طرح
 مجھے بھی ان لوگوں کے خلاف تلوار اٹھانا ہے۔ جو عقائد کی بیماریوں میں جکڑے ہوئے
 ہیں جو لوگ اپنے عقائد کی اصلاح کرتے ہوئے ہماری تحریک کے رکن بن جائیں
 گے، ان کا خون اور مال محفوظ ہوگا، وگرنہ جزیہ ادا کرنا پڑے گا اور اگر جزیہ ادا کرنے سے
 بھی انکار کریں گے، تو پھر تلوار اٹھانے کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں۔ لہ

ایک اور مقام پر شیخ عطار لکھتے ہیں:
 شیخ الاسلام نے دیکھا کہ ان کی (مسلمانوں کی) بیماری (انبیاء کی تعظیم اور ان سے
 شفاعت کا طلب گار ہونا) خطرناک صورت اختیار کر چکی ہے، تو وہ مجبور ہو کر ان کے مقابلہ
 میں تلوار پکڑ کر میدان میں اترتے ہیں۔ خیال رہے کہ نیکی کے فروغ اور بُرائی کے استیصال
 کے لیے جنگ کرنے کا نام شریعتِ مطہرہ میں جہاد ہے اور اس کی مشروعیت سے کون
 انکار کر سکتا ہے۔ لہ

علیٰ طنطاوی بھی ابن عبدالوہاب کے حامی ہیں اور شیخ نجدی کے مسلمانوں کے ساتھ
 قتال کو حضرت ابو بکر کے مالعین زکوٰۃ سے جہاد پر قیاس کرتے ہیں، حالانکہ یہ قیاس باطل
 ہے، کیونکہ زکوٰۃ فرض عین ہے اور اس کا انکار کفر ہے، اس کے برخلاف انبیاء علیہم السلام
 کی تعظیم اور ان سے شفاعت طلب کرنا قرآن کریم کا ماہور اور حدیث شریف کا مطلب اور
 صحابہ کرام کا معمول ہے۔ اس کو غیر اللہ کی عبادت قرار دینا جہالت کے سوا کچھ نہیں (اس کی

لہ شیخ احمد عبدالعفور عطار : شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب، ص ۵۵

لہ " " " " " " " " " " ۱۶۴

مکمل وضاحت باب ثانی میں آرہی ہے، لیکن شیخ نجدی نے اپنے زمانے سے پہلے کی تمام امت مسلمہ کو جو بیک جنبش قلم کافر قرار دے دیا، یہ بات طنطاوی کو بھی ہضم نہ ہو سکی، وہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وحدین اذکور ان الشیخ کا دیکفر المسلمین جمیعا الاجماعا
مع ان هؤلاء المسلمین لم یعبدوا (جمیعا) القبور، ولم یاتوا (جمیعا)
المکفرات وانما فعل ذلك عما هم، وان فیهم العلماء والمصلحین
اقول لیس للشیخ عذر یہ

(اور جب میں یہ سوچتا ہوں کہ شیخ نجدی اپنے موافقین کے سوا تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیتا ہے، حالانکہ تمام مسلمانوں نے قبروں کی عبادت کی ہے اور نہ کوئی کفر یہ کام کیے ہیں۔ اگر کچھ کیا ہے تو عام لوگوں نے خصوصاً جبکہ مسلمانوں میں علماء اور مصلحین بھی موجود ہیں، تو میں شیخ نجدی کی تکفیر کی صحت کے لیے کوئی عذر نہیں پاتا۔)

مسعود عالم ندوی شیخ نجدی کی تکفیر کی مدافعت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
اس عمومی تکفیر کی اہل نجد پر زور تردید کرتے ہیں، لیکن اتمام حجت اور تبلیغ کے بعد تکفیر اور قتال کے قائل نظر آتے ہیں:

فلم یکفر رحمہ اللہ الاعباد الاوثان من دعاة الاولیاء
والمصلحین وغیرہم من اشوک باللہ وجعل له اندادا بعد اقامة
الہجرت ووضوح المحیبت وبعدان بدوہ بالقتال فحنیئذ قاتلہم
وسفک دماءہم ونهب اموالہم ومعہ کتاب والسنتہ واجماع
سلف الامۃ۔ لہ

لہ علی طنطاوی جوہری مصری، متوفی ۱۳۵۳ھ، محمد بن عبد الوہاب، ص ۳۶،

لہ مسعود عالم ندوی: تکرر الشیخین بحوالہ محمد بن عبد الوہاب ص ۱۶۲، ۱۶۱

شیخ نجدی نے صرف ان بُت پرستوں کی تکفیر کی ہے جو اولیاء اللہ اور صالحین بزرگوں سے (دُعا کے ذریعہ) مرادیں مانگتے تھے۔ (اس بنا پر) شیخ نجدی نے انہیں مشرک اور صلحاء اور اولیاء اللہ کا شریک قرار دیا اور اپنی حجت پوری کرنے کے بعد ان سے قتال شروع کیا۔ ان تمام مسلمانوں کا خون بہایا۔ ان کے اموال لیے (اور ان کے زعم فاسد میں) یہ سب کچھ کتاب سنت اور اجماع کے مطابق تھا۔

شیخ نجدی نے تکفیر مسلمین اور ان کے قتل کے جواز کی بنیاد پر جو مظالم ڈھائے، ان کی تفصیل آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں،

شیخ نجدی کا مزارات صحابہ کو مسما کرنا

شیخ نجدی 'ابن تیمیہ کے پیروکار اور غیر مقلدین علماء سے جو صحابہ کرام اور اولیاء امت کے خلاف دل میں بد عقیدگی کا آتش فشاں لے کر آئے تھے۔ وہ نجد میں پہنچتے ہی پھٹ پڑا۔ اور انہوں نے اپنی تحریک کی ابتداء مزارات صحابہ کو مسما کرنے سے کی۔

چنانچہ سردار حسنی لکھتے ہیں، شیخ محمد بن عبدالوہاب کا پہلا قابل ذکر ہم خیال عثمان بن معمر والی عینیہ تھا۔ شیخ نے اس سے حلف لیا کہ وہ ان مزاروں اور متعلقات کو تلف کرنے میں امداد دے گا، ابن معمر نے قبول کیا۔ دونوں ہم مشورہ ہو کر جبیلہ گئے، یہاں چند صحابیان رسول کے مزارات تھے، دونوں نے مزارات مسما کر دیے۔ لہ

اسی موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے شیخ عطار نے لکھا ہے، شیخ الاسلام دعوت الی اللہ کے ساتھ عملاً قبروں پر تعمیر شدہ عمارتوں اور قبوں کو گرا دیتے تھے، اس لیے کہ یہی دراصل شرک اور بدعت کی آبیاری کے مرکز ہیں اور تمام عالم اسلام میں قبروں پر عمارتیں اور قبے بننے شروع ہو گئے تھے۔

لہ سید سردار محمد حسنی، بی اے آنرز، سوانح حیات سلطان عبدالعزیز آل سعود، ص ۲۲، ۲۱

لہ شیخ احمد عبدالغفور عطار، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب، ص ۱۶۲، ۱۶۱

شیخ نجدی نے جو سب سے پہلے قبہ گرایا تھا، وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے
بھائی زید بن خطاب کا قبہ تھا۔ عثمان بن بشر نجدی متوفی ۱۲۸۸ھ اس قبہ کو گرانے کا ذکر
کرتے ہیں :

ثم ان الشيخ اراد ان يهدم قبة قبر زيد بن خطاب رضي الله
عنه التي عند الجبيلة فقال لعثمان دعنا نهدم هذه القبة التي
وضعت على الباطل وضل بها الناس عن الهدى فقال دونها
فاهدمها فقال الشيخ اخاف من اهل الجبيلة ان يوقعوا بنا
ولا يستطيع هدمها الا وانت معي فسار مع عثمان بنحو ستمائة
رجل فلما قربوا منها ظهروا عليهم اهل الجبيلة يريدون ان
يمنعوها فلما داراهم عثمان علم ما هموا به فتاهب لربهم فلما
راوا ذلك كفوا عن الحرب واخلوا بينهم وبينهما ذكر لي
ان عثمان لما اتاها قال للشيخ نحن لا نتعرضها فقال اعطوني
الناس فهدمها الشيخ بيده حتى ساواها - ۱

دپھر شیخ نے جبیلہ میں حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کا گنبد ڈھانے کا ارادہ کیا
اور اپنے معاون عثمان سے کہا آؤ ہم دونوں مل کر اس قبہ کو گرا دیں جس نے لوگوں کو گمراہ
کر دیا ہے۔ عثمان نے کہا یہ کام تم خود ہی کرو۔ شیخ نجدی نے کہا میں اہل جبیلہ سے ڈرتا ہوں
وہ ہم پر حملہ کر دیں گے، میں تمہاری معاونت کے بغیر اس قبہ کو گرانے کی طاقت نہیں رکھتا۔
یہ سن کر عثمان اپنے چھ سو ساتھیوں کے ساتھ شیخ نجدی کو لے کر چل پڑا۔ جب اہل جبیلہ
نے دیکھا، تو وہ مزاحم ہوتے، لیکن جب عثمان کے آدمی لڑائی کے لیے تیار ہو گئے تو انہوں
نے ان کا راستہ چھوڑ دیا۔ جب عثمان قبہ کے پاس پہنچا، تو اس نے کہا ہم لوگ قبہ کو ہاتھ

۱ عثمان بن بشر نجدی، متوفی ۱۲۸۸ھ : عنوان المجد فی تاریخ نجد ج ۱ ص ۱۰، ۹

نہیں لگائیں گے۔ شیخ نجدی نے کہا مجھے کلہاڑی دو۔ پھر شیخ نجدی نے ہاتھ میں کلہاڑی لے کر قتبہ توڑنا شروع کیا، حتیٰ کہ اس کو زمین کے مہوار کر دیا۔

شیخ نجدی نے اگرچہ عثمان کی معاونت سے چند مزارات گرا دیے تھے، لیکن جس وسیع منصوبے کو لے کر شیخ نجدی اٹھا تھا، اس کی تکمیل کے لیے انہیں ایک مضبوط مرکزی قوت کی ضرورت تھی۔

شیخ نجدی کا ابن سعود سے رابطہ

شیخ نجدی انبیاء علیہم السلام کی تعظیم اور ان سے طلب شفاعت کے خلاف جو دعوت لے کر اٹھے تھے، اس کی کامیابی کے لیے انہیں تلوار کی قوت کی ضرورت تھی، ورنہ ان کے افکار و عقائد بھی ابن تیمیہ کی طرح صرف قراطس و کتب تک محدود رہتے۔ اس نصب العین کی تکمیل کے لیے ان کی آنکھوں نے نجد کے سرداروں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ بالآخر ان کی نگاہوں نے اس مہم کے لیے محمد ابن سعود کا انتخاب کر لیا اور محمد ابن سعود کی بیوی کے ذریعہ انہوں نے ابن سعود کو اپنا ہم نوا بنا لیا۔ اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے سردار حسنی لکھتے ہیں:

عینیہ سے شیخ درعیہ میں پہنچے اور اپنے ایک شاگرد ابن سوہیم کے ہاں مقیم ہوئے۔ ابن سوہیم نے امیر محمد ابن سعود والی درعیہ کی مدد حاصل کرنے کا وعدہ کیا، لیکن امیر درعیہ شروع میں ضامن نہ ہوا۔ اس کے بھائی جو اس عرصہ میں شیخ کے بچہ مداح ہو گئے تھے اور بعد میں اس کے بہترین موید ثابت ہوئے۔ امیر کو شیخ کی متابعت کے لیے ترغیب دیتے رہے۔ آخر شامیر کی عقلند اور ہوشیار بیگم کی مدد کے لیے مسماعی ہوئی، نتیجہ یہ ہوا کہ امیر بھی شیخ کا معترف ہو گیا۔

۱۔ سید سردار محمد حسنی بی اے آنرز، سوانح حیات سلطان عبدالعزیز آل سعود، ص ۲۲

ایضاً، علی طنطاوی مصری، متوفی ۱۳۵۳ھ: محمد بن عبدالوہاب، ص ۳۰، ۲۹
 " عثمان بن بشر نجدی، متوفی ۱۲۸۸ھ: عنوان المجتبیٰ تاریخ نجد ج ۱، ص ۱۱

امیر ابن سعود اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کے رابطہ کو ایک وہابی عالم نے قدرے تفصیل سے لکھا ہے :

امیر محمد بن سعود جو شیخ کی دعوت سے پہلے بھی حسن اخلاق میں مشہور تھا، اپنی بیوی کی گفتگو سے متاثر ہوا اور اس کے دل میں شیخ کی محبت گھر گھر گئی۔ سب کے اصرار سے اس نے ملنے میں پہل کی اور اخلاق و عقیدت سے پذیرائی کی۔ شیخ نے اپنی دعوت کے اہم حصوں (کلمہ لا الہ الا اللہ کا مفہوم امر بالمعروف نہی عن المنکر، جہاد) واضح رہے جس جہاد کا ذکر کیا گیا ہے اس کا مطلب عرب کے مسلمانوں کے خلاف تیغ آزمائی تھا، پر مختصر سی تقریر کی اور اہل نجد کی برائیوں سے آگاہ کیا اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔ امیر متاثر ہوا اور بے ساختہ بول اٹھا:

اے شیخ یہ تو بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے۔ میں آپ کی امداد و اطاعت اور مخالفین تو حید سے جہاد کے لیے تیار ہوں، لیکن دو شرطیں ہیں :

۱۔ اگر ہم نے آپ کی مدد کی اور اللہ نے ہمیں فتح دی، تو آپ ہمارا ساتھ نہ چھوڑیں

۲۔ اہل درعیہ سے فصل کے وقت میں کچھ مقررہ محصول لیتا ہوں، آپ مجھے اس سے نہ روکیں۔ شیخ نے جواب دیا:

پہلی شرط لبس و چشم منظور ہے، ہاتھ ملاؤ الدم بالدم والهدم بالهدم
 امیر اخون تمہارا خون اور میری تباہی تمہاری تباہی، رہی دوسری شرط، سو انشاء اللہ تمہیں فتوحات اور غنیمتوں میں اتنا کچھ مل جائے گا کہ اس خراج کا دل میں خیال بھی نہ آئے گا۔ اے

۱۔ سعود عالم ندوی ، محمد بن عبدالوہاب ، ص ۳۹۶

۲۔ عثمان بن بشر نجدی، متوفی ۱۲۸۸ھ : عنوان المجدی فی تاریخ نجد، ج ۱ ص ۱۲

دعوتِ شیخ نجدی کی بزورِ شمشیر اشاعت

شیخ نجدی نے ابن سعود کی طاقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مخالف مسلمانوں کی گردنوں پر کس طرح تیغ آزمائی اور مشرقِ ستم کی۔ یہ سردارِ حسنی سے سنیے؛ امیر اور شیخ میں مودت اور موافقت کے اقرار ہوتے، چنانچہ تلوار ابن سعود کی تھی اور مذہب شیخ محمد بن عبدالوہاب کا۔ آج اس واقعہ کو دو سو برس گزر چکے ہیں، لیکن یہ تعلق اور اشتراک قائم ہے۔

معاہدہ کے وقت شیخ محمد بن عبدالوہاب کی عمر ۲۴ سال تھی، اسی سال شیخ نے توحید کے اجرا و نفاذ کے لیے مشرکین کے خلاف جنگ کر دی۔ (یاد رہے کہ مشرکین سے مراد عرب کے وہ مسلمان ہیں جو اسلاف کی روایات کو سینوں سے لگائے ہوئے تھے۔ انبیاء اور اولیاء سے توسل اور استغاثہ کو جائز سمجھتے تھے اور صحابہ کرام کے قبوں کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ (قادری عفرلہ)

پہلا معرکہ ریاض موجودہ دارالسلطنت کے مقام پر امیر دہم بن دواس اور ابن سعود کے درمیان پیش آیا۔ ابن دواس سعودی وہابی اشتراک کے سخت مخالف تھا۔ وہ معمولی غلامی کی حالت سے امارت کے رتبہ تک پہنچا تھا اور اپنی کشمکش کے شروع میں امیر ابن سعود سے مدد حاصل کر کے رہینِ منت ہو چکا تھا۔ اس بات کے بھروسہ پر امیر ابن سعود نے ابن دواس کو شیخ کی متابعت کے لیے دعوت دی، لیکن ابن دواس نجد کے کسی شیخ یا امیر کی متابعت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ (ابن دواس در اصل صحیح العقیدہ مسلمان تھا اور اسلاف کی روایات کا حامل تھا۔ یہ صحیح ہے کہ ابن سعود نے اس کو امارت قائم کرنے میں مدد دی، لیکن ایک غنیور مسلمان سے یہ کبھی توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ اپنے دین اور مسلک کو جاہ و منصب پر قربان کر دے گا۔ (قادری عفرلہ)

ابن دواس میں بڑی خوبی اس کی طبیعت کا استحکام و استقلال تھا۔ پورے تین برس ابن سعود سے برسرِ پیکار رہا، کبھی فتح پاتا تھا کبھی شکست، لیکن کبھی ہمت نہ ہارا۔ پھر بھی رفتہ رفتہ امیر سعود نے ریاض کے علاوہ اس کی مملکت کے دیگر علاقہ جات فتح کر لیے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب اپنے متابعین کی جرأت کو بڑھاتے اور ان کے ایمان کو تازہ کرتے رہے۔ اسی طرح پر غیر فیصلہ کن جنگوں کا سلسلہ جاری رہا، حتیٰ کہ عبدالعزیز ابن امیر محمد بن سعود نے ۱۷۷۳ء میں ریاض کو فتح کر لیا، مگر ابن دواس کو گرفتار نہ کر سکا، کیونکہ وہ ہزیمت اٹھا کر صحرا میں بھاگ گیا تھا۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ اس تیس سالہ جنگ میں ۷۰۰۰ موحدین مارے گئے اور ۲۳۰۰ نام نہاد مشرکین مارے گئے گویا... یہ عرب ناحق ضائع ہوتے۔ ۱۷

(مقام غور ہے کہ محمد بن عبدالوہاب کے وکیل نے بھی ابن دواس کے حامیوں کو نام نہاد مشرکین سے تعبیر کیا ہے، یعنی فی الواقع وہ مشرک نہ تھے، مسلمان تھے، لیکن ابن عبدالوہاب کی وہابیت نے ان کو مشرک قرار دے کر ان کے مال و جان کو مباح کر ڈالا، جبکہ ان لوگوں کا صرف اتنا قصور تھا کہ انہوں نے شیخ نجدی کی متابعت کا انکار کر دیا تھا۔ اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ شیخ نجدی کی موافقت پر ابن سعود کے نزدیک ہر وہ شخص واجب القتل تھا جو شیخ نجدی کی موافقت سے انکار کر دے۔ غالباً یہی وہ حقیقت ہے جس کے اعتراف کے طور پر سردار حسنی کو بھی ماننا پڑا، اس جنگ میں ۴ ہزار عرب ناحق ضائع ہوئے۔ (قاوری غفرلہ)

امیر الحصا کی ابن سعود سے جنگ

محمد بن عبدالوہاب نجدی نے جس نئے دین کی طرح ڈال کر تمام جزیرہ عرب کو مشرک

۱۷ سید سردار محمد حسنی بی اے آنرز، سوانح حیات سلطان عبدالعزیز آل سعود ص ۲۲، ۲۳

۱۸ عثمان بن بشر نجدی، متوفی ۱۳۸۸ھ، عنوان المجدنی تاریخ نجد ص ۲۶ تا ۶۱ ملخصاً

قرار دیا تھا اور ابن سعود کے تعاون سے ان صحیح العقیدہ مسلمانوں کا خون بہانا شروع کر دیا تھا، اس سے تمام جزائر عرب میں خم و غصہ کی لہر دوڑ گئی تھی، سابقہ پیراگراف میں ہم ابن دو اس کے ساتھ ابن سعود کی جنگ کا حال بیان کر چکے ہیں۔ ابن دو اس کے بعد امیر الحصا ابن سعود پر حملہ آور ہوئے۔ چنانچہ سردار حسنی لکھتے ہیں؛

الحصاء کا امیر جو سلیمان سابق امیر کا جانشین تھا، بڑے کروفر سے سعودی طاقت پر حملہ آور ہوا، وہ اپنے ساتھ شتری توپیں لایا تھا جو کہ درعیہ کے محاصرہ میں استعمال کی گئیں۔ اس کے ساتھ ایک قسم کی گاڑی بھی تھی جس میں تیس سپاہی بیٹھ کر بیک وقت شہر کی فصیل پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ نجد کے بعض قبائل بھی اس کے ساتھ ہو گئے تھے، لیکن الحصاء کے امیر کو باوجود ساز و سامان کے شکست ہوئی اور وہ مغنوم و محزون اپنے علاقہ کو واپس ہوا۔ پھر اس نے اور زیادہ توپ خانہ دے کر اپنے بیٹے سعدون کو یامہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا، لیکن وہ بھی شکست کھا کر ناکام پھرا اور توپ خانہ مخالف کی نذر کرنا گیا۔ اس طرح اس نے ایک حملہ بریدہ پر بھی کیا جس میں پھر اسے شکست ہوئی۔ لیکن ابن سعود کو بھی ایک نقصان ان لڑائیوں سے یہ ہوتا رہا کہ وہ قبائل جو بنوک شمشیر موحد کیے گئے تھے، دشمن کی آمد سن کر ابن سعود اور شیخ دونوں سے باغی ہو جاتے تھے اور حملہ آور سے نپٹتے ہی باغیوں کی سرکوبی کے لیے حکومت کو مصروف ہونا پڑتا تھا۔ آئے دن کی بغادتوں سے سعودی طاقت منالغ ہو رہی تھی۔ لہ

طاقت اور پیسے کے زور سے وہابیت کی اشاعت

اس پیراگراف کے مطالعہ سے قارئین کرام پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ نجد میں شیخ نجدی

لہ سید سردار محمد حسنی بی اے آنرز، سوانح حیات سلطان عبدالعزیز آل سعود، ص ۴۳

اور ابن سعود نے کسی طرح طاقت کے بل بوتے پر افکار لوگوں پر مسلط کیے اور مسلمانوں کو اپنے اسلاف کی روایات سے بزدل و شمشیر ہٹا کر نام نہاد توحید میں داخل کیا، اس کی نظیر بالکل اس طرح ہے جیسے اندلس میں عیسائیوں نے مسلمانوں کی شہ رگ پر تلوار کی ٹوک رکھ کر ان کو بجز عیسائی بنایا۔ وہاں قانوناً اسلامی عقائد کو اپنانے کو ناقابل معافی جرم قرار دیا۔ چنانچہ بتدریج اندلس کی آبادی عیسائیت میں ڈھلتی گئی اور آج اسپین میں ایک مسلمان بھی نہیں پایا جاتا اور نہ وہاں قانوناً اسلام کی تبلیغ کے لیے کوئی عمل کیا جاسکتا ہے، بالکل اسی طرح شیخ نجدی اور ابن سعود نے جزیرہ عرب کے مسلمانوں کی شہ رگ پر خنجر رکھ کر ان کو بزور اپنے عقائد میں ڈھالا اور بعد میں ان کے آنے والے جانشین اس مہم میں پیش از پیش حصہ لیتے رہے، چنانچہ آہستہ آہستہ نجد اور اس کے قرب و جوار کی تمام آبادی اور حرم مکہ کی اکثریت وہابی عقائد میں ڈھلتی گئی۔ تلوار کے بعد اب دوسرا ہتھیار ان کے پاس سیم و زر کی تھیلیاں ہیں، جو تیل کے سیال چشموں کی صورت میں ان لوگوں کو حاصل ہوئیں۔ انہوں نے وہابی دعوت کی نشر و اشاعت کے لیے سیم و زر کی تھیلیوں کے منہ کھول دیے اور بے دریغ پیسہ لٹانا شروع کیا، چنانچہ موجودہ دور کے ایک نجدی عالم لکھتے ہیں:

شیخ الاسلام (یعنی محمد بن عبدالوہاب نجدی) کے تجدیدی مساعی کی روشنی میں اب بھی پورے زور شور سے کام ہو رہا ہے اور اشاعت اسلام میں کڑوڑوں روپیہ صرف کیا جا رہا ہے۔ حالت یہ ہے کہ جس طرح موجودہ اسپین میں عیسائی عقائد کے خلاف اسلامی عقائد کی تبلیغ قانوناً جرم ہے، اسی طرح موجودہ عرب میں وہابی تحریک کے خلاف اہل سنت کے عقائد و افکار کی نشر و اشاعت قانوناً جرم ہے۔ جدہ کے ایئر پورٹ پر کسی چیز کی اتنی چیکنگ نہیں کی جاتی جتنی زبردست چیکنگ مذہبی لٹریچر کی کی جاتی ہے اور جن کتابوں کے بارے میں ذرا سا بھی شک ہو کہ ان سے وہابیت کو ٹھیس پہنچے گی، ان کو فوراً کسٹم حکام روک لیتے ہیں

لے شیخ احمد عبدالغفور عطار ، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب ، ص ۱۲۸

چنانچہ ایک غیر مقلد وہابی عالم اپنے ۱۹۶۰ء کے سفر نامہ حجاز میں لکھتے ہیں:

کسٹم پر مجھے کوئی دقت پیش نہ آئی، اگرچہ میرے ساتھ کچھ کتابیں تھیں اور ان میں سے بعض کتابیں ان لوگوں کی اصطلاح کے مطابق مذہبی تھیں، لیکن کسٹم آفیسر صاحب نے ان کتابوں پر شک و شبہ کی نگاہ نہیں ڈالی، کیونکہ بعض کتابوں کے دیکھنے سے انہیں یہ اندازہ ہو گیا کہ میں بھی ایک سلفی العقیدہ (یعنی وہابی) ہوں۔ اس لیے انہوں نے میری سختی سے تلاشی لینے کو ضروری نہ سمجھا۔ مجھے بھی سب سے زیادہ ڈر کتابوں ہی کا تھا کیونکہ کتابوں کی تلاشی کے سلسلہ میں گزشتہ سفر ۱۹۵۶ء میں جدہ کے ہوائی اڈہ پر ہمیں جس پریشانی کا سامنا ہوا تھا، وہ مجھے خوب یاد تھی۔ دنیا کے دوسرے ملکوں میں غیر مذہبی کتابوں کی تو خوب جانچ پڑتال ہوتی ہے، لیکن مذہبی کتابوں پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا۔ سعودی عرب کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہاں دوسری کتابوں کا تو یوں سمجھیے کوئی نوٹس ہی نہیں لیا جاتا، لیکن مذہب اور خصوصاً عقائد سے متعلق کتابوں کو بڑے شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور بعض اوقات جب کسٹم والے خود ان کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے، تو انہیں تحقیق کے لیے علماء کے پاس بھیج دیتے ہیں، یعنی جب تک علماء انہیں ناقابل اعتراض قرار نہ دے دیں، انہیں ملک کے اندر داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔ اے

وہابیت کے تحفظ اور فروغ کے لیے طالمانہ ہتھکنڈے

سعودی عرب میں وہابیت کو کس طرح تحفظ دیا جاتا ہے، اس کا اندازہ اس تاریخی حقیقت سے کیجیے۔ یہی وہابی عالم لکھتے ہیں:

یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑے بڑے دینی مناصب آل شیخ (شیخ محمد بن عبدالوہاب کے

خاندان) کے لیے مخصوص ہیں اور دوسرے لوگ صرف اسی صورت میں کسی دینی منصب پر مقرر کیے جاتے ہیں، جبکہ آل الشیخ میں کوئی آدمی موجود نہ ہو۔ حرم مکہ کے خطیب اگرچہ شیخ عبدالمہسن (مصری) ہیں، لیکن وہ حرم کے خطیبِ اول نہیں، بلکہ خطیبِ اول۔ آل شیخ کے ایک فرزند شیخ عبدالعزیز بن حسن ہیں جو ان دنوں وزارتِ تعلیم کے سیکرٹری تھے اور اب وزیر ہو گئے ہیں۔ لہ

ان دونوں پیراگرافوں کے مطالعہ سے قارئین کرام پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہوگی کہ سعودی عربیہ میں ظالمانہ منصوبے کے تحت نئی نسل کو وہابی بنایا جا رہا ہے۔ جب وہاں کے باشندوں کو وہابیت کے سوا اور کوئی لٹریچر پڑھنے کے لیے میسر نہیں ہوگا اور ہر مسجد کے منبر پر وہابی خطباء وہابیت کا پرچار کریں گے اور نئی نسل کو پڑھنے اور سننے کے لیے وہابیت کے سوا اور کچھ نہیں ملے گا، تو ظاہر ہے کہ بتدریج نئی نسل وہابیت میں ڈھلتی چلی جائے گی اور یوں پورا جزیرہ عرب وہابیت کا گوارہ بن جائے گا۔ سپین میں عیسائیوں نے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے جو کارروائی کی تھی، وہی تاریخ سعودی عربیہ میں سنتیوں کو وہابی بنانے کے لیے ڈھرائی جا رہی ہے۔

ستم بالائے ستم

قارئین کرام پر یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ سعودی عربیہ میں تجدیت اور وہابیت کے خلاف سنتی لٹریچر قانوناً نہیں جاسکتا۔ انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ جن ممالک میں سنتی مسلمانوں کی اکثریت ہے، سعودی عرب وہاں وہابیت پر مشتمل لٹریچر نہ بھیجتی، لیکن یہ کس قدر ظلم کی بات ہے کہ پاکستان جس کی اکثریت سنتی مسلمانوں پر مشتمل ہے، وہ تو اپنا لٹریچر سعودی عربیہ نہیں بھیج سکتے، لیکن سعودی سفارت خانے کے ذریعے پاکستان میں

وہابی لٹریچر جس کی ایک ایک جلد آٹھ آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے، مفت تقسیم کی جا رہی ہے اور کوئی احتجاج کرنے والا نہیں ہے کہ ظالمو! جب تم اپنے ملک میں ہمارا لٹریچر نہیں جانے دیتے، تو تم کو کیا حق پہنچتا ہے کہ تم اپنے عقائد و افکار کو پھیلانے کے ذریعہ کروڑوں کی تعداد میں اپنی کتابیں مفت تقسیم کروا رہے ہو، حتیٰ کہ پاکستانی اخبار مراسلہ کی شکل میں بھی یہ بات کہنے کی جرأت نہیں رکھتے، کیونکہ ہماری حکومت سعودیہ حکومت کی ولیفہ خوار ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

سُعود کے ہاتھوں مزارات کا انہدام

۱۲۰۶ھ میں محمد بن سعود کا بیٹا سعود احسا پر حملہ آور ہوا اور وہاں خونریزی اور

ہلاکت کا بدترین مظاہرہ کیا۔ عثمان بن بشر نجدی لکھتے ہیں:

ولما بلغ اهل الاحساء هذه الواقعة وقع في قلوبهم الروع
وخافوا خوفا عظيما. ثم رحل سعود وقصد ناحية الاحساء و
نزل على الماء المعروف بالودنية في الطف فاقام عليه اياما و
ليلة المكاتبات من اهل الاحساء يدعونه اليهم لبايعوه فارتحل
منها و سار الى الحساء و نزل على عين خارج البلد فظهر عليه اهلها
و بايعوه على دين الله و رسوله و السمع و الطاعة و دخل المسلمون
الاحساء و هدموا جميع ما فيه من القباب التي بنيت على
القبور و المشاهد فلم يتركوا لها اثرًا. له

۱ عثمان بن بشر نجدی، متوفی ۲۲۸۸ھ، عنوان المجدنی تاریخ مطبوعہ ریاض ج ۱ ص ۹۸

رجب اہل احساہ پر مظالم کی انتہا ہو گئی، تو ان کے دلوں میں سعود کی فوجوں کا زبردست رعب بیٹھ گیا اور وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہو گئے اور سعود نے احساہ کے پانی کے ذخیرہ پر مقام طف میں قبضہ کر لیا اور وہاں کافی دنوں تک قبضہ برقرار رکھا، یہاں تک کہ اہل احساہ کے سردار مجبور ہو کر سعود کے پاس آئے اور (ناچار) اس نے اہل احساہ کی طرف سے بیعت کی پیشکش کی۔ سعود شہر سے باہر ایک چشمہ کے پاس جا کر بیٹھا اور لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر نجدی افواج نے احساہ کا رخ کیا اور وہاں جس قدر مزارات پر گنبد بنے ہوئے تھے، ان سب کو گرا دیا اور شاہد کے تمام آثار کو مٹا دیا۔

اسی سال سعود نے حضرت امام حسن، حضرت طلحہ اور دیگر صحابہ کے مزارات کو بھی منہدم کر دیا اور اس سلسلہ میں بے شمار مسلمانوں کا بے دریغ قتل عام کیا۔ عثمان بن بشر نجدی لکھتے ہیں:

ثم نزل سعود على الجامع المعروف قوب الزبير فنهضت جميع القباب والمشاهد التي خارج سور البلد وضعت على القبور، و قبة الحسن وقبة طلحة ولم يبقوا لها اثر. ثم انها عيادت قبة طلحة والحسن بعد هدم الدرعية ثمان سعوداً امر على المسلمين ان يحشروا على قصر الدر بيهمة فهدموا وقتلوا اهله. د پھر سعود جامع زبیر پر حملہ آور ہوا اور جامع مسجد کے قریب جس قدر مزارات کے گنبد تھے اور شہر کے باہر جس قدر مزارات کے گنبد اور آثار تھے، وہ سب منہدم کر دیے حتیٰ کہ امام حسن اور حضرت طلحہ کے مزارات کے گنبد بھی گرا دیے اور ان کی قبروں کا کوئی نشان تک نہیں چھوڑا۔ استقبو طلحہ کے بعد حضرت طلحہ اور امام حسن کے مزارات پر پھر گنبد بنا دیے گئے تھے سعود نے دوبارہ نجدی فوجوں کو حکم دیا کہ در بھیمہ کے قصر پر تلے لڑیں انہوں نے دوبارہ تمام قبروں کو منہدم کر دیا اور ان حامیوں کو قتل کر ڈالا۔

عثمان بن بشر نجدی، متونی ۲۲۸۸ھ، عنوان المجدنی تاریخ نجد، مطبوعہ ریاض ج ۱، ص ۱۳۲

ابن سعود کا انتقال

سردار حسنی لکھتے ہیں: محمد ابن سعود کا انتقال ۱۷۶۲ء میں ہوا اور اس کا بیٹا عبدالعزیز جانشین ہوا۔ باپ کے وقت یہ بڑا مستعد مجاہد تھا۔ خود امیر ہونے پر سال میں چھ چھ مرتبہ غزوات کرتا رہا، اس کا بیٹا سعود باپ سے بھی زیادہ گرم جوش ثابت ہوا۔ اس نے اپنے والد کی اجازت کے بغیر ہی نجف اشرف اور کربلا معلیٰ پر حملے کیے اور وہاں کے مزارات مقدسہ کو تروبالا کر دیا۔ لوٹ اور غارت کا تو کچھ حساب ہی نہیں تھا۔ ان مقامات پر اہل نجد کی طرف سے بے حد بداعتدالیاں اور گستاخیاں سرزد ہوئیں۔ ۱۸۰۲ء بمطابق ۱۲۱۸ھ میں ایک شیعہ درعیہ میں آیا اور جب کہ سلطان عبدالعزیز مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا، اس کو قتل کر دیا۔

کربلا میں وہابیوں کے مظالم کی تفصیل

مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں: اور اس سال ۱۲۱۴ھ سعود تمام نجد، حجاز اور تھامہ سے ایک لشکر جبر لے کر کربلا کے ارادہ سے چلا اور بلد المحسین کے باشندوں پر حملہ کیا۔ یہ یقینہ کا واقعہ ہے مسلمانوں نے اس پر دھاوا بول دیا، اس کی دیواروں پر چڑھ گئے اور زبردستی (عنوة) داخل ہو گئے اور اکثر باشندوں کو گھروں اور بازاروں میں تہ تیغ کر دیا اور اس قبۃ کو جو ان کے اعتقاد کے مطابق حسین علیہ السلام کی قبر پر بنا گیا ہدم کر دیا۔ قبۃ اور اس کے آس پاس اور چڑھاوے کی تمام چیزیں لے لیں۔ قبۃ زمرد، یاقوت اور جواہر سے آراستہ تھا اور اس کے علاوہ شہر میں جو کہ مال ممتاع تھا دہتھیار، لباس، سونا، چاندی، قیمتی مصاحف اور بیشمار چیزیں، ملا، سب لے لیا اور شہر میں ایک پہر سے زیادہ نہیں ٹھہرے اور ظہر کے وقت تمام مال لیکر وہاں سے نکل آئے اور اس کے باشندوں میں سے تقریباً دو ہزار آدمی قتل کیے گئے۔

۱۷ سید سردار محمد حسنی: بی اے آنرز: سوانح حیات سلطان ابن سعود، ص ۴۴، ۴۳

۱۸ مسعود عالم ندوی: محمد بن عبدالوہاب، ص ۷۷

عثمان بن بشر نجدی لکھتے ہیں؛

(ثم دخلت السنة السارسة عشر بعد المائتين والالف) وفيها
 سار سعود بالجيوش المنصورة والخيل والعتاق المشهورة من
 جميع حاضرت نجد وباديتها والجنوب والحجاز وتهامة وغير ذلك
 وقعد ارض كوربلا ونازل اهل بلد الحسين. وذلك في ذي القعدة
 فحشد عليها المسلمون وتسوروا حدرانها ودخلوها عنوة وقتلوا
 غالب اهلها في الاسواق والبيوت، وهدموا القببة الموضوعة بزعم
 من المتقد فيها على قبر الحسين واخذوا النصيبة التي وضعوها
 على القبر وكانت مرصوفة بالزمرد والياقوتين والجواهر واخذوا
 جميع ما وجدوا في البلد من انواع الاموال واسلح واللباس
 والفراش والذهب والفقرة والمصاحف الثمينة وغير ذلك ما
 يعز عند المحصر ولم يلبثوا فيها الا ضحوة وخرجوا عنها قرب الظهر
 بجميع تلك الاهوال وقتل من اهلها قريب الف رجل.

(۱۲۱۶ھ میں سعود اپنی طاقتور فوجوں اور گھڑسوار لشکرِ حجاز اور تمام نجدی غارتگروں کو ساتھ
 لے کر سرزمینِ کربلا پر حملہ آور ہوا اور ذیقعدہ میں نجدی سوراؤں نے بلدِ حسین کا محاصرہ کر لیا اور تمام
 گلیاں اور بازار ابالیان شہر کی لاشوں سے پٹے پڑے تھے۔ قبل عام سے فارس ہونے کے بعد
 انہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کے قتبہ کو منہدم کر دیا۔ روضہ کے اوپر جو زمزم پیر ہے
 جو اسرات اور یا قوت کے جو نقش و نگار بنے ہوئے تھے، وہ سب لوٹ لیے۔ اس کے علاوہ شہر
 میں لوگوں کے گھروں میں جو مال و متاع، اسلحہ، کپڑے حتیٰ کہ چار پائیوں سے بستر تک اتار لیے اور یہ
 سب مال و متاع لوٹ کر تقریباً دو ہزار مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار کر نجد واپس لوٹ گئے۔)

۱ عثمان بن بشر نجدی، متوفی ۱۲۸۸ھ، عنوان المجد فی تاریخ نجد مطبوعہ ریاض ج ۱ ص ۱۲۲/۱۲۱

طائف میں غارت گری کے بارے میں عثمان نجدی لکھتے ہیں:

فاجتمعت تلك الجموع عند عثمان فساروا من قحطان وسار
اليه غير ذلك من عتيبة وغيرهم فاجتمعت تلك الجموع عند عثمان
فساروا الى الطائف وفيها غالب الشريف وقد تحصن فيها وتأهب
واستعد لمحرجهم فنازلهم تلك الجموع فيها فالقى الله في قلب الرعب
والهزيمة الى مكة وترك الطائف فدخله عثمان ومن معه من الجموع
وفتح الله لهم عنوة بغير قتال وقتلوا من اهله في الاسواق
والبيوت نحو مائتين واخذوا من الاهوال من البلد اثمانا وامتاعا
وسلاحا وقماشاً وشيئا من الجواهر واسلح المثمنا ما لا يحيط
به الحصر ولا يدركه العد وضبط عثمان البلد وسلمت له جميع
نواحير وباديه وجمع الاخماس وبعثوها لعبد العزيز فقرر ولاية
عثمان للطائف واستعمله اميرا عليها وعلى الحجاز له
دسعود نے اپنے ایک کمانڈر عثمان کو سرزمین طائف کو لوٹنے پر مامور کیا۔ طائف
کا امیر غالب شریف قلعہ بند ہو گیا۔ نجدیوں نے اس پر عرصہ حیات تنگ کر دیا، یہاں تک
کہ وہ جان بچا کر مکہ کی طرف نکل بھاگا۔ عثمان نے طائف کی گلیوں اور بازاروں کو مسلمانوں
کی لاشوں سے بھر دیا اور دو سو سے زیادہ مسلمانوں کو قتل کیا اور طائف کے گھروں سے
مال و متاع، سونا، چاندی، اسلحہ اور تمام قیمتی اشیاء جن کا شمار بیان سے باہر ہے،
ٹوٹ کر نجدیوں میں تقسیم کیا اور اس کا پانچواں حصہ عبد العزیز کے پاس بھیجا جس کے صلہ
میں اس کو طائف اور حجاز کا امیر مقرر کر دیا گیا۔

۱۔ عثمان بن بشر نجدی، متوفی ۲۸۸ھ، عنوان المجد فی تاریخ نجد، ص ۱۲۳، ج ۱

یہ ان لوگوں کی سیرت اور کردار کی ایک ہلکی سی جھلک ہے جن کو محمد بن عبدالوہاب نے بزعیم خود کتاب و سنت کے سانچے میں ڈھال کر تیار کیا تھا۔ فی اللادست۔

مکہ اور طائف کی فتح کے بعد سعود کی کارگزاری ملاحظہ فرمائیے۔ عثمان نجدی لکھتے ہیں:

ثم ان سعوداً والمسلمين رحلوا من العقيق ونزلوا المفاصل
فاحرموا منها بجمرة ودخل سعود مكة واستولى عليها
واعطى اهلها الامان وبذل فيها من الصدقات والعطاء
لاهلها شيئاً كثيراً، فلما فرغ سعود والمسلمون من الطوائف
والسعي فرق اهل النواحي يهدمون القباب التي بنيت على
القبور والمشاهد الشركية۔

(پھر سعود اپنے ساتھیوں کو لے کر مقام عقیق سے روانہ ہوا اور مفاصل پر اتر کر عمرہ کا احرام باندھا، مکہ میں داخل ہو کر اہل مکہ کو امان دی اور زبرد کثیر خرچ کیا۔ عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد سعود اور اس کے تمام نجدی ساتھیوں نے مکہ کے تمام مزارات سے گنبد گرا دیئے اور متبرک مقامات کی تمام علامات کو مٹا دیا۔)

عبدالعزیز بن سعود کے عہد حکومت کا خلاصہ

عبدالعزیز بن سعود کے دور حکومت کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے ایک دیہی عالم لکھتے ہیں:

عبدالعزیز محمد بن سعود نے ۱۱۶۵ھ / ۱۱۶۹ھ سے ۱۱۸۰ھ / ۱۲۱۸ھ تک کل انتالیس سال حکومت کی اور اس حکومت کا بیشتر حصہ خود شیخ الاسلام کی نگرانی میں گزارا۔ ۱۱۶۲ھ / ۱۲۰۶ھ تک عبدالعزیز نے نمایاں حیثیت تو اپنے والد ہی کے عہد میں حاصل

۱۔ عثمان بن بشر نجدی، متوفی ۱۲۸۸ھ، عنوان المجد فی تاریخ نجد، ج ۱، ص ۱۲۳

کر لی تھی اور تمام اہم معرکے (۱۹۲۲ء/۱۱۵۹ھ سے ۱۹۶۵ء/۱۱۷۹ھ تک) اسی کی قیادت میں سر ہوئے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے اس کے دورِ حکومت میں تمام اہم لڑائیاں اس کے ولی عہد سعود بن عبدالعزیز کی سرکردگی میں لڑی گئیں۔ اس پر امیر عبدالعزیز نے خود شیخ الاسلام کی محبت اٹھائی تھی، اس لیے تبلیغ و دعوت کا شوق اس کے دل و دماغ میں سما یا ہوا تھا، جو علاقہ فتح ہوتا تھا، وہاں سب سے پہلے مبلغین اور متطوعین کا تقرر کرتا۔
اس خلاصہ سے غالباً قارئین کرام پر واضح ہو گیا ہو گا کہ شیخ نجدی کس طرح تلوار کے زور پر علاقے پر علاقے فتح کر کے بے چارے مسلمانوں کو جبر و اکراہ سے اپنے عقائد میں ڈھالتا چلا گیا۔

سعود بن عبدالعزیز

شیخ نجدی کی طویل زندگی میں نجد کے تین سردار سر ریائے سلطنت ہوئے۔ محمد بن سعود متوفی ۱۹۶۵ء/۱۱۷۹ھ، عبدالعزیز محمد بن سعود ۱۷۶۵ء/۱۱۷۹ھ تا ۱۸۴۲ء/۱۲۸۲ھ اور سعود بن عبدالعزیز ۱۸۰۳ء/۱۲۱۸ھ تا ۱۸۴۲ء/۱۲۲۹ھ، نجد کے یہ تینوں سردارانہائی ظالم اور سفاک تھے، ان کے مظالم دیکھ کر ہلاک و اور چنگیز خاں بھی رحم دل معلوم ہوتے ہیں۔ ان ظالموں نے نہتے مسلمانوں کی شہ رگ پر تلوار کی نوک رکھ کر شیخ نجدی کے مشن کو پورا کیا اور دھڑا دھڑ لوگوں کی گردنیں اٹاتے چلے گئے، ان کے اموال کو اپنی ملک اور ان کی آبرو کو لونڈیاں بناتے چلے گئے۔

سعود بن عبدالعزیز کی ولی عہدی کے بارے میں ندوی صاحب کہتے ہیں،

لے سعود عالم ندوی : محمد بن عبدالوہاب، ص ۸۲/۸۳

لے سردار محمد حسنی نے یہی لکھا ہے لیکن سعود عالم ندوی نے جو سنین کی فہرست دی ہے۔ اس سے سمجھتا ہے کہ شیخ نجدی، سعود کے جانشین ہونے سے پہلے مر گیا تھا (قادی غفرلہ)

امیر عبدالعزیز کی شہادت کے بعد اس کا بیٹا سعود امیر مقرر ہوا۔ سعود کے لیے امارت کی بیعت شیخ الاسلام کی زندگی ہی میں ان کی ایما سے لے جا چکی تھی لہٰذا سردار حسنی اس موضوع پر لکھتے ہیں:

سعود پندرہ برس پیشتر اپنے والد کا جانشین قرار پا چکا تھا، چنانچہ محمد بن عبدالوہاب کی مدد اور عوام کے دوبارہ انتخاب سے سعود امام نجد قرار پایا۔ شیخ محمد عبدالوہاب اب تک زندہ تھے سعود بن عبدالعزیز کے کارنامے اور اپنے معتقدات کی اشاعت کو روز افزوں ترقی پر دیکھ رہے تھے۔ سعود نے عرب کے دور دراز صوبوں پر تکتازیاں کیں اور اپنی سلطنت کو وسیع کیا۔ وہ یمن اور عسیر سے لے کر عمان، الحما اور شمار تک پہنچا۔ آخر کار ۱۸۰۱ھ میں وہ بحیثیت فاتح مکہ مکرمہ میں داخل ہو گیا، لیکن شیخ محمد بن عبدالوہاب اس واقعہ سے دس برس پیشتر یعنی ۱۷۹۱ء مطابق ۱۲۰۶ھ میں فوت ہو گئے تھے لہٰذا

قارئین کرام ہم نے چونکہ اس باب میں صرف شیخ نجدی کی زندگی کے حالات قلمبند کرنے تھے، اس لیے سعود بن عبدالعزیز کے تاریخی مظالم پڑھنے کے لیے آئندہ ابواب کا انتظار فرمائیں۔

شیخ نجدی کی موت

ایک نجدی عالم شیخ نجدی کی موت کے بارے میں لکھتے ہیں:

شوال ۱۲۰۶ھ میں ایک بیماری کے عارضہ نے شیخ الاسلام کو بسترِ علالت پر لٹا دیا وہ شخص عجزِ زندگی بھر طلباء کے ہجوم میں چمکتا رہا، علمی جاہلیت کی، بارش برساتا رہا۔ آج ایک خوفناک مرض کے ہاتھوں مجبور ہو کر گھر کے ایک کونے میں پابند ہو گیا تھا۔ ذیقعد کے آخری دن ۲۲ جون ۱۷۹۲ء کو علمِ ذمیل کا یہ آفتاب غروب ہو گیا، لیکن ان کی فکری توانائیاں،

محمد بن عبدالوہاب، ص ۸۵

لہٰذا سعود عالم ندوی :

سوانح حیات سلطان عبدالعزیز آل سعود، ص ۲۲

لہٰذا سید سردار محمد حسنی، بی اسے آنند :

باب

شیخ نجدی کی دعوت اور
اس کی حقیقت

شیخ نجدی کی دعوت متعدد نکات پر پھیلی ہوئی ہے، ان تمام پر گفتگو کرنا اس ایک باب میں ممکن نہیں ہے۔ شیخ نجدی نے جس نئے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دی اور اس دعوت کے منکرین کو کافر اور واجب القتل قرار دیا۔ اس فتنہ کار دکر کرنے کے لیے اسی وقت علماء اسلام کھڑے ہوئے تھے اور فتنہ نجدیت کے ظہور سے لے کر آج تک اس فتنہ کے ابطال کے لیے اہل اسلام کے جملہ مکاتب فکر کے علماء نے متعدد کتابیں سپرد قلم کی ہیں ہم اس باب میں صرف تو تسل، شفاعت اور استمداد کے تین عنوانوں پر بحث کریں گے۔

تو تسل

تو تسل کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے شیخ نجدی لکھتے ہیں:

فان اعد الله لهم اعتراضات كثيرة على دين الرسل يصدون بها الناس عنه منها قولهم نحن لا نشرك بالله بل نشهد انه لا يخلق ولا يرزق ولا ينفع ولا يضرا الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عليه السلام لا يملك لنفسه نفعا ولا ضرا فضلا عن عبد القادر وغيره ولكن انا مذنب والصالحون لهم جاه عند الله واطلب من الله بهم. فجاوا به بما تقدم وهو ان الذين قاتلهم رسول الله صلى الله عليه وسلم مقرون بما ذكرت ومقرون او ثانهم لا تدبر شيئا وانما ارادوا الجاه والشفاعة به

لہ محمد بن عبدالوہاب نجدی، متوفی ۱۲۰۶ھ، کشف الشبهات ص ۳۱، ۳۲

دشمنانِ خدا کے دینِ رسول پر متعدد اعتراضات ہیں جن کی بنا پر وہ لوگوں کو صحیح دین پہنچانے سے روکتے ہیں، ان میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ دشمنانِ خدا کہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتے، بلکہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی خالق ہے، نہ رازق ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور ان باتوں میں خدا کا کوئی شریک نہیں ہے اور یہ کہ محمد علیہ السلام بھی اپنی ذات کے لیے کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں، چہ جائیکہ عبدالقادر یا کوئی اور شخص ہو، لیکن میں ایک گنہگار شخص ہوں اور صلحاء، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جاہ اور مرتبہ رکھتے ہیں، پس میں ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں۔ پس ان کو وہ جواب دو جو گزر چکا ہے کہ جن لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتال کیا، وہ بھی انہی چیزوں کا اقرار کرتے تھے اور یہ مانتے تھے کہ جن بتوں کی وہ پرستش کرتے ہیں، وہ کسی چیز کے خالق رازق وغیرہ نہیں ہیں اور وہ ان سے صرف شفاعت اور جاہ کا ارادہ کرتے تھے۔

اس بات کا خلاصہ یہ ہے کہ جو مسلمان انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جاہ و عزت اور مرتبہ کے قائل ہیں اور ان کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں، وہ تمام مسلمان کافر ہیں اور اسی طرح جہاد کرنا واجب ہے جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے ان کافروں اور بت پرستوں سے جہاد کیا تھا جو اپنے بتوں کی اللہ کے ہاں رسائی اور جاہ و مرتبہ کا اعتقاد رکھ کر ان کی عبادت اس لیے کرتے تھے تاکہ ان کے وسیلہ اور شفاعت سے ان کی مرادیں پوری ہوں۔

شیخ نجدی کی یہ عبارت مندرجہ ذیل نکات پر مشتمل ہے:

۱- انبیاء علیہم السلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت اور جاہ ثابت نہیں۔

۲- انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا وسیلہ پیش کر کے دعائیں مانگنا جائز نہیں۔

۳- انبیاء علیہم السلام کی عزت اور جاہ کے وسیلہ سے دعا مانگنا کفار سے مماثلت کی وجہ سے

کفر ہے۔

توسل میں مسلمانوں میں کفار کا فرق

سب سے پہلے ہم کفار سے مماثلت کے نکتہ پر بحث کرتے ہیں:

(الف) کفار جن بتوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت اور جاہ کا عقیدہ رکھتے

تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں ان کے لیے عزت اور جاہ کے حصول پر کوئی دلیل قائم

نہیں فرمائی، اس کے برخلاف انبیاء کے لیے اس مرتبہ کے حصول پر دلیل قائم فرمائی ہے۔

(ب) کفار جن بتوں کے بارے میں نفع پہنچانے اور ضرر دینے کا اعتقاد رکھتے تھے

حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کو یہ طاقت اصلاً عطا نہیں فرمائی۔ اس کے برخلاف انبیاء علیہم السلام

کو اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت عطا فرمائی ہے۔ ان دونوں اموروں کو ہم انشاء اللہ عنقریب

بادلائل وضاحت کریں گے۔

کفار جو بتوں کے بارے میں عزت و جاہ اور نفع و ضرر کا عقیدہ رکھتے تھے،

اس کے رد میں اللہ تعالیٰ کفار کے بارے میں حضرت ہود علیہ السلام کا قول نقل فرماتا ہے:

اتجاد لونی فی اسماء سمیتوہا انتم و اباؤکم ما نزل

اللہ بہا من سلطان۔

(کیا تم مجھ سے جھگڑا کرتے ہو، ان اسماء کے بارے میں جن کے تم نے اور تمہارے

باپ دادا نے نام رکھ لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حیثیت پر کوئی دلیل قائم

نہیں فرمائی،)

علامہ ابن کثیر اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ای اتحاجونی فی هذه الاصنام التي سمیتوہا انتم و اباؤکم

الہمة ولا تضرو ولا تنفع ولا جعل اللہ لکم عبادتھا حجتا

ولادلیلہ

دیکھا تم مجھ سے ان بتوں کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے معبود مان لیا ہے جو نہ نفع دینے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ضرر کی اور نہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت پر کوئی حجت اور دلیل قائم کی ہے۔

علامہ ابن کثیر کی اس تفسیر سے واضح ہو گیا کہ کفار کا بتوں کے لیے اللہ کی بارگاہ میں عزت و جاہ اور نفع اور ضرر کی طاقت کو ثابت کرنا بلا دلیل تھا۔

مسلمانوں کے انبیاء سے توسل کرنے میں اور کفار کے عمل میں دوسرا فرق یہ ہے کہ مسلمان باوجود یہ ماننے کے کہ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت و جاہ حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نفع اور ضرر کی قدرت عطا کی ہے، یہ اعتقاد رکھتے ہیں، مستحق عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لا شریک ہے، وہ انبیاء اور اولیاء کو مستحق عبادت یا اللہ نہیں قرار دیتے، بلکہ اس عقیدے کو کفر قرار دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف کفار بتوں کو نہ صرف یہ کہ بلا کسی دلیل کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت و جاہت اور نافع اور ضار مانتے ہیں، بلکہ ان کو مستحق عبادت سمجھتے ہیں اور یہ ملا ان کو الہ کہتے ہیں اور خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن کثیر کی تفسیر سابق سے بھی یہ بات واضح ہو چکی ہے اور ہم اس کے ثبوت میں قرآن کریم کی ایک نص قطعی پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

والذین اتخذوا من دونہ اولیاء ما نعبد الا لیتقربونا الی اللہ ذلفی۔

اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے مددگار بنا رکھے ہیں، وہ کہتے ہیں

کہ ہم ان بتوں کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب

کر دیں۔

۱۔ حافظ عماد الدین ابوالفداء اسماعیل بن کثیر القرشی، متوفی ۷۴۷ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۲۲۵

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ کفار بتوں کے ساتھ جو کچھ معاملہ کرتے تھے وہ عبادت کے عنوان سے کرتے تھے اور ان کو اپنا مستحق عبادت سمجھتے تھے اور یہ سب باتیں بلا دلیل ہیں۔ اور مسلمان جو انبیاء کرام کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت و جاہ کا عقیدہ رکھتے ہیں، اس پر بھی قرآن کریم میں دلیل موجود ہے، ان کو خدا کی دی ہوئی طاقت سے نافع اور ضار سمجھتے ہیں، اس پر بھی قرآن کریم میں حجت موجود ہے اور ان کے توسل سے جو دعائیں مانگتے ہیں، تو ان کو معبود یا مستحق عبادت یا خدا کا شریک سمجھ کر نہیں بلکہ خدا کا عبد مقرب سمجھ کر ان کے وسیلہ سے دعائیں کرتے ہیں اور اس پر بھی قرآن کریم میں دلیل موجود ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بارگاہِ الوہیت میں وجاہت

آیتے اب اس امر پر غور کرتے ہیں کہ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت اور وجاہت حاصل ہے یا نہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

وكان عند الله وجيها-

(اور حضرت موسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ذور وجاہت تھے)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے:

وجيها في الدنيا والاخرة-

(حضرت عیسیٰ السلام، اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اور آخرت دونوں میں ذور وجاہت ہیں)

اور حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وجاہت کا اندازہ

ان آیات سے لگائیے:

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين-

(اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا، مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر)

انبیاء سابقین علیہم السلام کے زمانہ میں کوئی قوم کفر و شرک کو نہ چھوڑتی، تو اس پر عذاب آجاتا، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور مقام ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ما كان الله ليعذبهم و انى فيهم

(اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ کافروں پر عذاب بھیجے، جبکہ آپ ان میں موجود ہیں۔) جب آپ کی خواہش ہوئی کہ کعبہ کو قبلہ بنا دیا جائے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

قد فرى تقلب وجهك فى السماء فلنولينك قبلة ترضاها۔
(بلاشبہ ہم دیکھ رہے ہیں، ہم البتہ ضرور اسی قبلہ کی طرف آپ کا منہ پھیر دیں گے جس کی طرف منہ کرنے پر آپ راضی ہیں)

تمام مسلمانوں کا نماز پڑھنے سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ خدا راضی ہو جائے، لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، آپ اس لیے نماز پڑھیں تاکہ آپ خدا سے راضی ہو جائیں۔ ارشاد فرمایا:

فصبح و اطراف النهار لعلك ترضى

(آپ صبح و شام نماز پڑھا کیجیے تاکہ آپ سے خدا تعالیٰ راضی ہو جائیں، ان آیات کے نزول کو دیکھ کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تھا:

ما رى ربك الا يسارع فى هواك له

(میں آپ کے رب کو نہیں پاتی، مگر اس حال میں کہ وہ آپ کی خواہش پوری کرنے میں بہت جلدی کرتا ہے) یہ چند آیات تو دنیا میں وجاہت کے بارے میں تھی۔ اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک وجاہت ملاحظہ فرمائیں:

عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا۔

لے محمد بن اسماعیل البخاری، المتوفى ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۲، ص ۷۶

(قریب ہے کہ رب تعالیٰ آپ کو مقام محمود عطا فرمائے گا)

نیز فرمایا: ولسوف يعطيك ربك فترضى -

(عنقریب آپ کا رب تعالیٰ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے)

آئیے اب احادیث صحیحہ کی روشنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کی

بارگاہ میں وجاہت ملاحظہ کیجیے =

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انا سيد ولد آدم يوم القيامة

ولا فخر وبیدی لواء الحمد ولا فخر وما من نبی یومئذ ادم فمن سواه

الاتحت لوائی (ترمذی)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سید

(سرور) ہوں گا اور مجھے اس پر فخر نہیں، حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور مجھے اس پر فخر

نہیں۔ آدم اور ان کے ماسوا تمام انبیاء اور رسل میرے ہی جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔)

ایک اور حدیث میں فرمایا:

الا وانا حبيب الله ولا فخر وانا حامل لواء الحمد يوم القيامة تحت

ادم فمن دونه ولا فخر وانا اول شافع واول مشفع يوم القيامة

ولا فخر وانا اول من يحدك حلق الجنة. فيفتح الله لي فيدخليها

ومعي فقراء المؤمنين ولا فخر وانا اكرم الاولين والاخرين على

الله ولا فخر. (ترمذی)

یاد رکھو! میں اللہ کا محبوب ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں اور روز قیامت حمد کا جھنڈا

اٹھاؤں گا، آدم اور ان کے ماسوا تمام نبی میرے جھنڈے تلے ہوں گے اور مجھے اس پر

فخر نہیں، میں ہی سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول

ہوگی اور مجھے اس پر فخر نہیں اور سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا اور اللہ

میرے لیے جنت کا دروازہ کھول دے گا اور میرے ساتھ فقرا مومنین ہوں گے اور مجھے اس پر فخر نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اولین و آخرین میں صعب سے زیادہ عزت و وجاہت والا ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔

ان دلائل کو پڑھنے کے بعد کیا کوئی شقی القلب یہ کہہ سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بالعموم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بالخصوص اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی عزت و وجاہت اور کوئی مرتبہ اور مقام حاصل نہیں ہے اور وہ کس قدر بد نصیب شخص ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور بت دونوں اس بات میں برابر ہیں کہ دونوں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی عزت و وجاہت حاصل نہیں ہے۔ کیا یہ لوگ بتوں کی عزت اور شان میں بھی ایسی آیات اور احادیث دکھا سکتے ہیں، حتیٰ کہ دونوں کو ایک پلڑے میں رکھا جاسکے۔

انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے نفع اور نقصان کی طاقت عطا کی ہے

جس دوسرے نکتہ پر شیخ نجدی نے بحث کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ نہ بتوں کو نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت حاصل ہے اور نہ انبیاء کو اور دونوں فریق اس امر میں ساری ہیں۔ آئیے دیکھیں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو نفع اور نقصان پہنچانے کی قدرت دی ہے یا نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتا ہے:

انک لتهدی الی صراط مستقیم
(بلا ریب آپ یقیناً صراط مستقیم کی طرف لوگوں کو ہدایت دیتے ہیں)

ما نعموا الا ان اعناهم الله ورسوله من فضله
(ان منافقین کو نہ بڑا لگا، مگر یہ کہ اللہ اور اس کے رسول نے مسلمانوں کو اپنے فضل سے غنی کر دیا)

لہ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ رسول اللہ کا فضل کہنا بھی جائز ہے۔ (تأبش قسوری)

زید بن حارثہ کے بارے میں فرمایا:

النعمة لله والنعمة عليه -

(اللہ نے بھی (زید بن حارثہ) پر انعام فرمایا اور آپ نے بھی انعام کیا۔)
ان تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین وصف ذکر فرماتے ہیں، ہدایت دینا، غنی کرنا، انعام فرمانا۔ اب کوئی بتلائے کہ اگر ہدایت دینا، غنی کرنا اور انعام سے سرفراز کرنا، نفع پہنچانا نہیں ہے تو اور کس بلا کا نام نفع پہنچانا ہے اور آئیے اب دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو ضرر پہنچانے کی قدرت دی ہے یا نہیں؟

والذین یؤذون رسول اللہ لہم عذاب الیم

(جو لوگ رسول اللہ کو تکلیف دیتے ہیں، ان کو دردناک عذاب ہوگا)

ایک اور مقام پر فرمایا:

ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا

والآخرة واعد لہم عذابا الیما۔

(بلا ریب جو لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے رُسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے)

اور اس سے بھی زیادہ وضاحت اس حدیث میں ملاحظہ فرمائیں، امام بخاری اپنی صحیح

میں روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں نماز پڑھ رہے

تھے ابو جہل اور دیگر منادید قریش اس پاس بیٹھے تھے، ان میں سے کسی نے کہا: فلاں شخص کے

ہاں اونٹنی ذبح ہوتی ہے، اس کی آلاتش (جیلی) کوئی شخص لے آئے اور جب یہ سجدے میں

جائیں، تو ان کی پشت پر رکھ دی جاتے۔ پس سب سے زیادہ بد نصیب شخص (عتبہ بن ابی معیط)

اٹھا اور عین سجدہ کی حالت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک پر وہ آلاتش رکھ دی۔

عبداللہ بن مسعود اپنی صغیر سنی کے باعث کچھ نہ کر سکے اور خبثتِ ایک دوسرے کو دیکھ کر اشارے کرتے اور مذاق اڑاتے، حتیٰ کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فدا ہا نفسی و ابی و امی تشریف لائیں اور کمال بے جگری سے وہ آتش اٹھا کر پھینکی اور کفار کو بُرا بھلا کہا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر ان کافروں کا نام لے لے کر ان کی ہلاکت کی دعا فرمائی اور ارشاد فرمایا: اے اللہ! جو جہل کو ہلاک کر، عقبہ بن ربیعہ کو ہلاک کر، شیبہ بن ربیعہ کو ہلاک کر، امیہ بن خلف کو ہلاک کر اور عقبہ بن ابی معیط کو ہلاک کر۔ راوی کہتا ہے ساتواں ایک اور نام لیا تھا جو مجھے یاد نہ رہا (وہ عمارہ بن ولید بن مغیرہ تھا) عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں قسم ہے اس رب الجلال کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جن تمام لوگوں کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لیا تھا، میں نے ان سب کو بدر کے کنوئیں میں بے جان اور نہ چاڑھے ہوئے دیکھا تھا۔ کیا اس صریح حدیث کے بعد بھی شیخ نجدی کے متبعین یہ کہیں گے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مخالفین کو ضرر پہنچانے کی قدرت عطا نہیں کی؟ ان دلائل کو پیش کرنے کے بعد ہم شیخ نجدی کے متبعین سے پوچھتے ہیں کہ کیا بتوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے نفع اور ضرر کی ایسی ہی طاقت دی ہے، کیا ان کے بارے میں نفع پہنچانے اور ضرر دینے کے بارے میں بھی اسی قسم کی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ پھر شیخ نجدی کا عدم نفع و ضرر میں انبیاء علیہم السلام اور بتوں کو ایک پلڑے میں رکھنا، حتیٰ کہ یا باطل، کفر ہے یا ایمان، تعصب ضد اور عناد چھوڑ کر اپنے ضمیر سے سوال کیجئے اور دیکھئے اگر آپ کے ضمیر میں زندگی ہے تو وہ کیا جواب دیتا ہے؟ جب یہ حقیقت ظاہر ہو گئی کہ انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ اقدس میں عزت اور مقام جہاں اور مرتبہ بھی دیا ہے اور ان کو نفع اور نقصان کی طاقت بھی دی ہے تو آیتے اب دیکھیں کہ ان کے وسیلہ سے دُعا مانگنے کے لیے قرآن کریم میں ہدایت ہے یا نہیں۔

اللہ کریم قرآن مجید میں فرماتا ہے:

لے محمد بن اسماعیل البخاری، المتوفی ۲۵۶ھ، صحیح بخاری ج ۱، ص ۳۸/۳۷

وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا فلما جاءهم ما عرفوا كفروا به فلعنة الله على الكافرين .

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہود کفار سے مقابلہ اور جنگ کی صورت میں حضور کا وسیلہ لے کر اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعا کیا کرتے تھے اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو انہوں نے حضور کو نہ پہچانا اور آپ کا کفر اور انکار کیا پس اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کفار پر (اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دُعا مانگنے پر یہود کو ملامت نہیں کی، بلکہ حضور کے وسیلہ سے دُعا مانگنے پر ان کو کفار کے خلاف فتح پر فتح عطا فرماتا رہا، البتہ جب انہوں نے اللہ کریم کے اس انعام کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی اور ان پر لعنت فرمائی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دُعا مانگنے کے بارے میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں چند حوالے ملاحظہ ہوں۔ علامہ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

عن ابن عباس ان يهودا كانوا يستفتحون على الاوس والنخزج برسول الله صلى الله عليه وسلم قبل مبعثه فما بعثه الله من العرب كفروا به ووجدوا ما كانوا يقولون فيه، فقال لهم معاذ بن جبل وبشر بن البراء بن معرور وداؤد بن سلمة يا معشر يهود اتقوا الله واسلموا فقد كنتم تستفتحون علينا بمحمد صلى الله عليه وسلم ونحن اهل الشرك وتخبرونا بانه مبعوث وتصفونه بصفته فقال سلام بن مشكم اخو بني النضير ما جاءنا بشئ نعرفه وما هو الذي كنا نذكر لكم فانزل الله في ذلك من قولهم .

لہ حافظ اسماعیل بن کثیر، متوفی ۷۷۴ھ / تفسیر ابن کثیر ج ۱، ص ۱۲۴

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور کی بعثت سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اوس اور خزرج کے خلاف فتح کی دعائیں کرتے تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، تو انہوں نے آپ کی نبوت کا انکار کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے مانگی ہوئی سابقہ دعاؤں کا انکار کر دیا تو معاذ بن جبل، بشر بن بربر اور داؤد بن سلمہ نے کہا: اے جماعت یہود خدا سے ڈرو اور اسلام لے آؤ جب ہم مشرک تھے، تو تم ہمارے خلاف حضور کے وسیلہ سے دعائیں مانگا کرتے تھے اور ہم کو بتلایا کرتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب مبعوث ہوں گے اور حضور کی ایسی صفات ہوں گی اس کے جواب میں یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر سے سلام بن مشکم نے کہا کہ حضور ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں لائے جس کو ہم پہچانتے ہوں، یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کا ہم تم سے ذکر کیا کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی:

علامہ رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان اليهود من قبل مبعث محمد علیہ السلام ونزول القرآن
كانوا يستفتحون ای یسئلون الفتح والنصرة وكانوا يقولون اللهم
افتح علينا والنصرنا بالنبی الامی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزولِ قرآن سے پہلے یہود حضور اکرم کے توسل سے دعائیں مانگتے تھے اور یوں کہتے تھے اے اللہ نبی امی کے توسل سے ہم کو فتح اور نصرت عطا فرما! یہ ابن عباس کی روایت ہے۔

اور علامہ آلوسی نے یہود کی دعا کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

اللهم اننا نسئلك بحق نبيك الذي وعدتنا ان نبهنا في اخر
الزمان ان تنصرونا اليوم على عدونا فيتصرون.

۱۔ لام مخزالدین رازی متوفی ۶۰۶ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۰۴، السید محمد آلوسی متوفی ۱۱۲۰ھ، شرح المعانی ج ۱ ص ۳۲

اے اللہ ہم تجھ سے تیرے اس نبی کی جاہ اور حرمت کے وسیلہ سے سوال کرتے ہیں جس کی بعثت کا تو نے ہم سے آخری زمانہ میں وعدہ کیا ہے کہ تو ہمیں بہکے دشمنوں کے خلاف مدد عطا کر، پس ان کو مدد دی جاتی۔

قرآن کریم کی آیات مبارکہ اور مفسرین کرام کے ان حوالوں سے ثابت ہو گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دعا مانگنا جائز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس مقام پر یہ شبہ کیا جائے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل کا واقعہ ہے۔ تو ہم قارئین کرام کی خدمت میں حدیث شریف سے دو حوالے پیش کرتے ہیں جن سے ظاہر ہو جائے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ کی حیات مبارکہ میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ہر دو صورتوں میں حضور کے وسیلہ جلیلہ سے دعائیں مانگنا جائز ہے۔

توسل کا ثبوت احادیث سے

قرآن کریم کی آیہ مبارکہ اور اس کی تفسیر میں مستند مفسرین کے حوالوں کے بعد توسل کے ثبوت میں دو حدیثیں ملاحظہ ہوں:

امام ابن ماجہ اپنی سنن میں اور امام ترمذی اپنی جامع میں بیان فرماتے ہیں:

عن عثمان بن حنیف ان رجلا ضربوا لبصراقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادع الی اللہ لی ان یعافینی فقال ان شئت دعوت فقال ادعه فامرہ ان یتوضؤ فیحسن وضوءہ ویصلی رکعتین ویدعوا بہذا الدعاء اللهم انی اسئلك واتوجه الیک بمحمد بنی الرحمة یا محمد انی قد توجہت بک الی ربی فی حاجتی هذه لتقضى اللهم فشفه فی قال ابواسحق هذا حدیث صحیح لہ (وقال الترمذی هكذا حسن صحیح -)

لہ ابو عبد اللہ شریف ابن ماجہ متوفی ۲۴۳ھ، سنن ابن ماجہ / ص ۲۹۹، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ جامع ترمذی ص ۱۵۵

حضرت عثمان بن حنیف بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ دعا کیجئے، اللہ تعالیٰ مجھے عافیت دے۔ آپ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو اس کو ملتوی رکھوں اور یہ زیادہ بہتر ہے اور اگر تم چاہو تو دعا کر دوں۔ اس نے عرض کیا دعا ہی کر دیجئے۔ آپ نے اس کو حکم دیا جا کر اچھی طرح وضو کر دو، دو رکعت نماز پڑھو اور اس طرح دعا مانگو: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے حضور محمد نبی رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے توسل سے متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو۔ اے اللہ! تو حضور کی میرے بارے میں شفاعت قبول فرما (ابن ماجہ کہتے ہیں) ابواسحق نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس حدیث سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں توسل کا صراحتاً جواز ثابت ہوا اور چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے ساتھ مقید نہیں فرمایا، اس لیے یہ اپنے عموم اور اطلاق کے اعتبار سے بعد الوصال توسل پر بھی دلالت کرتی ہے۔ نیز امام بیہقی نے عثمان بن حنیف کی اسی روایت کے تحت بیان فرمایا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان کے دورِ خلافت میں ایک شخص کی حاجت پوری نہیں ہوتی تھی تو انہوں نے اس کو یہی دعا پڑھنے کی تلقین فرمائی، چنانچہ علامہ سبکی بیہقی کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں:

عن عثمان بن حنیف ان رجلاً کان یختلف الی عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ فی حاجة له فکان عثمان لا یلتفت الیه ولا ینظر فی حاجة فلقی ابن حنیف فشا ذلک الیه فقال له عثمان بن عفان ایت المیضاة فتوضا ترایت المسجد فصل فیہ رکعتین ثم قل اللهم انی اسئلك والتوجه الیک نبیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمة یا محمد انی التوجه الیک الربک فیقضی حاجتی وقد کبر حاجتک الحدیث۔ لہ

لہ شیخ تقی الدین سبکی، شفاء السقام ۱۶۱

(حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربارِ خلافت میں کسی کام سے جاتا تھا، وہ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے، اس کی عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوتی تو انہوں نے کہا کہ جا کر وضو کرو، پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھو، پھر اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگو، اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں محمد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے توجہ ہوتا ہوں اے محمد میں آپ کے وسیلہ سے اللہ کی بارگاہ میں اپنی اس ضرورت کے پورے ہونے کے لیے توجہ ہوتا ہوں، پھر تم اپنی حاجت کا ذکر کرنا۔ الخ

صحابہ سے لے کر آج تک امتِ مسلمہ کے تمام اکابر اور مستند علماء اور فقہاء اسلام جوازِ توسل کے قائل رہے ہیں اور اس پر ان کا عمل رہا ہے۔ اگر ہم ان کے تفصیل وار حوالے پیش کریں، تو بحث طویل ہو جائے گی، تاہم اس اجمال سے یہ بات بہر حال ظاہر ہو جاتی ہے کہ شیخ نجدی نے وسیلہ سے دُعا مانگنے کو کفر قرار دے کر تمام امتِ مسلمہ کو کافر قرار دیا۔

شفاعت

جمہورِ امتِ مسلمہ کا عقیدہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مطلقاً شفاعت کا اذن دے دیا ہے اور اب کسی کی شفاعت کرنے کے لیے حضور کو اذنِ خاص کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہ گار افرادِ امت کے لیے شفاعت کا حکم دیا گیا ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی حیاتِ مقدسہ میں اور بعد از وصال ہر دو صورتوں میں شفاعت طلب کرنا جائز ہے، جائز ہی نہیں بلکہ سعادت ہے۔

اس کے برخلاف شیخ نجدی کا عقیدہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا مرتبہ دیا گیا ہے، لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے مخصوص اذن کے بغیر کسی شخص کی

شفاعت نہیں کر سکتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرنا صرف ممنوع ہی نہیں بلکہ کفر ہے، جس کے بعد شفاعت طلب کرنے والے کا قتل کرنا اور اس کا مال لوٹنا مباح ہو جاتا ہے۔

مسئلہ شفاعت میں شیخ نجدی کا موقف اور اس کا بطلان

اجمالی طور پر ہم سطور سابقہ میں مسئلہ شفاعت میں شیخ نجدی کا موقف بیان کر چکے، اب ہم ان کی اپنی تصریحات سے اس مسئلہ کو بیان کرتے ہیں:

ولا يشفع في احد الامن بعد ان باذن الله فيه. ۱۰

(اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کسی کے لیے شفاعت نہیں کر سکے گا،

ولا يشفع النبي صلى الله عليه وسلم ولا غيره في احد حتى ياذن الله فيه ۱۱

(اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی اور شخص اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کسی کے لیے شفاعت کر سکے گا،

فان قال قال النبي صلى الله عليه وسلم اعلى الشفاعة وانا اطلبه

مما اعطاه الله فالجواب ان الله اعطاه الشفاعة ونهاك عن هذا فقال

فلا تدعوم مع الله احدا فاذا كنت تدعو الله ان يشفع نبية فيك فالمرح

في قوله (فلا تدعوم مع الله احدا) وايضا فان الشفاعة اعطيها غير

النبي صلى الله عليه وسلم فصح ان الملائكة يشفعون والاولياء يشفعون

والافراط يشفعون تقول ان الله اعطاهم الشفاعة فاطلبها منهم فان

قلت هكذا رجعت الى عبادة الصالحين التي ذكر الله في كتابه وان

قلت لا يطل قولك المحطاه الله الشفاعة وانا اطلبها اعطاه الله ۱۲

کشف الشبهات ص ۳۶

۱۰ محمد بن عبدالوہاب نجدی، متوفی ۱۲۰۶

۱۱ " " " ۳۷

" " " " ۱۱

" " " " " "

" " " " " "

(اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت دی گئی ہے، اس لیے میں آپ سے اس شفاعت کو طلب کرتا ہوں جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو شفاعت عطا کی ہے اور تم کو حضور سے شفاعت طلب کرنے سے روک دیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو، علاوہ ازیں حضور کے علاوہ فرشتے، اولیاء اور کسبے بچے بھی شفاعت کریں گے، تو کیا تم یہ کہو گے کہ ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے شفاعت عطا کر دی اور میں ان سے شفاعت طلب کرتا ہوں، تو یہ صالحین کی عبادت کے مترادف ہے یا یہ کہو گے کہ نہیں تو تمہارا یہ قول باطل ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت عطا کی ہے اور میں آپ سے اس شفاعت کو طلب کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے۔

شیخ نجدی کا یہ قول بوجہ باطل ہے؛

(الف) شیخ نجدی کا یہ قول بلا دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور سے شفاعت طلب کرنے سے منع کر دیا ہے۔ قرآن و حدیث میں کوئی نص نہیں ہے جس کا مناد یہ ہے کہ حضور سے شفاعت نہ طلب کی جائے شیخ نجدی نے اپنے دعوے کے ثبوت میں جو یہ آیت پیش کی ہے فلا تدعوا مع اللہ احد اس کا شفاعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو اور شفاعت طلب کرنا عبادت نہیں ہے، ورنہ حضور اکرم کی حیات میں آپ سے شفاعت طلب کرنا اور عرصہ محشر میں انبیاء کرام سے شفاعت طلب کرنا بھی عبادت قرار پا کر ممنوع ہوتا اور شفاعت کی قسم نہ صرف یہ کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، بلکہ شیخ نجدی کو بھی تسلیم ہے، چنانچہ لکھتے ہیں؛

فاستغاثتهم باہ بنیاریوم القیامة یریدون منهم ان
یدعوا للہ ان یحاسب الناس حتی یستریح اهل الجنة من کوف الموقف
وهذا جائز فی الدنیا والآخرۃ وذلك ان تاتی عند رجل صالح

فی بجا ملک ویسمع کلامک فتقول ادع الله لی کما کانوا اصحاب رسول
الله صلی الله علیہ وسلم یسلمونہ ذلک فی حیاته - واما بعد موتہ
فحاشا کلا انہم ساکونہ ذلک عند قبرہ بل انکرا سلف الصالح علی
قصد دعاء الله عند قبرہ کیف بدعائہ بنفسہ ۛ

مخلوق کا عرصہ محشر میں انبیاء کرام سے مدد طلب کرنا اس پر محمول ہے کہ وہ ان سے عرض
کریں گے کہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان سے جلدی حساب لے لے اور حشر
کی تکلیفوں سے نجات ملے اور یہ دنیا اور آخرت دونوں میں جائز ہے۔ بایں طور کہ تو کسی نیک شخص
کے پاس جا کر دُعا کی درخواست کرے جو تیری مجلس میں ہو اور تیرا کلام سُن رہا ہو جس طرح حضور
کے صحابہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ سے دُعا کی درخواست کرتے تھے، لیکن آپ
کے وصال کے بعد ہرگز ہرگز کسی صحابی سے ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی قبر پر جا کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی، چہ جائیکہ انہوں نے حضور سے دُعا کی درخواست کی ہو۔
سوال یہ ہے کہ اگر حضور علیہ السلام یا دیگر انبیاء سے شفاعت طلب کرنا غیر اللہ کی عبادت
ہے، تو وہ حضور کی حیات ظاہری میں دنیا اور آخرت میں کیونکر جائز ہوگی۔ ثانیاً یہ کہ قرآن کریم کی جس
آیت سے شیخ نجدی نے استدلال کیا ہے فلا تدعوا مع الله احداً اللہ تعالیٰ کے ساتھ
کسی کی عبادت نہ کرو، اس میں عموم اور اطلاق ہے، اس کو قبر کے ساتھ مقید کرنے پر کونسی
صریح آیت یا صحیح حدیث شیخ نجدی نے پیش کی ہے، جبکہ شیخ نجدی کا مدعا یہ ہے کہ قبر پر
جا کر انبیاء اور اولیاء سے شفاعت کی درخواست نہیں کرنی چاہیے۔ اس آیت میں کونسا
لفظ قبر پر دلالت کرتا ہے جس کے سبب شیخ نجدی نے اس آیت کو قبر سے شفاعت
طلب کرنے کے منع پر محمول کیا ہے۔

نیز شیخ نجدی کا یہ کہنا کہ اس شخص سے دُعا کی درخواست کی جائے جو زندہ ہو اور

طالب شفاعت کا کلام سن رہا ہو تو گزارش ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں چنانچہ صحیح حدیث مسلم شریف میں ہے کہ شبِ معراج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزر ہوا، تو آپ نے دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ نیز خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ سماع کے بارے میں ابن قیم جوزی طبرانی اور ابن ماجہ کے حوالے سے حدیث ذکر کرتے ہیں:

عن ابی الدرداء، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلوة علی یوم الجمعة فانه یوم مشہود وتشہد الملائكة، لیس من عبد یتلی علی الا بلفنی صوتہ حیث کان قلنا وبعد وفاتک قال وبعد وفاتی ان اللہ حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبیاء۔

(ابودردار بیان کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھا کرے، کیونکہ یہ وہ دن ہے جس میں فرشتے آتے ہیں۔ کوئی شخص مجھ پر درود نہیں پڑھتا، مگر اس کی آواز مجھ پہنچتی ہے خواہ وہ کیوں نہ کہیں ہو۔ آپ کی وفات کے بعد بھی ہم نے عرض کیا۔ فرمایا: ہاں وفات کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔

اور اولیاء کرام کی قبر میں حیات اور ان کے سماع کے لیے ابن کثیر کی یہ روایت ملاحظہ فرمائیں:

وقد ذکوا الحافظ ابن عساکر فی ترجمة عمرو بن جامع من تاریخہ

ان شابا کان یتعبد فی المسجد فهو یتہ امرأۃ فدعته الی نفسها فما زالت بہ حتی کاد یتدخل معها المنزل فذکوة هذه الا ایہ ان الذین القوا اذا مسلهم طائف من الشیطان تذکروا فاذا هم مبصرون فخر مغیثا

لہ تفسیر الدین محمد ابی بکر ابن قیم جوزی، متوفی ۷۵۰ھ، جلد ۱۱، ص ۶۳

لہ اس حدیث کی سند کی تحقیق کے لیے ذکر بالجوامع، ص ۲۲۰ تا ۲۲۳، ملاحظہ فرمائیے، تاج تفسیر، ص ۶۳

۶۳۰ھ طبرانی مشہور تفسیر ج ۱، ص ۱۰۰، ص ۱۰۱، ص ۱۰۲

عليهم ثم افاق فاعادها فسمات فجماع عمر قنبري غير اياه وكان قد دفن
 نيدا فذهب فصلى على قبره بمن معه ثم ناداه عمر فقال يا فتى
 ولمن خاف مقام ربه جنتان فاجابه الفتى من داخل القبر يا عمر
 قد اعطانيهما ربي عز وجل في الجنة مرتين ۛ

جامع کی سوانح بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک نوجوان مسجد میں عبادت کرتا تھا
 اس پر ایک عورت فریفتہ ہو گئی اور اس کو ہمیشہ اپنے گھر آنے کی دعوت دیتی رہی حتیٰ کہ ایک
 دن وہ نوجوان اس کے گھر چلا گیا۔ ناگاہ اس کو یہ آیت یاد آئی ان الذین اتقوا اذا
 مسهم طائف من الشيطان تذكروا فاذا هم مبصرون ۛ وہ خوف
 خدا سے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے دوبارہ اسی آیت کو
 پڑھا اور بیہوش ہو گیا اور پھر فوت ہو گیا۔ اسی رات کو اسے دفن کر دیا گیا۔ حضرت عمر نے اس
 کے باپ سے تعزیت کی اور اس کی قبر پر دُعا کرنے کے بعد فرمایا: اے نوجوان جو شخص خدا کے
 خوف سے فوت ہو اس کو دو جنتیں ملتی ہیں۔ نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا مجھے اللہ عزوجل
 نے جنت دو مرتبہ عطا فرمادی۔

شیخ نجدی نے صالحین سے دُعا کرنے کا جو خود ساختہ معیار مقرر کیا تھا۔ اس معیار کے
 مطابق بھی انبیاء اور اولیاء کی قبور پر ان سے دُعا کی درخواست کرنے کا جواز ثابت ہو گیا، کیونکہ
 ابن کثیر اور ابن قیم جوزیہ نے یہ صراحت کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام اپنی قبروں
 میں زندہ ہوتے ہیں، زاترین کلام سنتے ہیں اور اگر کوئی ان کی بات سنے والے کان رکھتا ہو
 تو اس کو جواب بھی دیتے ہیں۔

ۛ حافظ اسماعیل بن کثیر متوفی ۴، ۵ھ: تفسیر ابن کثیر ج ۲، ص ۲۷۹

ۛ جو لوگ متقی ہوتے ہیں جب ان کو کوئی شیطان طائفہ چھیڑتا ہے، تو انہیں خدا یاد آجاتا ہے اور

وہ فوراً ہوشیار ہو جاتے ہیں۔

رہا شیخ نجدی کا یہ کہنا کہ پھر اولیاء کرام وغیرہم سے بھی طلب شفاعت کرنی چاہیے، ورنہ حضور سے بھی طلب شفاعت باطل ہے، تو یہ شیخ نجدی کی خود فریبی ہے، اہل اسلام ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ اولیاء کرام سے بھی اپنی دینی اور دنیاوی مشکلات میں شفاعت طلب کرتے ہیں۔

اہل اسلام کا شفاعت میں مسک

اہل اسلام کے نزدیک حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شفاعت کا اذن مطلق دے دیا ہے، بلکہ امت کے گنہگار افراد کے لیے شفاعت کا حکم دیا ہے۔ صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی زندگی میں شفاعت کی درخواست کی اور وصال کے بعد عہد صحابہ میں لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کو طلب کرنا آج تک اہل اسلام کا معمول ہے

شفاعت کا اذن مطلق

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا اذن مطلق دے دیا گیا ہے۔ اس کے ثبوت میں یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔ امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں؛

عن جابر بن عبد اللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اعطیت خمساً لم یعطهن احد قبلی نصرت بالرعب مسيرة شهر وجعلت الارض مسجداً و طهوراً فایسا رجل من امتی ادرکت الصلوة فلیصل واحلت لی الغنائم ولم تحل لاحد قبلی واعطیت الشفاعة وكان النبی یبعث الی قومه خاصة وبعثت الی الناس عامة۔ لہ

لہ امام محمد بن اسماعیل البخاری، متوفی ۱۵۲۵ھ صحیح بخاری ج ۱، ص ۲۸

(حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ کو پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو اس سے پہلے اور کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ایک ماہ کی مسافت پر جو دشمن ہوں، ان پر میرا رعب طاری کر دیا گیا اور تمام روتے زمین کو میرے لیے مسجد اور تیمم کو جائز کر دیا گیا۔ پس میری امت جب بھی نماز کا وقت پائے تو اس کو ادا کر لے اور میرے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا۔ اس سے پہلے کسی کے لیے مال غنیمت حلال نہ تھا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے شفاعت عطا کر دی اور گزشتہ نبی کسی ایک قوم کے لیے مبعوث ہوتے تھے اور میں تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوں۔)

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاعت کرنے کو اپنی خصوصیت قرار دیا ہے حالانکہ انبیاء سابقین کو بھی شفاعت عطا کی گئی ہے اور انہوں نے اللہ سے شفاعت طلب کی، مثلاً حضرت ابراہیم نے فرمایا: ومن عصانی فانك غفور رحيم (جو میری نافرمانی کرے تو تو بخشنے والا مہربان ہے) نیز فرمایا: ربنا اغفر لی والوالدی یوم یقوم الحساب۔ (اے اللہ! میری بخشش فرما، میرے والدین کی اور سب مسلمانوں کی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے گناہ گار امتیوں کی شفاعت کرتے ہوئے فرمایا: فان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفر لہم فانک انت العزیز الحکیم (اگر تو ان کو عذاب دے تو تو مالک ہے اور اگر بخش دے، تو تو زبردست اور حکمت والا ہے) اور اولیائے سابقین نے شفاعت کرتے ہوئے کہا: ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان (اے اللہ! ہم کو بھی بخش دے اور ہم سے پہلے جو مسلمان بھائی فوت ہو چکے ہیں، ان کو بھی بخش دے۔)

قرآن کریم نے جو حضرت ابراہیم، حضرت عیسیٰ اور اولیاء سابقین کی شفاعت کرنے کا ذکر فرمایا ہے، اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے شفاعت کا اذن دے دیا تھا، ورنہ وہ کبھی شفاعت نہ کرتے۔ اب رہا امر کہ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے شفاعت کو اپنی خصوصیت کیوں قرار دیا ہے۔ اس کا صاف اور واضح جواب یہی ہے کہ باقی انبیاء اور اولیاء کی شفاعت صرف اپنی اپنی قوم کے ساتھ خاص تھی، یعنی ان کو صرف اپنی قوم کی شفاعت کا اذن دیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا اذن مطلق فرمایا ہے۔ واللہ الحمد۔

اور چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاطلاق و العموم شفاعت کا اذن دے دیا گیا ہے اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی قید کے فرمایا: جس مسلمان نے بھی میری قبر کی زیارت کی یا جس مسلمان نے بھی اذان کے بعد میرے لیے وسیلہ (جنت میں مقام اعلیٰ) کی دعا کی، اس کی شفاعت مجھ پر واجب ہوگئی ہے۔

ربا یہ امر کہ بعض احادیث میں اس قسم کا مضمون بھی وارد ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر افراد کی شفاعت کی اجازت دی جائے گی، آپ اتنے افراد کی شفاعت فرمائیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اذن خاص اذن عام کے منافی نہیں ہے۔

شفاعت کا حکم دینا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے صرف شفاعت کا اذن عام ہی نہیں دیا، بلکہ شفاعت کرنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ^۳/_{۱۵۹}

رآپ خود بھی ان کو معاف کیجیے اور اللہ تعالیٰ سے بھی ان کی شفاعت کیجیے،

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ^۴/_{۱۹}

(اللہ تعالیٰ سے ان کی شفاعت کیجیے، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے)

لہ حافظ ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ، السنن الکبریٰ ج ۴، ص ۲۲۵

اس حدیث کو دارقطنی اور ابن خزیمہ نے بھی اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا اور شوکانی نے کافی بحث

کے بعد لکھا ہے کہ طبرانی نے اس حدیث کو جس سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔

ذیل لاوطار ج ۵ ص ۱۰۸، لہ امام مسلم بن حجاج القشیری، متوفی ۲۶۱ھ، صحیح مسلم ج ۱، ص ۱۶۶

واستغفر لذنوبك وللمؤمنين والمؤمنات ۴

دلے محبوب! اپنے خاص احباب اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی بخشش کے لیے شفاعت کیجیے

قرآن کریم کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلقاً مسلمانوں کی شفاعت کرنے کا حکم دیا ہے، خواہ دنیا ہو، برزخ ہو یا آخرت اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں بھی مسلمانوں کی شفاعت کی ہے، برزخ میں بھی ہر پیر اور جمہرات کو شفاعت فرماتے ہیں اور اب بھی جب کوئی شخص شفاعت طلب کرے تو شفاعت فرماتے ہیں اور آخرت میں بھی شفاعت فرماتے ہیں اور اس کے بعد بھی جو شخص یہ کہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا اذن نہیں دیا گیا ہے۔ ان کے حق میں اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ یا تو وہ قرآن کریم کی ان آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ کا علم نہیں رکھتے یا باوجود علم کے ان آیات اور احادیث کا انکار کرتے ہیں۔

شفاعت طلب کرنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا، برزخ اور آخرت ہر جگہ شفاعت طلب کرنا جائز ہے اور عہد رسالت سے لے کر آج تک تمام اہل اسلام کا معمول رہا ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کرتے چلے آئے ہیں۔

امام بخاری اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال قال النبي صلى الله عليه وسلم عرضت على

الامم فاخذ النبي يمتز مع الاممة والنبي مع النضر والنبي مع العشرة

والنبي مع الخمسة والنبي يمس وحده ونظرت فاذا سواد كبير قلت

يا جبرائيل هؤلاء امتي قال لا يكون انظر الى الافق فنظرت فاذا

سواد کبیر ہڈیوں امتک رہو لا سبوعون المتعلقہ امہم لاحساب علیہم
ولا عذاب قلت ولم قال کالو لا یسرون ولا یسترقون ولا یتطیرون
وعلی ربہم یتوکلون فقال علیہ عکاشۃ بن محسن فقال ادع اللہ
ان یجعلنی منہم قال اللہ ہر بعدہ منہم ثم قال الیہ رجل اخر
فقال ادع اللہ ان یجعلنی منہم قال سبقتک بہا عکاشۃ . لہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تمام امتوں کے احوال دیکھے۔ ہر نبی اپنی اپنی امت کے ساتھ جا رہے تھے، کسی نبی کے ساتھ ایک جماعت ہوتی، کسی کے ساتھ دس شخص ہوتے کسی کے ساتھ پانچ کسی کے ساتھ ایک اور کوئی نبی علیہ السلام اکیلے جا رہے ہوتے۔ میں نے دیکھا ایک جگہ بڑی تعداد میں لوگ کھڑے تھے میں نے کہا، اے جبرائیل کیا یہ میری امت ہے؟ جبرائیل نے عرض کیا، ادھر آسمان کے کنارے کی طرف دیکھیے، میں نے دیکھا، تو لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت تھی۔ جبرائیل نے کہا، یہ آپ کی امت ہے اور یہ جو ان سب کے آگے ستر ہزار شخص جا رہے ہیں، ان سے نہ حساب لیا جائے گا نہ ان کو عذاب دیا جائے گا۔ میں نے پوچھا، کیوں؟ عرض کیا، یہ وہ لوگ ہیں (جو بلا ضرورت) جسم پر دلغ نہیں لگواتے تھے اور نہ (زمانہ جاہلیت) کے منتر پڑھتے تھے اور نہ بدشگونی کرتے تھے اپنے رب پر توکل کرتے تھے، عکاشہ نے کہا، حضور میرے لیے شفاعت کیجیے۔ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کر دے۔ ایک شخص اور کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا، میرے لیے بھی شفاعت کیجیے، آپ نے فرمایا، تم سے پہلے عکاشہ کہہ چکا ہے۔ لہ

لہ امام محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۸۔ ۲ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دوسرے شخص کے لیے دعا نہیں فرمائی۔ کی علماء اسلام نے متعدد وجوہ بیان فرمائی ہیں۔ ابو العباس احمد بن یحییٰ نے کہا کہ وہ شخص منافق تھا۔ ابن جندی نے کہا کہ پہلے شخص سے سداً قلوب سے کہا تھا اور دوسرا شخص دجیسا دیکھی کھڑا ہو گیا تھا اور یہ احتمال تھا کہ اس کو دیکھ کر اور لوگ بھی کھڑے ہو جاتے اور لائن لگ جاتی بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علم نبوت سے جانتے تھے کہ شخص اس گروہ میں شامل ہونے کا اہل نہیں ہے (معاذ اللہ)

اس حدیث شریف سے ایک واضح بات جو معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کا اذن عام مل چکا ہے اور ہر شخص کی شفاعت کے لیے آپ کو خاص اجازت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ورنہ عیاشیہ اور دوسرے شخص کی درخواست شفاعت پر آپ پہلے یہ فرماتے، پہلے میں اللہ تعالیٰ سے شفاعت کی اجازت حاصل کر لوں، پھر شفاعت کروں گا۔ دوسری اہم بات جو اس حدیث سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کہنا جائز ہے، ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت طلب کرنے سے منع فرمادیتے اس سلسلے میں شیخ نجدی کا یہ فرق کرنا باطل ہے کہ زندگی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت طلب کرنا جائز ہے اور بعد از حیات جائز نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود وضاحت فرمادیتے کہ میرے وصال کے بعد مجھ سے شفاعت طلب نہ کرنا، اس کے برخلاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی ہدایات دی ہیں جو حیات اور بعد از حیات کا فرق ختم کر دیتی ہیں، مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی۔^۱
حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جس شخص نے حج کر کے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی، گویا اس شخص نے
میری زندگی میں میری زیارت کی ہے۔

پس جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فداء نفسی کی حیات مقدسہ میں آپ سے
شفاعت طلب کرنا جائز تھا، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی
آپ سے شفاعت طلب کرنا جائز ہے۔

^۱ لے حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی ۴۵۸ھ، سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۴۶

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کے عموم اور اطلاق پر قرآن کریم کی یہ آیت دلالت کرتی ہے:

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا لله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما۔

اگر مسلمان گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کریں آپ کی بارگاہ میں آجائیں، خدا سے معافی چاہیں اور آپ بھی ان کے لیے استغفار کریں، تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائیں گے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے یہ رہنمائی فرماتی ہے کہ وہ اگر گنہگار ہیں، تو حضور کے پاس آئیں اور آنے کا اس کے سوا اور کوئی مطلب نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت چاہیں اس کی تائید اگلے جلد سے ہو رہی ہے، جس میں فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لئے شفاعت فرمادیں اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور کی حیات یا بعد از حیات کی کوئی قید نہیں لگائی، اس لیے اس آیت کو اپنے عموم اور اطلاق پر ہی رکھنا ہوگا اور محض قیاس فاسد سے اس کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری کے ساتھ مقید نہیں کیا جاسکتا اور اگر بالفرض اس کو حضور اکرم کی حیات ظاہری کے ساتھ مقید کیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ کرام جو پہلے ہی حضور انور کی تربیت اور فیض صحبت سے معمور تھے۔ ان کی بخشش کے لیے تو ایک صورت مقرر کر دی اور بعد کے لوگ جو حضور کی تعلیم تربیت، فیضان نظر اور شرف صحبت سب سے محروم تھے اور جو بعد زمانہ کی وجہ سے گناہوں میں زیادہ مستغرق اور بخشش کے ذرائع کے زیادہ مستحق تھے۔ ان کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ نے امید کا کوئی سہارا نہیں چھوڑا اور یہ اللہ تعالیٰ کے فضل عمیم اور اس کی وسیع رحمت سے انتہائی مستبعد ہے۔ جب قرآن کے تمام احکام تکلیفیہ اور صحابہ سے لے کر قیامت تک کے تمام مسلمانوں کے لیے عام ہیں، تو اس حکم کو صرف صحابہ کے ساتھ کیوں کیا جاتا ہے، کیا وہابیہ کی اس تخصیص سے ایک عام ذہن یہ نہیں سوچے گا۔ احکام تکلیفیہ کی مشقت میں تو ہم کو صحابہ کے ساتھ رکھا اور جب حصول شفاعت کے انعام کی باری آئی، تو ہم کو صحابہ کرام سے کاٹ کر رکھ دیا۔ اس بھگتہ آفرینی سے لوگ اسلام کے

قریب ہوں گے یا اسلام سے دُور!

مستند مفسرین نے اس آیت کو اپنے عموم پر ہی رکھا ہے، چنانچہ علامہ نسفی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جاء اعرابی بعد دفنہ عليه السلام فوري بنفسه على قبوره وحشا
من توابه على راسه وقال يا رسول الله قلت وسمعنا وكان فيما
انزل الله عليك ولو انهم اذ ظلموا انفسهم وقد ظلمت نفسي و
جتاك استغفر الله من ذنبي فاستغفرتني من ربي فنودي من قبره
قد غفرتك - ۱۰

(حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک اعرابی حضور اکرم کی قبر الودر پر آیا اور
آپ کی قبر سے لپٹ گیا اور خاک سر پر پھیر کر کہنے لگا جس وقت قرآن کریم نازل ہوا ہم نے سنا
آپ نے فرمایا: ولو انهم اذ ظلموا الایۃ میں گناہ کر کے اپنی جان پر ظلم کر چکا ہوں
اور آپ کی بارگاہ میں آکر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں حضور آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے
شفاعت کیجیے، اس کے قبر سے آواز آئی ساقی تم کو بخش دیا گیا۔
اور حافظ ابن کثیر اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:

(ولو انهم اذ ظلموا انفسهم) الایۃ یوشد تعالیٰ العصاة والمذنبین
اذا وقع منهم الخطاء والعصیان ان یاتوا الی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم
فیستغفروا اللہ عنده ویسئلوه ان یغفر لهم فانهم اذا فعلوا ذلك
تاب اللہ علیهم ورحمهم وغفر لهم ولهذا قال:
(لوجدوا اللہ توابا رحیما) وقد ذکر جماعۃ

منہم الشیخ ابو منصور الصباح فی کتابہ الشامل للحکایۃ المشہورۃ
عن عتبی قال کنت جالسا عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاہ اعرابی
فقال السلام علیک یا رسول اللہ سمعت اللہ یقول (ولوانہم اذ ظلموا
انفسہم جاؤک فاستغفرا اللہ واستغفرلہم الرسول لوجد واللہ توابا
رحیما) وقد جئتک مستغفرا الذنبی مستشفعا بک الی ربی ثم انشأ یقول

یا خیر من دفنت بالقاع اعطہ فطاب من طیبہن القاع والاکرم

نفسی الفدا ولقبر انت ساکنہ فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

ثم انصرف الی اعرابی فغلبت عینی فرایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فی النوم فقال: یا عتبی الحق الی اعرابی فبشرہ ان اللہ قد غفر لہ

(ولوانہم اذ ظلموا انفسہم) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام خطا کاروں

اور گنہ گاروں کو یہ بات کی ہے کہ جب ان سے کوئی خطا یا گناہ سرزد ہو جاتے تو وہ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آجائیں اور آپ کی بارگاہ میں اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں اور

حضور سے بھی سوال کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان کے گناہوں کی مغفرت کے لیے شفاعت

کریں اور جب یہ گناہ گار اس طرح کریں گے تو اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے گا اور ان کو بخش دے گا

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: لوجد واللہ تو اباد حیما اور علماء کی ایک عظیم

جماعت نے ذکر کیا ہے جس میں سے شیخ ابو المنصور الصباح نے بھی اپنی کتاب "الشامل"

میں لکھا ہے کہ عتبی بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک

کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا: "السلام علیک یا رسول اللہ میں

نے سنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوگ اپنی جانوں پر گنہ کر کے ظلم کر بیٹھیں تو اسے محبوب آپ کے پاس

آجائیں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہیں اور آپ بھی ان کی شفاعت کر دیں، تو اللہ تعالیٰ

لہ حافظ عماد الدین اسماعیل بن کثیر القرشی دمشقی، متون، ص ۴۷، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲/۵۱۹

ان کو بخش دے گا، پس میں آپ کے پاس اس حال میں آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں پر استغفار کر رہا ہوں اور آپ سے اپنے رب کے حضور شفاعت کا طالب ہوں۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے : اے ان تمام لوگوں سے برتر جن کے اجزاء زمین میں مدفون ہیں اور ان اجزاء کی خوشبو سے تمام زمینیں اور ٹیلے بہک اٹھے۔ میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ ساکن ہیں، اس میں عفو و درگزر ہے، سخاوت ہے اور رحمت و کرم ہے۔ یہ اشعار پڑھنے کے بعد اعرابی چلا گیا۔ مجھے اچانک نیند آگئی، دیکھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں، اے عتبی اس اعرابی کے پاس جاؤ اور اس کو جا کر یہ نوید سناؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا ہے۔

اس آیت میں حافظ ابن کثیر نے وہ سب کچھ لکھ دیا ہے جس کو تمام اہل اسلام عہد رسالت سے لے کر آج تک کہتے چلے آتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر نے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو حضور سے شفاعت طلب کرنے کی رہنمائی فرمائی ہے۔ حافظ ابن کثیر وہ شخص ہیں جنہوں نے ابن تیمیہ سے براہ راست استفادہ کیا ہے، انہوں نے بھی حضور سے طلب شفاعت کو جائز قرار دیا ہے اور شیخ نجدی ابن تیمیہ کے چار سو سال بعد ظاہر ہوتے اور انہوں نے بد عقیدگی میں اس قدر غلو کیا کہ ابن تیمیہ ابن کثیر اور ابن قیم کی رو میں بھی انہیں حیرت سے تنگتی رہ گئیں۔ ابن تیمیہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عقیدت سے محروم تھا، لیکن شیخ نجدی اس محرومیت میں ابن تیمیہ کو بھی کو سوں میں پیچھے چھوڑ گیا اور کشف الشبهات میں بغیر کسی رکاوٹ اور حجاب کے صاف لکھ دیا:

”تم خوب جانتے ہو کہ ان لوگوں کا محض اقرار توحید کرنا ان کو اسلام میں داخل نہیں کرتا اور ان کا انبیاء، ملائکہ اور اولیاء سے شفاعت طلب کرنا اور ان کی تعظیم کرنا اور ان کا قرب چاہنا اور یہی وہ سبب ہے جس کے پیش نظر ان کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹنا

جائزہ ہو گیا ہے یہ

نبیوں اور ولیوں کی تعظیم اور قرب چاہنا

انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی تعظیم کے بارے میں بھی چند دلائل ملاحظہ فرمائیے،
قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يا ايها الذين امنوا لا تجعلوا دعاء الرسول كدعاء بعضكم بعضا^{۲۵}
اے ایمان والو! رسول اللہ کو اس طرح نہ بلایا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے
کو بلاتے ہو، نیز فرماتا ہے:

لا ترفعوا اصواتكم فوق صوت النبي ان تحبط اعمالكم وانتم
لا تشعرون - ۲۹

اپنی آوازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اونچی آواز مت کرو کہہیں ایسا
نہ ہو کہ تمہارے تمام اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو سکے

غور فرمائیے جن کو عامیانہ انداز میں بلانا جائز ہو، جن کی آواز پر اونچی آواز ہو جانے
سے اعمال کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو جن کے فیصلے کے خلاف دل میں ناگواری آئے
تو ایمان چلا جاتا ہے۔ ان کی تعظیم اللہ تعالیٰ کو کس قدر مطلوب ہوگی اور یہ تعظیم صرف
اشارات و کنایات اور التزامی دلائل سے ثابت نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے حضور کی
بعثت ڈھائی ہزار برس پہلے تورات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا حکم نازل
فرمایا تھا اور قرآن کریم میں اس حکم کی پھر تجدید فرمائی اور ارشاد کیا:

فالذين امنوا به وعزروه ونصروه واتبعوا النور الذي

انزل مع اولئك هم المفلحون - ۳۰

۱۔ محمد بن عبد الوہاب نجدی، متوفی ۱۲۰۶ھ، کشف الشبہات، ص ۲۱/۲۰

دیس جو لوگ نبی اُمّی پر ایمان لائیں گے، ان کی تعظیم کریں گے اور دین میں ان کی مدد کریں گے اور اس نورِ قرآنِ کریم کی پیروی کریں گے جو ان پر نازل ہوا، وہی کامیاب کامران ہوں گے)

قرآنِ کریم کی اس نصِ صریح کے بعد بھی کیا کوئی شخص اس بات میں تردد کر سکتا ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور آپ کا قرب حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کا مطلوب ہے یا نہیں تعظیم کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب چاہنے کے بارے میں بھی ملاحظہ فرمائیں ایک مرتبہ ربیعہ بن کعب سلمیٰ کی خدمت سے خوش ہو کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سئل فقلت اسئلك مرافقتك في الجنة - ۱۷

(ماٹھو کیا مانگتے ہو، عرض کیا: حضورِ جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں) اور قرآنِ کریم میں ہے:

من يطع الله والرسول فأولئك مع النبيين - الآية

(جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے وہ آخرت میں نبیوں کے ساتھ ہوں گے)

یہ آیت اس موقع پر نازل ہوتی تھی جب ثوبان رضی اللہ عنہ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا حضور کیا یہ ممکن ہے کہ جنت میں میں آپ کے ساتھ رہوں۔

ان تمام آیات اور احادیث کا مقتضی اس کے سوا کچھ نہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور قرب چاہنا اللہ کا مطلوب اور صحابہ کا معمول ہے۔

اور ولیوں کی تعظیم کے بارے میں امام بخاری کی یہ روایت ملاحظہ فرمائیں:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله قال من عادى وليا فقد اذنت بالحرب - ۱۸

۱۷ امام مسلم بن حجاج قشیری، متوفی ۲۶۱ھ - صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۳

۱۸ امام محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی ۲۵۶ھ - صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۳

(حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، جو شخص میرے
 دل سے عداوت رکھتا ہے، میں اس سے جنگ کا اعلان کر دیتا ہوں)
 قرآن کریم کی آیاتِ صریحہ، احادیثِ صحیحہ اور وہابیہ کے مستند مفسرین اور اہل اسلام
 کے تعال سے یہ بات آفتاب سے زیادہ روشن ہوگی کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام
 کی تعظیم کرنا، ان کا قرب چاہنا اور ان سے شفاعت طلب کرنا اللہ تعالیٰ کا مامور اور مطلوب
 ہے صحابہ کرام اور خیارِ مسلمین کا معمول ہے اور تمام اہل اسلام کے نزدیک یہ اعمال محمود
 اور مسعود ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ شیخ نجدی اور ان کے متبعین کے نزدیک یہی امور کفر و
 شرک ہیں اور انہیں اعمال کی بنا پر وہ مسلمانوں کی جان و مال کو اپنے لیے مباح اور
 حلال کر لیتے ہیں۔ ذالی اللہ المشتکی۔

”استمداد اور استغاثہ“

تمام اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے ان کی زندگی میں
 اور وصال کے بعد ان سے مدد طلب کرنا جائز ہے، اس کے برخلاف شیخ نجدی نے انبیاء
 کرام اور اولیاء عظام سے ان کی زندگی میں جب وہ قریب ہوں، تو ان سے مدد طلب کرنا
 جائز لکھا ہے اور حالتِ غیبت میں اور وصال کے بعد ان سے مدد طلب کرنے کو جائز
 لکھا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں،

سبحان من طبع علی قلوب اعدائہ فان الاستغاثۃ بالمخلوق
 فیما یقدر علیہ لانکرہا کما قال اللہ تعالیٰ فی قصۃ موسیٰ
 رفاستغاثۃ الذی من شیعۃ علی الذی من عدو، وکما یستغیث
 الانسان باصحابہ فی الحرب او نسیرہ فی اشیاء یقدر علیہا المخلوق

و نحن انكونا استغاثة العباد التي يفعلونها عند قبور الاولياء،
او في غيبتهم في الاشياء التي لا يقدر عليها الا الله به

(پاک ہے، وہ ذات جس نے اپنے دشمنوں کے دلوں پر مہر لگا دی ہے جن چیزوں پر مخلوق کو قدرت ہے۔ ان چیزوں میں مخلوق سے مدد طلب کرنا جائز ہے اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بیان فرمایا کہ حضرت موسیٰ کی قوم کے ایک شخص نے ان سے اپنے دشمن کے خلاف مدد چاہی یا جیسے کوئی شخص جنگ میں اپنے ساتھیوں سے مدد طلب کرتا ہے جس پر اس کو قدرت ہوتی ہے۔ ہم اس استمداد اور استغاثہ سے منع کرتے ہیں جو لوگ اولیاء اللہ کی قبروں پر یا ان کی غیبوت میں ان سے مدد طلب کرتے ہیں۔ ان اشیاء پر جن میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو قدرت نہیں ہے)

شیخ نجدی کا یہ کلام بوجہ باطل ہے۔

اولاً اس لیے کہ شیخ نجدی کا حیات اور بعد از حیات کا فرق کرنا باطل ہے، کیونکہ اگر غیر اللہ سے استمداد کفر اور شرک ہے، تو ان کی زندگی میں بھی کفر و شرک ہوگی اور ان کی زندگی کے بعد بھی کفر و شرک ہوگی اور اگر ان کی زندگی میں ان سے مدد چاہنا شرک نہیں ہے تو بعد از ممات بھی شرک نہ ہوگا۔

ثانیاً قدرت کا فرق کرنا بھی باطل ہے، کیونکہ حقیقتاً ہر چیز پر اللہ تعالیٰ قادر ہے اور اللہ تعالیٰ کی دین اور عطا سے اس کی دی ہوئی قدرتوں سے انبیاء اور اولیاء وصال سے پہلے اور وصال کے بعد مانگنے والوں کی مدد کرتے ہیں، حسب ذیل ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے استغاثہ

۱۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی، متوفی ۱۲۰۶ھ کشف الشہات، ص ۵

اس سے پہلے شفاعت کی بحث میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں عتبی کی یہ روایت ذکر کی ہے۔ ایک اعرابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک آکر آپ سے شفاعت طلب کی۔ اس کے علاوہ امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ دلائل النبوة میں روایت کیا ہے اور علامہ سبکی نے اس کو پوری سند کے ساتھ شفاء السقام میں نقل کیا ہے :

عن مالك الدارقان اصاب الناس قحط في زمان عمر بن الخطاب رضي الله عنه فجاؤ رجل الى قبر النبي صلى الله عليه وسلم فمات يا رسول الله استسق الله لامتك فانهم قد هلكوا فاتا رسول الله صلى الله عليه وسلم في المنام فقال ايت عمر فاقوه السلام واخبروه انهم مسقون وقل له عليك الكيس الكيس فاتي الرجل عمر فاخبره فبكي عمر رضي الله عنه ثم قال يا رب ما الولا ما عجزت عنه - له

(مالک الدارقان بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں قحط پڑ گیا۔ ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجیے، کیونکہ مسلمان بھوک سے ہلاک ہو رہے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خواب میں زیارت سے مشرف کیا اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ، ان سے میرا سلام کہو اور ان کو خوشخبری دو کہ عنقریب بارش ہوگی اور ان سے کہو کہ تدبیر سے کام لیں۔ وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور ان کا ماجرا بیان کیا حضرت عمر رونے لگے اور کہنے لگے اے اللہ عمر وہی کام چھوڑتا ہے جس کی اس کو طاقت نہ ہو۔)

اس اثر کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ حافظ ابن عبد البر نے استیعاب میں اور طبرانی نے معجم صغیر میں بیان فرمایا ہے۔

۱۔ شیخ تقی الدین سبکی شافعی، شفاء السقام، ص ۴۱، ۱

اس اثر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خیر القرون کے قرنِ خیر میں ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر سے استغاثہ کیا اور حضرت عمر کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا اور کسی صحابی نے حتیٰ کہ حضرت عمر نے بھی اس پر نہ کوئی نکیر کی اور نہ ملامت کی۔ پس ثابت ہوا کہ قبر سے استغاثہ صحابہ کا معمول تھا، کیونکہ اس واقعہ کو وہاں کسی اجنبی حیثیت سے نہیں دیکھا گیا۔

حالتِ غیبوت میں استغاثہ

شیخ نجدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب کوئی شخص پاس موجود ہے، تو اس سے استمداد اور استغاثہ جانتے ہیں اور جب وہ دور یا غائب ہو تو اس سے مدد طلب کرنا جانتے نہیں ہے حالانکہ عقلاً یہ فرق باطل ہے، کیونکہ جو چیز قریب سے موجب شرک ہوگی، وہ دُور سے بھی موجب شرک ہوگی۔ اس کے علاوہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام نے دُور سے اور حالِ غیبوت میں استمداد اور استغاثہ کیا ہے، چنانچہ امام بخاری اور قاضی عیاض اور دیگر محدثین کرام بیان کرتے ہیں:

خدرت رجل ابن عمر فقال رجل اذكرا حب الناس اليك فقال يا محمد وفي رواية فصاح يا محمداه فانشرت اجله. ۱
حضرت عبداللہ بن عمر کا پیرس ہو گیا، ان سے کسی شخص نے کہا، جو تم کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہو، اس کو یاد کرو، حضرت عبداللہ بن عمر نے باوا زبلند کہا، یا محمد! تو ان کا پاؤں اسی وقت ٹھیک ہو گیا۔

حضرت ملا علی قاری شرح شفا میں یا محمداہ کے تحت لکھتے ہیں:

قصده اظهار المحبة في ضمن الاستغاثه ۲

۱۔ محمد بن اسماعیل البخاری السننی ۲۵۶ھ الادب الفرد، ص ۱۴۲، قاضی ابوالفضل عیاض بن

موسیٰ اندلسی متوفی ۵۴۲ھ شفا ج ۲ ص ۱۸، ۲ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۱۴۲ھ شرح شفا ج ۲ ص ۱۸

حضرت عبداللہ بن عمر نے اظہارِ محبت کے ضمن میں بطورِ استمداد و استغاثہ یا محمد پکارا۔ اس اثر سے یہ ثابت ہو گیا کہ حال غیبت میں استغاثہ کرنا صحابہ کرام کا معمول تھا اور جو چیز صحابہ کرام کے معمولات سے ہو، اس پر عمل کرنا ہی صراطِ مستقیم ہے اور اس سے ہٹ کر عمل کے لیے راستہ تلاش کرنا یا معمول صحابہ کو غلط بلکہ شرک قرار دینا بدترین گمراہی ہے۔

قدرت اور عدم قدرت کا معاملہ

شیخ نجدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان امور میں بندوں سے استغاثہ کرنا جائز ہے جو عام حالات میں یا عادتاً ان کی قدرت میں ہوں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک اسرائیلی نے مدد چاہی یا جیسے کوئی شخص لڑائی میں کسی دوست سے مدد طلب کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو امور عام حالات میں اور عادتاً بندوں کی قدرت میں نہیں ہوتے ان میں بندوں سے استغاثہ جائز نہیں ہے۔ شیخ نجدی کا یہ فرق کرنا قرآن کریم کے صراحتاً خلاف ہے۔

تخت بلقیس یمن میں تھا اور میت المقدس سے سینکڑوں میل کی مسافت پر واقع تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کو منگانا چاہا تو درباریوں سے کہا: ایہا الملء ایکم یا تینی بعوشہا قبل ان یاتونی مسلمین (اے درباریو! تم میں سے کوئی شخص اس تخت کو ان کے مسلمان ہونے سے پہلے لا کر دے سکتا ہے) یہ اس وقت کی بات ہے کہ بلقیس اور اس کے ساتھی حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات کے لیے چل پڑے تھے۔ ایک بہت بڑے جن نے عرض کیا: میں آپ کے دربار درخواست ہونے سے پہلے لا کر حاضر کروں گا (قال عفریت من الجن انا ایتک بہ قبل ان تقوم من مقامک) حضرت سلیمان علیہ السلام اس سے بھی پہلے چاہتے تھے، چنانچہ انہوں نے فرمایا: میں اس سے بھی پہلے چاہتا ہوں، تو حضرت

سلیمان علیہ السلام کے کاتب آصف بن برخیا نے کہا: انا اتیک بہ قبل ان یوقد الیک طرفک (میں پلک جھپکنے سے پہلے اس تخت کو حاضر کر دوں گا، چنانچہ ایسا ہی ہو گیا۔) حضرت سلیمان علیہ السلام کا دربار برخواست ہونے سے پہلے تخت بلقیس منگوانا اور ان کے کاتب آصف بن برخیا کا پلک جھپکنے سے پہلے لا کر حاضر کر دینا خواہ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہو یا آصف بن برخیا کی کرامت۔ اس واقعہ سے یہ بات بہر حال ثابت ہو گئی کہ جن چیزوں پر عادتاً عام لوگوں کو قدرت نہیں ہوتی۔ ان چیزوں کے حصول کے لیے اولیاء کرام سے رجوع کرنا سراسر حق اور سرتاپا ہدایت ہے اور نہ حضرت سلیمان علیہ السلام دریا یوں سے یہ نہ کہتے کہ مجھے دربار برخواست ہونے سے پہلے تخت چاہیے، نہ قرآن کریم اس واقعہ کو بیان کرتا، بلکہ قرآن کریم نے اس واقعہ کو بیان کر کے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ جن چیزوں کا حصول عام لوگوں کی قدرت میں نہیں ہوتا، ان کے حصول کے لیے اولیاء کرام کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

سیدہ میمونہ کی قبر سے استغاثہ

سابقہ سطور میں ہم نے اولیاء کرام کی زندگی میں ان امور میں ان سے استغاثہ کی دلیل فراہم کی تھی جو عام لوگوں کی قدرت میں نہیں ہوتے۔ اب وصال کے بعد ان سے ان چیزوں کے حصول میں استغاثہ پر دلیل ملاحظہ فرمائیے جو عام لوگوں کی قدرت میں نہیں ہوتے۔ سید احمد بریلوی متوفی ۱۲۵۶ھ عقائد میں شیخ منجدی کے مہذب تھے، چنانچہ شیخ عطار نے لکھا ہے: ہندوستان میں سید احمد بریلوی نے ان کے مشن کو زندہ کیا اور وہاں کے کفار یعنی اسلاف کی روایات کے حامل مسلمانوں کے ساتھ برسر پیکار رہے۔

۱۔ حافظ اسماعیل بن کثیر، متوفی ۴۷۷ھ، تفسیر ابن کثیر ج ۳، ص ۳۶۲ / ۳۶۳ (مختصراً)

۲۔ شیخ احمد عبدالغفور عطار، شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب، ص ۱۰۹

سید محمد علی، سید احمد بریلوی کے بڑے بھانجے کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ سید احمد نے ان کو بڑی برکات سے نوازا تھا اور بقول سید احمد بریلوی اللہ تعالیٰ نے سید محمد علی کو سید احمد بریلوی کی بیعت لینے کے لیے دکیل مقرر کیا تھا (مخزن احمدی، ص ۶۰) یعنی سید احمد بریلوی شیخ نجدی کے پوتے تھے اور سید محمد علی سید احمد کے مقبول بارگاہ تھے، خلاصہ یہ ہوا کہ سید محمد علی بھی سید احمد بریلوی کی طرح شیخ نجدی کے افکار کے پیروکار تھے۔ بہر حال چونکہ سید محمد علی شیخ نجدی کے گروہ کے آدمی تھے، اس لیے ان کے اقوال شیخ نجدی کے اتباع پر صحت ہیں، ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

دریں منزل قریب نصف شب بوادی سرف کہ مزار فائض الانوار جناب میمونہ علیہا وعلیٰ لعلہا الصلوٰۃ والسلام من اللہ الملک العلام رسیدیم از اتفاقات عجیبہ آنکہ آں روز بیچ طعام نخوردہ بودیم چوں از خواب آں وقت بیدار شوم از نماپست گرسنگی طاقتم طاق و بدر رویم در محاق بود بطلب نان پیش ہر کس دویدم و بمطلب نرسیدم بناچار برائے زیارت در حجرہ مقدسہ رفتم و پیش تربت شریفہ گدایانہ ندا کردہ گفتم کہ ای جدہ امجد من مہمان شما ہستم چیزے خوردنی عنایت فرما و مرا محروم از الطاف کریمانہ نور نمازگاہ سلام کردم و فاتحہ اخلاص خواندہ تو ایش بروح پرفتوحش فرستادم انگاہ نشستہ سر بوقرش نہادہ بودم از اذراق مطلق و دانائے برحق دو خوشہ انگور تازہ بدستم افتادہ طرفہ تراکلاں ایام سرا بود و بیچ جا انگور تازہ میستر نمود بحیرت افتادم و یکے ازاں ہر دو خوشہ ہوں جا نشستہ تناول نمودہ از حجرہ بیرون شدم و یک یک را از ہر یک تقسیم کردم و گفتم: ہ

یافت مریم گر بہنگام شستا	میوہ ہائے جنت از فضل خدا
این کرامت در حیاتش بود و بس	بعد فوتش نقل نمود است کس
بعد فوت زوج ختم المرسلین	رفتہ چندین قرن ہائے دور بین
بنگر ازوے این کرامت یافتہ	مایہ حد گونہ نعمت یافتہ

(ادھی رات کے قریب ہم وادی سرف پر پہنچے جہاں ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا مزار فائض الانوار ہے، اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کے شوہر یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں نازل فرماتے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس روز ہمارے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ جب میں سوکر اٹھا، تو سخت بھوک لگی ہوئی تھی، میری طاقت میں اضمحلال آگیا تھا اور چہرہ کُلا گیا تھا، روٹی مانگنے کے لیے میں ہر کسی کے پاس گیا، لیکن مطلب کو نہ پہنچا، آخر بے بس ہو کر سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر کی زیارت کے لیے گیا اور فقیرانہ انداز سے صدالکافی اور میں نے آپ سے عرض کیا: اے میری دادی جان میں آپ کا مہمان ہوں، کوئی چیز کھانے کی عنایت فرمائیں اور اپنے در اور لطف و کرم سے محروم نہ فرمائیں۔ پھر میں نے سلام عرض کیا اور فاتحہ پڑھ کر رُوح کو ثواب پہنچایا اور آپ کی قبر انور پر سر رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ جو رازق مطلق ہے اور ہمارے احوال سے واقف ہے، اس کی طرف سے مجھ کو انگور کے دو تازہ خوشے ملے اور عجیب تر بات یہ ہے کہ وہ ایام سرما تھے اور ان دنوں وہاں انگور کا ایک دانہ بھی نہیں ملتا تھا۔ ان خوشیوں میں سے کچھ میں نے وہیں کھائے اور باقی حجرہ سے باہر آکر میں نے ایک ایک دانہ ہر ایک کو تقسیم کیا اور فی البدیہہ یہ اشعار کہے، حضرت مریم نے اگر ایام سرما میں جنت کے میوے فضل خدا سے پائے، ان کی یہ کرامت فقط ان کی زندگی میں تھی اور ان کی وفات کے بعد یہ کرامت ثابت نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کی وفات کے اتنی صدیاں گزرنے کے بعد بھی اے دیکھنے والے دیکھ کہ میں نے آپ سے اس کرامت کا ظہور پایا اور صد ہزار نعمت کے حصول کا مرتبہ پایا غور فرمائیے کہ قبر سے استمداد اور استغاثہ کی یہی صورت ہے جس کو وہابیہ کی زبانیں کفر و شرک کہتے ہیں، یہ سید احمد بریلوی کے بھانجے اور مصنف مخزن احمدی سید محمد علی نے ام المومنین کی قبر سے استغاثہ کیا ہے اور اس کو سید احمد کی سوانح میں لکھ کر حجاب دیا ہے، اس کے باوجود وہ کٹر موصد اور حاجی بدعت و شرک کے لقب سے نوازے جاتے ہیں اور دیگر اہل اسلام اگر یہی عمل کر لیں تو وہ کافر و مشرک اور مباح المال والدم قرار دیے جاتے ہیں۔ قیاللاسف۔

باب

شیخ نجدی کے بارے میں
عالم اسلام کے تاثرات

شیخ نجدی نے جو اپنے خانہ ساز عقائد کی عالم اسلام کو دعوت دی اور اس دعوت کے انکار کو وجہ کفر قرار دے کر تمام مسلمانوں کو واجب القتل قرار دیا اور جہاں جہاں اس کا بس چلا، اس نے اپنے ان مذموم مقاصد کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی شیخ نجدی کی اس تکفیر عام اور بہیمانہ قتل و غارت گری کے خلاف اس وقت سے لے کر آج تک کے علماء اس کی تحریک کے بطلان پر کتابیں لکھتے چلے آ رہے ہیں۔ ہم قارئین کے سامنے ان بے شمار کتابوں میں سے چند کتابوں کے اقتباسات پیش کرتے ہیں اور ابتداء میں شیخ نجدی محمد بن عبدالوہاب متوفی ۱۲۰۶ھ کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب متوفی ۱۲۰۸ھ کی شہرہ آفاق کتاب الصواعق الالہیة کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں:

شیخ سلیمان بن عبدالوہاب متوفی ۱۲۰۸ھ

شیخ سلیمان بن عبدالوہاب شیخ نجدی کی تکفیر مسلمین پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(وما) يدل على ان كذا مكم وتكفيركم ليس بصواب ان الصلوة اعظم ارکان الاسلام بعد الشهادتين ومع هذا ذكر وان من صلاها رياء الناس ردها الله عليه ولم يقبلها منه بل يقول الله تعالى انا اغني الشركاء عن الشرك من عمل عملا اشرك فيه غيري تركته وشركه ويقول له يوم القيمة اطلب ثوابك من الذي عملت لاجله فذكر ان ذلك يبطل العمل ولم يقولوا ان فاعل ذلك كافر حلال المال والدم بل من لم يكفره كما هو مذهبكم فيما اخف من

ذلك بكثير وكذلك السجود الذي هو اعظم هيئات الصلوة الذي هو اعظم من النذر والدعاء وغيره فرقوا فيه وقالوا من سجد لشمس او قمر او كوكب او صنم كفر واما السجود لغير ما ذكر فلم يكفروا به بل عدو في كباثر المحرمات ولكن حقيقة الامر انكم ما قلتم اهل العلم ولا عباراتهم وانما عمدتكم مفهومكم واستنباطكم الذي تزعمون انه الحق من انكراه انكر الضروريات واما استدلالكم بمشبهه العبارات فليس ولكن المقصود انما نطلب منكم ان تبينوا لنا وللناس كلام ائمة اهل العلم بمواقعة مذهبكم هذا وتتلون كلامهم اذاحة للشبهة وان لم يكن عندكم الا القذف والشتم والرمى بالعزبة والكفر فالله المستعان لأخر هذه الامة اسوة بأولها الذين انزل الله عليهم لم يسلموا من ذلك -

فصل : وما يدل على عدم صوابكم في تكفير من كفرتموه و ان الدعاء والنذر بسا بكفر ينقل عن الملة وذلك ان النبي صلى الله عليه وسلم امر في الحديث الصحيح ان تدره الحدود بالشبهات وقد روى الحاكم في صحيحه وابوعوانة والبخاري بسند صحيح وابن السني عن بن مسعود رضي الله تعالى عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال اذا انفلتت دابة يارض فلاة فليناد يا عباد الله احبوا يا عباد الله احبوا يا عباد الله احبوا ثلاثا فان الله حاضر سيحبسه وقد روى الطبراني ان اراد عونا فليقل يا عباد الله اعينوني ذكر هذا الحديث الاثمة في كتبهم ونقلوه اشاعة وحفظ الامة ولم ينكروه منهم النووي في الاذكار

و بن القیّم فی کتابہ الکلم الطیب و ابن مفلح فی الاداب قال فی الاداب
بعد ان ذکر هذا الاثر قال عبد الله بن الامام احمد سمعت ابي
يقول حجبت خمس حجج فضلت الطريق في حجة وكنت ماشيا فجلت
اقول يا عباد الله دلونا على الطريق فلم ازل اقول ذلك حتى وقعت
على الطريق (انتهى)

اقول حيث كفرتم من سأل غائبا او ميتا بل زعمتم ان
المشركين الكفار الذين كذبوا الله ورسوله صلى الله عليه وسلم
اخف شركاء من سأل غير الله في بواجر واستدللتهم على ملك
بمضهرمكم الذي لا يجوز لكم ولا لغيركم الا اعتماد عليه هل جعلتم
هذا الحديث وعمل العلماء بضمونه شبهة لمن فعل شيئا مما
تزعمون انه شرك اكبر فانا لله وانا اليه راجعون - قال في مختصر
الروضة الصحيح ان من كان من اهل الشهادتين فانه لا يكره
ببدعة على الاطلاق ما استند فيها الى تأويل يلتبس به الامر
على مثله وهو الذي رجحه شيخنا ابو العباس ابن تيمية (انتهى)

توحید و رسالت کی گواہی سے مسلمانوں کی تکفیر پر پردہ

تمہارے عقائد اور تکفیر کے صحیح نہ ہونے پر دلیل یہ ہے کہ توحید و رسالت کی گواہی
کے بعد اسلام کا سب سے عظیم رکن نماز ہے، اس کے باوجود جو شخص ریاکاری کے طور پر
نماز پڑھتا ہے، اس کے بارے میں فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز
قبول نہیں فرمائے گا، بلکہ فرماتے گا: ہاں دوسرے شرکاء کی نسبت اپنے شرک سے

لے شیخ سلیمان بن عبدالوہاب، متوفی ۸۰۸ھ، الصواعق الالہیہ، ص ۳۳ تا ۳۵

زیادہ بے پرواہ ہوں۔ جس شخص نے اپنے کسی عمل میں میرے سوا متہ کسی اور کو شریک کر لیا میں اس کے عمل اور شرک کو چھوڑ دیتا ہوں اور قیامت کے دن ریاکار سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا، جا، جا کر اپنا اجر اس شخص سے طلب کر جس کے لیے تو نے عمل کیا تھا۔ ایسے شخص کے بارے میں فقہاء اسلام نے یہ کہا ہے کہ اس کا عمل باطل ہے اور یہ نہیں کہا کہ اس کو قتل کرنا اور اس کا مال لوٹنا جائز ہے، جبکہ تم اس سے بہت ہلکی اور معمولی بات کو کفر قرار دیتے ہو۔

سجدہ کی بنا پر تکفیر مسلمین کا رد

اسی طرح نماز کے تمام ارکان میں سب سے اہم رکن سجدہ ہے اور نذر و نیاز اور غیر اللہ کو پکارنے کی بنسبت سجدہ زیادہ اہمیت کا حامل ہے حالانکہ فقہاء اسلام نے سجدہ کے احکام میں بھی فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ جو شخص سورج، چاند، ستارے، یا بت کو سجدہ کرے وہ کافر ہے اور جو شخص ان کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرے، وہ کفر نہیں، گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ تم فقہاء اسلام اور ان کی عبارات کی تقلید نہیں کرتے، بلکہ جو کچھ تم نے بطور خود سمجھا ہے، اسی میں حق کو منحصر سمجھتے ہو اور اس کو ضروریات دین سے قرار دے کر اس کے منکر کو کافر قرار دیتے ہو اور جن مشتبہ عبارات سے تم استدلال کرتے ہو، وہ محض تمہاری مغالطہ آفرینی ہے۔ ہمارا تم سے مطالبہ یہ ہے کہ تم اپنے خود ساختہ مذہب کی تاکید میں فقہاء اسلام میں سے کسی مسلم فقیہ کی نص صریح پیش کرو، اور اگر تم ایسی کسی عبارت کے پیش کرنے کے بجائے محض سب و شتم اور تکفیر پر اکتفا کرتے ہو، تو ہم تمہارے شر سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔

۱۔ اللہ کے علاوہ کسی شخص کو سجدہ عبودیت کرنا کفر ہے اور سجدہ تعظیم کرنا گناہ کبیرہ ہے (تقادی)

تکفیرِ مسلمین کے دو پہلی حدیث

مسلمانوں کی تکفیر کے بارے میں تمہارا موقف اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کہ غیر اللہ کو پکارنا اور نذر و نیاز قطعاً کفر نہیں، حتیٰ کہ اس کے مرتکب مسلمان کو ملتِ اسلامیہ سے خارج کر دیا جائے، کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہادت کی بنا پر حدود ساقط کر دو اور حاکم نے اپنی صحیح میں اور ابو عوانہ اور بزار نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی شخص کی سواری کسی بے آب و گیاہ صحرا میں گم ہو جائے تو وہ تین بار اے عباد اللہ! (اے اللہ کے بندو) مجھ کو اپنی حفاظت میں لے لو تو اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جو اس کو اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں، اور طبرانی نے روایت کیا ہے کہ اگر وہ شخص مدد چاہتا ہو تو یوں کہے کہ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اس حدیث کو فقہاء اسلام نے اپنی کتب جلیلہ میں ذکر کیا ہے اور اس کی اشاعتِ عام کی ہے اور معتمد فقہاء میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا، چنانچہ امام نووی نے کتاب الاذکار میں اس کا ذکر کیا ہے اور ابن القیم نے اپنی کتاب "الکلم الطیب" میں اس کا ذکر کیا ہے اور ابن مفلح نے "کتاب الاذکار" میں اور ابن مفلح نے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (یعنی امام احمد بن حنبل) سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ میں نے پانچ بار حج کیے ہیں، ایک بار میں پیدل جا رہا تھا اور راستہ بھول گیا، میں نے کہا: اے عباد اللہ مجھے راستہ دکھاؤ، میں یونہی کہتا رہا، حتیٰ کہ میں صحیح راستہ پر آگیا۔

اب میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص کسی غائب یا فوت شدہ بزرگ کو پکارتا ہے اور تم اس کی تکفیر کرتے ہو، بلکہ تم محض اپنے قیاس فاسد سے یہ کہتے ہو کہ اس شخص کا شرک

ان مشرکین کے شرک سے بھی بڑھ کر ہے جو بجز وہ میں عبادت کے غرض سے غیر اللہ کو پکارتے تھے اور اس کے رسول کی علی الاعلان تکذیب کرتے تھے۔ کیا تم اس حدیث اور اس کے مقتضی پر علماء اور ائمہ کے عمل کو اس شخص کے لیے اصل نہیں قرار دیتے جو بزرگوں کو پکارتا ہے اور محض اپنے فاسد قیاس سے اس کو شرک اکبر قرار دیتے ہو، ان اللہ وانا الیہ راجعون۔ جبکہ شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، تو اس مضبوط اصل کی بنا پر ایسے شخص سے تکفیر کیونکر نہ ساقط ہوگی۔ نیز مختصر الروضہ میں کہا ہے: جو شخص توحید و رسالت کی گواہی دیتا ہو، اس کو کسی بدعت کی بنا پر کافر نہیں کہا جائے گا اور ابن تیمیہ نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے۔ (جبکہ جو شخص فوت شدہ بزرگوں کو پکارتا ہے، وہ کسی بدعت کا مرتکب بھی نہیں ہے، کیونکہ اس کا یہ فعل ایک مضبوط اصل یعنی حدیث صحیح (جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے) اور سلف کے عمل پر مبنی ہے۔

(قاوری غفرلہ)

آگے چل کر شیخ سلیمان بن عبد الوہاب اسی موضوع پر لکھتے ہیں:

فصل: وما يدل على بطلان مذهبكم في تكفير من كفرتموه ماروى البخارى في صحيحه عن معاوية بن ابي سفيان رضى الله تعالى عنه قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين وانا انا قاسم والله معي ولا يزال امر هذه الامة مستقيما حتى تقوم الساعة او ياتي امر الله تعالى. انتهى. (وجه الدليل) منه ان النبي صلى الله عليه وسلم اخبر ان امر هذه الامة لا يزال مستقيما الى آخر الدهر ومعلوم ان هذه الامور التي تكفرون بها ما زالت قديما ظاهرة ملأت البلاد كما تقدم فلو كانت هي الاصنام

الكبرى ومن فعل شيئاً من تلك الافاعيل ما بد للاوثان لم يكن
امر هذه الامة مستقيماً بل منعكسا بلدهم بلد كفر تعبد فيها
الاصنام ظاهراً وتجرى على عبدة الاصنام فيها احكام الاسلام
فابن الاستقامة وهذا واضح جلي له

تکفیر مسلمین کے رد پر دوسری حدیث

ایک اور مقام پر شیخ نجدی کی تکفیر کا رد کرتے ہوئے شیخ سلیمان بن عبدالوہاب
لکھتے ہیں :

تم نے جو مسلمانوں کی تکفیر کی بنیاد پر اپنے مذہب کو قائم کیا ہے، اسی کے باطل
ہونے پر صحیح بخاری کی یہ حدیث دلالت کرتی ہے جس کو معاویہ بن سفیان رضی اللہ
نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے؛ حضور نے فرمایا جس شخص کے
ساتھ اللہ خیر کا ارادہ کرتا ہے، اس کو دین میں فقیہ بنا دیتا ہے اور یہ امت ہمیشہ
صحیح دین پر قائم رہے گی، یہاں تک کہ قیامت آجائے۔ اس حدیث کی ہمارے
مطلوب پر اس طرح دلالت ہے کہ اس حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
قیامت تک امت کے دین پر مستقیم رہنے کی خبر دی ہے اور یہ حقیقت واقعہ ہے
کہ جن امور کو تم وجہ کفر قرار دیتے ہوئے یہ ابتداء اسلام سے لے کر آج تک تمام
دنیا تے اسلام میں عروج اور معمول ہیں، پس اگر اولیاء اللہ کے مقابر بڑے بڑے
بُت ہوتے اور ان سے استمداد اور استغاثہ کرنے والے کافر ہوتے تو
تمام امت صحیح دین پر قائم نہ ہوتی، بلکہ اس کے برعکس ساری امت کافر اور تمام
بلاد اسلام، بلاد کفر بن جاتے جن میں علی الاعلان بُتوں کی پوجا ہو رہی ہوتی یا بُتوں

لہ شیخ سلیمان بن عبدالوہاب متوفی ۱۲۰۸ھ، الصواعق اللہیہ، ص ۲۰

کی عبادت پر اسلام کے احکام جاری ہوتے۔ پھر حضور کے فرمان کے مطابق اس امت کی دین صحیح پر استقامت کی حدیث کس طرح صحیح ہوتی اور یہ بات بالکل ظاہر ہے۔

ایک اور مقام پر شیخ سلیمان بن عبد الوہاب لکھتے ہیں:

فصل: وما يدل على بطلان مذهبكم ما في الصحيحين
 عن ابي هريرة رضى الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم
 انه قال رأس الكفر نحو المشرق وفي رواية الايمان يمانى والفتنة
 من هاهنا حيث يطلع قرن الشيطان وفي الصحيحين ايضا عن
 ابن عمر رضى الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم انه
 قال هو مستقبل المشرق ان الفتنة هاهنا وللبخارى عندهم فوعا
 اللهم بارك لنا في شامنا ويمنا، اللهم بارك لنا في شامنا ويمنا
 قالوا وفي نجدنا قال اللهم بارك لنا في شامنا ويمنا قالوا وفي
 نجدنا قال الثالثة هناك الزلازل والفتن ومنها يطلع قرن
 الشيطان ولا جد من حديث ابن عمر فوعا اللهم بارك
 لنا في مدينتنا وفي صاعنا وفي مدنا ويمنا وشامنا ثم استقبال
 مطلع الشمس فقال هاهنا يطلع قرن الشيطان وقال من هاهنا
 الزلازل والفتن (انتهى)

اقول اشهد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لصادق
 فصلوات الله وسلامه وبركاته عليه وعلى اله وصحبه اجمعين
 لقد ادى الامانة وبلغ الرسالة قال الشيخ تقي الدين فالمشرق
 عن مدينته صلى الله عليه وسلم اشرقا ومنها خرج ميلمة الكذاب

الذي ادعى النبوة وهو اول حادث حدث بعد موآتبعه خلائق
وقاتلهم خليفة الصديق (انتهى)

وجه الدلالة من هذا الحديث من وجوه كثيرة تذكروا بعضها
رمنها) ان النبي صلى الله عليه وسلم ذكر ان الايمان يمانى والفتنة
تخرج من المشرق ذكرها مراراً (ومنها)

ان النبي صلى الله عليه وسلم دعى للحجاز واهله مراراً و
ابى ان يدعو لاهل المشرق لما فيهم من الفتن خصوصاً نجد
(ومنها) ان اول فتنة وقعت بعده صلى الله عليه وقعت بارضنا
هذه فنقول هذه الامور التي تجعلون المسلم بها كافراً بل تكفرون
من لم يكفره ملأّت مكة والمدينة واليمن من سنين متطاولة
(بل بلغنا) ان ما فى الارض اكثر من هذه الامور فى اليمن و
الحرمين وبلدنا هذه هى اول من ظهر فيها الفتن ولا نعلم
فى بلاد المسلمين اكثر من فتنها قديماً وحديثاً واتم الآن
مذهبكم انه يحب على العامة اتباع مذهبكم وان من اتبعه ولم
يقدر على اظهاره فى بلده وتكفير اهل بلده وجب عليه الهجرة
اليكم وانكم الطائفة المنصورة وهذا خلاف هذا الحديث فان
رسول الله صلى الله عليه وسلم اخبر بما يجرى عليهم ومنهم
فلو علم ان بلاد المشرق خصوصاً نجد بلاد مسلمة انها تصير
دار الايمان وان الطائفة المنصورة تكون بها وانها بلاد يظهر
فيها الايمان ولا يخفى فى غيرها وان الحرمين الشريفين واليمن
تكون بلاد كفر تعبد فيها الاوثان وتجب الهجرة منها لا خير بذلك

ولدى لاهل المشرق خصوصا نجد ولدى على الحرمين واليمن
واخبار انهم يعبدون الاصنام وتبرأ منهم اذ لم يكن الاضد
ذلك فانه رسول الله صلى الله عليه وسلم عم المشرق وخص نجد بان
منها يطلع قرن الشيطان وان منها وفيها الفتن وامتنع من الدعاء
لها وهذا خلاف زعمكم وان اليوم عندكم الذين دعى لهم
رسول الله صلى الله عليه وسلم كفار والذين ابان يدعولهم
واخبار ان منها يطلع قرن الشيطان وان منها الفتن هي بلاد
الديمان تجب الهجرة اليها وهذا بين واضح من الاحاديث انشاء الله
(فصل) وما يدل على بطلان مذهبكم ما فى الصحيحين
عن عقبه بن عامر ان النبى صلى الله عليه وسلم صعد المنبر
فقال انى لست اخشى عليكم ان تشركوا بعدى ولكن اخشى
عليكم الدنيا ان تنافوا فيها فتقتلوا فتهلكوا كاهلك من كان
قبلكم قال عقبه فكان اخر ما رايت رسول الله صلى الله عليه
وسلم على المنبر رانتهى

وجه الدلالة منه ان النبى صلى الله عليه وسلم اخبر بجمع
ما يقع على امته ومنهم الى يوم القيمة كما هو فى احاديث اخر
ليس هذا موضعها وما اخبر به هذا الحديث الصحيح انه امن
ان امته تعبد الاوثان ولم يخافه عليهم واخبرهم بذلك و
اما الذى يخافه عليهم فاخبرهم وبه حذرهم منه ومع هذا
فوقع ما خافه عليهم وهذا خلاف مذهبكم فان امته على قولكم
عبدوا الاصنام كلهم وملائت الاوثان بلادهم الا ان كان احد

فی اطراف الارض ما یلحق له خبر والافن اطراف الشرق الی
 اطراف الغرب الی الروم الی الیمن کل هذا ممثلی ما زعمتم
 انه الاصنام وقلتم من لم یکفر من فعل هذه الامور والافعال
 فهو کافر و معلوم ان المسلمین کلهم واجرو الاسلام علی من
 انسب الیه ولم یکفروا من فعل هذا فعلی قولکم جمیع بلاد الاسلام
 کفار الا بلدکم والعجب ان هذا ما حدث فی بلدکم الا من قریب
 عشرين سنین فان بهذا الحدیث خطاؤکم والحمد لله رب العالمین۔

تکفیر مسلمین کے روپ پر تیسری حدیث

شیخ نجدی کا تکفیر مسلمین پر رد کرتے ہوئے شیخ سلیمان بن عبدالوہاب لکھتے ہیں؛
 تمہارے مذہب کے بطلان پر بخاری اور مسلم کی یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے
 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا؛ کفر کا گڑھ مشرق کی طرف ہوگا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایمان یمانی ہے
 اور فتنہ وہاں ہوگا جہاں سے شیطان کا سنگھ طلوع ہوگا۔

نیز بخاری اور مسلم میں حدیث یہ ہے؛ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
 بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛ درآں حالیکہ حضور اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور مشرق کی طرف تھا، فتنہ اسی جانب سے ظاہر ہوگا۔
 اور بخاری کی روایت میں حضور کا فرمان (اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا؛ اسے
 اللہ ہمارے شام، اور ہمارے یمن میں برکت نازل فرما۔ صحابہ نے عرض کیا؛ جنور
 ہمارے نجد میں۔ آپ نے فرمایا؛ اسے اللہ ہمارے شام میں اور ہمارے یمن میں

لے شیخ سلیمان بن عبدالوہاب متوفی ۱۲۰۸ھ، الصواعق اللہیہ، ص ۲۳ تا ۲۵

برکت نازل فرما۔ صحابہ نے عرض کیا: ہمارے نجد میں۔ آپ نے تیسری بار فرمایا: وہاں سے زلزلوں اور فتنوں کا ظہور ہوگا۔

اور امام احمد بن حنبل نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے: اے اللہ ہمارے مدینہ میں برکت نازل فرما، ہمارے صاع اور ہمارے مَد میں اور ہمارے شام میں اور ہمارے یمن میں۔ پھر مشرق کی طرف منکر کے فرمایا: یہاں سے شیطان کا سیگھ طلوع ہوگا اور فرمایا: یہاں سے زلزلوں اور فتنوں کا ظہور ہوگا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا ریب صادق القول ہیں، اللہ تعالیٰ کی برکتیں اور رحمتیں آپ پر اور آپ کی آل اور اصحاب پر نازل ہوں، آپ نے حق امانت ادا کر دیا اور فراتض رسالت کی تبلیغ مکمل کر دی۔

شیخ تقی الدین نے کہا: مدینہ کی جانب شرقی (نجد) سے میلہ کذاب کا ظہور ہوا اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وصال کے بعد سب سے پہلے جس فتنے کا ظہور ہوا، وہ میلہ کذاب کا دعویٰ نبوت تھا جس کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکمل استیصال کیا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث شیخ نجدی کی دعوت اور تکفیر مسلمان پر کئی وجہ سے دلالت کرتی ہے، ہم ان میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان یمانی ہے اور فتنہ مشرق سے نکلے گا اور اس کا حضور نے بار بار ذکر فرمایا۔

۲۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حجاز اور اہل حجاز کے لیے بار بار دعا فرمائی اور اہل مشرق خصوصاً اہل نجد کے لیے دعا کرنے سے انکار کر دیا۔

۳۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو سرزمین نجد میں پہلا فتنہ واقع ہوا، وہ شیخ

نجدی کافتنہ ہے جس نے مسلمانوں کے درمیان صدیوں سے راجح معمولات کو کفر اور مسلمانوں کو کافر بنا دیا، بلکہ شیخ نجدی نے ان لوگوں کو بھی کافر بنا دیا جو ان مسلمانوں کو کافر نہ کہے، حالانکہ مکہ اور مدینہ، اور یمن کے علاقوں میں صدیوں سے یہ معمولات راجح ہیں، بلکہ ہم کو تحقیق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اولیاء کا وسیلہ ان کی قبروں سے توسل اور استمداد اور اولیاء اللہ کا پکارنا، یہ تمام امور دنیا میں سب سے زیادہ یمن اور حرمین شریفین میں کیے جاتے ہیں اور یہ بھی ہم کو معلوم ہوا کہ جس قدر عظیم فتنہ سرزمین نجد میں واقع ہوا، وہ کسی دور میں بھی کسی اور جگہ وقوع پذیر نہیں ہوا اور (اے شیخ نجدی) تمہارا کہنا یہ ہے کہ دُنیا کے تمام مسلمانوں پر تمہاری اتباع واجب ہے اور جو شخص تمہارے مذہب کی اتباع کرے اور جو شخص مذہب کے اظہار اور دوسرے مسلمانوں کی تکفیر کی طاقت نہ رکھتے، اس پر واجب ہے کہ وہ تمہارے شہر کی طرف ہجرت کرے اور یہ کہ تم ہی طائفہ منصورہ ہو اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے ہونے والے واقعات کا علم عطا فرمایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر گزرنے والے تمام واقعات کو بتلادیا ہے۔ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوتا کہ سرزمین مسیلمہ یعنی شہر نجد مال کا دارالایمان بنے گا اور طائفہ منصورہ اسی شہر میں ہوگا اور ایمان کے فوارے اسی شہر سے چھوٹے جائیں گے اور حرمین شریفین اور یمن بلاد کفر میں جائیں گے جن میں بت پرستی ہوگی اور وہاں سے ہجرت کرنا واجب ہوگا، تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس بات کی خبر دیتے اور اہل مشرق اور خصوصاً نجد کے لیے ضرور دعا فرماتے اور حرمین شریفین اور اہل یمن کے لیے بددعا فرماتے اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ خبر دیتے کہ وہاں کے باشندے بت پرستی کریں گے اور ان متبرک علاقوں کے لوگوں سے بیزاری کا اظہار فرماتے، لیکن جب ایسا نہیں ہوا، بلکہ اس کے برعکس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اصل مشرق کے لیے بالعموم اور نجد کے بارے میں بالخصوص خبر دی ہے کہ وہاں سے شیطان کا سینگھ طلوع ہوگا اور اس شہر میں اور اس شہر سے فتنے نمودار ہوں گے اور نجد کے لیے دعا کرنے سے آپ نے انکار فرمایا اور یہ بات تمہارے زعم کے بالکل برعکس ہے۔ تمہارے نزدیک جن لوگوں کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی تھی کہ وہ کفار ہیں اور جس علاقہ کے لوگوں کے لیے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دُعا کرنے سے انکار کر دیا اور خبر دی تھی کہ وہاں سے شیطان کا سینگھ نکلے گا اور نمتوں کا ظہور ہوگا، تمہارے عقیدے کے مطابق وہ علاقہ دارالایمان ہے اور اس کی طرف ہجرت واجب ہے۔

تکفیر مسلمین کے رد پر چوتھی حدیث

تمہارے مذہب کے بطلان پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس کو بخاری اور مسلم نے حضرت عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوتے اور آپ نے فرمایا، مجھے اس بات کا خوف نہیں ہے کہ تم سب (مسلمان) میرے بعد شرک کرنے لگو گے، لیکن مجھے اس بات کا خوف ہے کہ تم کو مال دنیاوی بکثرت حاصل ہوگا اور تم مال دنیاوی کی محبت میں متفرق ہو جاؤ گے اور مال و دولت کی وجہ سے تم لوگ آپس میں لڑو گے اور ہلاکت میں مبتلا ہو جاؤ گے، جس طرح اس سے پہلی امتیں ہلاکت میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ عقبہ بن عامر کہتے ہیں میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منبر پر یہ آخری وعظ سنا تھا۔

یہ حدیث شریف بھی تمہارے مذہب کے بطلان پر اسی طرح دلالت کرتی ہے۔

لے آج سعودی عرب میں سیال تیل کے چشموں اور سونے کی کانوں سے روپیہ کی ریل پیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی تصدیق ہے کہ اس وقت مرکز فتنہ سعودی عربیہ ہے (قاہرہ غفرلہ)

کہ قیامت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر جس قدر احوال گزرنے لگے تھے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وہ تمام احوال بیان فرمادیے اور اس حدیث صحیحہ میں حضور نے یہ بتلادیا ہے کہ آپ کی امت بُت پرستی سے محفوظ رہے گی اور نہ حضور کو اپنی امت سے بت پرستی کا خطرہ تھا اور نہ اس بات کی آپ نے خبر دی ہے۔ اور جس چیز کا خطرہ تھا اور جس چیز سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا، وہ مال و دولت کی کثرت اور فراوانی ہے۔ (اور مملکتِ سعودی عربیہ آج اسی فتنہ میں مبتلا ہے، (قادری) اور یہ حدیث تمہارے مذہب کے برعکس ہے، کیونکہ تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ تمام امت نے بُت پرستی کی اور تمام اسلامی ممالک بُت پرستی سے بھر گئے اور اگر تمام دنیا میں سے کسی جگہ میں اسلام کی کوئی رمتی ہے، تو وہ نجد میں ہے۔ یہاں تک کہ تمہارے خیال میں روم، یمن اور مغرب کے تمام علاقے (حرمین شریفین وغیرہ) بت پرستی سے بھڑے ہوئے ہیں اور تم کہتے ہو کہ جو شخص ان لوگوں کو کافر نہ کہے، وہ خود کافر ہے۔ پس تمہارے عقیدے کے مطابق تمام بلادِ اسلام کے مسلمان کافر ہیں، سوا نجد شہر کے۔ اور جو نیا دین تم لاتے ہو، اس کی عمر صرف دس سال ہے۔

دگویا اس سے پہلے گیارہ سو سال تک کے تمام مسلمان العباد باللہ کافر تھے، سعیدی اس کے بعد شیخ سلیمان موصوف لکھتے ہیں :

(فصل، و مما یدل علی بطلان مذہبکم ما روى مسلم في صحیحہ عن جابر بن عبد الله عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال الشيطان قد ايس ان يعبد المصلون في جزيرة العرب ولكن في التحريش بينهم وروى الحاكم وصححه والبيهقي عن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الشيطان قد ايس ان تعبد الا صنم بارض العرب ولكن رضى

منہم بما دون ذلك بالمحقرات وهي الموبقات وروى الامام احمد والحاكم وصححه وابن ماجه عن شداد بن اوس قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اتخوف على امتي الشرك قلت يا رسول الله اتشرك بعتك بعدك قال نعم اما انهم لا يعبدون شمسا ولا قمرًا ولا وثنا ولكن براون باعمالهم (انتمى) اقول وجه الدلالة منه كما تقدم ان الله سبحانه اعلم نبيه من غيبه بما شاء وبما هو كما نزل الى يوم القيمة واخبر صلى الله عليه وسلم ان الشيطان قد انس ان يعبد المصلون في جزيرة العرب وفي حديث ابن مسعود انس الشيطان ان تعبد الاصنام بارض العرب وفي حديث شداد انهم لا يعبدون وثنا وهذا بخلاف مذهبكم فان البصرة وما حولها والعراق من دوت دجلة الموضع الذي فيه قبر علي وقبر الحسين رضی اللہ تعالیٰ عنہما وكذلك اليمن كلها والحجاز كل ذلك عن ارض العرب ومذهبكم ان هذه المواضع كلها عبد الشيطان فيها وعبدت الاصنام وكلهم كفار ومن لم يكفرهم فهو عندكم كافرو هذه الاحاديث ترد مذهبكم - له

تکفیر مسلمان کے دیرپا پنجویں حدیث

تمہارے مذہب کے بطلان پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

له شیخ سلیمان بن عبد الوہاب، متوفی ۱۲۰۸ھ، الصواعق الاثیہ، ص ۶۶، ۶۷

نے فرمایا کہ شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرہ عرب میں اس کی پرستش کی جائے، لیکن وہ ان کو آپس میں لڑاتا رہے گا اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ اور ابوعلیٰ اور بہقی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرہ عرب میں بت پرستی کی جائے لیکن اس سے کم بات یعنی آپس کے لڑائی جھگڑوں پر راضی ہو گیا ہے، اور امام احمد نے اور حاکم نے صحیح کے ساتھ اور ابن ماجہ نے شداد بن اوس سے روایت کی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اپنی امت پر شرک کا خوف کرتا ہوں، میں نے عرض کیا، حضور کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک کرے گی۔ آپ نے فرمایا، ہاں! لیکن وہ سورج، چاند یا کسی بت کی پوجا نہیں کرے گی، لیکن اپنے اعمال میں ریاکاری کرے گی۔

ان احادیث کی تمہارے مذہب کے بطلان پر دلالت اس طرح ہے کہ اللہ کریم نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر چاہا اپنے غیب سے مطلع فرمایا، اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے، اس کی خبر دے دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جزیرہ عرب میں شیطان اپنی عبادت سے مایوس ہو چکا ہے اور شداد کی روایت میں آپ نے خبر دی ہے کہ جزیرہ عرب میں بت پرستی نہیں ہوگی اور یہ چیزیں تمہارے مذہب کے برعکس ہیں، کیونکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ بصرہ اور اس کے گرد و نواح اور عراق میں دجلہ سے لے کر اس جگہ تک جہاں حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں ہیں، اسی طرح سارے یمن اور حجاز میں شیطان کی پرستش اور بت پرستی ہوتی ہے اور یہاں کے مسلمان بت پرست اور کفار ہیں، حالانکہ یہ تمام جگہیں سرزمین عرب کے وہ تمام علاقے ہیں جن کی سلامتی ایمان اور کفر سے برات کی حضور نے خبر دی ہے اور تم کہتے ہو کہ یہاں کے لوگ کافر ہیں اور جو ان کو کافر نہ کہے، وہ بھی کافر ہے، لہذا یہ

تمام احادیث تمہارے مذہب کا رد کرتی ہیں۔

شیخ سلیمان مزید لکھتے ہیں:

(فصل) ومما يدل على بطلان مذهبكم ما اخرج الامام احمد والترمذى وصحة والنسائى وابن ماجه من حديث عمرو بن الاحوص قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في حجة الوداع الا ان الشيطان قد ايس ان يعبد في بلدكم هذا ابدا ولكن ستكون له طاعة في بعض ما تحقرون من اعمالكم فيرض بها وفي صحيح الحاكم عن ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم خطب في حجة الوداع فقال الشيطان قد ايس يعبد في ارضكم ولكن يرضى ان يطاع فيما سوى ذلك فيما تحقرون من اعمالكم فاحذروا ايها الناس انى تركت فيكم ما ان عتصم به لم تضلوا ابدا كتاب الله وسنة نبيه (انتهى)

وجه الدلالة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اخبر في هذا الحديث الصحيح ان الشيطان يئس ان يعبد في بلد مكة وكذلك بقوله ابدا لا يتوهم متوهم انه حدث ثم يزول وهذا خبر منه صلى الله عليه وسلم وهو لا يخبر بخلاف ما يقع و ايضا بشرى منه صلى الله عليه وسلم لامته وهو لا يبشرهم الا بالصدق ولكنه حذرهم ما سوى عبادة الاصنام لا ما يجتقون وهذا بين واضح من الحديث وهذه الامور التي تجعلونها شرك الاكبر وتسمون اهلها عباد الاصنام اكثر ما تكون بمكة الشرفة واهل مكة الشرفة امرءوها وعلماءوها وعامتها على هذا

من مدة طويلة اكثر من ستماية عام ومع هذا هم الآن اعداؤكم
يسبونكم ويلعنونكم لاجل مذهبكم هذا واحكامهم وحكامهم
جارية وعلماؤها وامراءها على اجراء احكام الاسلام على
اهل هذه الامور التي تجعلونها الشرك الاكبر فان كان ما
زعمتم حقاً فهم كفار كفرة ظاهراً وهذه الاحاديث ترد زعمكم
وتبين بطلان مذهبكم هذا۔

تکفیر مسلمین کے رو پر چھٹی حدیث

اور تمہارے مذہب کے بطلان پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے جس کو امام
احمد اور امام ترمذی نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا اور اس کو صحیح قرار دیا اور امام نسائی
نے اور ابن ماجہ نے عمرو بن احوص سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: شیطان اس بات سے ہمیشہ کے لیے مایوس ہو چکا
ہے کہ تمہارے اس شہر میں اس کی پرستش کی جائے، البتہ تمہاری آپس کی لڑائیوں میں
اس کی پیروی ہوتی رہے گی اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ بیان کیا کہ حضرت ابن عباس
بیان فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیا اور
فرمایا: شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری سرزمین میں اس کی پرستش
کی جائے، لیکن اس کے علاوہ دوسری باتوں میں پیروی کی جانے پر راضی ہو چکا
ہے، ان چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ تم ایک دوسرے کے اعمال کو حقیر جانو گے
پس اس بات سے احتراز کرنا اسے لوگو! میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم نے
اس کو مضبوطی سے تھام لیا، تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ اللہ کی کتاب اور اس کے

لے شیخ سلیمان بن عبدالوہاب، متوفی ۱۲۰۸ھ، بصواعق الالہیہ، ص ۲۷

رسول کی سنت ہے۔

ان احادیث میں تمہارے مذہب کے بطلان پر اس طرح دلالت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصاً مکہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بُت پرستی نہ ہونے کی خبر دی ہے اور حضور کبھی خلاف واقع خبر نہیں دیتے۔ نیز اس میں حضور نے امت کو بشارت دی ہے اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بشارت کبھی غلط نہیں ہوتی؛ البتہ اس حدیث میں حضور نے بُت پرستی کے علاوہ دوسری غلط باتوں مثلاً لڑائی جھگڑوں سے ڈرایا ہے اور یہ بات حدیث سے بالکل ظاہر ہے اور جن چیزوں کا نام تم شرک اکبر رکھتے ہو اور ان کے کرنے والوں کو (اولیاء سے وسیلہ، شفاعت طلب کرنا اور ان کی قبروں سے فیضان طلب کرنا، (تقاویٰ) بُت پرستی کا ترکب کہتے ہو، ان تمام امور پر تمام اہل مکہ، ان کے عوام، امراء اور علماء چھ سو سال سے زیادہ عرصہ سے پیرا ہیں، اس کے باوجود یہ تمام لوگ اب تمہارے دشمن ہیں، تم کو سب دشمن کرتے ہیں اور تمہاری اس بد عقیدگی کی وجہ سے تم پر لعنت بھیجتے ہیں اور مکہ مکرمہ کے علماء اور شرفاء ان تمام امور پر احکام جاری کرتے ہیں جن کو تم شرک اکبر قرار دیتے ہو۔ اگر تمہارا گمان حق ہے، تو یہ لوگ علی الاعلان کافر ہیں، لیکن یہ احادیث تمہارے زعم فاسد کا رد کرتی ہیں اور تمہارے مذہب کو باطل کرتی ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ

علامہ شامی شیخ نجدی کی تحریک کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

هو بيان لمن خرجوا على سيدنا على رضي الله تعالى عنه
والا فيكفي فيهما اعتقاد هم كفر من خرجوا عليه كما وقع

فی زماننا فی اتباع عبد الوهاب الذین خرجوا من نجد و تغلبوا
 علی الحرمین و كانوا ینتحلون مذهب الحنابلة لکنهم
 اعتقدوا انهم المسلمون وان من خالف اعتقادهم
 مشرکون و استباحوا بذالك قتل اهل السنة و قتل علماءهم۔
 (یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف خراج
 کیا، ورنہ ان کے خارجی ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ انہوں نے ان لوگوں کو کافر
 قرار دیا جن کے خلاف انہوں نے خرچ کیا تھا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں محمد بن عبد الوهاب
 کے پیروکار جو نجد سے نکلے اور حرمین پر قابض ہو گئے اور وہ اپنے آپ کو حنبلی المذہب
 کہتے تھے، لیکن ان کا اعتقاد یہ تھا کہ مسلمان صرف وہ یا ان کے موافق ہیں اور جو عقائد
 میں ان کے مخالف ہیں، وہ مسلمان ہی نہیں ہیں، بلکہ مشرک ہیں، اس بنا پر انہوں نے
 اہل سنت اور علماء اہل سنت کے قتل کو جائز رکھا۔

سید احمد زینی دحلان مکی شافعی، متوفی ۱۳۰۴ھ

علامہ سید احمد زینی دحلان مکی شیخ نجدی کے بارے میں لکھتے ہیں،
 وكان ابتداء ظهور محمد بن عبد الوهاب سنة الف ومائة و
 ثلاث واربعين وراشتمه امره بعد الخمسين فاطهر العقيدة الزائغة
 بنجد وقرأها فقام بمصرته واطهار عقيدته محمد بن سعود
 امير الدرعية بلاد مسيما الكذاب فحمل اهلها على متابعه
 محمد بن عبد الوهاب فيما يقول فتابعه اهلها وسيقاتي ذكر شئ
 من عقيدته التي حمل الناس عليها وما زال يطبعه على هذا الامر

لہ علامہ ابن عابدین شامی، متوفی ۱۲۵۲ھ / رد المحتار ج ۳، ص ۴۳، ۴۴

كثير من احياء العرب حتى بعد حى حتى قوى امره فخافته البادية
 وكان يقول لهم انما ادعوكم الى التوحيد وترك الشرك بالله فكانوا
 يمشون معه حيثما مشى وياتمرون له بما شأحتى اتسع له الملك
 وكانوا في مبداء امورهم قبل اتساع ملكهم وتظاهر شرورهم رامواج
 البيت الحرام وكان ذلك في دولة الشريف مسعود بن سعيد بن
 سعد بن زيد فارسلوا يستاذنونه في الحج وارسلوا قبل ذلك ثلاثين
 من علمائهم ظنا منهم انهم يفسدون عقائد علماء الحرمين و
 ويدخلون عليهم الكذب والمين وطلبوا الاذن في الحج ولو بمقرر
 يدفعونه كل عام وكان اهل الحرمين يسمعون بظهورهم في
 الشرق ونسأد عقائدهم ولم يعرفوا حقيقة ذلك فامر مولانا الشريف
 مسعود ان يناظر علماء الحرمين العلماء الذين ارسلوهم فناظرهم
 فوجدوهم ضحكة ومسخرة كحمر مستنفرة فزت من قسورة ونظروا
 الى عقائدهم فاداهى مشتمله على كثير من المكفرات فبعد ان
 ان اقاموا عليهم البرهان والدليل امر الشريف مسعود قاضى
 الشرع ان يكتب حجة بكفرهم الظاهر ليعلم به الاول والاخر
 و امر بسجن اولئك الملاحدة الا نزال ووضعهم في السلاسل
 والا غلال فسجن منهم جابيا وفر الباقيون ووصلوا الى الدرعية
 واخبروا بها شاهدا فعتا امرهم واستكبرونائى عن هذا
 المقصد وتأخر حتى مضت دولة الشريف مسعود واقيم بعده اخوه
 الشريف مسعود بن سعيد فارسلوا في مدته يستأذنون في الحج
 فابى وامتنع من الاذن لهم فضعفت عن الوصول مطامعهم

فلما مضت دولة الشريف مساعد وتقلد الامراخوه الشريف احمد ابن سعيد ارسل امير الدرعية جماعة من علمائه كما ارسل في المدة السابقة فلما اختبرهم علماء مكة وجدوهم لا يتدينون الا بدين الزنادقة رابى ان يقول لهم فى حى البيت الحرام قرار ولم ياذن لهم فى الحج بعد ان ثبت عند العلماء انهم كفار كما ثبت فى دولة الشريف مسعود فلما ان ولى الشريف سرور ارسلوا ايضا يستاذنونه فى زيارة البيت المعمور فاجابكم بانكم ان اردتم الوصول آخذ منكم فى كل سنة وعام صرمة مثل ما ناخذها من الاعمام وآخذ منكم على ذلك مائة من الخيل الجياد فعظم عليهم تسليم هذا المقدار وان يكونوا مثل العجم فامتنعوا من الحج فى مدته كلها فلما توفى وتولى سيدنا الشريف غالب ارسلوا ايضا يستاذنون فى الحج فنعمهم وتمهد زهم بالركوب عليهم وجعل ذلك القول فعلا فجهز عليهم جيشا فى سنة الف وما شيز وخمسة واتصت بينهم المحاربات والغزوات الى ان انقضى تنقيد مراد الله فيما اراد وسياتي شرح تلك الغزوات والمحاربات بعد توضيح ما كانوا عليه من العقائد الزائغة التى كان تاسيسها من عبد الوهاب وقد عاش من العمر سنين حتى كان ان يعد من المنظرين فان ولادته كانت سنة الف ومائة وحدى عشرة ووفاته سنة الف ومائتين وسبعة وارخ بعضهم وفاته بقوله ربها هلاكى الخبيث

له سيد احمد بن زبني دحلان على شافعي، متوفى ١٣٠٢ هـ، خلاصة الكلام فى علماء البلد الحرام ص ٢٢٩/٢٢٨

محمد بن عبدالوہاب کا ظہور

محمد بن عبدالوہاب کا ظہور ۱۱۴۳ھ میں ہوا اور اس کی تحریک ۱۱۵۰ھ میں مشہور ہوئی اور اس نے اپنے عقیدے کا اظہار پہلے نجد میں کیا اور مسلمان بن کذاب کے شہر درعیہ کے امیر محمد بن سعود کو اپنا ہم نوا بنایا۔ ابن سعود نے اپنی تابع رعایا پر زور ڈالا کہ وہ شیخ نجدی کی دعوت کو قبول کریں۔ پس درعیہ نے شیخ نجدی کی دعوت قبول کر لی۔ عنقریب ہم اس کے ان بعض عقائد کا ذکر کریں گے جن کے قبول کرنے پر اہل درعیہ کو ابن سعود نے مجبور کیا تھا۔ شیخ نجدی کی دعوت پھیلتی گئی اور اس کی اس دعوت پر عرب کے قبائل یکے بعد دیگرے لبتیک کہتے چلے گئے، یہاں تک کہ شیخ نجدی کی تحریک قوی ہو گئی اور بادینشین لوگ شیخ نجدی سے ڈرنے لگے۔ شیخ نجدی ان لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ میں تم کو توحید کے پھیلانے اور شرک کو روکنے کی دعوت دیتا ہوں، چنانچہ بادینشین عرب اس کی ہر بات میں موافقت اور اتباع کرنے لگے۔

شیخ نجدی کے اتباع کا علماء حرمین سے مناظرہ اور شکست

اس زمانے میں حجاز پر شریف مسعود بن سعید بن سعد کی حکومت تھی شیخ نجدی نے اپنے ملک کے تیس علماء شریف کے پاس اس خیال سے بھیجے کہ وہ حرمین کے علماء کو مناظرہ میں شکست دے کر اپنی دعوت اور تحریک پھیلانے میں کامیاب ہو جائیں گے اور یہ اجازت حاصل کریں گے کہ ان کو ہر سال حج کے لیے آنے کی دعوت دی جائے۔ شریف مسعود نے علماء حرمین کو نجدیوں سے مناظرہ کرنے کا حکم دیا۔ جب علماء حرمین نے ان سے مناظرہ کیا تو علمی اعتبار سے ان کو ایک مسخرہ سے زیادہ اہمیت نہیں دی اور جب ان کے عقائد پر غور کیا، تو وہ اکثر کفریات پر مشتمل تھے،

یہاں تک کہ قاضی حرین نے اعلان کر دیا کہ ان لوگوں پر کفر کی حجت قائم ہو گئی اور ان لوگوں کو تید کرنے کا حکم دیا، کچھ قید ہو گئے اور کچھ بھاگ گئے اور درعیہ پہنچ کر حالات سے آگاہ کیا، اسے باوجود ان لوگوں کی سرکشی بڑھتی گئی اور یہ لوگ اپنی گمراہی میں سرگرداں رہے۔

نجدیوں کا عربین پر قبضہ

شریف مسعود کے بعد اس کا بھائی شریف مسعود بن سعید اس کا جانشین مقرر ہوا۔ نجدیوں نے پھر شریف مسعود کے پاس اپنے علماء کا وفد مدینہ بھیجا اور حج کی اجازت چاہی، لیکن ان کے کفریہ عقائد کی بنا پر شریف مسعود نے بھی ان کو حج کی اجازت نہ دی، یہاں تک کہ حجاز میں دخل اندازی کرنے کی ان کی آرزوں پر پانی پھر گیا۔ شریف مسعود کے بعد اس کے بھائی شریف احمد بن سعید جانشین ہوا، اس کے بعد پھر امیر درعیہ نے اس کے پاس علماء کی ایک جماعت بھیجی۔ علماء مکہ نے جب ان کو ٹٹولا، تو یہ لوگ سخت قسم کے بے دین ثابت ہوئے۔ شریف مکہ نے علماء کے فتویٰ کفر کے بعد ان لوگوں کو حرم میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی جیسا کہ اس سے پہلے کی حکومتوں میں ہوتا آیا تھا۔ جب شریف سرور جانشین ہوا تو نجدیوں نے ایک بار پھر اپنے علماء کا وفد بھیجا اور اس سے کعبہ شریفہ کی زیارت کی اجازت چاہی۔ شریف نے کہا جس طرح دوسرے عجمی مکہ مکرمہ میں داخلے کے لیے چہرہ پیش کرتے ہیں، اسی طرح تم کو بھی ہر سال چہرہ اور عمدہ گھوڑے پیش کرنے ہوں گے۔ نجدیوں کو یہ فیصلہ ناگوار گزرا اور اس شرط پر انہوں نے حج کی حاضری سے انکار کر دیا۔

شریف سرور کے بعد جب شریف غالب سریر آرائے سلطنت ہوا، تو نجدیوں نے ایک بار پھر مکہ میں داخلے کی کوشش کی اور حج کے لیے اجازت چاہی، اس نے انکار

کیا۔ نجدیوں نے دھمکی دی کہ وہ حرین شریفین پر حملہ کر دیں گے اور انہوں نے فی الواقع ایسا ہی کیا اور ۱۲۰۵ھ کو حرین کریمین پر حملہ کر دیا، یہاں تک حرین شریفین نجدیوں کا مکمل قبضہ ہو گیا اور اس کے ایک سال بعد ۱۲۰۶ھ میں شیخ نجدی فوت ہو گیا بعض علماء نے اس کی تاریخ وفات بہا ہادک الخبیث کے جملہ سے نکالی ہے۔
 شیخ نجدی نے جس طرح بتدریج تفتیص رسالت کے ادوار طے کیے، اس کے بارے میں سید دحلان رقمطراز ہیں،

وكان في اول امره مولعا بمطالعة اخبار من ادعى النبوة كاذبا
 كسيلمة الكذاب وسجاح الاسود العنسي وطيحة الاسدي واضرابهم
 فكان يضمن في نفسه دعوى النبوة ولو امكنه اظهار هذا الدعوى
 لاطهرها وكان يسي جماعته من اهل بلده الضارويسي من
 اتبعه من الخارج المهاجرين واذا تبعه احد وكان قد حج حجة
 الاسلام يقول له حج ثانيا فان حجتك الاولى فعلتها وانت مشرك
 فلا تقبل ولا تسقط عنك الفرض واذا اراد احد ان يدخل في
 دينه يقول له بعد الاتيان بالشهادتين اشهد على نفسك انك
 كنت كافرا واشهد على والديك وانهما ماتا كافرين واشهد على
 فلان وفلان ويسمي له جماعة من ابرار العلماء الماضين ثم
 كانوا كفارا فان شهدوا قبلهم والامر يقتلهم وكان يصرح
 بتكفير الامة من منذ سبائة سنة وكان يكفر كل من لا يتبعه
 وان كان من اتقى المتقين فيسميهم مشركين ويستحل دماءهم
 واموالهم ويثبت الايمان لمن اتبعه وان كان من افق الفاسقين
 وكان ينتقص النبي صلى الله عليه وسلم كثيرا بعبارات مختلفة و

يزعم ان قصده المحافظة على التوحيد فمنها ان يقول انه طارش
 وهو في لغتنا اهل الشرق بمعنى الشخص المرسل من قوم الى
 اخرين بمعنى انه صلى الله عليه وسلم حامل كتب مرسله
 معه اى غايه امره انه كطارش الذى يرسله الامير او
 غيره فى امر لانا لى ليبلغكم اياه ثم ينصرف ومنها انه كان يقول
 نظرت فى قصة الحديسة فوجدت بها كذا كذا كذبة الى غير
 ذلك مما يشبه هذا حتى ان اتباعه كانوا يفعلون ذلك ايضا
 ويقولون مثل قوله بل يقولون افع مما يقوله ويخبرونه بذلك
 فيظهر الرضا وربها انهم تكلموا بذلك بحضرتة فيرضى به حتى
 ان بعض اتباعه كان يقول عصاى هذه خير من محمد
 لانها ينتفع بها فى قتل الحية ونحوها ومحمد قدمات ولم يبق فيه
 نفع اصلا وانما هو طارش ومضى قال بعض العلماء ان ذلك
 انه كان يكره الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم ويتاذى
 بسماعها وينهى عن الاتيان بهاليلة الجمعة وعن الجهر بها
 على المنائر ويؤذى من يفعل ذلك ويعاقبه اشد العقاب
 حتى انه قتل رجلا اعمى كان مؤذنا صالحا ذات صوت حسن
 نهاه عن الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم فى المنارة
 بعد الاذان فلم ينته واتى بالصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم
 فامر بقتله فقتل ثم قال ان الربابة فى بيت الخاطئة يعنى
 الزانية اقل اثما ممن ينادى بالصلاة على النبي صلى الله عليه
 وسلم فى المنائر ويلبس على اصحابه واتباعه بان ذلك كله محافظة

على التوحيد، فما قطع قوله وما اشنع فعله واحرف دلائل الخيرات
وغيرها من كتب الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم ويتستر
بقوله ان ذلك بدعة وانه يريد المحافظة على التوحيد و
كان يمنع اتباعه من مطالعة كثير من كتب الفقه والتفسير
والمحدث واحرق كثيرا منها واذن لكل من تبعه ان يفسر القرآن
بحسب فهمه حتى هبج الهبج من اتباعه فكان كل واحد منهم
يفعل ذلك ولو كان لا يحفظ شيئا من القرآن حتى صار الذي لا
يقرا منهم يقول لمن يقرأ اقرأ الى شيئا من القرآن وانا افسره
لك فاذا قرأ له شيئا يفسره وامرهم ان يعملوا بها نهموه منه
وجعل ذلك مقدا على كتب العلم ونصوص العلماء وتمسك في
تكفير الناس بآيات نزلت في المشركين فحملها على الموحدين و
قد وري البخاري في صحيحه عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما
في رصف الخوارج انهم انطلقوا الى آيات نزلت في الكفار فجعلوها
في المومنين وفي رواية اخرى عن ابن عمر عند غير البخاري
انه صلى الله عليه وسلم قال انخوف ما اخاف على امتي رجل
متاول للقران يضعه في غير موضعه فهذا وما قبله صادق على
ابن عبد الوهاب ومن تبعه ومما بدعيه محمد بن عبد الوهاب
انه اتى بدين جديد كما يظهر من اقواله وافعاله واحواله
ولهذا لم يقبل من دين نبينا صلى الله عليه وسلم الا القرآن
مع انه انما قبله ظاهرا فقط لئلا يعلم الناس حقيقة امره
فينكشوا عليه بدليل انه هو واتباعه انما يوتولونه بحسب

ما يوافق اهواءهم لا بحسب ما فسره النبي صلى الله عليه وسلم
 واصحابه والسلف الصالح وائمة التفسير فانه لا يقول بذلك
 كما انه لا يقول بما عد القرآن من احاديث النبي صلى الله عليه وسلم
 واقاويل الصحابة والتابعين والائمة المجتهدين ولا بما استنبطه
 الائمة من القرآن والحديث ولا ياخذ بالاجماع ولا القياس لصحيح
 وكان يدعى الانتساب الى مذهب الامام احمد رضى الله تعالى عنه
 كذبا وتسترا وزورا والامام احمد يرى منه ولذلك انتدب كثير
 من علماء المناهضة المعاصرين له للرد عليه والقوا في الرد عليه
 رسائل كثيرة حتى اخوه الشيخ سليمان بن عبد الوهاب الف
 رسالة في الرد عليه واعجب من ذلك انه كان يكتب الى
 عماله الذين هم من اجهل الجاهلين اجتهدوا بحسب فهمكم
 ونظركم واحكموا بما ترونه مناسبا لهذا الذين ولا تلتفتوا لهذه
 الكتب فان فيها الحق والباطل وقتل كثيرا من العلماء والصالحين
 وعوام المسلمين لكونهم لم يوافقوه على ما ابتدعه وكان يقسم الزكاة
 على ما يامر به شيطانه وهواه وكان اصحابه لا ينتحلون مذهبها
 من المذاهب بل يجتهدون كما كان يامرهم ويتسترون ظاهرا
 بمذهب الامام احمد رضى الله عنه ويلبسون بذلك على العامة
 وكان ينهى عن الدعاء بعد الصلاة ويقول ان ذلك بدعة وانكم
 تطلبون اجرا على الصلوة وامر القائم بدينه عبدالعزير بن
 سعود ان يخاطب المشرق والمغرب برسالة يدعوهم الى التوحيد
 وانهم عنده مشركون شركاء اكبر ليستبيح به الدم والمال فكان

ضابط الحق عنده ما وافق هواه وان خالف النصوص الشرعية
 واجماع الائمة وضابط الباطل عنده ما لم يوافق هواه وان كان
 على نص جلي اجمعت عليه الامة وكان يقول في كثير من
 اقوال الائمة الاربعة ليست بشي وقارة يتستر ويقول ان
 الائمة على حق ويقدم في اتباعهم من العلماء الذين الفوا
 في المذاهب الاربعة وحرروها ويقول انهم ضلوا واضلوا وتارة
 يقول ان الشريعة واحدة فالهرو ولا جعلوها مذهب اربعة
 هذا كتاب الله وسنة رسوله لا نعمل الا بهما ولا نفتدي بقول
 مصري وشامي وهندي يعني بذلك اكا بر علماء الحنابلة وغيرهم
 ممن لهم تاليف في الرد عليه واحتجوا في الرد عليه بنصوص الامام
 احمد رضى الله عنه وكان يخطب للجمعة في مسجد الدرعية ويقول
 في كل خطبة ومن توسل بالنبي فقد كفر وكان اخوه الشيخ سليمان
 ينكر عليه انكارا شديدا في كل ما يفعله او يامر به ولم يتبعه في شي
 مما ابتدعه وقال اخوه سليمان يوما كم اركان الاسلام يا محمد بن
 عبد الوهاب فقال خمسة فقال بل انت جعلتها ستة السادس
 من لم يتبعك فليس بمسلم هذا ركن السادس عندك للاسلام
 وقال رجل اخر يوما لمحمد ابن عبد الوهاب كم يعتق الله كل
 كل ليلة في رمضان فقال له يعتق في كل ليلة مائة الف وفي
 اخر ليلة يعتق مثل ما اعتق في الشهر كله فقال له لم يبلغ من
 تبعك عشر عشرين ما ذكرت فمن هؤلاء المسلمون الذين يعتقهم
 الله تعالى وقد حصرت المسلمين فيك وفيمن تبعك فبهت الذي

كفروا لما طال النزاع بينه وبين اخيه خاف آخوه ان يامر بقتله
فارتحل الى المدينة والى الف رسالة في الرد عليه وارسلها له فلم يئته
وقال له رجل مرة وكان رئيسا على قبيلة لا يقدر ان ليطوا به
ما تقول اذا اخبرك رجل صادق ذودين وامانة وانت تعرف صدق
بان قوما كثيرين قصدوك وهم وراء الجبل الفلاني فارسلت
الف خيال ينظرون القوم الذين وراء الجبل فلم يجدوا للقوم اثر
ولا احد منهم جاء تلك الارض اصلا تصدق الالف ام الواحد
الصادق عندك فقال اصدق الالف فقال له اذن جميع المسلمين
من العلماء الاحياء والاموات في كتبهم يكذبون ما اتيت به و
يزيقونه فنصدقهم ونكذبك فلم يعرف جوابا لذلك وقال
له رجل اخر هذا الذين الذي جئت به متصل او منفصل فقال
له حتى مشايخي ومشايخهم الى ستمائة سنة كلهم شركون فقال
له الرجل اذن دينك منفصل لا متصل فمن اخذته فقال وحى
الهام كالخضر فقال له اذن ليس ذلك محصورا فيك كل احد
يمكنه ان يدعى وحى الهام الذي تدعيه ثم قال له ان التوسل
مجمع عليه عند اهل السنة حتى ابن تيمية فانه ذكر فيه وجهين
ولم يذكر ان فاعله يكفر حتى الرافضة والخوارج والمبتدعة كافة
فانهم قائلون بصحة التوسل به صلى الله عليه وسلم فلا وجه
لك في التكفير اصلا فقال محمد بن عبد الوهاب ان عمر استسقى
بالعباس فلم يستسق بالنبي صلى الله عليه وسلم ومقصده محمد بن
عبد الوهاب بذلك ان العباس كان حيا وان النبي صلى الله عليه وسلم

میت فلا یستقی به فقال له ذلك الرجل هذا حجة عليك فان
استسقاء عمر بالعباس انما كان لادعلام الناس صحة التوسل
بغير النبي صلى الله عليه وسلم وكيف محتج باستسقاء عمر بالعباس
وعمر هو الذي روى حديث توسل آدم بالنبي صلى الله عليه وسلم
قبل ان يخلق فالتوسل بالنبي صلى الله عليه وسلم كان معلوما
عند عمر وغيره وانما اراد عمران يبين للناس ويعلمهم صحة
التوسل بغير النبي صلى الله عليه وسلم فبهت وتخير وبقى على
عماوته ومن قباحة الشنيعة انه منع الناس من زيارة قبر
النبي صلى الله عليه وسلم فبعد منعه خرج اناس من الاحساء
وزاروا النبي صلى الله عليه وسلم وبلغه خبرهم فلما رجعوا مروا
عليه في الدرعية فامر بخلق لحاهم ثمار كبهم مقلوبين من
الدرعية الى الاحساء به

شیخ نجدی کی گمراہی کی ابتدا

شیخ نجدی شروع شروع میں مدعی نبوت، مسیلمہ کذاب، سباج، اسود عسنی،
اور طلیحہ اسدی جیسے بے دین لوگوں کی کتابوں کا بڑے شوق سے مطالعہ کیا کرتا تھا
اور اس کے دل میں بھی شوق تھا کہ یہ دعویٰ نبوت کا اظہار کرے، اس نے زینین
دعویٰ نبوت رکھا اور خارج میں اسی بیخ پر کام کرتا تھا، لیکن اس کو کھل کر دعویٰ نبوت
کے اظہار کا موقع نہ مل سکا، لیکن اس نے طور اطوار سارے نبوت کے اپنا لیے
تھے۔ اس کے ہم عقیدہ لوگ باہر سے ہجرت کر کے آئے، ان کو یہ مہاجرین کہتا اور اپنے

۲۲۹/۱۳۳۲
لہ سید احمد بن زینی دحلان کی شافعی ہمتوں ۲، ۱۳۰۴ھ، خلاصۃ الکلام فی بیان امر البلاد الحرم ص

شہر والوں کو انسا رکھتا اور جو کوئی شخص اس کے ہاتھ پر بیعت کرتا اور اگر اس نے پہلے حج کر لیا ہوتا، تو یہ اس کو کہتا جا کر دوبارہ حج کرو، کیونکہ پہلا حج تم نے جس وقت کیا تھا اس وقت تم مشرک تھے، وہ حج تجھ سے مقبول نہ ہوگا اور نہ تجھ سے فریضہ حج ساقط ہوگا اور جب کوئی اس کے دین میں داخل ہونے کا ارادہ کرتا، تو اس سے کلمۃ الشہادتین پڑھانے کے بعد کہتا تھا کہ اس بات پر گواہی دو کہ تم اس سے پہلے کافر تھے اور گواہی دو کہ تمہارے ماں باپ کافر تھے اور اکابر علماء کا نام لے لے کر کہتا کہ گواہی کہ وہ سب کافر تھے، اگر وہ گواہی دے دیتا تو ان کا ایمان قبول کر لیتا، ورنہ قتل کروا دیتا اور شیخ نجدی بصرہ حاکم کہا کرتا تھا کہ چھ سو سال سے تمام امت کافر ہے اور وہ ہر اس شخص کی تکفیر کرتا تھا جو اس کی اتباع نہ کرے، اگرچہ وہ انتہائی پرہیزگار ہی شخص کیوں نہ ہو۔ وہ ایسے تمام اشخاص کو مشرک قرار دے کر ان کو قتل کروا ڈالتا اور ان کے مال و متاع کو لوٹنے کا حکم دیتا اور جو شخص اس کی اتباع کر لیتا، اس کو مومن قرار دیتا، اگرچہ وہ بدترین فاسقوں میں سے ہو۔

تنقیصِ سالت میں شیخ نجدی کی دیدِ لیری

شیخ نجدی مختلف طریقوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ نفسی و ابی و امی کی تنقیص کیا کرتا تھا اور اس کا زعم تھا کہ توحید کو محفوظ رکھنے کا یہی ایک طریقہ ہے اس کی چند گستاخیاں درج ذیل ہیں:

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو طارش کہا کرتا تھا اور نجد کی لغت میں طارش چھٹی رساں یا ایچی کو کہتے ہیں۔

۲۔ قصہ حدیبیہ کے بارے میں کہا کرتا تھا کہ اس میں اتنے جھوٹ بولے گئے ہیں، چنانچہ اس کے تابعین بھی یہ باتیں اس کے سامنے کرتے تھے اور وہ ان پر خوش ہوتا تھا۔

۳۔ اس کے سامنے اس کے تابعین میں سے ایک شخص نے کہا کہ میری لائٹھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہتر ہے، کیونکہ سانپ وغیرہ کو مارنے میں کام آسکتی ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فوت ہو چکے ہیں اور اب ان میں کوئی نفع باقی نہیں رہا۔ وہ محض ایک ایلچی تھے جو اس دنیا سے جا چکے۔

(بعض علماء نے یہ بیان کیا کہ شیخ نجدی کے یہ اقوال مذاہب اربعہ میں کفر ہیں اور بعض نے کہا یہ باتیں تمام اہل اسلام کے نزدیک کفر ہیں۔)

۴۔ شیخ نجدی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کو سخت ناپسند کرتا تھا اور درود شریف سننے سے اس کو تکلیف ہوتی تھی۔

۵۔ جمعہ کی رات کو درود شریف پڑھنے اور میناروں پر بلند آواز سے درود شریف پڑھنے منع کرتا تھا اور جو شخص اس طرح درود شریف پڑھتا، اس کو سخت تکلیف عذاب دیا کرتا تھا، یہاں تک کہ ایک خوش الحان نابینا موذن کو اس نے درود شریف پڑھنے کے جرم میں قتل کر دیا۔

۶۔ کہا کرتا تھا کہ کسی فاحشہ عورت کے کوٹھے میں ستار بجانے سے اس قدر گناہ نہیں ہے جس قدر گناہ مسجد کے میناروں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھنا ہے (اور اپنے اتباع کرنے والوں اور اپنے اصحاب سے کہتا تھا کہ اس طریق کار سے توحید کی حفاظت ہوتی ہے)

۷۔ اس کے بدترین افعال میں سے ایک یہ فعل ہے کہ اس نے دلائل الخیرات اور دوسری درود شریف پڑھنے والی کتابوں کو جلوا دیا اور ان کتابوں کے پڑھنے کو بدعت قرار دیتا تھا۔

۸۔ اس نے فقہ، تفسیر اور حدیث کی کتابیں جلوا ڈالی تھیں۔

۹۔ اس نے اپنے متبعین میں سے ہر شخص کو قرآن کریم کی اپنی رائے سے تفسیر

کی اجازت دے دی تھی۔ یہ اپنے متبعین میں سے کسی کو قرآن کریم کی تلاوت کا حکم دیتا، پھر از خود اس کی تفسیر کرتا، پھر جو کچھ اپنی فہم سے تفسیر کرتا، اس کو تمام علمی کتابوں اور تصریحاتِ علماء پر مقدم رکھتا۔

۱۔ جو آیات قرآن کریم میں منافقین اور مشرکین کے بارے میں نازل ہوئیں ان کو مسلمانوں پر منطبق کرتا حالانکہ صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خوارج کی سچان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کا طریقہ یہ ہے کہ جو آیتیں مشرکین کے بارے میں نازل ہوئیں، ان کو وہ مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک اور سند سے حدیث ہے کہ حضور نے فرمایا مجھے اپنی امت میں سب سے زیادہ اس شخص پر خوف ہے جو شخص قرآن پاک کی غلط تاویل کر کے آیات قرآن کو اس کے غیر محل میں چسپاں کرے گا اور یہ اور اس سے پہلی حدیث دونوں کا مصدق محمد بن عبدالوہاب ہے اور اس کے پیروکار ہیں اور جس چیز کی طرف اشارہ محمد بن عبدالوہاب دیتا ہے وہ ایک نیا دین ہے جیسا کہ اس کے اقوال، افعال اور قول سے ظاہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دین اسلام میں صرف قرآن کو حجت مانتا ہے اور قرآن کو بھی وہ فقط ظاہراً مانتا ہے تاکہ لوگ اس کی حقیقت سے واقف نہ ہو جائیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے آیات قرآنی کو اپنی ہوائے نفسانی سے کھلونا بنا رکھا ہے اور اپنی خواہش کے مطابق آیات قرآنی کو ڈھالتے رہتے ہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، اخیار تابعین اور ائمہ تقاسیر سے جو قرآن کریم کی تفسیر منقول ہے، شیخ نجدی اس کو حجت نہیں مانتا جس طرح یہ قرآن کریم کے علاوہ احادیث شریفہ، اقادیل صحابہ و تابعین اور فتاویٰ ائمہ مجتہدین کو نہیں مانتا۔ اسی طرح یہ قرآن کریم اور حدیث پاک سے جن مسائل کا استنباط کیا گیا ہے ان کو بھی نہیں مانتا، نہ قیاس کو صحت سمجھتا ہے اور نہ اجماع کو۔

شیخ نجدی دروغ گوئی سے اپنی نسبت امام احمد بن حنبل کی طرف کرتا ہے، حالانکہ حنبلی علمائے اس کا رد لکھتا ہے، یہاں تک کہ اس کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب نے بھی اس کے مزعومات کے رد پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ ذیل میں شیخ نجدی کے چند مزعومات پیش کیے جاتے ہیں:

۱۱۔ شیخ نجدی اپنے عمال کی طرف لکھتا تھا کہ تم خود اجتہاد کیا کرو اور اپنے تدبیر سے احکام جاری کیا کرو اور ان کتابوں کی طرف نہ دیکھو، کیونکہ ان میں حق اور باطل سبھی کچھ ہے، حالانکہ اس کے تمام عمال بدترین جاہل تھے۔

۱۲۔ اس نے ان بے شمار علماء صالحین اور عوام مسلمین کو قتل کروا دیا جنہوں نے اس کے نوزائیدہ دین کو تسلیم نہیں کیا۔

۱۳۔ (مسلمانوں کی لوٹ مار سے) جو مال حاصل ہوتا تھا، اس کی زکوٰۃ یہ اپنی ہوائے نفس سے تقسیم کیا کرتا تھا۔

۱۴۔ شیخ نجدی کے متبعین اپنے آپ کو مذہب کا پابند نہیں جانتے تھے البتہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے حنبلی مذہب کی طرف نسبت کرتے تھے۔

۱۵۔ شیخ نجدی نماز کے بعد دُعامانگے سے منع کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کیا تم اللہ تعالیٰ سے اس عبادت کی مزدوری مانگ رہے ہو۔

ابن سعود کا بد عقیدگی میں غلو

شیخ نجدی نے اپنے دین کو پھیلانے کا کام محمد بن سعود کے ذمے سونپ دیا تھا اور وہ عرب کے شرق اور غرب میں شیخ نجدی کی دعوت پھیلاتا تھا اور عام کہتا کہ تم سب لوگ مشرک ہو، تمہارا قتل کرنا جائز اور مال لوٹنا مباح ہے۔ اس کے نزدیک مسلمان ہونے کا معیار صرف شیخ نجدی کی بیعت تھی۔ خواہ بیعت کرنے

والافصوص شرعیہ کا مخالف اور اجماع امت کا تارک ہو، اور شرک کا معیار اس کے نزدیک یہ تھا کہ جو شخص شیخ نجدی کی موافقت نہ کرے، اگرچہ وہ نص صریح پر عمل کرتا ہو اور اجماع امت کا پابند ہو۔ محمد بن سعود علی الاعلان کہتا تھا کہ ائمہ اربعہ کے اقوال غیر معتبر ہیں، کبھی ائمہ کو حق پر ثابت کرتا اور ان کے پیروکاروں کی مذمت کرتا، جنہوں نے مذاہب اربعہ میں کتابیں لکھیں اور کہتا کہ یہ لوگ خود بھی گمراہ تھے اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا، کبھی کہتا شریعت ایک تھی، انہوں نے چار مذاہب بنا دیے ہیں۔ ہم اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے سوا کسی چیز پر بھی عمل نہیں کریں گے۔ اکابر علماء حنابلہ کی توہین کرتے ہوتے یہ کہتا، ہم نہیں جانتے یہ مہرئ شامی اور ہندی کون ہیں؟

مسلمانوں کے اعتراضات سے شیخ نجدی کا جواب ہونا

ایک بار شیخ نجدی درعیہ میں جمعہ کا خطبہ دے رہا تھا۔ دوران خطبہ میں اس نے کہا: جو شخص حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وسیلہ پکڑے، وہ کافر ہے۔ جمعہ کے بعد شیخ نجدی کے بھائی شیخ سلیمان نے پوچھا: بتاؤ اسلام کے کتنے ارکان ہیں؟ شیخ نجدی نے کہا پانچ۔ شیخ سلیمان نے کہا: تم نے تو اسلام کا چھٹا رکن بھی بنا دیا ہے اور وہ یہ کہ جو تمہاری پیروی نہ کرے وہ بھی کافر ہے۔

ایک اور شخص نے محمد بن عبدالوہاب سے پوچھا، اللہ تعالیٰ رمضان المبارک کی ہر رات میں کتنے مسلمانوں کو آزاد کرتا ہے؟ کہنے لگا: ایک لاکھ مسلمانوں کو، وہ شخص کہنے لگا، تمہارے پیروکار تو اس مقدار کے عشر عشیر کو بھی پہنچتے، تو آخر وہ کون سے مسلمان ہیں جن کو اللہ تعالیٰ رمضان المبارک کی راتوں میں جہنم سے آزاد کرتا ہے؟ جبکہ تم مسلمانوں کا حصہ صرف اپنے پیروکاروں میں سمجھتے ہو۔ اس گرفت پر شیخ نجدی

مہوت ہو گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ اسی اثنا میں شیخ سلیمان، شیخ نجدی سے ناراض ہو کر درعیہ سے مدینہ منورہ چلے گئے اور وہاں جا کر اس کا رد کرنا شروع کیا۔ ایک بار ایک قبیلہ کارتیس اس سے ملنے آیا اور اس سے کہنے لگا: اے شیخ تمہارا ایک معتمد اور خادم جو تمہارے نزدیک سچا ہو، اگر یہ خبر دے۔ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکرِ جبار آکر تم پر حملہ آور ہونے کی تیاری کر رہا ہے اور تم ایک ہزار آدمیوں کو اس بات کی تصدیق کے لیے روانہ کرو اور وہ دیکھیں کہ پیچھے نہ کوئی ہنگامہ ہے اور نہ کوئی لشکر، اور وہ اگر تم کو اس بات کی خبر دیں، تو تم اس ایک آدمی کی تصدیق کر دو گے یا ان ہزار آدمیوں کی۔ شیخ نجدی نے کہا: میں ہزار آدمیوں کی تصدیق کروں گا۔ اس قبیلہ کے سردار نے کہا: اسی طرح تمام سابق مسلمان علماء زندہ اور فوت شدہ اپنی کتابوں میں تمہاری دعوت اور تحریک اور تمہارے عقائد اور افکار کی تکذیب بیان کرتے رہے ہیں۔ پس ہم ان تمام کی تصدیق کریں یا صرف ایک تمہاری اس گرفت پر بھی شیخ نجدی بھونچکا رہ گیا اور اس کو کوئی جواب بن نہ آیا۔

ایک اور شخص نے شیخ نجدی سے سوال کیا: جس دین کو تم لے کر آتے ہو، یہ پہلے اسلام سے متصل ہے یا منفصل؟ شیخ نجدی نے جواب دیا: میرے اساتذہ اور ان اساتذہ کے اساتذہ حتیٰ کہ چھ سو سال تک یہ ساری امت کافر اور مشرک تھی اس شخص نے کہا: تب تو تمہارا دین منفصل ہے، پس تم نے یہ دین کس سے حاصل کیا؟ کہنے لگا: وحی الہام سے جیسی وحی الہام حضرت خضر پر ہوتی تھی۔ اس شخص نے جواب دیا: اگر وحی الہام کا دروازہ کھلا ہوا ہے، تو اس کی تمہارے ساتھ کیا خصوصیت ہے، ہر شخص ایک نیا دین لے کر اٹھ سکتا ہے اور کہے گا کہ اس کو یہ دین وحی الہام سے حاصل ہوا ہے۔ اس شخص نے پھر کہا: تمام اہل سنت کے نزدیک تو سل جائز ہے، حتیٰ کہ ابن تیمیہ نے بھی تو سل کی دو قسمیں ذکر کی ہیں اور اس نے یہ نہیں کہا کہ

وسیلہ کرنے والا شخص کافر ہے۔ حتیٰ کہ روافض، خوارج اور مبتدعہ کی بھی تکفیر نہیں کی، پھر تم وسیلہ کرنے والوں کی تکفیر کیوں کرتے ہو؟ شیخ نجدی نے جواب دیا، حضرت عمر نے حضرت عباس کے وسیلہ سے بارش کی دُعا مانگی اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے دُعا نہیں کی۔ شیخ نجدی کا مقصد یہ تھا زندہ کا تو تسل جائز ہے اور میت کا تو تسل جائز نہیں۔ اس شخص نے کہا: یہ دلیل تو تمہارے خلاف جاتی ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے دُعا اس لیے مانگی کہ حضور کے علاوہ دوسرے بزرگوں کے وسیلہ سے دُعا مانگنا بھی جائز ہے اور تم حضرت عمر سے کیسے استدلال کر سکتے ہو، حالانکہ حضرت عمر نے ہی اس حدیث کو بیان کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دُعا مانگی تھی۔ اس دلیل پر شیخ نجدی مہوت ہو گیا اور اسے کوئی جواب نہ آیا، لیکن اس کے باوجود وہ اپنی بد عقیدگی پر قائم رہا۔

شیخ نجدی کی گمراہی کی بین مثال

شیخ نجدی کی بد عقیدگیوں اور گمراہیوں کی مثالوں میں سے چند یہ ہیں؛ وہ مسلمانوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کے لیے جانے سے منع کیا کرتا تھا۔ کچھ لوگ احساہ سے اس کی اجازت کے بغیر روضۃ انور کی زیارت کو آئے۔ جب اس کو خبر پہنچی، تو اس نے ان مسلمانوں کو بلوا کر ان کی ڈاڑھیاں منڈوا دیں اور ان کو درعیہ سے نکال کر احساہ کی طرف بھجوا دیا۔

احادیث رسول اکرم سے شیخ نجدی کے ظہور کی مذمت کے بارے میں علامہ سید احمد دحلان لکھتے ہیں؛

قوله صلى الله عليه وسلم يخرج ناس من المشرق يقرؤون
القرآن لا يجاوزون تراقيهم يمرقون من الدين كما يمرق السهم من
الرمية لا يعودون فيه حتى يعود السهم الى فوقه سيما هم التحليق
وقوله صلى الله عليه وسلم راس الكفر نحو المشرق والفخر والخيلة
في اهل الخيل والابل وقوله صلى الله عليه وسلم من ههنا جأت
الفتن واشار نحو المشرق وقوله صلى الله عليه وسلم غلظ القلوب
والجفاء بالمشرق والايمن في اهل الحجاز وقوله صلى الله عليه وسلم
اللهم بارك لنا في شامنا اللهم بارك لنا في يمننا قالوا

يا رسول الله وفي نجدنا قال في الثالثة هناك الزلازل و
الفتن وبها يطلع قرن الشيطان وقوله صلى الله عليه وسلم ناس
من المشرق يقرؤون القرآن لا يجاوزون تراقيهم كلما قطع قرن نشاقون
حتى يكون اخرهم مع المسيح الدجال وفي قوله صلى الله عليه وسلم
سيما هم التحليق تنصيص على هولاء القوم الخارجين من المشرق
التابعين لمحمد بن عبد الوهاب فيما ابتدعه لانهم كانوا يامرؤن
من اتبعهم ان يحلق رأسه لا يتركونه يفارق مجلسهم اذا تبعهم
حتى يحلقوا رأسه ولم يقع مثل ذلك قط من احد من الفرق الضالة
التي مضت قبلهم ان يلتزموا مثل ذلك فالحديث صريح فيهم و
كان السيد عبد الرحمن الاهدل مفتي زبيد يقول لا يحتاج التاليف
في الورد على بن عبد الوهاب بل يكفي في الورد عليه قوله صلى الله عليه وسلم
سيما هم التحليق فانه لم يفعله احد من المبتدعة وكان محمد بن عبد الوهاب
ياهر ايضا يحلق درس النساء اللاتي يتبعنه فاقامت عليه الحجّة مرة

مرآة دخلت في دينه وجددت اسلا مها على زعمه فامر بخلق راسها
فقال له لم تا مر بخلق الراس للرجال فلو امرتهم بخلق اللحي اساغ
لك ان تا مر بخلق روس النساء لان شعر الراس للنساء بمنزلة اللحية
للرجال فبهت الذي كفرو لم يجد لها جوابا -

احادیثِ رسول سے شیخ نجدی کے خروج کی تعیین

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچھ لوگوں کا ادب کے، مشرق کی جانب سے
ظہور ہوگا، قرآن پڑھیں گے، لیکن وہ ان کے حلق کے نیچے سے نہیں اترے گا، دین سے
اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے اور دوبارہ شکار واپس نہیں
آسکتا، اسی طرح وہ لوگ بھی ہیں جو دین میں دوبارہ داخل نہیں ہو سکیں گے ان کی علامت
یہ ہوگی کہ وہ سر منڈایا کریں گے۔ نیز حضور پاک نے فرمایا: کفر کا گڑھ مشرق کی جانب ہے
اور فرمایا سخت دلی اور سنگ دلی مشرق کی جانب ہے اور ایمان اصلا، حجاز میں ہے۔
اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ آپ نے دعائے اے اللہ! ہمارے
شام میں برکت دے اور ہمارے یمن میں برکت دے۔ صحابہ نے عرض کیا: ہمارے نجد
میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کے لیے دعائیں مانگی اور تیسری بار فرمایا وہاں سے
زلزلے اور فتنے نمودار ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سنگھ طلوع ہوگا اور یہ بھی حضور کی
حدیث ہے کہ کچھ لوگوں کا ادب کے، مشرق سے ظہور ہوگا، قرآن پڑھیں گے اور وہ ان
کے حلق کے نیچے سے نہیں اترے گا۔ جب ایک صدی ختم ہو جائے گی، تو دوسری صدی
اسی طرح آئے گی، حتیٰ کہ ان کے آخر میں مسیح الدجال کا ظہور ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان بد عقیدہ لوگوں کی علامت یہ ہوگی کہ وہ

۱۔ سید احمد بن زینی دحلان کی تصانیف، متوفی ۱۳۰۴ھ، خلاصۃ الکلام فی بیان امر الہدایۃ ص ۲۳۴/۲۳۵

سرمنڈائیں گے، یہ نص صریح ہے۔ ان لوگوں پر جو عرب کی مشرقی جانب سے ظاہر ہوئے اور جنہوں نے محمد بن عبدالوہاب کی پیروی کی، کیونکہ محمد بن عبدالوہاب اپنے پیروکاروں کو سرمنڈانے کا حکم دیتے تھے اور زائرین مدینہ کی اس وقت تک اس سے جان نہیں چھٹی تھی، جب تک کہ وہ سر نہیں منڈا لیتے تھے۔

اس سے پہلے جتنے بھی فرقے گزرے ہیں، ان میں سے کوئی بھی فرقہ سرمنڈوانے کا التزام نہیں کرتا تھا۔ پس اس حدیث صحیح میں جن بد عقیدہ اور دین سے نکلنے والے لوگوں کی خبر دی گئی ہے، اس کے مصداق صرف شیخ نجدی کے پیروکار ہیں۔ اسی وجہ سے سید عبدالرحمان الابدل مفتی زبید کہتے تھے کہ محمد بن عبدالوہاب کی گمراہی اور دین سے خروج پر کوئی علیحدہ اور مستقل دلیل لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس کے فرقے کے بطلان کے لیے یہ امر کافی ہے کہ انہوں نے سرمنڈانا اپنا شعار بنا لیا ہے، بلکہ ان کے رد کے لیے یہ کافی ہے کہ محمد بن عبدالوہاب تو ان عورتوں کے بھی بال منڈوا دینا چاہتا تھا جو اس سے بیعت کے لیے آتی تھیں۔

ایک بار ایک عورت نے اس کے نئے دین میں داخل ہوتی اور پچھلے اسلام سے تائب ہوتی۔ محمد بن عبدالوہاب نے اس کے سر کے بال منڈوانے کا حکم دیا۔ اس عورت نے کہا، تم مردوں کے صرف سر کے بال منڈوانے پر کیوں اکتفا کرتے ہو، اگر تم ان کی ڈاڑھیاں بھی منڈوادو، تو تم کو یہ حق پہنچتا ہے کہ تم ہمارے سر کے بال کٹوادو، کیونکہ عورتوں کے سر کے بال بمنزلہ مردوں کی ڈاڑھیاں کے ہیں۔ اس عورت کی یہ بات سن کر شیخ نجدی مبہوت رہ گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔

اس کے بعد سید احمد دحلان، علامہ سید علوی بن احمد حسن ابن القطبی کی کتاب جلال الظلام فی الرد علی النجدی الذی اضل العوام سے چند اقتباسات نقل فرماتے ہیں:

وذكر العلامة السيد علوي بن احمد بن حسن ابن القطب
 سيدي عبد الله بن علوي الحداد في كتابه الذي الفه في السرد
 على ابن عبد الوهاب المسمى "جلاء الظلام في الرد على النجدي
 الذي اضل العوام" من جملة الاحاديث التي ذكرها في الكتاب
 المذكور حديثا مرويا عن العباس ابن عبد المطلب رضي الله عنه
 عن النبي صلى الله عليه وسلم سيخرج في ثاني عشر قرنا في وادع
 بني حنيفة رجل كهيفة الثور لا يزال يلحق برأطه يكثر في زمانه
 الهرج والمرج يستحلون اموال المسلمين ويتخذونها بينهم
 متجرا ويستحلون دماء المسلمين ويتخذونها بينهم مفتحا وهي
 فتنة يعتز فيها الارذلون والسفل تجاري بهم الا هواء كما
 يتجاري الكلب بصاحبه ولهذا الحديث شواهد تقوى معناه
 وان لم يعرف من خروجه ثم قال السيد المذكور في الكتاب الذي
 مر ذكره واصرح من ذلك ان هذا المغرور محمد بن عبد الوهاب
 من تميم فيحمل انه من عقب ذي الخويصرة التميمي الذي جاء
 فيه حديث البخاري عن ابي سعيد الخدري رضي الله عنه ان النبي
 صلى الله عليه وسلم قال ان من ضئني هذا وفي عقب هذا قوما
 يقرون القرآن لا يجاوز حناجرهم يهرقون من الدين كما يهرق
 السهم من الرمية يقتلون اهل الاسلام ويدعون اهل الاوثان
 لئن ادركتهم لا قتلهم قتل عاد فكان هذا الخارجي يقتل اهل
 الاسلام ويدع اهل الاوثان ولما قتل علي بن ابي طالب رضي الله
 عنه الخوارج قال رجل الحمد لله الذي ابادهم واداحت عنقهم

فقال على رضى الله تعالى عنه كذا والذي نفسى بيده ان منهم لمن هو فى اصلاب الرجال لم تحمله النساء وليكونن اخرهم مع المسيح الدجال وجاء فى حديث عن ابى بكر الصديق رضى الله عنه ذكر فيه بنى حنيفة قوم مسيما الكذاب وقال فيه ان واديهم لا يزال وادى فتن الى اخر الدهر ولا يزال الدين فى بلية من كذابهم الى يوم القيامة وفى رواية ويل لليمامة ويل لافراق له وفى حديث ذكره فى مشكوة المصابيح سيكون فى اخر الزمان قوم يجدونكم بما لم تسمعوا انتم ولا اباؤكم فاياكم واياهم لا يضلونكم ولا يفتنونكم وانزل الله فى بنى تميم ان الذين ينادونك من وراء الحجرات اكثرهم لا يعقلون وانزل الله فيهم ايضا لا ترفعوا اصواتكم فوق صوت النبى صلى الله عليه وسلم قال السيد علوى الحداد المذكور الفنا ان الذى ورد فى حنيفة وفى ذم بنى تميم ووائل شئى كثير و يكفيك ان اغلب الخوارج واكثر منهم وان الطاغية بن عبد الوهاب من تميم وان رئيس الفرقة الباغية عبد العزيز من وائل وجاء عنه صلى الله عليه وسلم انه قال كنت فى مبد الرسالة اعرض نفسى على القبائل فى كل موسم ولم يجيبني احد جوابا اقبح ولا اجث من رد حنيفة - له

علامہ الظلام کا خلاصہ

علامہ سید علوی بن احمد بن حسن القطب سیدی عبداللہ بن علوی الحداد نے ابن

ابن سید احمد بن زینب دحلان کی شافعی متون ۱۳۰۴ھ، خلاصہ الکلام فی امر الیہ المرام ص ۳۴۶/۳۴۵

عبدالوہاب کے رد میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام جلاہ الظلام فی الرد علی النجدی الذی اضل العوام ہے، اس میں تقریباً وہ تمام احادیث ذکر کی ہیں جن کو ہم اس سالہ میں پیش کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ابن عباس سے ایک اور حدیث پیش کی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بارہویں صدی میں وادی بنی حنیفہ میں ایک شخص کا ظہور ہوگا جس کی ہتھکت کذائی بیل کی طرح ہوگی اور وہ خشکی کا تمام چارہ کھا جائے گا۔ اس کے زمانہ میں قتل و خونریزی بہت ہوگی، وہ مسلمانوں کا مال حلال سمجھ کر لوٹ لیں گے اور ان اموال سے تجارت کریں گے اور مسلمانوں کے قتل عام کو حلال سمجھ کر ان کے قتل پر فخر کریں گے۔ یہ ایک ایسا فتنہ ہوگا جس میں ذلیل قسم کے لوگ ابھر کر غالب ہو جائیں گے اور نچلے درجے کے لوگ ان کی خواہشات کی پیروی کریں گے، جیسے کتا اپنے مالک کے پیچھے دم ہلاتا پھرتا ہے۔ اس حدیث کے بہت سے شواہد اور اس کے معنی بہت سے روایات ہیں، اگرچہ اس کی اصل کا پتہ نہیں چلا سکا۔

اس کے بعد سید علوی لکھتے ہیں: اس سے بھی زیادہ صریح بات یہ ہے کہ فریب خوردہ شیخ نجدی بنو تمیم کی پیداوار تھا اور اس لحاظ سے بھی یہ ممکن ہے کہ یہ ذوالنخسہ تیمی کی صلب سے پیدا ہوا ہو جس کے بارے میں صحیح بخاری میں حدیث ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی زمین سے یا فرمایا اس شخص (ذوالنخسہ) کی اولاد سے ایک ایسی قوم پیدا ہوگی کہ وہ قرآن پڑھیں گے اور قرآن ان کے زخروں سے نیچے نہیں اترے گا، دین سے نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے مسلمانوں کو قتل کریں گے اور کفار سے تعرض نہیں کریں گے۔ اگر اس وقت ہیں اس کا زمانہ پانا تو ان کا اس طرح قتل عام کرتا جس طرح قوم عاد کا قتل عام کیا گیا تھا۔ اسی طرح یہ خارجی بھی اہل اسلام کو قتل کرتا ہے اور کفار سے اس کا کوئی جھگڑا نہیں ہے اور جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوارج کو قتل کر دیا تو ایک شخص نے کہا: الحمد للہ جس نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہمیں

راحت دی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہرگز نہیں، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، ابھی خوارج میں سے وہ لوگ باقی ہیں جو مردوں کی پشتوں میں ہیں اور عورتوں سے ہنوز وہ پیدا نہیں ہوتے اور انہیں میں سے آخری شخص مسیح الدجال ہوگا اور حضرت ابوبکر صدیق نے مسیلمہ کذاب کی قوم بنو حنیفہ کے بارے میں فرمایا: ان کی وادی سے قیامت تک فتنوں کا ظہور ہوتا رہے گا اور دین اسلام ہمیشہ کذابوں کی وجہ سے فتنوں میں مبتلا رہے گا۔ اس کے بعد علامہ علوی نے مشکوٰۃ شریف سے ایک حدیث شریف نقل کی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخری زمانہ میں ایک قوم ایسی ظاہر ہوگی جو تم سے ایسی باتیں کرے گی جو نہ تم نے سنتی ہوں گی، نہ تمہارے باپ دادا نے پس تم ان سے ہرگز نہ ملنا کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں یا کسی فتنہ میں مبتلا نہ کر دیں، اور یہ بنو تمیم ہی تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرهم لا یعقلون -

(یہ لوگ آپ کو دروازے کے باہر سے آواز دے کر بلاتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں) اور یہ آیت بھی بنو تمیم ہی کے بارے میں نازل ہوئی:

لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی

(نبی علیہ السلام کی آواز کے اوپر اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو)

سید علی مداد فرماتے ہیں کہ بنو تمیم، بنو حنیفہ اور وائل کی مذمت میں بہت چیزیں وارد ہوئی ہیں۔ یاد رہے کہ وادی بنو حنیفہ قبیلہ بنو تمیم میں سے اکثر خوارج کا ظہور ہوا اور فرقہ وہابیہ کا رئیس عبدالعزیز وائل سے تھا اور قبیلہ وائل کے بارے میں یہ روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کے ابتدائی ایام میں حج کے موسم میں مختلف قبائل پرین اسلام پیش فرماتے تھے، آپ فرماتے ہیں: میرے پیغام کے جواب میں کسی قبیلہ نے اتنا قبیح اور خبیث جواب نہیں دیا تھا، جتنا قبیح اور خبیث جواب بنو حنیفہ کے لوگوں نے دیا تھا۔

علامہ جمیل آفندی صدیقی زہاروی عراقی

علامہ عراقی شیخ نجدی کے ابتدائی حالات سے انجام کار تک نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں :

اما ولادته فقد كانت سنة ۱۱۱۱ و توفى سنة ۱۲۰۸ وكان في ابتدائه امره من طلبه العلم يتردد على مكة والمدينة لاخذه عن علمائهم ومن اخذ عنه في المدينة الشيخ محمد بن سليمان الكوردي والشيخ محمد حياة السندی وكان الشيخان المذكوران وغيرهما من المشايخ الذين اخذ عنهم يتفلسفون فيه الخوايه والدلحاد ويقولون سيضل الله تعالى هذا ويضل به من اشقاه من عباده فكان الامر كذلك وكذا كان ابوه عبد الوهاب وهو من العلماء الصالحين يتفلسف في الدلحاد ويحذر الناس منه وكذلك اخوه الشيخ سليمان حتى انه الف كتابا في الرد على ما احدثه من البدع والعقائد الزائغة وكان محمد هذا يادئ بدئه كما ذكره بعض كتابوا المؤلفين مولعا بمطالعة اخبار من ادعى النبوة كاذبا كسيلمة الكذاب وسجاح والاسود العنسي وطلحة الاسدي واضرابهم فكان يضمرفي نفسه دعوى النبوة الا انه لم يتمكن من اظهارها وكان يسمى متابعيه من الخارج المهاجرين وكان يامر من حج حجة الاسلام قبل اتباعه ان يحج ثانية قائلا ان حجتك الاولى غير مقبولة لا حجتها وانت

مشايخنا وبلغوا من الجهل والخراب في ديننا اشهد

انك كنت كافرًا وشهدت على من ادعى النبوة

على فلان وفلان ويسمى له جماعة من اكابر العلماء الماضين
 انهم كانوا كافرا فان شهد بذلك قبله والامر بقتله وكان يصرح
 بتكفير الامة منذ ستمائة سنة ويكفر كل من لا يتبعه وان كان
 من ائمة المسلمين ويسميهوم مشركين ويستحل دماءكم واموالهم
 ويثبت الايمان لمن اتبعه وان كان من ائمة الناس وكان عليه
 ما يستحق من الله ينتقص النبي صلى الله عليه وسلم كثير العبارات
 مختلف منها قوله فيه انه (طارش) وهو في لغة العامة بمعنى
 الشخص الذي يرسله احد الى غيره والعوام لا يستعملون هذه
 الكلمة فيمن له حرمة عندهم ومنها قوله اني نظرت في قصة الحذبية
 فوجدت فيها كذا وكذا من الكذب الى غير ذلك من الالفاظ الاستخفاف
 حتى ان بعض اتباعه يقول بحضرة ان عصاى هذه خير من محمد
 لاني انتفع بها ومحمد قد مات فلم يبق فيه نفع وهو يرضى بكلامه و
 وهذا تعلم كفو في المذاهب الاربعة ومنها انه كان يكره الصلاة
 على النبي صلى الله عليه وسلم وينهى عن ذكرها ليلة الجمعة وعن الحجر
 بها على النابرو يعاقب من يفعل ذلك عقابا شديدا حتى انه قتل رجلا
 اعمى مؤذنا لم يرضه عما امره بتركه من ذكر الصلوة على النبي صلى الله
 عليه وسلم بعد الاذان ويلبس على اتباعه قائلا ان ذلك كله مخالفة
 على التوحيد وكان قد احرق كثيرا من كتب الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم
 كدلائل الخيرات وغيرها وكذلك احرق كثيرا من كتب الفقه والتفسير
 والحديث مما هو مخالف لابا لهيله وكان ياذن لكل من تبعه ان يفسر
 القرآن بحسب فهمه - له

له عند جميل عراقي، الفجر الصادق ص ٤١٨

شیخ نجدی کے ابتدائی حالات

شیخ نجدی ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوا اور ۱۲۰۷ھ میں فوت ہوا۔ تحصیل علم کے لیے شروع میں مدینہ اور مدینہ گیا، وہاں شیخ محمد سلیمان کردی اور شیخ محمد حیات سندھی اور دوسرے مشائخ سے ملاقات ہوئی۔ اکثر مشائخ نے فراستِ ایمانی سے اس کی پیشانی پر گمراہی اور بدعتی کے آثار دیکھے اور وہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو گمراہ کر دے گا اور اس کی وجہ سے نبوت سے بندگانِ خدا گمراہی کے کنوئیں میں جا گریں گے اور فی الواقع ایسا ہی ہوا۔ شیخ نجدی کے والد گرامی شیخ عبدالوہاب بھی علماء صالحین میں سے تھے۔ انہوں نے بھی اس کی پیشانی پر بے دینی اور کفر کے آثار دیکھے لیے تھے، چنانچہ وہ مسلمانوں کو اس سے بچنے کی تلقین کرتے تھے، اسی طرح اس کے بھائی شیخ سلیمان بھی اس کی بدعتیگی میں اس کے رد میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

بدعتیگی کی جانب پہلا قدم

ابتدا میں شیخ نجدی جوڑے مدعیانِ نبوت مثلاً مسیلمہ کذاب، سجاح اسود غسانی، طلحہ سدی اور دوسرے مدعیانِ نبوت کی کتابوں کا بڑے شوق سے مطالعہ کیا کرتا تھا اور وہ خود بھی اپنے تئیں نبوت کا مدعی سمجھتا تھا۔ لیکن اس کو اس دعویٰ کے اظہار پر قدرتِ مانعہ ہوئی۔ اپنے شہر والوں کا نام اس نے انصار رکھا اور اسی کے دورے ہم عقیدہ جو لوگ ہمارے آئے، ان کا نام مہاجرین رکھا جو شخص اس کے ہاتھ پر بیعت کرتا، اس سے اقرار کرتا اور اپنی پچھلی زندگی مشکوٰۃ تھی اور اگر تم حج کر چکے ہو تو تم پر اب دوبارہ حج کرنا لازم ہے اور اس سے کہتا کہ تم گواہی دو کہ تم پہلے مشرک تھے، تمہارے ماں باپ بھی مشرک پر مرے اور گزشتہ اکابر

۱۱۱۵ھ میں پیدا ہوا اور ۱۲۰۶ھ میں فوت ہوا۔ (قادری)

علماء دین کا نام لے لے کر کہتا کہ گواہی دو، وہ سب مشرک تھے۔ اگر وہ شخص یہ گواہیاں دیتا تو اس کی بیعت قبول کرتا، ورنہ اس کو قتل کر دیتا اور شیخ نجدی تبصریح کہتا تھا کہ اب سے چھ سو سال پہلے کی تمام اُمت کافر تھی اور وہ شخص جو اس کی پیروی نہ کرتا، اس کو کافر کہتا خواہ وہ کتنا ہی پرہیزگار مسلمان کیوں نہ ہو اور اس کے قتل کو حلال اور اس کے مال لوٹنے کو جائز سمجھتا اور جو شخص اس کی اتباع کر لیتا خواہ وہ کیسا ہی فاسق کیوں نہ ہو، اس کو مومن کہا کرتا تھا۔

بد عقیدگی کی انتہا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مختلف طریقوں سے گستاخیاں کرتا تھا۔ آپ کو طارش کہتا تھا اور طارش کے معنی نجد کی لغت میں اپچی کے ہوتے ہیں۔ واقعہ مدینہ کے بارے میں کہا کرتا تھا کہ میں نے اس واقعہ کو پڑھا اور اس میں اتنی جھوٹی باتیں تھیں، نیز اس کے پیروکار اس کے سامنے بر ملا کہتے تھے کہ ہماری لاکھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو فوت ہو چکا اور ان میں کوئی نفع باقی نہیں رہا۔ یہ باتیں سن کر وہ خوش ہوا کرتا تھا، اور یہ امور مذاہب اربعہ میں کفر ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھے جانے کو ناپسند کرتا تھا اور جو مسلمان جمعہ کی رات کو بلند آواز سے درود شریف منبر پر پڑھتے تھے، انہیں روکتا تھا اور سخت ترین ایذا میں پہنچاتا تھا، حتیٰ کہ ایک نابینا توذن جو اذان سے پہلے درود شریف پڑھتا تھا، اور اس کے روکنے سے نہیں رکتا تھا، اس کو اس نے قتل کر دیا اور اپنے پیڑکاروں کو فریب آفرینی سے یہ سمجھایا کرتا تھا کہ میں یہ سب کام توحید کی حفاظت کیلئے کر رہا ہوں۔ درود شریف کے موضوع پر دلائل الخیرات اور اس جیسی کتنی ہی کتابیں اس نے جلاڈالیں۔ اسی طرح فقہ اور تفسیر اور حدیث کی جو کتابیں اس کے مزعومات کے خلاف

تھیں، ان سب کو اس نے جلاڈالا اور اس نے پیروکاروں کو اذن عام دے رکھا تھا کہ جس طرح چاہیں، اپنی عقل سے قرآن کریم کی تفسیر کریں۔

شیخ نجدی نے محمد بن سعود کو جو اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے آلہ کار بنایا، اس موضوع پر علامہ عراقی لکھتے ہیں :

ثم انه صنف لابن سعود رسالة سماها كشف الشبهات و
عن خالق الارض والسموات (كفر فيها جميع المسلمين وزعم
ان الناس كفار منذ ستمائة سنة وحمل الايات نزلت في
الكفار من قریش على التقياء الامة واتخذ ابن سعود ما يقوله
وسيلة لاتساع الملك والقياد الاعراب له فنصار ابن عبد الوهَّاب
يدعو الناس الى الدين ويثبت في قلوبهم ان جميع من هوجت
السماء، مشرك بلامر - ومن قتل مشركا فقد وجبت له الجنة
وكان ابن سعود يمثل كلما يامر به فاذا امره بقتل السارح
اخذ ماله سارع الى ذلك فكان ابن عبد الوهَّاب في قومه كالنبي
في امته - لا يتركون شيئا الا يامر به ويعظمونه غاية التعظيم -
ويجلبونه غاية التبجيل له

محمد بن سعود سے گٹھ جوڑ

شیخ نجدی نے محمد بن سعود کی خاطر کشف الشبهات نامی ایک رسالہ لکھا۔ اس رسالہ میں اس نے تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا اور یہ زعم کیا کہ چھ سو سال سے تمام مسلمان کفر اور شرک میں مبتلا ہیں اور قرآن کریم کی جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی تھیں، ان کو

لہ علامہ جمیل عراقی، الفجر الصادق، ۱۹۲۰ء

صاح مسلموں پر چسپاں کیا۔

ابن مسعود نے اس رسالہ کو اپنی مملکت کی حدود وسیع کرنے کے لیے وسیلہ بنالیا تاکہ عرب اس کی پیروی کریں۔ شیخ نجدی لوگوں کو اپنے دین کی طرف دعوت دیتا اور لوگوں کو یہ ذہن نشین کراتا کہ آسمان کے نیچے اس وقت جس قدر مسلمان ہیں، بلا ریب سب مشرک ہیں اور جو مشرک کو قتل کرے گا، اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔ شیخ نجدی جو بھی حکم دیتا، ابن سعود اس پر عمل کرتا۔ جب شیخ نجدی کسی انسان کے قتل یا اس کے مال لوٹنے کا حکم جاری کرتا، تو ابن سعود اس حکم کی تعمیل کرتا، پس نجدیوں کی اس قوم میں محمد بن عبد الوہاب ایک نبی کی شان سے رہتا تھا۔ اس کی ہر بات پر عمل کیا جاتا تھا اور وہ کوئی کام اس کی اجازت کے بغیر نہیں کرتے تھے اور نجد کے لوگ شیخ نجدی کی اتنی تعظیم کرتے تھے جتنی تعظیم کسی نبی کی کی جاسکتی ہے۔

شیخ نجدی نے جو طحرانہ اور انسانیت سوز ظالمانہ کارروائیاں کیں، ان پر قلم اٹھاتے ہوئے علامہ عراقی لکھتے ہیں:

ومن قبايح ابن عبد الوهاب احراقه كثيرا من كتب العلم وقتله
 كثيرا من العلماء وخواص الناس وعوامهم واستباحة دما نهم و
 اموالهم ونبشه لقبور الاولياء وقد امرني الاحساء ان تجعل بعض
 قبورهم محلا لقضاء الحاجة ومنع الناس من قراءة دلائل الخيرات ومن
 الرواتب والاذكار ومن قوادة المولد الشريف ومن الصلاة عن النبي
 صلى الله عليه وسلم في المنائر بعد الاذان وقتل من فعل ذلك ومنع
 الدعاء بعد الصلاة وكان يصرح بكفر المتوسل بالانبياء والملائكة
 والاولياء ويزعم ان من قال لاحد مولانا اوستيدنا فهو كافر۔
 ومن اعظم قبايح الوهابية اتباع ابن عبد الوهاب قتلهم الناس

حين دخلوا الطائف قتلا عاما حتى استاصلوا الكبير والصغير واوردوا
 بالمامور والامير، والشريف والوضيع، وصاروا يذبحون على صدر الامام
 طفلها الوضيع ووجدوا جماعة يتدارسون القرآن عن اخرهم ولما ابادوا
 من في البيوت جميعا نحرها الى الحوانيت والمساجد وقتلوا من فيها
 وقتلوا الرجل في المسجد وهو راكع او ساجد حتى اقتوا المسلمين
 في ذلك البلد ولم يبق فيه الا قدر نيف وعشرين رجلا تمنعوا في
 بيت الفتى بالوصاص ان يصلوهم وجماعة في بيت الفعرد المائتين
 وسبعين قاتلوهم يومهم ثم قاتلوهم في اليوم الثاني والثالث حتى راسلوهم
 بالامان مكر وخديعة فلما دخلوا عليهم واخذوا منهم السلاح قتلوهم
 جميعا واخرجوا غيرهم ايضا بالامان وانعهدوا الى وادي روج) وتركوهم
 هنالك في البرد والشج حفاة عراة مكشوفى السوات هم ونساؤهم من
 مخدرات المسلمين ونهبوا الاموال والتقود والاثاث وطرحوا الكتب
 على البطاح وفي الازقة والاسواق تعصف بها الرياح وكان فيها كثير
 من المصاحف ومن نسخ البخارى ومسلم وبقية كتب الحديث والفقہ
 وغير ذلك تبلغ الوفا مولفة فمكثت هذه الكتب اياما وهم يطؤونها
 بارجلهم ولا يستطيع احدان يرفع منها ورقة ثم اخرجوا البيوت و
 جعلوها قاعا صفتفا وكان ذلك سنة ۱۲۱۸ هـ

شیخ نجدی کی علم اور علماء سے عداوت

شیخ نجدی کے نفرت انگیز کاموں میں سے ایک کام یہ ہے کہ اس نے کثیر تعداد میں

۱۰ علامہ جمیل عراقی، الفجر الصادق، ص ۲۲/۲۱

علمی کتابوں کو جلو اڈالا۔ دوسرا یہ کہ کثیر علماء کو قتل کرادیا، اسی طرح عوام و خواص میں سے بے حساب بے گناہوں کے خونِ ناحق اس کے ہاتھ رنگین ہوئے اور اس نے ان کے قتل کو حلال اور حل کو لوٹنا جانتے ٹھہرایا تھا۔ تیسرا بدترین فعل یہ ہے کہ اس نے اولیاء اللہ کی قبروں کو کھدوا ڈالا اور چوتھا اس سے بھی قابلِ نفرت کام یہ کیا کہ احساہ میں اولیاء کرام کی قبریں کو بیت الخلاء میں تبدیل کرادیا۔ لوگوں کو دلائل الخیرات اور دوسرے ذکر و اذکار پڑھنے سے منع کرتا تھا۔ ہی طرح میلاد شریف اور مسجد کے میناروں میں اذان کے بعد درود شریف پڑھنے سے روکتا تھا جو مسلمان یہ مبارک اور مستحسن کام کرتے، ان کو قتل کرادیتا۔ نماز کے بعد دعائے مانگنے سے منع کرتا تھا۔ انبیاء، ملائکہ اور اولیاء کرام کے وسیلہ سے دعائے مانگنے کو صراحتاً کفر قرار دیتا تھا اور کہتا تھا جو شخص کسی کو مولانا یا سیدنا کہے، وہ کافر ہے۔

دہا بیریہ کے لڑہ خیز مظالم

دہا بیریہ کے بدترین مظالم میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے طائف پر غلبہ پا کر قتل عام شروع کر دیا، یہاں تک کہ بوڑھوں تک سب کو تہ تیغ کر دیا اور اس سلسلہ میں انہوں نے امیر، مامور اور عوام و خواص کا کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ ظلم کی انتہا یہ تھی کہ ماں کے سامنے اس کے شیر خوار بچے کو ذبح کر دیتے تھے۔ ایک جگہ کچھ لوگ قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ انہوں نے ان تمام لوگوں کو اسی حالت میں قتل کر دیا۔ گھروں سے فارغ ہونے کے بعد دکانوں اور مسجدوں کا رخ کیا، مسجد میں نمازیوں کو عین نماز کی حالت میں قتل کر دیا خواہ کوئی قیام میں ہو، رکوع میں یا سجدہ میں یہاں تک کہ بیس پچیس کے سوا تمام اہل طائف تہ تیغ کر دیے گئے۔ ایک دن میں دو سو ستر مسلمان قتل کیے۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی اتنے ہی لوگوں کو قتل کیا۔ تیسرے روز اہل طائف کو دھوکے سے بلایا اور ان کو جان دینے کے بہانے سے ان کے تمام ہتھیار لے لیے، پھر ان کو برفانی دلدلی میں لے گئے اور

مردوں اور عورتوں کے کپڑے اتروا کر ان کو برفانی وادیوں میں تڑپتا چھوڑ گئے اور ان کا مال و متاع لوٹ لیا اور کتابوں کو سر عام پھینک دیا۔ ان میں قرآن کریم کے متعدد نسخے امانت میں سے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دوسری حدیث اور فقہ کی دوسری کتابیں تھیں جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی تھی۔ کافی عرصہ تک یہ کتابیں اپنی عظمت و حرمت کو یونہی صدائیں دیتی رہیں اور نجدی ان مقدس اوراق کو اپنے قدموں تلے روندتے رہے اور کسی شخص کو اجازت نہ تھی کہ ان اوراق میں سے کوئی ورق اٹھالے۔ پھر انہوں نے طائف کے گھڑوں میں آگ لگا دی اور ایک خوبصورت اور آباد شہر کو برباد کر کے چٹیل میدان بنا دیا اور یہ واقعہ ۱۲۱۷ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

ابو حامد بن مرزوق

علامہ ابی حامد مرزوق محمد بن عبدالوہاب نجدی کے عقائد اور اس کے چند مذہبوں پر لکھ کر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تقدم فی المقدمة ان امہات عقیدتہ منحصرۃ فی اربع۔
تشبیہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ بخلقہ و توحید الالوہیۃ والربوبیۃ وعدم
توقیرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وتکفیرہ المسلمین وانہ مقلد فیہا
کلہما احمد بن تیمیہ و ہذا مقلد فی الاولی الکرامیۃ و مجسمۃ المنازلۃ
و مقتد بہما و بالحروریین فی الواقعۃ، و مخترع توحید الالوہیۃ والربوبیۃ
الذی تفرع عنہ عدم توقیرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و تکفیرہ
المسلمین۔

وقد فرق ابن تیمیہ تکفیرہ المسلمین فی کتیبہ تلبیسا و تحت ستار
الکتاب والسنة السلف وائمة السنة والاشد، المزيف، وهذا

صرح بتكفيرهم وجعل رأى ابن تيمية صلا نبي عليه رسأله الولفة
فى التوحيد قالوا:

كان محمد بن عبد الوهاب عن الصلاة على النبى صلى الله تعالى
عليه وسلم يتأذى من سماعها، وينهى عن الاتيان بها ليلة الجمعة
وعن الجهر بها على المنائر، يؤذى من يفعل ذلك ويعاقبه اشد
العقاب حتى انه قتل رجلا اعشى كان مؤذنا صالحا لصوت حسن،
عن الصلاة على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم فى المنارة بعد
الاذان فلم ينته فامر بقتله فقتل -

ثم قال ان الربابة فى بيت الخاطئة، يعنى الزانية اقل ائما
من ينادى بالصلاة على النبى صلى الله تعالى عليه وسلم فى المنائر،
ويلبس على اصحابه بان ذلك كله محافظة على التوحيد واحرق
دلائل الخيرات وغيرها من كتب الصلاة على النبى صلى الله تعالى
عليه وسلم ويتستر بقوله: ان ذلك بدعة وانه يريد المحافظة
على التوحيد، وكان يمنع اتباعه من مطالعة كتب الفقه والتفسير
والحديث واحرق كثيرا منها واذن لكل من اتبعه ان يفسر القرآن
بحسب فهمه، فكان كل واحد منهم يفعل ذلك، ولو كان لا
يحفظ القرآن ولا شيئا منه، وامرهم ان يعملوا ويحكموا بما يفهمونه
وجعل ذلك مقدا على كتب العلم ونصوص العلماء له

شيخ نجدى كعقائد

له شيخ ابى حامد بن مرزوق، التوسل بالنبى و جهلته الابرار، ص ۲۲۵، ۲۲۴

ہم شروع ہی میں بیان کر چکے ہیں کہ شیخ نجدی کے بنیادی عقیدے چار ہیں ،
۱۔ اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے مشابہ ماننا۔

۲۔ الوہیت اور ربوبیت کو صفت واحدہ ماننا۔

۳۔ نبی علیہ السلام کی تعظیم نہ کرنا۔

۴۔ تمام مسلمانوں کی تکفیر کرنا۔

ان چاروں عقیدوں میں شیخ نجدی ابن تیمیہ کا معتقد ہے اور ابن تیمیہ پہلے

عقیدے میں کرامیہ اور مجتہدہ کا معتقد ہے اور چوتھے عقیدے میں خوارج کا معتقد ہے ،

دوسرا اور تیسرا عقیدہ اس کی اپنی اختراع ہے۔ پہلے اس نے الوہیت اور ربوبیت کی

وحدت کا عقیدہ تراشا اور اس کے اوپر تیسرے عقیدہ تنقیص رسالت کی بنیاد رکھی۔

شیخ نجدی حضور پر درود شریف پڑھنے کو ناپسند کرتا تھا اور درود شریف سننے سے

اس کو تکلیف ہوتی تھی اور جمعہ کی رات کو خصوصاً درود شریف پڑھنے سے روکتا تھا اور

مسجد کے میناروں پر بلند آواز سے درود شریف پڑھنے سے بھی روکتا تھا اور جو شخص درود

شریف پڑھتا، اس کو سخت ایذا دیتا، یہاں تک کہ اس نے ایک صالح اور نابینا موذن کو صر

اس بات پر قتل کر دیا کہ اس نے مسجد کے مینار میں اذان سے پہلے درود شریف پڑھا تھا۔

ابن تیمیہ نے تکفیر مسلمین کے عقیدہ کو اپنی کتابوں میں کتاب وسنت کی اصطلاحوں

اور علماء کی عبارتوں کی اوٹ میں چھپا کر رکھا تھا، لیکن شیخ نجدی نے تمام احتیاطوں کو

بالائے طاق رکھتے ہوئے تکفیر مسلمین کا فتویٰ دے دیا اور بنا ابن تیمیہ پر کھتی۔

شیخ نجدی کہتا تھا کہ مسجد کے میناروں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف

پڑھنے کا گناہ ایک فاحشہ کسبیبہ کے گھر مزامیر بجانے سے زیادہ گناہ ہے اور اپنے پیڑ کاڑوں

کو فریب دیتا تھا کہ توحید کی حفاظت اسی طرح ہوگی۔

شیخ نجدی نے درود شریف کی عام کتابوں اور بالخصوص دلائل الخیرات کو جلا دیا

اور کہتا تھا کہ یہ بدعت ہیں اور توحید کی محافظت اسی طرح ہوگی اور وہ اپنے پیروکاروں کو فقہ، تفسیر اور حدیث کی کتابوں کے مطالعہ سے منع کیا کرتا تھا اور ہر شخص کو اس کی عقل کے مطابق تفسیر کرنے کی اجازت دے رکھی تھی، چنانچہ اس کے متبعین اسی طرح کیا کرتے تھے اور جو کچھ قرآن کریم سے مطالب اخذ کرتے، اسی پر عمل کرتے اور لوگوں سے کراتے تھے۔ علامہ ابی مزوق نے شیخ نجدی کی دیگر شناعات اور مفاسد میں تقریباً وہی باتیں لکھی ہیں، جن کو علامہ سید دحلان مکی اور علامہ عراقی لکھ چکے ہیں، اس لیے ہم نے طوالت کی وجہ سے وہ تمام عبارات ترک کر دیں۔

انور شاہ کشمیری

دیوبندیوں کے مشہور محدث انور شاہ کشمیری محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اما محمد بن عبدالوہاب نجدی فکانہ رجلاً بليدا قليل العلم
فکان يتسارع الى الحكم بالفكر۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی نہایت بے وقوف اور کم علم شخص تھا اور وہ مسلمانوں پر کفر کا حکم لوٹانے میں بہت تیز تھا۔ لہ

حسین احمد مدنی

دیوبندی مکتب فکر کے ایک بڑے عالم حسین احمد مدنی نے شہاب ثاقب میں مختلف مقامات پر محمد بن عبدالوہاب نجدی کی شخصیت اور اس کے عقائد سے بحث کی ہے، ہم ان سطور پریشاں کو ایک منظم شکل میں حوالہ صفحات کی قید کے ساتھ پیش کر رہے ہیں:

لہ انور شاہ کشمیری، فیض الباری، ص ۱۷۱

۱۔ صاحبو! محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتدا تیرھویں صدی نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ یہ خیالات باطلہ اور عقائدِ فاسدہ رکھتا تھا، اس نے اہل سنت والجماعت سے قتل و قتال کیا۔ ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا، ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھا گیا، ان کے قتل کرنے کو باعثِ ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔ اہل عربین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکلیف شاقہ پہنچائیں۔ سلف صالحین اور اتباع کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کیے، بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ چھوڑنا اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہو گئے اور الحاصل وہ ایک ظالم اور باغی، خونخوار، فاسق شخص تھا۔ اسی وجہ سے اہل عرب کو خصوصاً اس کے اور اس کے اتباع سے دلی بغض تھا اور ہے اور اس قدر ہے کہ اتنا قوم یہود سے ہے زلزاری سے نہ مجوس سے نہ یہود سے۔ غرضیکہ وجوہات مذکورہ الصدر کی وجہ سے ان کو اس کے طائفہ سے اعلیٰ درجہ کی عداوت ہے اور بے شک جب اس نے ایسی ایسی تکالیف دی ہیں تو ضرور ہونا بھی چاہیے۔ وہ لوگ یہود و نصاریٰ سے اس قدر رنج و عداوت نہیں رکھتے جتنی کہ وہابیہ سے رکھتے ہیں۔ ۱۷

۲۔ محمد بن عبدالوہاب کا عقیدہ تھا کہ جملہ اہل عالم و تمام مسلمانانِ دینا مشرک و کافر ہیں اور ان سے قتل و قتال کرنا، ان کے اموال کو ان سے چھین لینا حلال اور جائز بلکہ واجب ہے، چنانچہ نواب صدیق حسن خاں نے خود اس کے ترجمہ میں ان دونوں باتوں کی تصریح کی ہے ۱۸

۳۔ نجدی اور اس کے اتباع کا اب تک یہی عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات فقط اسی زمانہ تک ہے۔ جب تک وہ دنیا میں تھے۔ بعد ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں۔ اگر بعد وفات ان کو حیات ہے تو وہی حیات لکن کو برزخ ہے اور احادیث

۱۷ حسین احمد مدنی، شہاب ثاقب ص ۴۲ - ۱۸ ص ۴۳

کو ثابت ہے، بعض ان کے حفظ جسم نبی کے قائل ہیں، مگر بلا علقہ روح، اور متعدد لوگوں کی زبان سے بالفاظ کریمہ کہ جن کا زبان پر لانا جائز نہیں، دربارہ حیات نبوی علیہ السلام سنا جاتا ہے اور انہوں نے اپنے رسائل و تصانیف میں لکھا ہے یہ

۴۔ زیارت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم و حضوری آستانہ شریفہ و ملاحظہ منہ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعت، حرام و غیرہ لکھتا ہے۔ اس نیت سے سفر کرنا محظور اور ممنوع جانتا ہے، لا تشد والو حال الا الی ثلثہ مساجد ان کا مستدل ہے۔ بعض ان میں سے سفر زیارت کو معاذ اللہ تعالیٰ زنا کے درجہ کو پہنچاتے ہیں۔ اگر مسجد نبوی میں جاتے ہیں تو صلوٰۃ و سلام ذات اقدس نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہیں پڑھتے اور نہ اس طرف متوجہ ہو کر دعا وغیرہ مانگتے ہیں۔

۵۔ وہابیہ مسئلہ شفاعت میں ہزاروں تاویلیں اور گھرنٹ کرتے ہیں اور قریب قریب انکار شفاعت کے بالکل قریب پہنچ جاتے ہیں۔

۶۔ وہابیہ اشغال باطنیہ و اعمال صوفیہ مراقبہ، ذکر و فکر و ارادت و مشیخت و ربط القلب بالشیخ و فنا و بقا و خلوت وغیرہ اعمال کو فضول و لغو اور بدعت و ضلالت شمار کرتے ہیں اور ان اکابر کے اقوال و افعال کو شرک وغیرہ کہتے ہیں اور ان سلاسل میں داخل ہونا بھی مکرمہ و مستقبح بلکہ اس سے زائد شمار کرتے ہیں، چنانچہ جن لوگوں نے دیار نجد کا سفر کیا ہوگا، یا ان سے اختلاط کیا ہوگا، ان کو بخوبی معلوم ہوگا کہ فیوض روحانیہ ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں ہے۔

شہاب ثاقب، ص ۴۵

لے حسین احمد مدنی:

ص ۴۵/۴۶

”

”

۴

ص ۴۷

”

”

۴

ص ۵۹

”

”

۴

۷۔ وہابیہ کسی خاص امام کی تقلید کو شرکت فی الرسالۃ جانتے ہیں اور ائمہ اربعہ اور ان کے مقلدین کی شان میں الفاظِ واہیہ خبیثہ استعمال کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے مسائل میں وہ گروہ اہل سنت و الجماعت کے مخالف ہو گئے، چنانچہ غیر مقلدین ہند اسی طائفہ شنیعہ کے پیروکار ہیں۔ وہابیہ نجد و عرب اگرچہ بوقتِ اظہارِ دعویٰ حنبلی ہونے کا اقرار کرتے ہیں، لیکن عمل و درآمدان کا ہرگز جملہ مسائل میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر نہیں ہے، بلکہ وہ بھی اپنے فہم کے مطابق جس حدیث کو مخالف فقہ خیال کرتے ہیں، اس کی وجہ سے فقہ کو چھوڑ دیتے ہیں، ان کا بھی مثل غیر مقلدین کے اکابر امت کی شان میں الفاظِ گستاخانہ بے ادبانہ استعمال کرنا معمول ہو گیا ہے۔ ۷

۸۔ مثلاً علی العرش استوی وغیرہ آیات میں طائفہ وہابیہ استوارِ ظاہری

اور جہات وغیرہ ثابت کرتا ہے جس کی وجہ سے ثبوت جسمیت وغیرہ لازم آتا ہے.....

علیٰ ہذا القیاس مسئلہ نداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہابیہ مطلق منع کرتے ہیں ۷

۹۔ وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا کہ: الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

کو سخت منع کرتے ہیں اور اہل عربین پر سخت نفرین اس نداء اور خطاب پر کرتے ہیں اور

ان کا استہزا اڑاتے ہیں اور کلماتِ ناشائستہ استعمال کرتے ہیں۔ ۷

۱۰۔ وہابیہ تمباکو کھانے اور پینے کو حلقہ میں ہو یا سگار میں یا چرٹ میں اور اس کے

ناس لینے کو حرام اور اکبر الکبائر میں سے شمار کرتے ہیں۔ ان جہلا کے نزدیک زنا اور سرقہ

کرنے والا اس قدر ملامت نہیں کیا جاتا، جس قدر تمباکو استعمال کرنے والا ملامت کیا

کیا جاتا ہے اور وہ اعلیٰ درجہ کے فساق و فجار سے وہ نفرت نہیں کرتے جو تمباکو استعمال

۷ حسین احمد مدنی،

شہاب ثاقب، ص ۶۲

۶۲

۶۵

۷ اب سعودی عرب میں تمباکو بکثرت استعمال ہوتا ہے گویا ان کے نزدیک اس سے محبوب اور ملال چیز اور بے نی نہیں آتا۔

جواب

ہمارے نزدیک ان کا وہی حکم ہے جو صاحب درمختار فرمایا ہے اور خوارج ایک جماعت ہے، شوکت والی جنہوں نے امام پر چڑھائی کی تھی تاویل سے کہ امام کو باطل یعنی کفر یا ایسی معصیت کا مرتکب سمجھتے تھے جو قتال کو واجب کرتی ہے۔ اس تاویل سے یہ لوگ ہماری جان و مال کو حلال سمجھتے اور ہماری عورتوں کو قیدی بناتے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں ان کا حکم بائیدل کا ہے۔ پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ ہم ان کی تکفیر صرف اس لیے نہیں کرتے کہ یہ فعل تاویل سے ہے، اگرچہ باطل ہی سہی اور علامہ شامی نے اس کے حاشیہ میں فرمایا ہے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عبدالوہاب کے تابعین سرزمین نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر متغلب ہوئے۔ اپنے کو حنبلی مذہب بتاتے تھے، مگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے عقیدہ کے خلاف ہو وہ مشرک ہے اور اسی بنا پر انہوں نے اہل سنت اور علماء اہل سنت کا قتل مباح سمجھ رکھا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑ دی یہ

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی

غیر مقتدوں کے مشہور امام نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اپنے فرقہ یعنی غیر مقتدوں کو وہابیت سے بڑی کرنے کے لیے ایک طویل گفتگو کرتے ہیں اور مال کار لکھتے ہیں، مردم ہند از برائے تجارت و زیارت بحرین شریفین میروند و خود مردم آنجا از نام حساب نجد فروختہ میگردند زیرا کہ نجدی وہابی بلا ہائے بر سر ایشاں ریختہ بود پس ہر کہ از مکہ معظمہ و مدینہ منورہ باز پس می آید وے عداوت محمد بن عبدالوہاب ہمراہ خود می آرد۔ ہندوستان سے لوگ تجارت اور حرمین شریفین کی زیارت کے لیے جاتے ہیں اور حرمین شریفین کے لوگ شیخ نجدی کے نام سے بھی ناراض ہوتے ہیں،

کیونکہ شیخ نجدی ان کے لیے شدید تکالیف اور مصائب کا سبب بنا تھا۔ پس جو شخص بھی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے ہو کر آتا ہے، وہ اپنے دل میں محمد بن عبدالوہاب کے خلاف سخت غم و غصے کو لے کر آتا ہے۔

محمد منظور نعمانی

دیوبندیوں کے مشہور عالم محمد منظور نعمانی شیخ نجدی سے بہت متاثر ہیں اور اپنے مضامین میں انہوں نے شیخ نجدی کی مبالغہ آمیز وکالت کی ہے، اس کے باوجود وہ بعض مسائل میں شیخ نجدی سے اختلاف کرنے پر مجبور ہو گئے، لکھتے ہیں:

اصولی درجہ میں اس توافق اور طرز فکر میں بڑی حد تک یکسانیت اور یگانگت کے باوجود بعض نظریات و مسائل میں ہمارے اکابر علماء دیوبند اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی جماعت کے نقطہ نظر اور رویہ میں کچھ فرق و اختلاف بھی ہے۔ مثلاً وہ حضرات زیارت نبوی کو مستحب و مسنون بلکہ افضل اعمال ماننے کے باوجود مشہور حدیث لا تشدوا الرحال الخ کی خاص زیارت کے لیے مدینہ منورہ کی طرف سفر کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک سفر مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی نیت سے کرنا چاہیے۔ پھر وہاں پہنچ کر زیارت کی مستقل نیت کریں۔ حدیث لا تشدوا الرحال الخ کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ اس ممانعت کا تعلق صرف مساجد کے لیے سفر کرنے سے ہے۔

اسی طرح دعائیں تو سل بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بالصالحین کو شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین بالکل جائز نہیں سمجھتے اور ہمارے اکابر کے نزدیک وہ ناجائز نہیں ہے، کیونکہ وہ فی الحقیقت تو سل باعمالہم الصالحہ ہی کی

۱۷ نواب صدیق حسن خان بھوپالی: مواہم العوائد من عیون الاخبار والفوائد، ص ۳۸

ایک صورت ہے اور تو مسل بالاعمال الصالحة بالاتفاق جائز اور ثابت ہے ہاں اگر کوئی جاہل اور گمراہ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یا کسی اور مقبول ذات یافتہ بندے کے وسیلے سے دعا کرے اور سمجھے کہ اس وسیلہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر معاذ اللہ کوئی بوجھ اور دباؤ پڑے گا اور وہ قبول ہی کر لیں گے یا یہ سمجھ کر دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس وسیلہ کے بغیر دعا قابل سماعت نہ ہوگی، تو بے شک یہ عقیدہ سخت گمراہانہ اور یہ فعل حرام ہوگا۔ (کسی مسلمان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ وسیلہ سے عائد کورہ نظریہ سے مانگتا ہوگا، یہ صورت محض فرضی ہے، واقعی نہیں۔) (قادری غفرلہ)

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر سلام عرض کرنے کے ساتھ آپ سے شفاعت کے سوال کو شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین ناجائز بلکہ ایک طرح کا شرک کہتے ہیں جیسا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے حوالہ سے گزشتہ قسط میں نقل کیا جا چکا ہے (اس بارے میں ان کا ایک خاص نقطہ نظر ہے جو ان حضرات کی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے) لیکن ہمارے اکابر اس اصولی عقیدہ اور یقین میں ان سے متفق ہونے کے باوجود کہ "قیامت اور آخرت میں کوئی نبی یا ولی یا فرشتہ اللہ تعالیٰ کے اذن و اجازت کے بغیر کسی کی شفاعت نہیں کر سکے گا اور صرف اسی بندے کے حق میں شفاعت ہو سکے گی جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی مرضی و اجازت ہوگی۔"

زار کے لیے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر سلام عرض کے ساتھ آپ سے شفاعت اور استغفار کو استدعا کی بھی صحیح سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان دونوں باتوں میں کوئی منافات نہیں ہے، اسی طرح کی شفاعت کی ہرگز یہ بنیاد نہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کے معاملہ میں "خود مختار" سمجھتے ہیں۔ ایسا سمجھنا بلاشبہ سخت گمراہی ہے۔ کسی مخلوق کو بھی بارگاہ خداوندی میں بطور خود شفاعت کرنے کا اختیار نہیں ہے اور نہ ہوگا، قل اللہ الشفاعۃ جمیعاً من الذی یشفع عنده الا باذنه۔

(منظور احمد نعمانی اقرار کرتے ہیں کہ شیخ نجدی دنیا میں حضور سے طلب شفاعت کو شرک قرار دیتے ہیں، بلکہ کشف الشبهات میں شیخ نجدی نے طالب شفاعت کو نہ صرف مشرک بلکہ اس کے قتل کو جائز اور اس کے مال لوٹنے کو مباح لکھا ہے اور اس مضمون میں انہوں نے دنیا میں حضور سے طلب شفاعت کو جائز لکھ کر شیخ نجدی کا شرک خود اپنی ذات پر جاری کر لیا، بلکہ اپنے قتل اور مال کو بھی مباح کر دیا۔ اس کے باوجود شیخ نجدی کے مدح میں، اسی کا نام ہے اندھی عقیدت - قادری غفرلہ)

(نعمانی صاحب کا ان دونوں باتوں میں منافات نہ سمجھنا خود فریبی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا اور انہوں نے شیخ نجدی کے شفاعت طلب کرنے پر فتویٰ شرک کو جو اس بات پر مجبول کیا ہے کہ کوئی شخص حضور کو خود مختار سمجھ کر آپ سے شفاعت طلب کرے، اس کو شیخ نجدی شرک کہتے ہیں، تو یہ شیخ نجدی کے اپنے کلام کے خلاف اور توجیہ الکلام بسا لا یوضی بہ قائلہ کا مصداق ہے۔

کشف الشبهات ص ۳۷ پر شیخ نجدی نے طالبین شفاعت کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے: فان قال - قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعطی الشفاعۃ وانا اطلب ما اعطاه اللہ فالجواب ان اللہ اعطاه الشفاعۃ ونہاک عن هذا۔

اگر معترض یہ کہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شفاعت کا مرتبہ دیا ہے، اور میں اسی دی ہوئی شفاعت سے سوال کرتا ہوں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو شفاعت دی اور تم کو شفاعت طلب کرنے سے روک دیا ہے۔

اس سے بھی واضح صراحت شیخ نجدی کی اس عبارت میں ہے؛

کشف الشبهات کے صفحہ ۳۲ / ۳۱ پر شیخ نجدی لکھتے ہیں؛

فان اعداء اللہ لهم اعتراضات کثیرة علی دین الوسل

يصدون بها الناس عنه منها قولهم، نحن لا نشرك بالله بل
 نشهد انه لا يخلق ولا يرزق ولا يغفر الا الله وحده لا شريك له
 وان محمدا عليه السلام لا يملك لنفسه نفعاً ولا ضراً فضلاً عن
 عبد القادر وغيره ولكن انا مذنوب والصالحون لهم جاه عند الله
 واطلب من الله بهم - فليجواب !

دشمنان خدا کے دین رسول پر متعدد اعتراضات ہیں جن کی بنا پر وہ لوگوں تک
 صحیح دین پہنچنے سے روکتے ہیں، ان میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ دشمنان خدا کہتے
 ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتے، بلکہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا
 کوئی خالق ہے نہ رازق، اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان
 پہنچا سکتا ہے اور ان باتوں میں خدا کا کوئی شریک نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 بھی اپنی ذات کے لیے کسی نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں چہ جائیکہ عبد القادر یا کوئی
 کوئی اور شخص ہو، لیکن میں ایک گنہگار شخص ہوں اور صلی اللہ کے مقرب بندے ہیں اس
 بنا پر میں ان سے سوال کرتا ہوں۔

کیا شیخ نجدی کی اس تصریح کے بعد بھی نعمانی صاحب کی یہ تاویل چل سکتی ہے کہ
 شیخ نجدی نے حضور اکرم سے اس صورت میں شفاعت طلب کرنے کو منع کیا ہے جو حضور
 کو خود مختار سمجھتا ہو۔ حیرت ہے کہ نعمانی صاحب خوفِ خدا اور آخرت کے حساب
 سے بالکل عاری ہو کر شیخ نجدی کے کلام میں تحریف اور بے بنیاد تاویل کر کے یہ ثابت
 کرنے کی سعی ناکام کر رہے ہیں کہ شیخ نجدی طلبِ شفاعت کو اس صورت میں منع کرتے ہیں
 جو حضور کو خود مختار مانے جبکہ شیخ نجدی حضور کو عاجز اور ماذون من الشفاعت ماننے کے
 بعد بھی طلبِ شفاعت پر کفر اور قتل اور مال لوٹنے کا حکم لگاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس
 علمی خیانت گمراہ کن پروپیگنڈے سے ہمیں محفوظ رکھے۔ قادری غفرلہ

اگلے پیراگراف میں نعمانی صاحب لکھتے ہیں:

اسی طرح ایک اختلاف ان حضرات کے اور ہمارے اکابر کے رویہ میں یہ ہے کہ جو لوگ اپنے اشعار وغیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے استعانت اور استغاثہ کے انداز میں ندا اور خطاب کرتے ہیں، ان کے بارے میں ہمارے اکابر کا موقف یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب و متصرف سمجھ کر ایسا خطاب اور استمداد و استغاثہ کیا جائے، تو بلاشبک و شبہ قطعاً شرک ہے، لیکن اگر کسی شخص کا عقیدہ صحیح ہے، وہ رسول اللہ کو نہ صرف حاضر و ناظر سمجھتا ہے نہ عالم الغیب اور متصرف سمجھتا ہے، بلکہ ایسا سمجھنے کو شرک جانتا ہے لیکن شوقیہ طور پر حاضر فی الدین سے خطاب کر رہا ہے (جیسا کہ اشعار میں بچثرت ایسا ہوتا ہے) اس امید پر خطاب کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا یہ پیام آپ تک پہنچا دے گا اور آپ انشاء اللہ عاف فرمائیں گے، تو یہ ہرگز شرک نہیں ہے اور اسی بنا پر صاحب قصیدہ بردہ علامہ بوسیری اور مولانا جامی وغیرہ کے اس طرح کے اشعار کو اسی پر محمول کرتے ہیں اور یہ ہرگز بردستی کی تاویل نہیں ہے۔

اس وضاحت کے بعد لکھتے ہیں: لیکن شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین اس مسئلہ میں تفصیل نہیں کرتے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی وفات یافتہ بزرگ سے اس طرح کے خطاب کو بہر حال شرک قرار دیتے ہیں۔ لہ

نوٹ: اہل سنت حضور پر عالم الغیب کا اطلاق نہیں کرتے، حضور کو غیب پر مطلع مانتے ہیں، حاضر و ناظر کی بچث فقیر کی تصنیف تو ضیح البیان^۱ میں آچکی ہے اور کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کے سنائے بغیر نہیں سکتا نہ کوئی شخص ندا کی دی ہوئی طاقت کے بغیر تصرف کر سکتا ہے اور جو شخص بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرتا ہے، اسی عقیدہ سے کرتا ہے۔ اسی طرح حضور اللہ کے دیے ہوئے غیب کو جانتے ہیں، اس کی دی ہوئی

۱۔ محمد منظور نعمانی، ہفت روزہ المنیر جلد ۲۳، شماره ۱۶، ۱۵، ص ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱،

طاقت سے تصرف کرتے ہیں، اس کے سنانے سے سنتے ہیں۔ ان حقائق کا نعمانی صاحب کو بھی اقرار ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ شیخ نجدی بہر حال میں مذاکوشکر کہتے ہیں، لہذا نعمانی صاحب بھی شیخ نجدی کے فتویٰ کفر سے بچ نہیں سکتے۔ (قادری عفری)

شیخ نجدی کا رد کرنے والے اکابر اسلام کی فہرس

شیخ ابی حامد بن مرزوق نے ان علماء اسلام کی فہرس مہتیا کی ہے جنہوں نے محمد بن عبد الوہاب کے عقائد فاسدہ کے رد میں تصنیفاتِ جلیدہ سپردِ قلم فرمائی ہیں، ملاحظہ کیجیے:

۱۔ شیخ محمد بن سلیمان کردی

۲۔ شیخ نجدی کے استاذ علامہ عبداللہ بن عبداللطیف شافعی، ان کی کتاب کا نام:

سيف الجهاد لمدعى الاجتهاد

۳۔ علامہ عقیف الدین عبداللہ بن داؤد حنبلی، کتاب کا نام: الصواعق والرعود

۴۔ علامہ محقق محمد بن عبدالرحمن بن عفاق حنبلی، کتاب کا نام: تحکم المقلدین بمن ادعوا تجدید الدین

۵۔ علامہ احمد بن علی القبائی بصری شافعی

۶۔ علامہ عبد الوہاب بن احمد برکات شافعی، احمدی، مکتی

۷۔ شیخ عطار المکتی، کتاب کا نام: الصارم الہندی من عنق النجدی

۸۔ شیخ عبداللہ بن عیسیٰ مغینی

۹۔ شیخ احمد مصری احسانی

۱۰۔ بیت المقدس کے ایک عالم، کتاب کا نام: السیوف الصقال فی اعناق

من انکر علی الاولیاء بعد الانتقال۔

۱۱۔ سید علوی بن احمد حداد، کتاب کا نام: السیف الباتر لعنق المنکر علی الکاہر

- ۱۲- شیخ محمد بن شیخ احمد بن عبداللطیف الاحسانی
- ۱۳- علامہ عبداللہ بن ابراہیم میرغنی الساکن بالطائف - کتاب کانام: تحویض
الاغنیاء علی الاستغاثۃ بالانبیاء والاولیاء -
- ۱۴- سید علوی بن احمد الحداد
- ۱۵- سید علوی احمد الحداد، کتاب کانام: انتصار للذولیاء الابوار
- ۱۶- " " "
- ۱۷- " " "
- ۱۸- علامہ سید المنعمی
- ۱۹- علامہ سید عبدالرحمن بل
- ۲۰- علامہ سید علوی بن الحداد، کتاب کانام: مصباح الدنایم و جلاء الظلام
- ۲۱- سلیمان بن عبدالوہاب، کتاب کانام: الصواعق الالہیہ مطبوع
- ۲۲- علامہ محقق شیخ الاسلام بتونس اسماعیل التیمی المالکی
- ۲۳- علامہ محقق الشیخ صلح الکواش التونسی
- ۲۴- علامہ محقق سید داؤد البغدادی الحنفی
- ۲۵- الشیخ ابن غلبون اللیبی
- ۲۶- سید مصطفیٰ المصری البوقی
- ۲۷- سید الطباطبائی البصری
- ۲۸- علامہ الشیخ ابراہیم السمنودی المنصوری، کتاب کانام: سعادة الدارين
فحی الدر علی الفرقتین الوهابیہ ومقلدہ الظاہریہ
- ۲۹- مفتی مکہ سید احمد دحلان
- ۳۰- الشیخ یوسف الزہبانی، کتاب کانام: شواہد الحق فی التوسل بید الخلق

باب

وہابیہ کا پہلا اور دوسرا دور

۱۸۹۱ء

۱۸۲۵ء

وہابیہ کا دورِ اوّل

۱۸۱۸ء ۶ ۱۷۲۵ء

اس کتاب کے پہلے باب میں ہم امیر محمد بن سعود متوفی ۱۷۹۹ء کے سریرِ رائے اقتدار ہونے کی مکمل تصویر کھینچ چکے ہیں اور اسی باب میں محمد بن سعود کے بیٹے عبدالعزیز بن محمد بن سعود متوفی ۱۸۰۳ء کے خونیں عہد کا بھی ذکر کیا جا چکا ہے اور اس کے بعد اس خاندان کا سب سے سفاک اور سنگدل حکمران سعود بن عبدالعزیز متوفی ۱۲۲۹ھ کی جانشینی کا ذکر بھی کر چکے ہیں۔

یہ بتلایا جا چکا ہے کہ سعود بن عبدالعزیز کی جانشینی کے بارے میں محمد بن عبدالوہاب سے پہلے ہی رائے لی جا چکی تھی؛ چنانچہ عبدالعزیز کے مقتول ہونے کے بعد سعود بن عبدالعزیز کو سلطنت نجد کا فرمانروا مقرر کر دیا گیا۔

سعود بن عبدالعزیز کا اجمالی تعارف سعود عالم سے سینے، لکھتے ہیں۔

سعود زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے باب کے نقش قدم پر دعوت و حکومت کی توسیع میں سرگرم ہو گیا اور دور دراز کے فوجی مہمات کی سرکردگی اپنے بیٹے عبداللہ کے سپرد کی، عبداللہ نے ایک طرف حجاز میں خیبر کو سرنگوں کیا اور دوسری طرف بحرین اور راس النجیمہ تک اپنی فتوحات کی دھاک بٹھادی۔

سعود بن عبدالعزیز نے اپنے باپ کی زندگی میں خونریزی کی کس طرح تربیت پائی تھی، اس کی بھی ایک جھٹک ملاحظہ فرمائیں۔

سردار حسنی لکھتے ہیں۔

۸۴ سعود عالم ندوی محمد بن عبدالوہاب ص

دہایوں نے ۱۸۰۱ء میں سعود بن عبدالعزیز کی قیادت میں کربلا معلیٰ پر حملہ کیا اور حضرت امام حسین کے مقدس مزار کو منہدم کر دیا۔ کربلا معلیٰ کی اور امن پسند آبادی کا بیشتر حصہ بلا قصور تہمتیں کر دیا۔ کربلائے معلیٰ سے بصرہ تک کا تمام علاقہ خاک سیاہ کر دیا۔ کروڑوں روپیہ کا مال و اسباب لوٹ لیا، فتنہ تاتار کے بعد عراق میں ایسا ظلم اور فساد کبھی نہ ہوا تھا۔ دنیا بھر کے مسلمانوں میں ماتم کی صفیں بچھ گئیں لیکن درعیہ نجد کے دارالسلطنت میں فتح و نصرت کے ثناء دینے بچ رہے تھے۔

اب دہایوں نے شریف غالب سے بھی عہد شکنی کی بندرگاہ حالی پر بلا وجہ قبضہ کر لیا، حالی حدود حجاز میں شریف مکہ کی ملکیت تھی۔ احتجاج ناکام ثابت ہوا، دہابی جنگ کے خواہاں تھے، ناقابل قبول شرطیں پیش کیں، جو صرف حقیر اور کمزور دشمن ہی پیش کر سکتا تھا۔

سعود بن عبدالعزیز نے طاقت کے نشہ میں چور ہو کر اور محافظ توحید کا لبادہ اوڑھ کر مکہ میں کیا

حرم مکہ کی بے حرمتی

کیا ستم ڈھائے یہ سردار حسنی سے سینے۔!
سعود جو اس وقت رسولؐ نے عالم ہو چکا تھا، حجاز کی طرف بڑھا اور لگے ہاتھوں طاقت پر قابض ہو گیا اور وہاں سے گرد و نواح میں افواج بھیجنے لگا۔ شریف کے پاس کوئی قابل ذکر فوج نہ تھی۔ مقابلہ کی تاب نہ لا کر جدہ چلا گیا۔ اپریل ۱۸۰۳ء میں سعود بلا مزاحمت مکہ میں داخل ہو گیا۔ دہابی مدت سے ادھا رکھائے بیٹھے تھے کہ اصل اصلاح مکہ سے کی جائے گی اور ہر وہ چیز جس میں کفر و شرک کا شائبہ پایا جاتا ہو، فنا کر دی جائے گی، چنانچہ اب مقدس مزارات توڑ پھوڑ دینے لگے۔ زیارت گاہوں کی بے حرمتی کی گئی، حرم کعبہ کے فلاف پھاڑ دیئے گئے۔ دہایوں کے معتقدات کے

۱۸ سردار محمد حسنی۔ بی، اے سوانح حیات سلطان عبدالعزیز آل سعود ص ۲۸

مطابق میں قدر شعائر یا رسومات قرآن و سنت کے خلاف تھیں، ایک لخت ممنوع قرار دی گئیں۔

مکہ مکرمہ کی فتح کے بعد وہابی شمال کی طرف بڑھے، جدہ کا محاصرہ کیا گیا، شریف غالب نے جانفشانی سے ڈٹ کر مقابلہ کیا، مدینہ منورہ میں بھی وہابیوں کا مفتابلہ کیا گیا۔ ۱۷

حرم مکہ کی بے حرمتی کے بارے میں غیر مقلدوں کے مشہور عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں، سعود بن عبدالعزیز نے سرداروں اور شریفوں کو قتل کیا اور کعبہ کو ہر مہنہ کر دیا اور دعوت وہابیت قبول کرنے کو لوگوں پر جبر کیا۔ ۱۷
سعود بن عبدالعزیز کے بارے میں ایک اور غیر مقلد عالم مرزا حیرت لکھتے ہیں۔
عبدالعزیز کے بعد اس کا بڑا بیٹا سعد (سعود) اپنے باپ سے بھی زیادہ پر جوش اور مرد میدان نکلا۔ اس نے اور بھی اپنی فتوحات ملکی کو وسعت دی اور ترکی سلطنت کو ہلا دیا۔ ۱۷

مکہ فتح کرنے کے بعد اس مرد میدان کی شجاعت کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے میرزا حیرت لکھتے ہیں ۱

حقہ پینے کی ممانعت بہت سخت تھی، ایک دن اتفاق سے محتب نے ایک خاتون کو جو حقہ کی حد سے زیادہ عادی تھی، حقہ پیتے دیکھ لیا، وہ ہر چند چاہتی تھی کہ پنج کے نکل جاؤں، پر ممکن نہ ہوا، آخر وہ پکڑی گئی۔ اسے گدھے پر اس کو سوار کیا گیا اور اس کی گردن پر اس کا حقہ رکھا گیا اور گلی در گلی اسے پھیرا گیا تاکہ عورتوں کو سخت

۱۷ سید سردار محمد حسنی۔ بی۔ اے۔ سوانح حیات، سلطان عبدالعزیز آل سعود ص ۲۸

۱۸ نواب صدیق حسن خان بھوپالی ترجمان وہابیہ ص ۲۵

۱۹ میرزا حیرت دہلوی حیات طیبہ ص ۲۰۲

عبرت ہو اور پھر وہ شہر بدر کر دی گئی۔ ۱

۱۸۰۳ء کے اخیر میں سعود کی قیادت میں دہلیوں

حرم مدینہ کی بے حرمتی نے مدینہ منورہ بھی فتح کر لیا۔ سعود عالم فدوی

لکھتے ہیں :-

۱۸۰۵ء کے آغاز میں اہل مدینہ نے بھی اطاعت قبول کر لی اور سمع و طاعت

کا عہد کیا، حسب دستور مدینہ منورہ میں عام قبروں کے قبے اور زیارت گاہیں منہدم کر دی گئیں۔ ۲

میرزا حیرت لکھتے ہیں !

۱۸۰۳ء کے اختتام پر مدینہ بھی سعود بن عبدالعزیز کے قبضہ میں آ گیا۔ مدینہ

کے لیے اس کے مذہبی خوش میں یہاں تک اباں آیا کہ اس نے اور مقبروں سے

گزر کر خود نبی اکرم کے مزار کو بھی سلامت نہ چھوڑا، آپ کے مزار کی جواہر نگار چھت

کو برباد کر دیا اور اس چادر کو اٹھا دیا، جو آپ کے مزار مقدس پر پڑی رہتی تھی۔ ۵

رشید رضا مصری لکھتے ہیں :-

یہی لوگ (سعود بن عبدالعزیز — قادری) تیرہویں صدی ہجری کے

اعاز میں (یعنی انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں) حرمین شریفین پر قابض ہوئے

تھے، لیکن انہوں نے حجرہ شریفہ کو نہیں گرایا، البتہ بعض مورخین کا قول ہے کہ انہوں

نے حرم نبوی کے قبہ کے اوپر سے سونے کا ہلال اور کرہ ۶۶ تار لیا تھا اور وہ قبہ کو بھی

گرانہ چاہتے تھے، لیکن ان کارکنوں میں سے جو ہلال اور کرہ مذکور کو اتارنے کے لیے

۱۔ میرزا حیرت دہلوی حیات طیبہ ص ۲۰۳

۲۔ سعود عالم فدوی محمد بن عبدالوہاب ص ۸۶

۳۔ میرزا حیرت دہلوی حیات طیبہ ص ۲۰۵

اوپر چڑھتے، دو آدمی نیچے گر کر مر گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے قبہ گمرانے
کا ارادہ ترک کر دیا۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں :-

سعود بن عبدالعزیز کا پھر بنی ضرب سے حرب کا اتفاق ہوا اور ان کے شہروں
میں اس نے بہت خونریزی کی اور شہر تیہووع میں اترا اور وہاں کے لوگوں نے اس کی اطاعت
قبول کی، پھر مدینہ منورہ میں گیا اور وہاں کے لوگوں پر جزیہ باندھا اور مزار مقدس نبوی
صلی اللہ علیہ وسلم کو برہنہ کر دیا اور اس کے خزانہ اور دفائن سب لوٹ کر
درعیہ کو لے گیا، بعضوں نے کہا کہ ساٹھ اونٹوں پر بار کر کے خزانہ لے گیا اور ایسا
ہی ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے مزارات کے ساتھ پیش آیا اور مدینہ پر تمبر بن شیخ
بنی حرب کو حاکم کیا اور لوگوں کو دعوت دہا بیہ کے قبول کرنے پر مجبور کیا اور سعود
نے قبہ مزار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانے کا قصد کیا، مگر اس امر کا ترکیب نہ ہوا اور
حکم کیا کہ بیت اللہ کا حج سوائے دہا بیوں کے اور کوئی نہ کرے اور عثمانیوں کو حج
سے مانع ہوا اور کئی برس تک لوگ حج سے محروم رہے اور شام اور عجم کے لوگوں
کو حج نصیب نہ ہوا اور ان کے خوف سے اکثر حجاج اپنے مقاصد پر نائز نہ ہو سکے بلکہ
سعود بن عبدالعزیز کی فتوحات کے

سعود بن عبدالعزیز کی فتوحات

بارے میں سردار حسنی لکھتے ہیں :-

موت کے وقت عبدالعزیز کی عمر ۸۲ برس کی تھی، اس کے عہد کی اکثر فتوحات
اس کے بیٹے سعود کے ہاتھ پر ہوئی تھیں، چنانچہ سعود باپ کی جگہ تخت نشین ہوا۔
اس کے عہد میں دہا بی فتوحات کا سلسلہ برابر قائم رہا، حجاز کے شمال سے لے کر عمان

۱۱۲-۱۱۳ نجد و حجاز ص سید محمد رشید رضا ایڈیٹر المنار مصر

۲۶ ترجمان دہلیہ ص سہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی

تک جزیرۃ العرب نجدیوں کی حکومت میں آگیا۔ عرب کا مشرقی ساحل بھی ان کے قبضہ میں تھا، بحرین بھی فتح ہو گیا، یمن کے سوا سارا ملک بطیب خاطر یا با امر مجبوری وہابی ہو گیا تھا۔

جزیرہ عرب خلافت عثمانیہ کے

ترکی کی خلافت عثمانیہ کا اقدام

زیر انتظام تھا اور ترکوں کی طرف

سے شریف غالب حجاز کا حکمران اور محافظ عربین تھا۔ بظاہر یہ بات بہت حیران کن معلوم ہوتی ہے کہ وہابیوں کی اس ساری کارروائی کے دوران ترک خاموش تماشائی بنا رہا، اس کا مقرر کردہ حاکم شریف غالب شکست پر شکست کھاتا رہا اور ترکوں کی اور ترکوں کی طرف سے اس کو کوئی مدد نہ پہنچی، حتیٰ کہ وہابی خلافت عثمانیہ اور وحدت اسلامیہ کو پارہ پارہ کر کے تمام جزیرہ عرب پر قابض ہو گئے، لیکن اس خاموشی کی بہت سی وجوہات تھیں۔ ترک کا سلطان اس وقت بین الاقوامی طور پر بہت سی جنگوں میں الجھا ہوا تھا جیسے ہی اس کو ان جنگوں سے ایک گونہ اطمینان ہوا اس کی ایک ضرب نے وہابی حکومت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا، عبدالعزیز بن محمد بن سعود اور سعود بن عبدالعزیز کے دور میں وہابی سلطنت ابھری اور یہ دور ۱۷۷۵ء سے ۱۷۷۹ء سے لے کر ۱۸۱۷ء، ۱۲۲۹ھ تک پھیلا ہوا ہے۔ آیتے دیکھیں اس دور میں سلاطین ترک بین الاقوامی طور پر کس طرح جنگ و پیکار میں الجھے ہوئے تھے مشہور مورخ ابوالعلا سید شاہ محمد کبیر لکھتے ہیں۔

سلطان عبدالحمید خان مصطفیٰ ثالث کا بھائی اور سلطان احمد سوم کا بیٹا تھا۔

۱۱۳۷ھ میں پیدا ہوا اور ۱۱۸۷ھ میں تخت پر بیٹھا۔ مزاج میں صلح پسندی تھی، تخت پر بیٹھے ہی ۱۱۷۲ء، ۱۱۸۷ء کے عیسائیوں سے صلح کر لی، کیونکہ خانگی اور متواتر جنگوں

کے سردار محمد حنی۔ بی۔ اے۔ سوانح حیات سلطان ابن سعود ص ۴۹

اور لکھیڑوں کی وجہ سے اس کی سلطنت میں نہایت ضعف آگیا تھا اور لشکر اور فوج کی بغاوت سے ملک تباہ ہو رہا تھا۔ صلح کے بعد حسین پاشا کو باغیان عرب کی گونہالی پر روانہ کیا، جس نے قرار واقعی اس فساد کو مٹا دیا اور سرکشوں کو پوری سزا دی، مگر روس اور جرمن نے آپس میں اتفاق کر کے سلطان پر چڑھائی کی، یوسف پاشا اور علی پاشا مقابلہ کے لئے مقرر کئے گئے۔ یوسف پاشا نے پہلے جرمن کی فوج سے مقابلہ کیا اور قلعہ شیش کو مسخر کر لیا اور علی پاشا نے بھی روس سے خوب مقابلہ کیا، اسی بادشاہ کے زمانہ میں کریم خاں رند نے بصرہ کو فتح کر لیا اور مدت سلطنت اس کی پندرہ سال تھی اور عمر ۶۳ سال۔

سلیم خاں ثالث ۱۷۵۵ھ میں پیدا ہوا اور ۱۷۹۸ء و ۱۸۰۳ء میں تخت عثمانیہ پر بیٹھا اور اپنی تمام تر ہمت اس نے بری اور بحری فوج کی آراستگی میں مصروف کی تھوڑے ہی دنوں میں ڈیڑھ لاکھ فوج تیار ہوئی اور شاہانِ جرمن اور روس سے لڑائی بھی چھڑ گئی، دو مہینہ تک سخت لڑائی رہی۔ ۱۷۹۱ء میں سپہ سالار روس نے صلح کر لی مگر ملکہ کتھرائن سلطان روس نے کہ اپنے شوہر پطرس سوم کو مار کر تخت پر بیٹھی تھی، اس معاہدہ کو قبول نہ کیا اور جہاں لشکر قلعہ اسماعیلیہ پر بھیجا، جس میں تیس ہزار روسی فوج رہتی تھی، جب روسیوں کے قلعہ پر یورش کی، توپ اور گولیوں سے اس قدر روسی مارے گئے کہ قلعہ کی خندق لاشوں سے پٹ گئی، چونکہ روسی کثرت سے تھے۔ قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے اور تین شبانہ روز قلعہ کے اندر ایسی لڑائی ہوئی کہ قلعہ کے راستوں میں خون کی ندیاں بہتی تھیں، قلعہ کی عورتوں اور بچوں نے بھی بڑی دلیری اور جرات کی اور سب مارے گئے۔ صرف ایک شخص اس ہنگامہ سے بچ گیا اور قسطنطنیہ میں جا کر خبر کی روسی لشکر کو یہ خبر سن کر نہایت جوش اور غیظ آگیا اور چاہتے تھے کہ روسیوں پر ٹوٹ پڑیں اور اپنے ان مقتول بھائیوں کا عوض جو قلعہ میں تھے لیں، مگر انگلستان اور پردیش

نے بیچ بچاؤ کراویا، یوسف پاشا اپنے عہد سے سے موقوف کیا گیا اور محمد پاشا کہ چھپاسی برس کا بڑھا تھا، وزارت پر مامور ہوا، اس کے بعد پونا پارٹ شاہ فرانس اور انگریزوں میں لڑائی شروع ہو گئی اور کھیت فرانس کے ہاتھ رہا اور فرانس نے سلطان سے دوستی اور صلح کر لی، سلطان نے بعض لوگ اپنے یہاں کے فرانس روانہ کیے کہ جنگی مدرسوں میں تعلیم پا کر ترکی فوج کی بوضع ولائتی فوج کے تعلیم کریں، مگر سپاہ نیگ جبری نے اس کو پسند نہیں کیا اور سلطان کے حکم سے منحرف ہو گئے۔

الغرض ۱۱۴۷ھ میں مسی اور خان نے فوج باقاعدہ، جس کا نام فوج نظام ہے، ترتیب دی تقریباً دو ہزار فوج باقاعدہ بسر کر دی مسعود آغا قسطنطنیہ میں تیار ہوئی جس نے جنگ کی جگہ میں نہایت بہادری ظاہر کی اور سولہ ہزار فوج نظام قرمان میں بخت و افسری قاضی پاشا تیار ہوئی، جس کو سلطان نے استنبول میں طلب کیا۔ راہ میں ایک شخص قاضی پاشا کے خیمہ میں اس کے مارنے کو گھس آیا، مگر قاضی پاشا نہایت بہادری اور جبری سپاہی تھا۔ بیدار ہوتے ہی اس نے دشمن کو ٹھکانے لگا دیا، جب وہ مع لشکر کے قریب پہنچا۔ نیگ جبری فوج نے شہر میں غدر مچا دیا۔ چند مکانات میں آگ لگا دی اور قبوہ خانہ اور مسجدوں میں جمع ہو کر آمادہ فساد تھے۔ سلطان نے مصلحت وقت کے لحاظ سے قاضی پاشا کو حکم دیا کہ وہ لشکر سمیت قرمان کو چلا جائے، چونکہ انگریز اور فرانس میں صفائی نہ تھی۔ اس لیے انگریز چاہتے تھے کہ سلطان فرانس سے دوستی ترک کر دے، مگر سلطان نے قبول نہ کیا۔ سفیر انگلستان ناکام واپس گیا اور انگریزوں نے غفلت میں اسکندریہ پر قبضہ کر لیا، مگر محمد پاشا والی مصر نے پھر اسکندریہ کو انگریزوں سے چھین لیا، اب انگریزوں نے مصالحت کی پھر جنبانی کی اور اپنے واسطے سے سلطان اور روس سے صلح کراوی، اس واقعے کے بعد وزارت روم میں بہت تغیر و تبدیلی ہوئی اور کئی پاشا برطرف اور مقرر ہوئے، آخر میں علی ابراہیم پاشا وزارت

پر مقرر ہوئے۔ ۱۲۲۲ھ میں فوج نیگیچری نے غدر کر دیا۔ بہت سے پاشا جو فوج نظام کی ترتیب میں سلطان کے شریک تھے، مارے گئے اور سلطان کو معزول کر کے مصطفیٰ خاں چہارم کو تخت نشین کیا۔ اس پادشاہ نے اٹھارہ سال سلطنت کی اور ۴۸ سال زندہ رہا۔ لہ

تاریخ خلفاء عرب و اسلام سے، جو ہم نے اقتباس پیش کیا ہے۔ اس سے قارئین کو کم کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ جس دور میں وہابیہ سرزمین غرب سے خلافت عثمانیہ کی جڑیں اکھاڑ رہے تھے، اس زمانہ میں ترک بین الاقوامی جنگوں کے خلفشار میں مبتلا تھے، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ جزیرہ عرب میں بغاوت اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا جا رہا ہے اور مقامات مقدسہ کی علی الاعلان بے حرمتی ہو رہی ہے۔ تو انہوں نے غرب کی اصلاح احوال کی طرف توجہ کی، چنانچہ سردار حسنی لکھتے ہیں!

اس وقت جب کہ سارا عرب ترکی حکومت سے غلبہ ہو چکا تھا۔ عثمانی سلطان کو بھی اپنے فرائض کا خیال پیدا ہوا۔ یورپ بھی عرب کے حالات سے غافل نہ تھا۔ پندرہویں اس زمانہ میں مشرق کی فتوحات کے خواب دیکھ رہا تھا، اسے وہابی تحریک سے بڑی دلچسپی تھی وہ سمجھتا تھا کہ یہ تحریک اس کے لیے سدا رہ ہوگی، چنانچہ تاریخی مواد سے یہ امر ثابت ہے کہ اس نے تفتیش حالات کی غرض سے بغداد کے فرانسیسی کونسل کو خاص طور پر مقرر کیا تھا۔ سلطان روم ابھی غور و فکر میں ہی تھا کہ نجد یوں نے عراق کے مقدس مقامات پر پھر یورش کی اپریل ۱۹۰۶ء میں نجد اشرف کا محاصرہ کر لیا، لیکن یہ مقدس شہر فتح نہ ہو سکا۔ انتقام کے طور پر نجد یوں نے نواح بغداد کے علاقوں کو تاخت و تاراج کر دیا اسی سال میں شام پر وہابیوں نے حملہ کیا اور حلب کو فتح کر لیا، شامیوں نے دب کر صلح کر لی، لیکن اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اس زمانہ کے وہابی پیمان شکنی میں طاق تھے،

سنہ ابوالعلاء سید شاہ محمد کبیر تاریخ خلفائے عرب و اسلام ص ۵۲۲ تا ۵۲۰

معاہدہ کے باوجود بار بار حملہ کرتے رہے۔ ۱۸۱۰ء میں وہابی حوران تک جو کہ دمشق سے صرف دو دن کی مسافت پر واقع ہے، بڑھ گئے اور وہاں کے بیسیوں گاؤں کو لوٹ لیا، دمشق کے والی نے ان کے خلاف مہم بھیجی، لیکن وہ وہابیوں کو پسپا نہ کر سکے معلوم ہوتا تھا کہ ترک اس بلائے مہر م کے سامنے بے دست و پا ہیں، پیشتر ازیں ترکی سلطنت نے کبھی ایسی کمزوری کا اظہار نہ کیا تھا، ترک مشرق میں بغداد سے اور شمال میں دمشق سے وہابیوں پر حملہ کر چکے تھے اور بالکل ناکام رہے تھے۔

اب صرف مغرب کی جانب مصر کی راہ سے ترک حملہ آور ہو سکتے تھے، ترکی سلطان نے محمد علی پاشا خدیو مصر کے نام فرمان صادر کیا کہ پاشا موصوف حجاز پر حملہ کرے اور حرمین شریفین کو فتنہ نجد سے نجات دلائے۔ پاشا نے موصوف برائے نام تو ترکی کا باجگزار حکمران تھا، لیکن عملاً کامل طور پر آزاد تھا اور اس زمانہ میں خود مملوین مصر کے باسے میں متفکر رہتا تھا، چنانچہ اول، اول تو تعمیل حکم کرنے میں پس و پیش کرتا رہا، لیکن جب مصر کے تمام خدشے مٹ چکے اور اس کی حیثیت مستحکم ہو چکی تو اسے بھی بیک کرشمہ دو کار دینی خدمت کے علاوہ فتح حجاز کا شوق پیدا ہوا اس نے ایک جرار لشکر تیار کیا اور ۱۸۱۱ء میں اپنے بیٹے طوسون پاشا کی قیادت میں حجاز پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا، اس فوج میں تقریباً آٹھ سو ترکی رسالہ کے جوان اور دو ہزار البانوی تھے، طوسون مدینہ منورہ کی طرف بڑھا، لیکن اس مقدس شہر کو اٹھارہ سو بارہ عیسوی کے اواخر تک فتح نہ کر سکا۔ اس کے بعد تو مکہ مکرمہ اور طائف بھی فتح ہو گئے لیکن سعود اعظم برابر مقابلہ پر بڑھتا رہا، اس وقت محمد علی پاشا خود فوج کی قیادت کے لیے حجاز میں آ گیا۔ طرابہ کے مقام پر جو نجد و حجاز کی سرحد پر واقع ہے اور جو بعد میں عربی تاریخ میں مشہور مقام ہوا۔ سعود اعظم نے محمد علی پاشا کو شکست فاش دی۔ یہ ۱۸۱۲ء کا واقعہ ہے۔ اس کے تقریباً ایک سال بعد ۱۸۱۳ء میں سعود مر گیا۔ اس کی وفات کے

ساتھ ہی وہابی کمزور ہو گئے، پیشتر بیان ہو چکا ہے کہ سعود بڑا فاتح گذرا ہے، اس کے قریب قریب سائے سے عرب کو فتح کر لیا تھا اور قرب و جوار کے علاقوں کو بھی کھل کر تاخت و تاراج کیا تھا، لیکن اس کی موت کے بعد اس کے جانشین حکومت کو سنبھال نہ سکے۔

محمد علی پاشا نے طرابلس کے مقام پر شکست اٹھانے کے بعد وہابیوں کے جوش و خروش کو دیکھ کر ایک چال چلی، زرو مال کے ذریعہ سے بدویوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہ بدوی حال ہی میں جبراً وہابی کئے گئے تھے۔ یہ لوگ دولت کے لالچ میں ہر وقت بے وفائی کرنے کے لیے تیار رہتے تھے؛ چنانچہ انعام و اکرام کے لالچ میں جوق در جوق محمد علی پاشا کی افواج میں شامل ہوتے گئے۔ ۱۸۱۴ء میں بوسال کے مقام پر جو طائف کے قریب ہی ایک مختصر سا گاؤں ہے۔ محمد علی پاشا نے وہابیوں کو فاش شکست دی، جس میں وہابی طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔ عبداللہ سعود اعظم کا جانشین ہوا تھا، لیکن وہابی حکومت کو بربادی سے بچانہ سکا۔ طوسون بے صوبہ قاسم کی طرف بڑھتا گیا اور وہاں کے صدر مقام راس کو فتح کر لیا، وہابیوں کے وفادار قبائلی اطاعت سے پھر گئے، مجبوراً امیر عبداللہ نے صلح دامن کا پیغام بھیجا اور آخر کار عارضی صلح ہو گئی۔

صحرائی جنگ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اگر دفعہ لڑائی شروع ہو جائے تو مدت تک بند نہیں ہوتی؛ چنانچہ محمد علی پاشا نے عبداللہ سے صلح تو کر لی، لیکن مدت محض یہ تھا کہ ہمیشہ کے لیے وہابیوں کا قلع قمع کر دیا جائے؛ چنانچہ ۱۸۱۵ء میں پھر جنگ شروع ہو گئی، اب محمد علی پاشا کا دوسرا بیٹا ابراہیم پاشا جو لائق اور مشہور و معروف جنرل تھا، سپہ سالار مقرر ہوا، ترکی، مصری فوجوں کی بلغار دیکھ کر عرب کے بہت سے قبائل حملہ آوروں سے مل گئے؛ چنانچہ باری باری مطیر، عقیبہ، حرب وغیرہ نے وہابیوں

کی اطاعت چھوڑ دی۔ وہابی فوجیں مختلف مقامات پر ہتھیار اٹھا کر پسا ہوئیں، حملہ آوروں نے ایک ایک کر کے وہابی سلطنت کے تمام علاقے چھین لیے، یہاں تک کہ ۱۸۱۸ء میں درعیہ دارالسلطنت پر بھی قبضہ کر لیا۔ مجبور ہو کر امیر عبداللہ نے اپنے تئیں فاتحین کے حوالے کیا، انہوں نے درعیہ کو تباہ و برباد کر دیا۔ امیر عبداللہ کو اسیر کر کے پہلے قاہرہ بھیجا گیا، پھر قسطنطنیہ محمد علی پاشا نے عثمانی سلطان کے حضور میں سفارش کی کہ امیر عبداللہ کی جان بخشی کر دی جائے، لیکن ترکوں نے سلطان کے حکم کے مطابق مجمع عام کے روبرو امیر عبداللہ کو مسجد ابا صوفیہ کے چوک میں بڑی ذلت سے تہ تیغ کیا۔ اس طرح پر وہابی سلطنت کے پہلے دور کا خاتمہ ہوا۔ ۱۸۲۵ء سے لے کر ۱۸۱۸ء تک نجد کے ایک مختصر رقبہ سے لے کر پورے جزیرے عرب پر امیر محمد بن سعود سے لے کر امیر عبداللہ تک وہابی انتہائی ظلم اور تشدد سے جابرانہ حکومت کرتے رہے، بالآخر ترکوں کے ایک ہی وار سے ظلم اور استبداد کی دیوار منہدم ہو گئی۔

دہابہ کا دورثانی

۱۸۹۱ء ۱۸۲۳ء

اس سے پہلے ہم سلطنت عثمانیہ کے بین الاقوامی حالات لکھ چکے ہیں اور یہ بتا چکے ہیں کہ اسلام کی یہ عظیم سلطنت کس طرح بین الاقوامی سازشوں کا شکار تھی اور یورپ کی بڑی بڑی سلطنتیں عظیم تر کی کو کسی پل چین سے بیٹھنے نہ دیتیں تھیں، ایک بار جزیرہ عرب میں دہابیوں کی بغاوت کچلنے کے بعد ترکی پھر بین الاقوامی جنگوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے میدان میں نکل آیا۔ ادھر دہابیوں کے خاکستریوں سے کچھ چنگاریاں پھرا بھر رہی تھیں اور یہ چنگاریاں سازگار وقت کے انتظار میں ایک بار پھر شعلہ جوالہ بنا چاہتی تھیں، سردار حسنی دہابیوں کی اس بیداری اور ماحول سازگار دیکھ کر ان کی دوسری کامیابی کے بارے میں لکھتے ہیں :-

اس وقت نجد بھی حجاز کی طرح مصر کا ایک باجگزار صوبہ ہو گیا تھا، دہابیت کی تحریک خاک سیاہ کر دی گئی تھی، لیکن اس میں کچھ شر اسے ابھی باقی تھے اور مشتعل ہونے کے لیے مساعد حالات کے منتظر تھے، امیر عبداللہ کے مارے جانے کے کئی برس بعد نجد میں مصری حکومت کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکی، ریاض میں جو مہوی لشکر موجود تھا، باغیوں کی تلوار نے اسے ٹھکانے لگایا ۱۸۲۱ء میں امیر عبداللہ کے بیٹے امیر ترکی نے مصریوں کو نجد سے نکال باہر کیا اور خود نجد، الحساء، اور عمان کا امیر بن گیا، لیکن امیر ترکی کی اس حکومت کو دہابی سلطنت ہمیں کہا جاسکتا، کیونکہ امیر ترکی مصر کو خراج ادا کیا کرتا تھا۔

وہابیوں کی حقیقی طاقت و سطوت کا بیشتر ہی خاتمہ ہو چکا تھا، اب خانہ جنگی بھی شروع ہوئی۔ سعودی خاندان کے افراد آپس میں بغض و عناد کرنے لگے۔ یوں کہنا چاہیے کہ یہ زوال و انحطاط کی بدترین مثال تھی، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود فیصل کے عہد میں، جو کہ امیر ترکی کا لڑکا تھا، پھر وہابیوں کی حکومت میں جان کی رتی پیدا ہوئی۔ امیر فیصل ترکی کا بیٹا ۱۸۳۲ء میں اسحوا کا نظم و نسق کر رہا تھا کہ مشعری بن عبدالرحمن نے جو کہ خاندان سعود کا ہمجد تھا، امیر فیصل کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر بغاوت کی اور ترکوں کو ساتھ ملا کر امیر ترکی کو قتل کر دیا۔ امیر فیصل کو بے حد سنج ہوا اور ریاض میں واپس آ کر قریباً دو مہینے بعد مشعری کا خاتمہ کر دیا۔ اس کارروائی میں ایک شخص عبداللہ ابن رشید نامی فیصل کا دست راست تھا۔ فیصل نے اس کی خدمات سے خوش ہو کر حائل کی صوبہ داری اس کے حوالہ کر دی، یہ شخص حائل کے مشہور خاندان رشید کا مورث تھا، اس خاندان کی حکومت نے رفتہ رفتہ اتنی ترقی کی کہ انیسویں صدی عیسوی کے آخری حصہ میں عرب بھر میں کوئی حکمران سطوت و اقتدار میں آل رشید سے بڑھ کر نہ تھا۔

امیر فیصل کچھ تو سلطنت کے اندرونی معاملات کی اصلاح میں مشغول رہا، کچھ اس کی نیت بھی مصری حکومت کے ماتحت رہنے کی تھی۔ اس لیے سالہا سال تک اس نے مصر کو خراج ادا نہ کیا۔ اس وقت کی مصری حکومت میں ابھی طاقت باقی تھی مصریوں نے ۱۸۳۷ء میں امیر فیصل پر حملہ آور ہو کر اسے اپنے تئیں حوالے کرنے پر مجبور کیا اور اس کے خاندان کو بغاوت اور سرکشی سے اجتناب کرنے کا سبق سیکھانے کے لیے انہوں نے فیصل کو قاہرہ پہنچا دیا، اس کے بعد مصر کی طرف سے براہ راست نجد کے والی مقرر ہوتے رہے؛ البتہ کبھی کبھی مصلحت کے لحاظ سے خاندان سعود کے بعض افراد بھی نجد کے صوبہ دار مقرر کر دیئے گئے۔

۱۸۴۳ء میں فیصل قاہرہ کے محبس سے بھاگ نکلا اور آتے ہی ریاض کا امیر بن گیا، بعد ازاں اس نے اپنی حکومت کو پھر عثمان، الحصاص، قاسم، اور جبل شمار تک وسیع کر لیا۔ حقیقت میں یہ امیر عظیم شخصیت رکھتا تھا اور وہ وہابی سلطنت میں پہلی سی آن بان پیدا نہ کر سکا، لیکن اپنی وفات تک بڑی کامیابی سے حکمرانی کرتا رہا۔ اس کی موت ۱۸۶۷ء میں واقع ہوئی۔

فیصل کے بعد اس کا بیٹا عبداللہ تخت نشین ہوا یہ شخص کمینہ خصائل رکھتا تھا اور نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کے بھائی سعود نے ۱۸۷۱ء میں اسے تخت سے اتار دیا اور خود امیر بن بیٹھا، لیکن خانہ جنگی کے سلسلے میں صوبہ جات قاسم اور جبل شمار سے وہابی حکومت اٹھ گئی۔

معزول شدہ عبداللہ نچلا نہیں بیٹھنا چاہتا تھا، وہ سعود سے انتقام لینے کا خواہاں تھا، حالانکہ عثمانی ترک آباد اجداد کے وقت سے سعودی خاندان کے مخالف تھے، لیکن عبداللہ نے انتقام کے مذموم جذبے کے ماتحت ترکوں سے کمک طلب کی، ترکوں نے موقع کو غنیمت جانا اور عبداللہ کو اپنی طرف سے نجد کا والی قرار دے کر اس کی مدد کے لیے ایک مہم تیار کی اور صوبہ الحصاص کو فتح کر لیا۔

سعود ترکوں سے مقابلے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ ۱۸۷۲ء میں اس نے ترکوں سے مفاہمت پیدا کرنے کے لیے اپنے بھائی عبدالرحمن کو بغداد بھیجا، ترک سعود کی پیش قدمی سے خوش تو کیا ہوتے، الٹا عبدالرحمن کو دو برس قید کر دیا۔

سعود ۱۸۷۷ء میں مر گیا اور معزول شدہ عبداللہ اس کے بجائے تخت نشین ہوا۔ عبداللہ آٹھ برس حکومت کرتا رہا، لیکن فرمانروائی کی پوری صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ سعود کے دونوں بیٹے محمد اور سعود اس سے حسد رکھتے تھے اور فتنہ و فساد

برپا رکھتے تھے۔ آخر کار انہوں نے اس کو تخت سے اتار کر قید کر دیا۔

اسی زمانے میں محمد ابن رشید کی شخصیت اور کارہائے نمایاں معرض وجود میں آئے، ان کی مختصر کیفیت کسی اور مقام پر بیان ہوگی۔

اس پر شکوہ بادشاہ نے نجد کو مسخر کر لیا اور عبداللہ کو قید خانہ سے نکال کر

اس کے بھائی عبدالرحمن کے ساتھ حائل بھیج دیا۔ ۱۸۸۶ء میں دونوں کو ریاض

واپس آنے کی اجازت مل گئی۔ دونوں بھائی خاموشی سے اپنے آبائی دارالسلطنت

میں مقیم ہو گئے اور وہیں ۱۸۸۹ء میں عبداللہ مر گیا۔ طبعی طور پر عبدالرحمن کی توقع

یہ تھی کہ عبداللہ کی جگہ ان کو ریاض کا حاکم بنا دیا جائے گا، لیکن محمد ابن رشید اس

تجویز کے موافق نہ تھا۔ اس نے سلیم ابن سبجان کو ریاض کا حاکم بنا کر بھیج دیا۔ کچھ عرصہ

کے بعد محمد بن رشید کو خاندان سعود کی طرف سے بدگمانی پیدا ہوئی، اس نے سلیم کو

حکم دیا کہ اس خاندان کے تمام افراد کو قتل کر دے۔ کسی طرح پر عبدالرحمن کو اس حکم

اطلاع مل گئی۔ سلیم تمیل حکم کی کوشش میں تھا کہ آل سعود نے اس پر حملہ آور ہو کر جان

سے مار دیا اور ریاض میں اپنی حکومت جمالی، اس وقت ریاض پر تو ان کا قبضہ ہو گیا،

لیکن نجد پر ابن رشید کا اقتدار بحال تھا۔ چند ماہ یہ لوگ صوبہ الاریہ پر جہاں ریاض

واقع ہے، حکومت کرتے رہے، لیکن جنوری ۱۸۹۱ء میں محمد بن رشید نے برید کے

مقام پر سعودی افواج کو شکست فاش دی اور مزید گوشمالی کے لیے ریاض دارالسلطنت

کی طرف بڑھا۔

آخر کار عبدالرحمن نے محسوس کیا کہ وہ ابن رشید سے مقابلہ نہیں کر سکتا اس لیے

وہ اہل و عیال لے کر اندرون عرب سے چلا اور مدت تک صحرا نوردی کرنے کے

بعد والی کویت کے ہاں جا کر پناہ گزیر ہو گیا۔ اس خاندان کے بعض افراد قید ہو کر

حائل پہنچا دیئے گئے۔

۱۸۲۲ء سے لے کر ۱۸۹۱ء تک نجد کے بعض علاقوں سے لے کر جزیرہ
 عرب کے کچھ حصوں پر امیر ترکی سے لے کر امیر عبدالرحمن تک وہابیوں کا دوبارہ
 اقتدار قائم ہو گیا تھا، لیکن ترکوں کی پیش قدمی اور آل رشید کی زبردست مخالفت
 سے اس گزرتی ہوئی دیوار کو ایک بار پھر سے منہدم کر دیا۔

باب

وہابیہ کا تفسیر ادور

۱۵ جنوری ۱۹۰۲ء سے لے کر ۲۵ دسمبر ۱۹۲۵ء تک ابن سعود ترکوں اور اس کے حلیف عربوں سے برسہا برس لڑا۔ اس دوران بدقسمتی سے ترک اتحادی فوجوں کے ساتھ بین الاقوامی جنگوں میں الجھا ہوا تھا ادھر سعودی خاندان کو برطانوی استعمار سے نقد روپیہ اور اسلحہ کی وافر مقدار مل رہی تھی۔ دوسری طرف کرنل لارنس ساہا سال سے عرب میں ترکوں کے خلاف عرب قومیت پر اپگنڈہ کر رہا تھا جس کے نتیجے میں عام عرب آبادی بھی ترکوں کے خلاف مشتعل ہو گئی تھی۔ جنگ عظیم کے موقع پر شریف حسین نے بھی ترکوں سے غداری کر کے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا تھا۔ یہ تمام عناصر مل کر ابن سعود کو تقویت پہنچا رہے تھے اور ترکوں کے لئے حالات دن بدن ناسازگار ہوتے جا رہے تھے۔ بین الاقوامی جنگوں میں الجھنے کی وجہ سے ترکوں کے لئے عرب کو کنٹرول کرنا ممکن نہ رہا۔ جس کے نتیجے میں سعودی طاقت بڑھتی گئی، انہوں نے پہلے ترکوں کے حلیف آل شیبہ کو شکست دی پھر خود ساتھ خلیفہ شریف حسین کو سرزمین عرب سے نکلنے پر مجبور کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۵ دسمبر ۱۹۲۵ء میں تمام جزیرہ عرب پر ابن سعود کی سلطنت کا اعلان عام کر دیا گیا۔

یہ ایک اجمالی خاکہ ہے تفصیل کے لئے ہم ایک غیر مقلداہل قلم محمد صدیق قریشی کی تحریر پیش کر رہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں!

موجودہ سعودی سلطنت کے بانی شاہ عبدالعزیز تھے۔ ۲۲ دسمبر ۱۸۰۸ء (۲۹ ذوالحجہ ۱۲۹۷ھ) کو ریاض میں پیدا ہوئے۔ اوپر یہ ذکر ہو چکا ہے کہ عبدالرحمن بن فیصل اپنے چاروں بیٹوں کے ساتھ کویت میں پناہ گزین ہو چکے تھے۔ عبدالرحمن نے کویت پہنچ کر امیر کویت کی مدد سے اپنی کھوئی ہوئی مملکت واپس لینے کی کوشش کی، مگر ناکام رہے۔ حتیٰ کہ انہیں

انہیں ۱۸۹۱ء میں اپنی عورتوں اور بچوں کو بحرین میں پناہ لینے کے لئے بھیجا پڑا۔
 ۱۸۹۵ء میں ترک حکومت نے نجد کے ابن رشید کی بڑھتی ہوئی قوت میں توازن پیدا
 کرنے کے لئے امیر عبدالرحمان کو کویت میں رہائش اختیار کرنے کی اجازت دے دی اور
 ان کی گزراوقات کے لئے ساٹھ (۶۰) پونڈ بھی دینے کا وعدہ کیا۔ یہاں ان کی رہائش گاہ تین
 کمروں پر مشتمل تھی۔ یہ زمانہ بڑی تنگی ترشی سے گزرا۔ الاؤنس نہایت قلیل تھا اس پر طرہ یہ کہ
 باقاعدگی سے ادا نہ کیا جاتا۔ اس تنگدستی کا اس وقت شدت سے احساس ہوا، جب امیر
 عبدالعزیز کی شادی محض رقم نہ ہونے کی وجہ سے چالیس دن تک ملتوی کرنا پڑی۔ تا آنکہ
 ایک دیرینہ دوست یوسف ابراہیم نے اس یوسف بے کارواں کی اعانت کی۔ تب کہیں
 امیر عبدالعزیز دولہا بنے۔

کویت کے دوران قیام میں امیر عبدالعزیز اپنا وقت گھوڑسواری میں صرف کرتے۔
 کبھی کبھار وہ شترسواری کرتے ہوئے دور صحرا میں نکل جاتے اور عقابوں سے شکار کرتے۔
 شام کو آگ کے آلاؤ کے آگے بیٹھ جاتے۔ کافی کا دور چلتا اور مجاہدین کے قصے دہرائے جاتے
 کہ ————— ہو گم رکھنے کا ہے اک بہانہ ————— امیر عبدالعزیز پر صرف
 ایک دھن سوار تھی وہ یہ کہ اپنے حریف کو پناہ دکھائیں، لیکن دشمن ترنوالہ نہ تھا وہ ہر دم
 چوکنار رہتا۔

۱۴ فروری ۱۹۰۱ء کو امیر عبدالعزیز کا ابن رشید کے ساتھ پہلی مرتبہ تصادم ہوا،
 لیکن سعودیوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔ جنگجو عبدالعزیز سچلا۔ بیٹھنے والا نہ تھا۔ اگلے سال
 شعبان کے اوائل میں اس نے چالیس نوجوان ساتھ لئے لمبا چکر کاٹا اور کاروانی راستوں
 سے ہٹ کر صحرا ربع الخالی کے کنارے کنارے روانہ ہوا۔ بہت سے مہم جویدو بھی
 شریک ہو گئے تھے، لیکن وہ راستہ میں چھٹتے چلے گئے۔ ابو جیفان کے کنوؤں کے مشرق
 میں انہوں نے عید القطر منامی اور پھر اسی رات مشرق کی طرف بڑھے۔ حدنگاہ تک

لق و دن رگزار تھا۔ اگلا دن انہوں نے سطح مرتفع جبیل کی تہلی و ادلیوں میں چھپ کر گزارا۔ جو نہی سورج غروب ہوا اور تاریکی پھیل گئی یہ لوگ پھر چل کھڑے ہوئے۔ اب ریاض کے باغات اور فصیل کے ہیولے نظر آنے لگے۔ یہاں نوجوان عبدالعزیز نے چھ ساتھی منتخب کئے اور باقی افراد کو حکم دیا کہ اگر انہیں اگلے دن دوپہر تک ان کی خبر نہ ملے تو کویت کی طرف کوچ کر جائیں۔ اکیس سالہ طویل القامت (چھ فٹ پانچ انچ) سالار کے اس دستہ میں ان کے بھائی محمد اور چچیرے بھائی عبدالعزیز فہد اور عبداللہ بھی تھے۔ جو اس سال سالار اس قدر محتاط تھا کہ اس نے اپنے ہمراہیوں کو بھی اپنے مشن سے آگاہ نہ کیا۔

ریاض سامنے نظر آ رہا تھا جس کے در و دیوار جنگ گزیدہ تھے جس کی آبیاری امیر عبدالعزیز کے آباؤ اجداد نے اپنے ہوسے کی تھی۔ پورا شہر نیند کی خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہ لوگ شہر نپاہ کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ فصیل ابھی تک شکستہ حالت میں ہے۔ سعودی آسانی سے شہر کے اندر داخل ہو گئے۔ رات دو بجے کا عمل ہو گا۔ سردی بڑھ گئی تھی اور لوگ اپنے گھروں میں لچافوں میں دبکے پڑے تھے۔ شہر کے وسط میں رشیدیوں کا قلعہ تھا جہاں رشیدی گورنر عجلان رات بسر کیا کرتا تھا اس کی رہائش گاہ قلعہ کے واحد گیٹ کے بالمقابل واقع تھی۔ امیر عبدالعزیز نے دروازے پر دستک دی۔ ایک خاتون برآمد ہوئی حملہ آور جھپٹے اور چشم زدن میں مکینوں کی مشکیں کس کر انہیں ایک کمرے میں محبوس کر دیا۔ یہ مکین خواتین اور خدام تھے۔ ایک تو مندمی فظان پر تعینات کر دیا گیا۔

ادھر امیر عبدالعزیز کے ساتھی چھت پر پہنچ کر چھری کی اوٹ میں قلعہ کے دروازے پر شمسٹ باندھ کر بیٹھ گئے تاکہ شکار نکلے اور یہ شاہین خوگر جھپٹ کر اسے اپنی آہنی گرفت میں لے لیں۔ اس دوران میں کافی کا تلخ تبرعہ حلق میں اتارتے اور تلاوت قرآن کرتے رہے۔ سپیدہ سحر نمودار ہوا۔ وہ خدا کے حضور سر بسجود ہو گئے۔ نماز فجر سے فارغ

ہو کر انہوں نے فتح اور نصرت کی دعا مانگی۔

رشیدی گورنر کا دستور تھا کہ وہ علی الصبح قلعہ سے نکل کر گھر کی راہ لیتا جسب معمول دروازہ کھلا اور گورنر اپنے خدام چشم کے ساتھ باہر نکلا۔ ابھی وہ ادھار استہ ہی طے کر پایا تھا کہ امیر عبدالعزیز اور ان کے پھرے ہوئے جانبازان پر ٹوٹ پڑے۔ عجلان مقابلہ کرنے کے بجائے الٹے پاؤں واپس بھاگ کھڑا ہوا۔ عبداللہ ابن جلوہ نے اپنے چھوٹے سے نینرے سے اس کا نشانہ باندھا، لیکن نشانہ چوک گیا۔ نینرے کا پھل ٹوٹ گیا اور پھاٹک کے دائیں ہاتھ لکڑی کے نقش نگار میں پیوست ہو گیا۔ تاہم عجلان پھاٹک کی کھڑکی میں قلعہ کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ دروازہ بند ہوتا عبداللہ بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر پہنچ گیا اور عجلان سے گھتم گھتا ہو کر اسے قتل کر ڈالا۔ اس آٹنا میں امیر عبدالعزیز اور ان کے بانی ساتھی بھی قلعہ کے اندر پہنچ چکے تھے۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ قلعے کے محافظ اور عجلان کے باڈی گارڈ بھونچکے کھڑے دیکھتے رہے۔ اتنے میں ابن سعود کے آدمیوں نے پھاٹک کھول دیا اور باقی ساتھی بھی اندر پہنچ گئے۔ خونریز جنگ چھڑ گئی۔ عجلان کے چالیس ساتھی مارے گئے۔ باقی چالیس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ امیر عبدالعزیز کے دو ساتھیوں نے جاہ شہادت نوش کیا۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر دو گھرانوں کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ یہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۲ء کا واقعہ ہے۔

اسی روز امیر عبدالعزیز نے امیر نجد اور تحریک اسلامی کے امام کا خطاب اختیار کیا۔ اس طرح سعودی مملکت کی تاریخ کا تیسرا دور شروع ہوا۔ امیر عبدالعزیز نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کویت سے اپنے والد کو بلایا۔ امیر عبدالرحمن سرف کی لڑائی کے بعد اپنے بیٹے کے حق میں دستبردار ہو گئے تھے ان کے سامنے کٹھن منزلیں تھیں۔ انہیں اپنی مملکت کو مستحکم بھی کرنا تھا اور جو علاقے ابھی تک حریف کے قبضے میں تھے انہیں واکزار بھی کرنا تھا ان کے شب و روز اکثر دار الحکومت سے باہر معرکہ آرائیوں میں گزرتے۔

امیر عبدالعزیز کی غیر حاضری میں یتا بت کے فرائض امیر عبدالرحمن کے سپرد ہوئے۔ امیر عبدالرحمن بارہ برس کے بعد ریاض میں داخل ہوئے تو ان کی آنکھوں سے اشکِ مرست بن کر موتی بن کر ٹپکنے لگے۔ جب وہ یہاں سے بھاگ کر کویت میں پناہ گزین ہوئے، تو یہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ وہ دوبارہ اپنی سرزمین میں لوٹیں گے، تو ان کا قابل فرزند یہاں کا حکمران ہوگا۔ امیر عبدالرحمن نے زمانے کی تکلیفیں برداشت کی تھیں وہ جب اندیدہ اور سردو گرم جانتے تھے۔ اگلے کچیس برس امیر عبدالرحمن اپنے عظیم فرزند کی ہر اہم اور مشکل مرحلے میں رہنمائی کرتے رہے۔ مملکت کو مستحکم کرنے کے ساتھ ساتھ امیر عبدالعزیز اسلام کو عملی زندگی میں نافذ کرنا چاہتا تھا، کیونکہ یہی ان کی قوت کا اصل سرچشمہ تھا۔ اسی سے ان کے ولولوں کے سوتے پھوٹتے تھے۔ اب یہ ان کی ذمہ داری تھی کہ عرب معاشرے میں جن بدعتوں اور کمزوریوں نے سر اٹھایا تھا اس کی سرکوبی کریں وہ دلیر بھی تھے اور ذہین و فطین بھی! چنانچہ وہ جلد ہی عظیم المرتبت شخصیت بن گئے، لیکن یہاں تک پہنچنے کے لئے انہیں کئی برس تک بہیم جدوجہد کرنا پڑی اور ان گنت مصائب سے گزرنا پڑا۔ انہوں نے رشیدیوں سے نرو آزما ہونے کے لئے سب سے پہلے بدوؤں کو ایک عملی تحریک کے پلیٹ فارم پر جمع کیا۔ یہ لوگ اخوان کہلاتے تھے۔ نجد کے بدوان کی شخصیت کے سحر سے بے حد مدعوب تھے۔ امیر عبدالعزیز نے اخوان کے مقصد کو اپنے ایک تاریخی حملے میں سمودیا۔ ”خدا ہمارے ساتھ ہے اور عالم اسلام کو اصلاح کی تظہیر کے لئے اب بھی اسلامی تحریک کی اشد ضرورت ہے!“

۱۹۰۳ء تک ابن سعود نے جنوب میں اپنی پوزیشن مستحکم کر لی۔ اسی سال ترکوں نے ابن رشید کی مدد کے لئے گیارہ جہنیش اور چودہ توپیں بھیجیں۔ ترکی فوج کا قائد احمد فیضی پاشا تھا۔ ابن سعود کو عارضی طور پر ریاض کی طرف پسپا ہونا پڑا، لیکن جلد ہی انہوں نے اپنی قوت یکجا کر لی اور اس طرح ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ دشمن کے چکے چھوٹ گئے اور وہ

بھاگ گیا۔ پورا صوبہ قصیم ان کے قدموں تلے تھا۔ قصیم کی گورنری اپنے برادر صغیر سعد کے حوالے کرنے کے بعد ۱۴ اپریل ۱۹۰۶ء کے موسم بہار میں امیر عبدالعزیز ابن سعود یمن کی طرف لوٹ رہے تھے کہ پتہ چلا ابن الرشید بریدہ سے بیس میل شمال میں فوج لے کر پہنچ گیا ہے۔ ابن سعود نے شب خون مارا زبردست لڑائی ہوئی ابن رشید کے جسم میں بیس گولیاں لگیں اور وہ مارا گیا۔ اس محقر مگر خونریز لڑائی کے بعد نجد سے ترکوں کا اثر مکمل طور پر ختم ہو گیا۔

آنے والے چھ سالوں میں قدرے سکون رہا! اگرچہ کبھی کبھار جھڑپیں ہو جاتیں۔ ۱۹۱۰ء کا سال ابن سعود کے لئے نامبارک سال تھا۔ ابن سعود کے چچا سعود کے پوتوں نے خرچ اور حدیق کے علاقے میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ ادھر مکہ کا شریف حسین ایک زبردست فوج کے ساتھ صوبہ قصیم میں آدھمکا۔ اور عیتہ قبیلے کے حقوق کا محافظ بن بیٹھا۔ عبداللہ کا موقف یہ تھا کہ ابن سعود نے عیتہ کے حقوق غصب کر لئے ہیں۔ اس نے ابن سعود کے بھائی سعد کو یرغمال بنا لیا۔ شریف حسین نے مطالبہ کیا کہ ابن سعود ترکی کی حاکمیت اعلیٰ تسلیم کرے وہ سالانہ چار ہزار پونڈ حکومت مکہ کو دے اور اہل قصیم کو اپنا گورنر منتخب کرتے کی آزادی دے۔ ابن سعود حالات میں کچھ اس طرح گرفتار ہوا کہ اپنے بھائی کو آزاد کرنے کے لئے اس نے حسین کے لکھے ہوئے معاہدے پر دستخط کر دیئے اور سعد آزاد ہو گیا، لیکن ابن سعود نے اس معاہدے پر بھی عمل نہ کیا اس کا موقف یہ تھا کہ معاہدہ دباؤ کے تحت ہوا تھا۔ والیئے مکہ نے جنوبی نجد میں ہونے والی بغاوت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی اور ابن سعود کے لئے ان شرائط کو تسلیم کرنے کے سوائے کوئی چارہ کار نہ تھا۔

عبداللہ کے رخصت ہوتے ہی ابن سعود دو دو ہاتھ کرنے کے لئے خرچ اور حدیق کی طرف متوجہ ہوئے انہوں نے بغاوت کو سختی سے کچلا اور باغیوں کا نجد کے قریب قریب

میں تعاقب کیا گئے، ہاتھوں عتیبہ کو ان کی شرارت کا مزا بھی چکھایا جنہوں نے عبداللہ کو ابن سعود کے خلاف مبارزت دی تھی۔ پھر اہل قصیم کی باری آئی جن کے ابن سعود نے شمشیر و سیاست کاری دونوں حربے استعمال کئے۔ ۱۹۱۴ء میں ابن سعود نے الحصار کی طرف توجہ دی۔ الحصار کبھی بند کا حصہ تھا اور محمد بن عبدالوہاب کی تحریک اصلاح و تجدید دین کا پر جوش پیروکار۔ اقتصادی لحاظ سے بڑا پرکشش تھا اور ابن سعود اپنی مملکت کے معاشی استحکام کے لئے اسے واپس لینا ناگزیر سمجھتے تھے۔ وہ موقع کی تلاش میں تھے۔ ان دنوں بلقان کی جنگ زوروں پر تھی اور اندرون ملک قبائل کی صفوں میں انشائاً تھا۔ لشکر کشی کا بڑا عمدہ موقع تھا، جسے ابن سعود ایسا ہر سیاستدان ضائع نہ کر سکتا تھا۔ کارروائی کے لئے بہانہ بھی موجود تھا۔ ہفون کے علاقے میں ان کے باغی رشتہ داروں نے پناہ لے رکھی تھی اور انہیں ابن سعود کے خلاف استعمال کیا جا رہا تھا۔ ایک اندھیری شب ابن سعود نے پندرہ سو تیز شتر سواروں کی مدد سے حصار پر حملہ کر دیا۔ قلعہ میں ایک ہزار ترک پیادہ فوج موجود تھی۔ اس کے پاس توپیں بھی تھیں۔ دس دن کے اندر اندر قیظ کے غرور کابت ابن سعود کے قدموں میں پاش پاش ہو چکا تھا۔ قیظ کے ترک گورنر اور فوج کو جنگی اعزاز کے ساتھ مارچ کرانے کے بعد عقیقہ کی بندرگاہ لے جایا گیا۔ جہاں سے کچھ بصرہ چلے گئے باقی ماندہ نے قطر کا رخ کیا۔

رشید لویں اور ترکوں کے ساتھ آونیزش جاری تھی کہ پہلی جنگ عظیم چھڑ گئی اور ترک جنگ میں شریک ہو گئے ہیں۔ ابن سعود نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور رشید لویں سے ٹکراتے اور اپنی قوت مضبوط کرتے رہے۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۱۵ء برطانیہ اور ابن سعود کے درمیان معاہدہ داران طے پایا۔ معاہدہ پر شاہ برطانیہ کی طرف سے خلیج فارس کے علاقے میں مقیم چیف پولیٹیکل ریزیڈنٹ سیرسی کا کس نے دستخط کئے اس معاہدہ کی رو سے۔

- (۱) برطانیہ نے ابن سعود اور ان کی اولاد کو نجد کا حکمران تسلیم کر لیا۔
- (۲) بیرونی جارحیت کی صورت میں ابن سعود کو برطانیہ کی اعانت حاصل ہو گئی۔
- (۳) ابن سعود کے بیرونی معاملات پر برطانوی سیادت تسلیم کر لی گئی۔
- (۴) ابن سعود نے یہ تسلیم کیا کہ وہ اپنا علاقہ یا اس کا کچھ حصہ برطانیہ کی مرضی کے بغیر کسی طاقت کے حوالے نہ کریں گے۔
- (۵) ابن سعود اپنے علاقے میں حاجیوں کے قافلے کے راستے کھلے رکھیں گے۔
- (۶) ابن سعود نے وعدہ کیا کہ وہ کویت بحرین اور ساحلی امارتوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔

معاهدے کا قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ اس میں ایسی کوئی دفعہ نہ تھی کہ ابن سعود شریف حسین کے علاقے پر حملہ نہ کریں گے۔ بعد ازاں کاکس کی استدعا پر ابن سعود نے ستمبر ۱۹۱۴ء میں کویت کے شیخ جابر الصباح عینزہ کے شیخ فہد اور عمرہ کے شیخ ہزال سے بصرہ میں ملاقات کی یاد رہے کہ شیخ مبارک الصباح کا ۱۹۱۵ء میں انتقال ہو گیا تھا۔ اس ملاقات کے نتیجے میں ابن سعود کو برطانیہ سے ۶۰۰۰۰ ساٹھ ہزار پونڈ سالانہ کی امداد ملنے لگی۔ آگے چل کر یہ رقم ایک لاکھ پونڈ مقرر کر دی گئی۔ علاوہ ازیں انہیں تین ہزار انسین اور تین مشین گنیں بھی تحفے میں دی گئیں۔

جنگِ عظیم کے دوران ابن سعود اور شریف حسین کے مفادات کا کئی بار تصادم ہوا۔ جولائی ۱۹۱۴ء میں شریف حسین نے عثمانی بالادستی کا جو آثار پھینکا اور ترکوں کے خلاف اتحادیوں کا ساتھ دینے کا اعلان کر دیا۔ اسی مہینے شریف حسین نے ایک اور اقدام یہ کیا کہ یمن کی بندرگاہ پر قبضہ کر لیا۔ ۱۹ اکتوبر کو عرب کی آزادی اور پھر عرب مملکت کا بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان سے تلخی بڑھی۔ اتحادی اسے حجاز کا بادشاہ تو تسلیم کرتے تھے، لیکن عرب ملکوں کا بادشاہ ماننے میں انہیں کوئی

منطق نظر نہ آئی۔ ابن سعود نے شروع میں تو شریف حسین کے ان اقدامات پر خاموشی اختیار کی لیکن ۱۹۱۸ء کے موسم گراما میں فرسہ کے سرحدی نخلستان میں دونوں کی افواج میں مسلح تصادم ہو گیا۔ برطانیہ جنگ میں بری طرح الجھا ہوا تھا، تو ادھر نوجوہ ہی نہ دے سکا۔ شریف حسین کا بیٹا عبداللہ تین شب و روز خرمہ پر داخل حکومت دیتا رہا، مگر پھر خالد بن لوی کی کمان میں انخوان دستے پہنچ گئے، انخوان کا حملہ اتنا شدید تھا کہ عبداللہ بھاگ نکلا، انخوان نے اس کے خیمے، توپیں، رائفلیں اور اسلحہ کے ذخائر اپنے قبضے میں لے لئے اس طرح ابن سعود کے ہاتھ بے پناہ مال غنیمت لگا۔

عالمی جنگ میں شریف حسین نے برطانیہ کا ساتھ دیا، یہی معاملہ ابن سعود کا بھی تھا لیکن موخر الذکر کا حصہ محض برائے نام تھا۔ عملاً وہ اپنی حکومت کے استحکام ہی کی طرف متوجہ رہے۔ داخلی مصلحتوں کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ابن سعود کو برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے احساسات کا پورا پورا احترام تھا، جنہیں خلافت کے نظام سے وابہانہ محبت تھی، اس کے برعکس شریف حسین نے جون ۱۹۱۶ء میں ترکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور ترکوں کو حجاز، عراق اور شام و فلسطین سے نکلانے کے لئے برطانیہ کا مقدر بھرسا تھا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد کے حالات پر روشنی ڈالنے سے پہلے انخوان اور ابن سعود کے باہمی تعلقات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ انخوان تحریک کا مقصد درحقیقت بددی قبائل کو مستقل بستیوں میں بسانا اور ان کی طاقت کو منظم کر کے سعودی مملکت کے لئے مفید قوت بنانا تھا۔

۱۹۱۳ء میں ابن سعود نے اپنا مشہور فرمان اہل بادیہ کے نام جاری کیا کہ وہ انخوان تحریک میں شامل ہو جائیں۔ اس تحریک میں شامل ہونے کے لئے دو چیزوں کا اقرار ضروری تھا۔

(۱) خداوند کی عبادت اس میں درج ذیل باتیں بھی شامل تھیں۔

الف: خدا کا شریک نہ ٹھہرانا۔

اب) زکوٰۃ دینا۔

اج) رمضان کے مہینے میں روزے رکھنا۔

د) دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھنا۔

ہ) حج کرنا۔

(۲) تمام سچے مسلمانوں میں بھائی چارے کے جذبات کو فروغ دینا۔

الف: اپنے وطن سے محبت کرنا۔

ب) امام کی کامل اطاعت کرنا۔

ج) دوسرے اخوان بھائیوں کی مشکل کے وقت مدد کرنا۔

جنگ عظیم کی صورتحال سے

ابن سعود نے کس طرح فائدہ

جنگ عظیم میں سعودی حکومت کا کردار

اٹھایا یہ صدیق حسن قریشی سے سنئے:-

جنگ نے اتحادیوں کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا۔ ترکوں کو شکست کیا ہوئی۔

عثمانیہ خلافت کی کڑوٹ گئی۔ جنگ کے دوران میں تو انگریز عرب کی سیاست کی طرف

توجہ نہ دے سکے تھے۔ اب پھر ادھر متوجہ ہوئے اور علی الاعلان شریف حسین کا ساتھ دینا

شروع کر دیا۔ اس نے جنگ میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ شاید یہ اس کا معاوضہ تھا۔ شریف

حسین امید لگائے بیٹھا تھا کہ جنگ کے بعد برطانیہ اسے پورے عرب کا بادشاہ بنانے

کا وعدہ پورا کرے گا۔ اسی زعم میں اپنے آقا کا اشارہ پا کر شریف حسین نے ۱۹۱۹ء میں ابن سعود

کی مملکت پر حملہ کر دیا۔ تریہ کے مقام پر دونوں افواج کا مقابلہ ہوا۔

قیصل ص ۱۹ تا ۲۸

سہ محمد صدیق قریشی

فتح نے ابن سعود کے قدم چومے۔ شریف حسین کے تین ہزار سے زائد آدمی مارے گئے۔ باقی فرار ہو گئے۔ ابن سعود نے شمال کا رخ کیا اور رشیدیوں کے مرکز حائل کا محاصرہ کر لیا۔ ۱۹۲۰ء میں عبداللہ بن متعب بن عبدالعزیز نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ۱۹۲۱ء میں انہوں نے رشیدیوں کو آخری فیصلہ کن شکست دی۔ جبل الشہر اور حائل کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اسی سال محمد بن طلال نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس طرح پورا نجد سعودیوں کے زیر نگیں آ گیا۔

کمال انا ترک نے خلافت کے خاتمہ کا اعلان کر کے آخری خلیفہ سلطان عبدالحمید اور ان کے خاندان کو جلا وطن کر دیا۔ تواسات مارچ ۱۹۲۴ء کو شریف حسین نے اپنے خلیفہ ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اس کا خیال تو یہ تھا کہ لوگ فوراً ان کی بیعت کر لیں گے، لیکن اس اعلان کا رد عمل عرب سے باہر ناتواں شگوار ہوا خصوصاً برصغیر کے مسلمانوں نے مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں سخت مخالفت کی۔

آخر شریف حسین کا خدشہ مٹانے کے لئے ابن سعود نے حجاز پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۲۴ اگست ۱۹۲۴ء کو حملہ کا آغاز ہوا۔ ابن سعود کی فوجوں نے طائف کو گھیر لیا۔ شدید مزاحمت کے بعد طائف فتح ہو گیا۔ اب سعودی افواج مکہ کی طرف بڑھیں۔ ۳ اکتوبر کو شریف حسین نے تخت سے دست بردار ہونے کا اعلان کیا۔ پندرہ روز بعد مکہ معظمہ پر بھی سعود کا پھریرا بہرانے لگا۔ اب شریف حسین کا بڑا بیٹا جانشین ہوا۔ اس نے جدہ کو دارالحکومت بنایا۔ پانچ دسمبر ۱۹۲۵ء کو ۱۰ ہینے کے محاصرہ کے بعد مدینہ منورہ فتح ہو گیا اور ۲۳ دسمبر کو سعودی فوج نے جدہ پر قبضہ کر لیا۔ عبداللہ ۸ دسمبر ہی کو جدہ سے نکل گیا تھا۔ شریف حسین قبرص جا چکا تھا۔ اب ابن سعود اپنی مملکت کے بلا شرکت غیرے حکمران تھے۔ ۲۲ ستمبر ۱۹۳۲ء کو انہوں نے مملکت کا نام سعودی عرب رکھا اور خود بادشاہ بن گئے۔ یمن کے ساتھ سرحدی علاقوں کا تنازعہ چلا آ رہا تھا۔ اپریل ۱۹۳۴ء میں دونوں

ملکوں کے درمیان جنگ کی نوبت آئی۔ سعودی افواج فاتحانہ یمن میں داخل ہو گئیں۔
آخر مذاکرات شروع ہوئے اور جون کے وسط میں معاہدہ طے پا گیا۔ جس کی رو سے بحر ان
کے زرخیز نخلستان اور پام کا علاقہ سعودیوں کو واپس مل گیا اور عسیر پر بھی ان کا دعویٰ یمن نے
درست تسلیم کر لیا۔

اس طرح ابن سعود نے تیس سال تک جانگسل جدوجہد کے بعد وہ مملکت قائم کی
جو آج مملکت سعود کہلاتی ہے اور عرب اور عالم اسلام کی ایک ممتاز مملکت شمار کی جاتی ہے۔
سعودی مملکت کے قیام سے ابن سعود کی زندگی کا ایک اہم مقصد پورا ہو گیا۔ انہوں نے
عربوں کو جو مختلف قبائل میں بٹے ہوئے اور طوائف الملوک کی شکار تھے۔ ایک منظم کتاب
سنت کے قوانین پر مبنی مملکت میں متحد کر دیا۔

جنگ کے دوران وہابیہ کے مظالم

سعودی افواج نے طائف، مکہ اور مدینہ منورہ کی فتح کے دوران جو سنگدلانہ اور
بہیمانہ انسانیت سوز مظالم کئے ہیں۔ تاریخ کی سطروں سے اب تک ان مظالم کا لہو
ٹپک رہا ہے۔ سردار حسنی لکھتے ہیں:-

مئی ۱۹۱۹ء میں ابن سعود نے
شرفین حسین پر حملہ آور ہونے

جنگ طائف کے خونیں واقعات

کی تیاری شروع کر دی۔ واکٹ ہال میں ایک اور کانفرنس ہوئی اور ابن سعود کے وظیفہ
کو پانچ ہزار پونڈ سے گھٹا کر پچیس پونڈ کر دیا گیا۔ اس واقعہ کی اطلاع ابن سعود کو نہ ہوئی۔
وہ تیاریوں میں ہمہ تن مصروف تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس کا مستقبل اسی ایک معرکے پر
منحصرتے۔

ابن سعود کے خلاف شریف نے بھی اپنے بیٹے عبداللہ کی قیادت میں ایک لشکر
 جراتیار کیا۔ لشکر کے ساتھ بہت سے بدوی لوٹ کے لاپک سے ساتھ ہو گئے۔ چار
 ہزار نوجوان نظامی فوج کے تھے۔ جن کے عراقی اور شاہی افسران ترکی حکومت کے تربیت یافتہ
 تھے اور جنگ عظیم کے تجربات نے انہیں جدید اسلحہ کا استعمال خوب سکھادیا تھا۔ شریفی فوج
 کی تیاریاں ماہ اپریل کے اواخر میں مکمل ہو گئیں۔ طائف سے یہ لشکر حشم وقار کے ساتھ طرابہ
 کی طرف چلا۔ یہ گاؤں خرما سے چالیس میل کے فاصلے پر جانب جنوبی مغرب میں واقع ہے۔ طرابہ
 پہنچ کر امیر عبداللہ کو معلوم ہوا کہ بعض لوگ یہاں بھی دشمن کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ امیر
 نے ان سب کو تہ تیغ کر دیا۔ مقتولین کے وژنا، بظاہر تو شریف کی اطاعت کا دم بھرتے رہے
 لیکن خفیہ طور پر یہاں کے استحكامات و انتظامات کا حال خرما والوں کو ہلکا بھیجا۔

ابن سعود اس وقت اپنی افواج لئے خرما سے کئی میل دور جانب مشرقی موجود تھا۔ کہ
 طرابہ والوں کا پیغام خالد بن عون والی خرما کو پہنچا۔ اس شجاع مرد نے نہ ابن سعود کو اطلاع دی اور
 نہ ہی باضابطہ اجازت حاصل کرنی ضروری سمجھی۔ اپنے گاؤں کی کارآزمودہ جماعت کو لے کر
 ۲۴ مئی کی رات کو طرابہ پر چڑھ دوڑا اور رات کے اندھیرے میں جب کہ شریفی افواج آرام اور
 اطمینان کی میٹھی نیند سو رہی تھی۔ ان کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا۔ وہ قتل و خون ہوا کہ الامان الامان
 و ما بیوں کی یہی شجاعت بسالت تھی جس نے ایک صدی پیشتر عالم اسلام کو متیر و مہبوت
 کر دیا تھا۔ بہت سے شریفی ابھی بستر پر ہی تھے کہ قتل کر دیئے گئے۔ بعض اٹھ کر سنبھلنے
 نہ پائے تھے کہ تہ تیغ ہو گئے۔ پانچ ہزار شریفی افواج میں سے صرف یک صد آدمی اس
 خونچکاں سرگزشت کو بیلہ کرنے کے لئے زندہ رہے۔ امیر عبداللہ جان بچا کر بھاگ گیا۔
 اس کی زبان سے شریف حسین کو فوج کی مکمل تباہی و بربادی کا حال معلوم ہوا۔ اگلے دن
 پچیس مئی کو ابن سعود اپنے عساکر کو لے کر بنفس نفیس طرابہ پہنچا اور مقتولین کے انسا
 بچشم خود ملاحظہ کئے۔ کشتگان کی اتنی تعداد شاید اس نے بھی نہ دیکھی تھی۔ بے نظربجاعت

کے باوجود نرم دل واقع ہوا ہے۔ اس قدر کشت و خون پر بے حد متاسف ہوا۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے جسرت بھری آہ لے کر کہنے لگا۔

اللہ نے یہ بارشاد مجھ پر ڈالا ہے۔ مشرکین کو (یعنی وہ ہاشمی مسلمان جو ابن سعود کے وہابی عقائد سے متفق نہ تھے۔ قادری) راہ راست پر لانے کی ذمہ داری میرے مقدر کر دی گئی ہے کاش میں ایک معمولی سپاہی ہوتا۔

نوٹ! ابن سعود نے جو یہ الفاظ کہے ہیں۔ بنی کے علاوہ اور کوئی شخص ان الفاظ کے کہنے کا مجاز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ انبی کے علاوہ اور کسی شخص پر یہ بارشاد نہیں ڈالتا۔
(قادری غفرلہ)

مولانا محمد علی جوہر طائف کے مظالم کے بارے میں لکھتے ہیں!
مرکزی خلافت کمیٹی کو حسب ذیل تار مکہ معظمہ سے وصول ہوا:-

گیارہ ستمبر باشندگان مکہ معظمہ آج کعبۃ اللہ کے سامنے جمع ہوئے ہیں جس میں تقریباً بیس ہزار مسلمان باشندگان۔ جاوا، ہندوستان، سوڈان، الجزائر، روس شامل تھے اور انہوں نے متفقہ طور پر مذہبی دنیا کو یہ بتایا کہ وہابیوں نے شہر طائف پر حملہ کیا اور فوج ہاشمی نے بڑی بے جگری سے ان کا مقابلہ کیا۔ باشندگان مکہ اور حکومت ہاشمی نے جس کی حمایت عام طریقہ پر کی جا رہی ہے ہر ممکن کوشش اس امر کی ہے کہ بے گناہ باشندگان اور غیر ملکوں کو بچایا جائے، لیکن وہابیوں نے بجائے اس کے وہ باقاعدہ طور پر قبضہ کرتے، نہایت وحشانہ طریقہ اختیار کیا اور وہاں کے باشندوں اور غیر ملکی رعایا پر جو وہاں مقیم تھے، انتہائی مظلم کیا ہے اور جیسا کہ خود ان غیر ملکوں سے دوستی رکھنے والی سلطنتوں کو ان تمام حادثات کی خبر دی ہے۔ (یہ واقعہ ہے) کہ وہابیوں نے حضرت ابن عباس کے مزار کو بھونک دینے کے بعد ساری آبادی کو تہ تیغ کیا جس میں بچے، عورتیں اور بوڑھے سب شامل تھے۔

یعنی مختصر الفاظ میں ساری رعایا اور کل غیر ملکی باشندے مارے گئے۔ انسانیت، ہتھیاب اور انصاف کے نام پر جس کی لیک اقوام علمبردار ہے۔ ہم درخواست کرتے ہیں کہ ان مظالم کا خاتمہ کیا جائے اور ان وحشیانہ حرکات کو جن سے ہتھیاب اور انسانیت تھراتی ہے جلد سے جلد سخت ترین کارروائی کر کے ختم کیا جائے۔

۱۰ ستمبر ۱۹۲۲ء

منجانب شرکاء جلسہ

عبد القفار صوفی۔ عبدالساغانی، ابن قاری عبداللہ مروح سوڈانی، موتادی۔ بدرالدین ہریت اللہ آذربائیجان۔ مولانا غفار بن قرینی، مولانا محمد داؤدی امرغستانی۔ احمد بن اناذنی ابوالجولائی، محمد عبداللہ بن زیدان الشیخی، محمد حبیب اللہ شوکتی۔ عمر تونسلی المرکشی۔ محمد مختار بن عاقرت ناظم الدولہ ایرانی، محمد بن عبدالکریم۔ محمد عطار بن سلمان، محمد اسماعیل بن خلفانی۔ عبداللہ بن یعقوب ابن صبح ساری۔ بخاری عبدالعزیز۔ بدرالدین محمد عارف، محمد مظہر۔ ابوطالب۔ (نوٹ: تارقرنسیسی زبان میں تھے اس لئے بہت سے نام صاف نہیں پڑھے گئے۔)

جنگ کے دوران وہابیوں کے مکہ مکرمہ پر مظالم

طائف میں وہابیوں نے جس درندگی اور

بربریت کا مظاہرہ کیا تمام دنیا میں انسانیت کے نام پر ان مظالم کی مذمت کی گئی، اس کے بعد مکہ اور مدینہ میں ان لوگوں نے احتیاط سے کام لیا۔ تاہم احتیاط کے دوران ان کی فطری درندگی سے جو مظالم ظہور میں آئے وہ سردار حسنی سے سینے۔

یہ واقعہ ہے کہ سلطان ابن سعود کے احکام اس وقت اہالیان مکہ کے کام آئے۔

شہر میں قتل و فارت نہ ہوا۔ طائف کے کشت و خون کے متعلق انگریزوں نے زبردست

اجتہاد کیا تھا۔ اور سلطان ابن سعود نے ارادہ کر لیا تھا کہ حجاز کے متعلق بقیہ کارروائیاں اس

نگارشات محمد علی ص ۲۰ تا ۲۱

مولانا محمد علی جوہر

کی ذاتی نگرانی کے ماتحت ہوں؛ چنانچہ شہر میں امن و امان کا اعلان کر دیا گیا اور سلطان ابن بجا دیش غطف نے عارضی طور پر شہری نظم و نسق سنبھال لیا، لیکن امن و امان قائم ہو جانے کے باوجود انخوان بھرے ہوئے تھے۔ انہیں اصرار تھا کہ اگر مکہ کے شریکین (یعنی وہ مسلمان جو عقائد میں نجدیوں سے متفق نہ تھے۔) (سقاوری) پرج جائیں، تو پرج جائیں لیکن مقابر و مزارات ضرور منہدم کر دیئے جائیں گے اور مساجد کی آرائشیں ضائع کر دی جائیں گی، کیونکہ ان کے اعتقاد کے مطابق ان چیزوں کے وجود میں شرک کا شائبہ پایا جاتا ہے چنانچہ حرم کے وہ تمام مقدس مزارات جو صدیوں سے زائرین کے مرجع رہے تھے ان کی آن میں تباہ برباد کر دیئے گئے۔ وہ تمام رسوم و شعائر جن کی سند و ماہیوں کے اعتقاد کے مطابق قرآن و سنت میں موجود نہ تھی بیک جنبش قلم ممنوع قرار دے دیئے گئے اس کا روای کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام عالم اسلام میں مختار اور اضطرب کی لہراٹھی۔ ایران کے شیعوں اور ہندوستانی مسلمانوں میں ماتم کی صفیں بچھ گئیں۔ لوگ و ماہیوں سے بدگمان تو پہلے ہی سے تھے جو کچھ ان کے متعلق کہا گیا بلا تفتیش و تدقیق صحیح تسلیم کر لیا گیا۔ وہابی اس فعل کو قرآن و سنت کے مطابق سمجھتے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے غم و غصہ کی کچھ پروا نہ کی اور اپنے کام سے کام رکھا۔

مکہ مکرمہ کے مقامات مقدسہ اور مزارات صحابہ کو

مدینہ منورہ کی بے حرمتی

پامال کرتی ہوئی جب وہابی فوجیں مدینہ منورہ پر

یلغار کرتی ہوئیں پہنچیں، تو انہوں نے جس شقاوت قلبی کے ساتھ مدینہ منورہ کی بے حرمتی کی وہ سردار حسنی سے سینے لکھتے ہیں!

اگست میں نجدی افواج مدینہ کی طرف بڑھیں۔ اسی مہینہ کی ۲۰ تاریخ کو امیر علی کے

حکام نے اقصائے عالم میں یہ خبر مشہور کر دی کہ نعوذ باللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

مقدس مرقد پر نجدی گولہ باری کر رہے ہیں نجدیوں کی طرف سے تردید تو شائع، لیکن بعد

از وقت پہنچی مسلمانوں میں پھر غیظ و غضب برپا ہوا۔ مسلمان حکومتوں کی طرف سے احتجاج شائع ہوئے فردا فردا مسلمان کی (روضہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) (قاوری) کے تحفظ کے لئے کوشش کرتے رہے۔ ایرانی حکومت نے ایک وفد تحقیق حالات کی غرض سے بھیجا۔ ۱۹۲۵ء کے اواخر میں اس وفد نے بیان شائع کیا کہ واقعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ کے گنبد میں پانچ گولیاں لگی ہیں۔

اس سے پہلے سعود بن عبدالعزیز کے دور حکومت میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ سعود نے گنبد خضرا سے سونے کا ہلال اور کرہ آمار لیا تھا اور وہ قبہ کو بھی گرا نا چاہتے تھے لیکن ان کارکنوں میں سے جو ہلال اور کرہ مذکورہ کو اتارنے کے لئے ادر چڑھے تھے، دو آدمی نیچے گر کر مر گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے قبہ گرانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ان دونوں تاریخی واقعات کے ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ابن سعود کے دور میں روضہ منورہ پر گولیوں کی بوجھاڑ کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا، بلکہ وہابی حضرات دیدہ دانستہ گنبد خضرا کی توہین کرنا چاہتے تھے۔

ابن سعود کی ترکوں کی مخالفت

خلافت عثمانیہ کے تحت تمام اسلامی علاقے ایک وحدت میں منسلک تھے۔ وہابیوں نے جزیرہ عرب کو خلافت عثمانیہ سے نکالنے کی دوبارہ کوشش کی اور ناکام رہے۔ تیسری بار جب کہ ترک جنگ عظیم میں جرمنی کے حلیف تھے اور اتحادیوں سے برسر پیکار تھے۔ وہابیوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور انگریزوں کے حلیف بن گئے اور جب اتحادیوں کے مقابلہ میں ترکوں کو شکست ہو گئی تو ابن سعود کو انگریزوں کی طرف سے بطور انعام صحرا عرب دے دیا گیا۔ ادھر ساہا سال سے کرنل لارنس عرب میں قومیت

کی جو تحریک پیدا کر رہا تھا۔ اس تحریک کا اثر تھا کہ عرب یک جہتی سے ترکوں کے حلیف ابن رشید سے لڑے۔

چنانچہ اس سلسلے میں اسٹینلے لین پول لکھتے ہیں:-

ترکوں کی دوسری شاندار فتح قط العمارہ کے محاصرہ میں حاصل ہوئی۔ ۲۹ اپریل ۱۹۱۴ء کو جنرل ٹاؤنسنڈ نے مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دیئے وہ اور اس کی تمام فوج قید کر لی گئی۔ اس کامیابی نے عراق میں ترکوں کی متعدد شکستوں کی ایک حد تک تلافی کر دی تھی۔ مگر ۲۴ فروری ۱۹۱۷ء کو انگریزوں نے دوبارہ قط العمارہ پر قابض ہو گئے۔

عرب میں انگریزوں نے ایک دوسرے طریقہ سے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ کرنل لارنس کی برسوں کی خفیہ کوششیں آخر شہ با آ اور ہوئیں اور عرب اور برطانیہ کی سرپرستی میں اور عرب فیشنلزم کے جوش میں ترکوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

یکم اکتوبر ۱۹۱۴ء کو شریف حسین نے اپنے شاہ جازہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ برطانیہ نے فوراً باضابطہ طور پر اس کی بادشاہت کو تسلیم کر لیا۔ اس کا لڑکا امیر فیصل عرب فوجوں کو لے کر ترک افواج کے مقابلہ کے لئے شام کی طرف بڑھا اور برطانیہ کی مدد سے ترکوں کو پے پے شکستیں دیں۔ پان اسلامزم کا طلسم ٹوٹ گیا۔ اسی افسوں سے جرمنی کام لینا چاہتا تھا، مگر برطانیہ کی تدابیر نے عربوں کو ترکوں کے مقابلے پر لاکر اس کے اثر کو ہمیشہ کے لئے زائل کر دیا۔

بندلیوں نے برطانیہ سے ساز باز کر کے جس طرح خلافت عثمانیہ کو نقصان پہنچایا ہے اس موضوع پر بہاؤ الحق قاسمی (دیوبندی) نے فتنہ نجدیت اور تحریک نجدیت کے نام سے دو رسالے لکھے۔ اس باب میں ہم فتنہ نجدیت کو من و عن نقل کر رہے ہیں اور تحریک نجدیت کے بعض اقتباسات آئندہ ابواب میں پیش کریں گے۔

نجدیوں کے سیاہ اعمال نامہ کا ایک ورق شرف حسین اور ابن سعود کی غداری

نجدی عقائدِ فاسدہ کا مختصر مرقع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله ذی الکریم والاحسان والمنن۔ والصلوة والسلام علی رسولہ
سیدنا محمد الذی اخبونا بظہور الزلازل والفتن و علی الہ واصحابہ
الذین تحملوا الاعلاء کلمۃ اللہ المصائب والمحن :-

سید حسین سابق شریف مکہ نے ترکوں سے بغاوت کر کے اور دشمنان اسلام
سے یارانہ کاٹھ کر جیسی عبرت خیز اور سبق آموز ذلت حاصل کی ہے اس کے فقط تصور
سے ننتقم حقیقی کی قدرت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ آج اس بد قسمت کا وجود ہی اس
حقیقت کا روشن ثبوت ہے کہ قہار و جبار خدا جب کسی ظالم کو سزا دینا چاہتے ہیں۔ تو
پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو بچا نہیں سکتی۔ شریف کے مکہ معظمہ سے نکل جانے کے بعد
اس کا بیٹا وہاں مسلط ہوا۔ باغی وہابیوں کی حریصانہ نگاہیں عربین شریفین کی طرف عرصہ
سے اٹھ رہی تھیں۔ انہوں نے طائف شریف کو برباد کرنے کے بعد مکہ معظمہ پر قبضہ بول دیا
اور آخر وہاں قابض ہو گئے۔ رہ گیا یہ سوال کہ وہابی اتنے طاقتور کہاں سے ہو گئے کہ پہلے
طائف میں لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت کر کے وہاں قابض ہوئے اور پھر مکہ معظمہ
پر بھی بغیر کسی دقت اور دشواری کے مسلط ہو گئے تو اس سوال کا جواب ہر متفطن اور
سمجھدار انسان ہی دے گا کہ

بند کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں

کوئی معشوق ہے اس پر وہ ننگاری میں

بند یوں کے تسلط ہی کے وقت ارباب فراست بھانپ گئے تھے کہ اب صور حالات رو بہ اصلاح ہونے کی بجائے اور زیادہ خطرناک اور پیچیدہ ہو جائے گی، کیونکہ یہ قوم سخت وحشی واقع ہوئی ہے۔ بربریت اور درندگی اس کے خمیر میں داخل اور انصاف پروری و رواداری کی ان کو ہوا تک نہیں لگی ہے، ان کے عقائد میں اس درجے کا غلو، تشدد اور تجاوز پایا جاتا ہے کہ وہ مرکز اسلام پر حکومت و قیادت کرنے کی قطعاً اہلیت نہیں رکھتے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شیخ نجدی محمد بن عبدالوہاب انجہانی کے عہدِ نخست سے لے کر اس وقت تک یہ لوگ آستانہ خلافت سے باغی رہے، بلکہ موجودہ نجدی حکومت دشمنان اسلام کی انگشت نمائی اور برانگیخت سے ترکوں کے ساتھ نرو آزا اور معروف پیکار رہ چکی ہے اور موجودہ امیر نجد عبدالعزیز ابن سعود بھی شریف کی طرح انگریزوں کا منظور نظر ننچو اور خاص وظیفہ خوار ہے۔ ان واقعات و حقائق کی بنا پر ارباب بصیرت نے بند یوں کے تسلط کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا لیکن افسوس کہ ہندوستانی مسلمانوں میں سے کسی نے سنہری اور رو پہلی مصلحتوں کے تحت بعض نئے بند یوں کے ہم عقیدہ ہونے کے باعث کسی نے شریف کے مظالم سے تنگ آ کر اور کسی نے زبان دراز اور منہ پھٹ لوگوں کی گالیوں کے خوف سے ان تمام حقائق ثابتہ سے آنکھیں بند کر کے بند یوں کی تعریف و توصیف کے پل باندھنے شروع کر دیئے۔

یہ لوگ جہاں بند یوں کے عقائد کی خوبیاں بیان کرتے نہیں تھکتے۔ وہاں چیخ چیخ کر اور گلا پھاڑ پھاڑ کر یہ بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ابن سعود نجدی شریف کی طرح انگریز پرست نہیں بلکہ اسلام پرست ہے۔ حالانکہ انہیں میں کے ذمہ دار لوگ کچھ مدت پہلے اپنی تحریروں اور تقریروں میں باضابطہ صریحہ اقرار کر چکے ہیں کہ نجدی حکومت برطانیہ کی

وظیفہ خوار، مقرب پھٹو اور ترکوں کی سخت دشمن واقع ہوئی ہے۔

میں ذیل میں ذمہ دار حامیان نجدیہ ہی کی تقریروں اور تحریروں سے ابن سعود اور موجودہ نجدی حکومت کی فداری، نصاریٰ پرستی اور اسلام کش حکمت عملی کے چند واقعات عرض کرتا ہوں اور اس کے بعد وہابیوں کے کافر سازانہ اور مشرک گرانہ عقائد ہی کی کتابوں سے نقل کر کے فیصلہ ناظرین پر چھوڑتا ہوں وہ خود اندازہ لگالیں کہ نجدیوں کی حمایت میں جو آج کل ہنگامہ خیز مظاہرات ہو رہے ہیں ان کی کیا حقیقت ہے؟

بس اک نگاہ پہ بٹھیرا ہے فیصلہ دل کا

غدار ابن سعود کی سیاسی کہانی

اجبار زمیندار کی زبانی

اجبار زمیندار لاہور بابت ماہ فروری ۱۹۲۲ء کے متعدد پرچوں میں ایک طویل مضمون شائع ہوا تھا، جس کے تین عنوان تھے ”حکومت برطانیہ اور عراق عرب“ ”اسرار کا انکشاف“ ”حقیقت کی چہرہ کشائی“ اس مضمون میں برطانیہ کی ان ریشہ دوانیوں کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے جو اس نے عراق عرب میں ترکوں کے خلاف اور اپنا اقتدار قائم کرنے کی غرض سے عربوں کو سیم و زر کا لاپس دینے کی صورت میں روار کھیں۔ میں ذیل میں اس مضمون سے وہ اقتباسات نمبر وار نقل کرتا ہوں جن میں ابن سعود نجدی اور اس کی حکومت کی غدارانہ سازشوں اور مسلم _____ عملیوں سے نقاب کشائی کی گئی ہے۔

(۱)

ملک الاثمل لقر بہا للناس لعلم یتفکرون

ٹائمز کا نامہ نگار مقیم طہران لکھتا ہے کہ:-

درترک ہمارے (برطانیہ) کے دشمن تھے۔ اس لئے قدرتی طور پر ہم اس کوشش میں مصروف رہتے تھے کہ ترکی کی بد نظمی کی کوئی بات ہمارے ہاتھ لگے، جسے ہم اتحادیوں کے فوجی مقاصد کے لئے مفید بنا سکیں۔ عربوں کے جذبات کی کوئی قدر اہمیت ہو یا نہ ہو لیکن ہم ترکی کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے اور اس کے بتائے ہوئے لوگوں سے تو وہ کسی طرح سلوک متقابل نہیں کر سکتے تھے جو جرمنی نے آئرلینڈ سے کیا ہے۔ حامیان عرب کے لئے یہ نادر موقع تھا جس طرح حکومت جرمنی کے پاس اس کے متجرب ماہرین علوم اور مستشرقین موجود تھے جن کا ظن غالب یہ تھا کہ آئرلینڈ میں جمہوریت کے اقوام و قیام کا امکان ہے اور ہندوستان کے باشندوں کے مفاد کے لئے بغاوت انگریزی ضروری ہے۔ اسی طرح ہمارے ملک میں بسنے والے اتحاد عرب کے حامی ترکی کی حکومت کو کانٹ کانٹ کر عربوں کی حکومت پر مصر تھے۔ اس لئے یہ بات قدرتی اور ناگزیر تھی کہ حکومت ان لوگوں کو آلہ کار برآری بنائے۔

ولابیوں کا خروج

اس لئے اب یہ سوال پیدا ہوا کہ عربوں کو ترکوں کے خلاف کس طرح براہ گیری کیا جائے۔ سنوسی تو کسی کام کے نہیں تھے، کیونکہ وہ اس حکومت عرب میں حصہ دار نہیں بن سکتے، جس کے ہم حامی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مصر درمیان میں حائل ہے۔ علاوہ انہیں وہ ہمارے مخالف بھی ہیں۔ اور لیبی اور نام میں بہت کام دے سکتے تھے۔ رشید امیر حائل ترکوں کے ساتھ مل گئے۔ اب صرف دو ایسی ہستیاں رہ گئیں جو ہمارے گورنمنٹ برطانیہ کے ہتھیار ہی اقتدار کے اثر میں آسکتی ہیں انہیں ہم سوایہ دے سکتے تھے اور ان سے یہ وعدہ کر سکتے تھے کہ اگر ہماری اعانت کی جائے گی تو ہم بہت سا صلہ انعام دیں گے۔ یہ معزز

ہستیاں، حسین شریف اعظم مکہ اور ابن سعود و ہابی امیر نجد کی ہستیاں تھیں۔

اس حقیقت نفس الامری سے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں ان کے اغراض و مقاصد میں بعد المشرقین ہے اور ان کے پیرو مذہب کی تلوار سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں بہت پیچیدگی پڑ گئی۔ محمد بن عبدالوہاب اٹھارویں صدی میں علم اسلام لے کر اٹھا اس نے ۱۷۴۰ء میں سعود حاکم نجد کو اپنا ہم عقیدہ بنا لیا۔ اسی زمانے میں بہت سے چھوٹے شیوخ نے جو پہلے ایک دوسرے کے مخالف تھے یہ مذہب قبول کر لیا۔

ان شیوخ اور دیگر عقیدتمندوں کی مدد سے سعود اور اس کا جانشین سعود ابن سعود وسط

عرب میں ایک وسیع سلطنت قائم کرنے کے قابل ہو سکے۔

سعود ثانی کے بیٹے نے ۱۸۰۱ء میں کربلائے معلیٰ کے مقدس شہر کی بے حرمتی کی۔

۱۸۰۳ء میں فوجیں لے کر مشرق کی طرف بڑھا اور مکہ معظمہ کے حرم مقدس پر قبضہ کر لیا اور اس مقام مقدس کی جو شیعہ اور سنیوں دونوں کے لئے یکساں واجب الاحترام ہے بے حرمتی کی۔

۱۸۰۳ء میں اس نے مدینہ پر قبضہ کر لیا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ دونوں ۱۸۱۳ء تک وہا بیوں کے

قبضے میں رہے۔ ۱۸۱۰ء میں مصر کے مشہور و معروف پاشا محمد علی نے نجد کے دارالسلطنت

دراعیہ پر قبضہ کر لیا اور اسے تباہ کر ڈالا۔ اس وقت وہابی سلطنت کچھ مدت کے لئے مٹ گئی۔

لیکن ایمان کا زائل ہونا تو ناممکن تھا۔ سلطنت کی ویرانی و تباہی میں بھی ایمان کا جذبہ موجود رہا۔

۱۸۴۰ء میں خاندان سعود نے پھر سر اٹھایا۔ دراعیہ کے کھنڈروں کے نزویک ایک دارالسلطنت

کی بنیاد رکھی گئی۔ اس شہر کا نام ریاض کھا پھر اس مملکت نے عروج حاصل کیا۔ لیکن تیس سال

گزرے خاندانی تنازعات سے یوں پھر ملیا میٹ ہو گئی اور خاندان ابن رشید جو جبل شام سے تعلق

رکھتا ہے غالب آ گیا۔ لیکن آخر اسے بھی روزِ بد دیکھنا پڑا۔ ابن سعود کا خاندان سخت جان ہے۔ ۱۹۰۱ء

میں موجودہ امیر نجد جس کی عمر اس وقت اٹھارہ سال تھی۔ پندرہ آدمیوں کو ساتھ لے کر رات

کی تاریکی میں شہر میں جا گھسا۔ پوہ پھلتے ہی ابن رشید کے مقرر کردہ عامل کو قتل کر ڈالا اور

ابن سعود کا جھنڈا نصب کر دیا۔ اس کے بعد امیر نجد کا لقب اختیار کر کے اس نے اپنی آبائی سلطنت کے بہت سے حصے پر قبضہ کر لیا۔ اس نے الحسا میں سے ترکوں کو نکال دیا اور شرق کی طرف ان بندرگاہوں تک جو بحرین کے مقابل واقع ہیں شمال میں شیخ کویت کے ملک کی سرحد تک جا پہنچا لیکن مغرب میں شریف اعظم مکہ نے اس کا مقابلہ کیا اور ۱۱۰۱ھ میں نجد پر حملہ کیا۔ اگرچہ شکست کھائی اور اپنے ملک کی حد تک واپس ہوا، لیکن باہمی مغائرت و مناقشت کا سلسلہ جاری رہا اور دونوں ایک دوسرے کی مخالفت پر تلے رہے۔

ازمیندار صفحہ اول بابت ۴ فروری ۱۹۲۲ء

انگریزوں دو سستی ترکوں سے جنگ

”ابن سعود نے تحریک انخوان سے جو ایک روحانی برادری کی تحریک تھی، وہابی مسلک کو وہ تقویت بخشی جو آج کل اس مسلک کو حاصل ہے شیعہ اور سنیوں کے اجبار کا دور ابھی نہیں آیا تھا۔ وہ علی الاعلان بتا کر نوشی کرتے تھے اور شراب بھی پی لیا کرتے تھے۔ ابن سعود کے آبا و اجداد تو اتنے فطرتی نہ تھے کہ ان کے خلاف مذہب افعال کو گوارا کرتے۔ وہ ان کے لئے ضرور سزا دیا کرتے تھے، لیکن اس نے اپنی مملکت کے قرب و جوار اور مملکت میں بسنے والے شیعہ اور سنیوں کو ان افعال کے لئے سزا دینے کی کوشش تک نہیں کی۔ اس نے انخوان کی بستیاں قائم کیں وہ اس قدر آدمیوں کو ہم عقیدہ بناتے تھے کہ تلوار کے زور سے پہلے کبھی اس حلقہ مسلک میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ ان کے مبلغوں کی سرگرمیاں مکہ والوں کو بے چین اور مضطرب کیا کرتی تھیں۔ ابن سعود ایک حد تک حج میں بھی مداخلت کیا کرتے تھے اور اس روپیہ کو جو اس طرح شاہ حسین کے خزانہ میں بھی جاتا تھا روکتے تھے۔ اس خیال سے کہ یہ بھی ایک قسم کا شرک اور بت پرستی ہے وہ ان شیعوں سے جو ان کے علاقے میں سے گزرا کرتے تھے، تاوان یا جزیہ لیا کرتے تھے۔“

حکومت برطانیہ کی کارگزاری

جب جنگ کا آغاز ہوا اس وقت ملک کی یہ حالت تھی۔ ہم نے شریف مکہ اور ابن سعود دونوں کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی اور انہیں ترکوں کے خلاف براہِ نگیختہ کیا۔

دہائی اور ابن سعود تو پہلے ہی ہمارے یالیوں کہئے کہ حکومت ہند کے دم ساز تھے۔ ۱۸۶۵ء کا واقعہ ہے کہ اس زمانے میں ایک برطانوی وفد لسبر کر دگی کرنیل لیوٹننٹ بیلی ریاض گیا تھا۔ اس وفد نے خاندان ابن سعود سے ایک معاہدہ کیا تھا جس کی پاسداری ہمیشہ ملحوظ رہی ہے۔ اگرچہ کوئی باقاعدہ عہد نامہ مرتب نہیں کیا گیا تھا، لیکن اس پر بھی دہائیوں نے مجھے بتایا کہ وہ اس معاہدہ کی تکمیل اپنا فرض خیال کرتے ہیں۔

موجودہ ابن سعود اور اس کا والد عبدالرحمن جو ضعیف العمر اور واجب الاحترام بزرگ ہے۔ ۱۸۸۵ء سے ۱۹۰۱ء تک کویت میں مقیم رہے۔ شیخ کویت ان کا حامی و مددگار تھا۔ اسی کی برکت ہے کہ یہ پھر اپنی کھوئی ہوئی سلطنت حاصل کرنے کے لئے باہر نکلے جس زمانے میں یہ خاندان کویت میں تھا اس زمانے میں برطانی پولیٹیکل افسر اور ریڈیٹنٹ بوٹھر سے ان کے تعلقات تھے، جب یہ خاندان ریاض پہنچا اس وقت یہ تعلقات دوستانہ قائم رہے۔ کپتان شکسپیئر آسٹن جہانی پولیٹیکل افسر کویت عربوں کے مداح اور گہرے دوست تھے۔ ان کی وساطت سے سلسلہ تعلقات مربوط و مضبوط، الغرض ہمارے اور ابن سعود کے درمیان باہمی اتحاد اور اعتماد کا سلسلہ تو پہلے ہی سے قائم تھا۔ ترک تو اباؤ اجداد سے اس کے دشمن چلے آتے تھے۔ ۱۹۱۳ء میں جنگ عظیم کے چھڑنے سے پیشتر اس نے ترکوں کے خلاف جنگ کیا تھا اور اس میں یہاں تک کامیابی حاصل کی تھی کہ الحصا پر قبضہ کر لیا تھا۔ جبل شمار کے بسنے والے بھی اس کے دشمن تھے۔ اس لئے ابن سعود نے شریک جنگ ہونے میں تامل نہیں کیا جنوری ۱۹۱۵ء میں وہ میدان جنگ میں اترے،

لیکن شومی قسمت! کپتان شکسپیئر جو اس کے ساتھ تھا جنگ جراب میں مارا گیا۔ اور ابن سعود کی پیادہ فوج میں دغا بازوں نے اپنے ہاتھ دکھائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس جنگ میں جس کا آغاز فاتحانہ تھا سخت شکست کھانی پڑی۔ اس واقعہ کے بعد ہماری اور ابن سعود کی ہمت ٹوٹ گئی اور مدت تک ہم میدان جنگ میں نہیں اترے۔

(زمیندار صفحہ اول، فروری ۱۹۲۲ء)

(۳) اشرفیوں کی تھیلی

نامہ نگار مذکور مجلس قاہرہ اور سرپرستی کا کس کے مرتبہ قانون انتخاب کے ذکر میں لکھتا ہے کہ :-

جب کثرت رائے سے انتخاب عمل میں آئے گا۔ اس وقت دیکھ لیں گے۔ امیر عراق عرب میں محض اجنبی آدمی کی وقعت رکھتا ہے لہذا وقت آئے گا کہ وہ ہمارے سامنے ٹھہرنے سکے گا۔ پس جو عزم کرنا ہے حکومت نے سوچا وہ یہ ہے کہ امیر فیصل کو پہلے ملک میں بھیجا جائے مضموم ہو گیا کہ یہ ہونا ہی چاہیے تیاریاں ہونے لگیں ساتھ ہی اس عزم کے اس امر کی بھی پوری کوشش کی گئی کہ عوام کی نظر سے اس حقیقت بکری کو پوشیدہ رکھا جائے کہ برطانیہ کا ہاتھ اس میں نہیں ہے اور فوراً نظام عمل اس کے لئے مرتب ہونے لگا وہی نظام عمل جو کبھی سرپرستی کا کس نے اپنے لئے بنایا تھا ابن سعود کو کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا، لیکن انجمن اتحاد عربی کے پاس ایک سیدھا سادھا نسخہ تھا اور وہ اشرفیوں کی تھیلی تھی۔

(زمیندار صفحہ اول، فروری ۱۹۲۲ء)

(۴) اشرفیوں کا لوٹا

”ایک دوسرے حقیقت نگار نے اس حقیقت سے بحث کرتے ہوئے کہ دو برس

سے بھی کم میعاد میں کرنل لارنس نے وہاں بیس ہزار اشرفیاں تقسیم کر دیں۔ یہ کہا تھا کہ اس کا تو تعجب نہیں کہ انہیں وہاں اقتدار حاصل ہوا بلکہ اس کا تعجب ہے کہ اب مطلق اقتدار نہیں رہا اور اگر بجائے ان کے میں ہوتا تو کبھی عرب نظم و نسق نہ کرتا، بلکہ میں خود بادشاہ بن بیٹھتا۔ ابن سعود کو اس طرح باطمینان اشرفیوں کا توڑ احوالہ کر کے مال دیا۔“

(زمیندار صفحہ اول ۱۱ فروری ۱۹۲۲ء)

ساٹھ ہزار پونڈ سالانہ کی رشوت

ترکوں کی ناکہ بندی

”پھر بھی انہوں (بندلیوں) نے ہمیں جنگ کے آخری دور میں ترکوں کی ناکہ بندی میں معقول مدد دی۔ جو جبل شمار اور بندر کویت کے راستہ ایشیائے رسد حاصل کر رہے تھے۔ اور ۱۹۱۴ء میں ابن رشید کے ملک پر چڑھ دوڑے۔“

اس سال انہوں نے سرپرستی کا کس کے پاس بغداد میں ایک سفارت بھیج کر یہ ظاہر کیا کہ ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے یا تو شاہ حسین کو اپنا رویہ بدلنے کے لئے خالص تہنیت کرنی جائے ورنہ ہم انتقامی گیری پر مجبور ہو جائیں گے۔ امیر فیصل کو بغداد میں شاہی سخت پر بٹھانا مزید ظلم تھا۔ ابن سعود نے صاف صاف کہہ دیا کہ میرے گرد و بھٹیاں سلگنا دی گئی ہیں پھر میں کیسے ہاتھ پاؤں توڑ کر خاموش بیٹھ سکتا ہوں۔ مزید برآں ایک تیسری خطرناک ترمیمییت یعنی عبداللہ ماورائے یردن پر قابض ہے۔ سرپرستی کا کس نے اس احتجاج کے جواب میں اسے ”شاہ نجد“ کے نام سے مخاطب کیا اس خوشامد، تعلق اور ساٹھ ہزار پونڈ سالانہ کی رشوت سے جو ماہ بجاہ ادا ہوتی رہے گی۔ ابن سعود کو خاموش رکھنے کی امید کی جاتی ہے۔

(زمیندار صفحہ اول بابت ۱۲ فروری ۱۹۲۲ء)

ابن سعود نجدی اور اس کی حکومت کی ”اسلام پرستی“ اور ”نصاری کشتی“ کا یہ اجمالی نقشہ ہے جسے وہی اخبار شائع کر چکا ہے جو آج ”نجدیت نوازی“ کے علمبرداروں میں چوٹی کا ”مجاہد“ سمجھا جاتا ہے۔

صاحبو! آپ نے دیکھ لیا کہ نجدی باغی کس طرح مخالفین اسلام سے مل کر ترکوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ ۵
دشمن کے دوست، دوست کے دشمن ہیں سبب بڑا دیکھو وہابیوں کی یہ عادت عجیب ہے

وہابیوں کی صلیبی لڑائیاں

زمیندار کی شہادت

اوپر جو اقتباسات میں درج چکا ہوں۔ وہ میں نے خود ”زمیندار“ کے پرچوں سے نقل کئے ہیں۔ ذیل میں معزز روزنامہ ”سیاست“ لاہور کے حوالہ سے ”زمیندار“ کی رائے جو اس نے ہٹلر لوٹنگ سے پہلے ظاہر کی تھی درج کرتا ہوں۔

”جناب مفتی حمایت اللہ صاحب سیکرٹری انجمن معین الاسلام لاہور نے ۸ جون ۱۹۲۰ء کا زمیندار پڑھ کر سنایا جس میں وہابیوں کو منفرد لکھا گیا ہے اور وہابی کے لفظ کو بغاوت کذب و بہتان کا مترادف ظاہر کیا گیا تھا اور لکھا تھا کہ ابن سعود انگریزوں کا وظیفہ خوار ہے اور اسلام کی نہیں بلکہ صلیب کی لڑائیاں لڑتا ہے“

(”سیاست“ بابت ۱۹ ستمبر ۱۹۲۵ء)

برطانیہ کا پھٹوا بن سعود

مسٹر محمد علی صاحب کا فتویٰ

مشہور لیڈر جناب مسٹر محمد علی صاحب ایڈیٹر ہمدرد "کامریڈ" نے (جو آج کل ابن سعود کے خاص لغت خوانوں میں داخل ہیں) اس تقریر میں جو آپ نے خلافت کا نفرنس کراچی میں فرمائی تھی۔ ابن سعود کے متعلق فرمایا کہ :-

اگر کسی وقت شریف مکہ امیر فیصل برطانیہ کے برخلاف ہو جائیں تو بنظر حفظ ما تقدم ایک دوسرے پھٹو کو بھی تیار کر لیا ہے اور وہ ابن سعود سے جسے ساٹھ ہزار پونڈ (۹ لاکھ روپیہ) سالانہ

دیئے جاتے ہیں تاکہ بوقت ضرورت اس کو شریف کی جگہ بٹھا دیا جائے :-

(تقاریر مسٹر محمد علی صاحب مطبوعہ غنی المطابع ربلی حصہ دوم ص ۶۷)

غرض جو نوگ آج ابن سعود کو "فرشتہ رحمت" ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں وہی کچھ عرصہ پہلے اس کو غدار برطانیہ کا پھٹو اور منصار کی پرست و غیر خطابات دے چکے ہیں اب مجھ پر تو کسی صاحب کو ناراض نہ ہونا چاہیے۔ ناراض ہونے والے صاحبوں کو چاہیے کہ وہ اپنی قلم اور اپنی زبان کو مارے غصہ کے کاٹ کھائیں جس سے قبل از وقت نہ شریفی پروپیگنڈہ ہو چکا ہے اور اب وہ اپنے اس بھرم کی کوئی صفائی نہیں پیش کر سکتے۔

دل کی نہیں تقصیر مکند آنکھیں ہیں ظالم
یہ جا کے نہ لائیں وہ گرفتار نہ ہوتا!

بخدیوں کی مذہبی کہانی

ان کی اپنی زبانی

مدعی! لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

بخدیوں کے باطل اور فاسد عقائد اس قدر واضح ہیں کہ بڑے بڑے اکابر علماء
و محدثین ان کی تردید میں کتابیں تحریر فرما چکے ہیں۔ خود شیخ بخدی محمد بن عبدالوہاب ابن
کے حقیقی بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوہاب اپنے گمراہ بھائی کی تردید کرنے پر مجبور ہو گئے تھے،
لیکن آج تک بخدیوں کے ہندوستانی چیلے یہی کہتے رہے کہ جن عقائد کو بخدیوں کی طرف
منسوب کیا جاتا ہے وہ ان سے بری الذمہ ہیں مگر باطل پر کب تک پردہ رہ سکتا ہے۔ قدرت
نے خود بخدیوں کے احمقوں اس کو چاک کر دیا ہے

آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے

بخدی کو دل نہ دینے پر کتنا غور تھا

عبدالعزیز ابن سعود موجودہ امیر بخد نے کہ معظمہ پر قابض ہونے کے بعد اپنے مخصوص
عقائد کے پراپیگنڈا کے سلسلے میں کتاب ”مجموعۃ التوحید“ کو شائع کر کے گزشتہ حج کے
موقع پر مفت تقسیم کیا۔ اس مجموعہ میں مختلف رسائل ہیں جن کے نام بھی مختلف
ہیں، مگر صفحات کا نمبر مسلسل ہے۔ یہ کل مجموعہ ۴۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب
کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کر سکا، کیونکہ میں نے یہ کتاب ایک صاحب سے عاریتہ لی
تھی اس لئے کافی وقت تک میرے پاس نہ رہ سکی۔ تاہم متفرق مقالات کے مطالعہ کے
بعد چند عبارات مل گئیں جن سے بخدیوں کے عقائد کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک اور
مستقل رسالہ ”الہدیتۃ السنیۃ“ کے نام سے ابن سعود کے حکم سے شائع ہوا ہے، لیکن

بخوت تطویل نمونہ کے طور پر صرف مجموعہ مذکورہ کی چند عبارتیں مع ترجمہ ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

نبی کریم سے توسل ناجائز

فلو جازان يتوسل عمر واصحابه بذات النبي
 صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاته لما صلح منهم
 ان بعد لواعن النبي صلی اللہ علیہ وسلم الی
 العباس علم ان التوسل بالنبي صلی اللہ علیہ
 وسلم بعد وفاته لا يجوز :-
 (مجموعۃ التوحید مطبوعہ ام القریٰ مکہ معظمہ ص ۲۱۴ ۱۳۲۲ھ)

(ترجمہ) پس اگر حضرت عمر اور صحابہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے آپ کے انتقال کے بعد توسل کرنا جائز ہوتا تو وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت عباس کی طرف متوجہ نہ ہوتے اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات کے بعد وسیلہ بنا ناجائز نہیں۔

اسئالك يا نبيا لك كبتا بھی مکروہ

ويكروه ان يدعوا لله الابم فلا
 يقول اسئالك بفلان او بملائكتك
 او انبيائك ونحو ذلك -
 حوالہ مذکورہ

(خلاصہ) خدا کو کسی کا واسطہ دے کر پکارنا مکروہ ہے پس یوں نہ کہے کہ اے خدا میں فلاں یا ترے فرشتوں یا ترے نبیوں کی طفیل تجھ سے سوال کرتا ہوں! (یہ عقیدہ جمہور اہل سنت کے خلاف ہے)

نبی کریم سے طلب شفاعت حرام

فطلب الشفاعة من النبي صلی اللہ علیہ وسلم او غيره بعد وفاته وبعده عن
 الدعوى لا يحىي الله تعالى ولا يرضاه
 (مجموعۃ التوحید صفحہ ۲۲۳)

(ترجمہ) پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غیر سے شفاعت طلب کرنا ان کی وفات کے بعد اور آپ کے دوہونے کے وقت دعا کرنے والے سے اس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔

بخدی نے جس حدیث کو اڑنایا ہے اس کا وہ مطلب ہی نہیں سمجھے اور اس طرح ان صحیح احادیث کو پس پشت ڈال دیا جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے آپ کے انتقال کے بعد تو سل جائز ثابت ہوتا ہے۔

گھڑی مکسال کے نئے سگے

وہابیوں کے بنائے ہوئے ”کافروں“ کی مختصر فہرست

بخدی طائفہ مسلمانوں کو کافر بنانے کا جس قدر شوق رکھتا ہے وہ تمام کافر گردوں کی جذبات تکفیر سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ ان کے مختصر عقائد کی کسوٹی پر نہ صرف بریلوی، نہ صرف دیوبندی، نہ صرف قزلبگی محلی، بلکہ ہمارے ہاں کے غیر مقلدین، اکارکنان خلافت اور عابیان بخدیہ بھی مسلمان ثابت نہیں ہو سکتے، بلکہ میں عرض کرتا ہوں کہ خود بخدی طائفہ بھی اپنے عقائد کی بنا پر کافر ہوا جاتا ہے۔ میں ان کے ایسے عقائد کی نہایت مختصر فہرست ہذا ناظرین کرتا ہوں!۔

- (۱) کافروں سے مدارت کرنے والا کافر (۲) کافروں کے کہنے پر عمل کرنے والا کافر
- (۳) کافروں کو امرائے اسلام کے پاس لے جانے والا اور ان کو ہم مجلس بنانے والا کافر (۴)
- کافروں میں کسی امر میں مشورہ کرنے والا کافر (۵) مسلمانوں کے امور میں سے کسی ایک مسئلہ امارت (خلافت) وغیرہ میں کافروں سے کام لینے والا کافر (۶) کافروں کے پاس بیٹھنے اور ان کے ہاں جانے والا کافر (۷) کافروں سے خوش مزاجی کے ساتھ پیش آنے والا کافر (۸)
- کافروں کا اکرام کرنے والا کافر (۹) کافروں سے امن طلب کرنے والا کافر (۱۰) کافروں کی خیر خواہی کرنے والا کافر (۱۱) کافروں سے مصاحبت و معاشرت رکھنے والا کافر (۱۲) کافروں کو سردار کہنے والا کافر (۱۳) علم طلب جاننے والے کو ”حکیم“ کہتے والا کافر (۱۴)

کافروں کے ملک میں ان کے ساتھ رہنے والا کافر یہ منحرف بہت ہے ان لوگوں کی جو نجدیوں کے نزدیک کافر ہیں۔ یہ فہرست کتاب مذکور کے صفحہ ۸۷، ۸۶ سے نقل کی گئی ہے۔ بنظر اختصار اصل عبارتیں نہیں لکھی گئیں۔ اصل کتاب دیکھ کر ہر شخص تشفی کر سکتا ہے۔

میں ان کے مذکورہ مسائل پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ خدا نے جس شخص کو کھوڑی سی عقل بھی عطا فرمائی ہے وہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ نجدی اپنے خیالات و مذہب پر قائم رہ کر ہم مسلمانوں کو کسی طرح بھی مسلمان نہیں سمجھ سکتے اور واقعات اس کی تائید کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو کافر و مشرک جانتے ہیں؛ چنانچہ طائف شریف میں ان لوگوں نے سینکڑوں بے گناہ مسلمانوں کو کافر اور مشرک سمجھ کر شہید کیا، جیسا کہ علمائے دیوبند بھی اس کی تصدیق فرما چکے ہیں۔

ہاتھی کے دانت

میں حیران ہوں کہ ایک طرف تو نجدیوں کا اس قدر تشدد کہ کافروں سے ہر قسم کا مشورہ کرنا اور ان سے خوش مزاجی کے ساتھ پیش آنا بھی کفر اور دوسری جانب ان کا یہ طرز عمل کہ انگریزوں سے رشوت لے کر ترکوں پر حملے کئے، ان کی ناکہ بندی کی۔ خلیفہ اسلام سے بغاوت و غداری کرتے رہے۔ برطانیہ کے دوست بنے رہے اور حال ہی میں خیرآئی ہے جو زمیندار وغیرہ میں بھی شائع ہو چکی ہے کہ جدہ میں عنقریب ایک کانفرنس منعقد ہونے والی ہے جس میں نمائندگان حجاز و نجد و برطانیہ جمع ہوں گے۔ میں پوچھتا ہوں کہ جب ہر امر میں کافروں سے مشورہ طلب کرنا کفر ہے تو مسئلہ حجاز ایسے مذہبی معاملہ میں برطانیہ کی شرکت کو منظور کر لینا کہاں کا اسلام ہے؟

اے قانگی وہ دھوم تھی نجدی کے "زبدانگی" میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

بخدی توحید کی کڑھم سائزیاں

امام رازمی و دیگر اکابر امت کی تکفیر

”وهذا لا يمنع كونه جاهلا بالتوحيد كما جهله من هو اعلم واقدم منه ممن له تصانيف في العقول كالنحو الرازي وابي معشر البلخي ونحوهما ممن غلط في التوحيد“

(ترجمہ) اور یہ خالد ازہری شارح ”توضیح“ کے بعد سے جاہل ہونے کو مانع نہیں۔ جیسے کہ وہ لوگ بھی توحید سے جاہل تھے جو خالد ازہری کی نسبت زیادہ علم والے تھے اور معقول میں ان کی تصانیف ہیں۔ مثلاً فخر رازی اور ابو معشر بلخی وغیر جنہوں نے توحید کے مسئلے میں غلطیاں کیں۔

(مجموعۃ التوحید صفحہ ۲۲۰)

ع:۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۰ میں لکھا ہے کہ ”در الرجل لا یون مسلماً الا اذا عرفت التوحید“ یعنی کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک توحید کا عارف نہیں، مطلب یہ کہ اگر توحید سے جاہل ہوگا، تو کافر ہے اور یہاں چونکہ امام رازی وغیرہ کو توحید سے جاہل کہا گیا ہے اس لئے لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بخدیوں کے نزدیک معاذ اللہ کافر ہیں (قاسمی عفا اللہ عنہ)

مصنف قصیدہ بردہ شریف پر کفر کا فتوے

وقد حاول هذا الجاهل المعتوض صون ابیات البردة عما هو صريح فيها نص فيما دلت عليه من الشرك في الربوبية والا لهية ومشاركة الله في علمه وملكه وهي لا تحفل ان تصرف عما هي فيه من

(ترجمہ) یہ جاہل معترض قصیدہ بردہ کے ابیات کو ان کے صحیح مفہوم سے پھیرنا چاہتا ہے۔ ان ابیات میں وہ معنایں مصرح ہیں جو شرک فی الربوبیہ شرک فی الالوهیۃ اور اللہ کے علم اور اس کے ملک میں مشارکت پر دلالت کرتے ہیں

ذٰلِكَ الشِّرْكِ وَالغُلُوِّ“
اور ان میں شرک اور غلو اس درجہ کا ہے کہ اس کے خلاف معنی مراد لئے جانے کا احتمال بھی نہیں۔“
(حوالہ مذکورہ)

ناظرین کرام! دیکھئے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ایسے ستون اسلام اور دوسرے بزرگوں کو کس طرح صاف الفاظ میں ”توحید سے جاہل“ قرار دے کر بجدیوں نے اپنی جنابت کا ثبوت دیا ہے اور کس طرح قصیدہ بروہ شریف کو شرک کہہ کر اس کے بزرگ مصنف اور اس کے پڑھنے والوں کو جن میں ہزاروں علماء و صلحا بھی داخل ہیں مشرک بنا کر کفر پروری کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ ہاں

چوں خدا نخواستہ کہ پردہ کس درد
میش انار طعنہ پاکاں برد

ان عبارات کو پڑھ کر شیخ الاسلام علامہ زینی و حلان محدث شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے کہ بجدی چھٹی صدی کے بعد کے تمام مسلمان کی تکفیر کرتے ہیں۔

کانوں سنا کرتے تھے جادو بھی ہے اک شے
آنکھوں سے تری نرگس فتاں نے دکھا دیا

بند میں نئی شریعت

اس مجموعہ کے صفحہ ۱۹۰ و ۱۹۱ میں بندگیوں نے سوال و جواب کے طرز پر اپنا ایک عقیدہ لکھا ہے جو ان کے بدترین اور خطرناک تشددات میں سے ایک ہے۔ اختصار کو ملحوظ رکھ کر اس کا صرف ترجمہ درج کرتا ہوں۔ اصل مقصد کے بیان کرنے میں اگر میری کوئی خیانت ثابت کر دے گا تو میں اعلانیہ اس اپنی خیانت کے اعتراف کا وعدہ کرتا ہوں۔ اس کا با محاورہ ترجمہ یہ ہے :-

اس شخص کے حق میں آپ کا کیا فتویٰ ہے جو اسلام میں داخل ہوا اور اس سے محبت کرتا ہے لیکن مشرکوں سے عداوت نہیں کرتا یا عداوت کرتا ہے لیکن ان کو کافر نہیں کہتا یا اس نے کہا کہ میں مسلمان ہوں مگر لا الہ الا اللہ کہنے والوں کو میں کافر نہیں کہہ سکتا۔ اگر وہ اس کے معنی نہ سمجھتے ہوں اور اس شخص کے متعلق آپ کیا فتویٰ دیتے ہیں جو اسلام میں داخل ہوا اور اسلام سے محبت کرتا ہے لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ میں قبول کو نہیں گراتا، حالانکہ میں جانتا ہوں کہ قبے نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان مگر میں اس سے تعرض نہیں کرتا (یعنی ان کو نہیں گراتا) پس ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا، جب تک وہ توحید کو نہ سمجھے اور اس کے موجبات پر عمل نہ کرے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نہ کرے۔ ان امور میں جن کی آپ نے خبر دی اور جس کام سے آپ نے منع فرمایا اس سے رک نہ جائے اور جس کام کے کرنے کا آپ نے حکم فرمایا وہ نہ کرے اور آپ پر اور آپ کے لائے ہوئے احکام پر ایمان نہ لائے پس جس شخص نے کہا کہ میں مشرکوں سے عداوت نہیں کرتا یا وہ ان سے عداوت کرتا ہے مگر ان کی تکفیر نہیں کرتا یا اس نے کہا میں لا الہ الا اللہ کہنے والوں سے

تعرض نہیں کرتا اگرچہ وہ کفر و شرک کا ارتکاب کرتے ہوں اور دین الہی سے عداوت رکھتے ہوں یا اس نے کہا کہ میں قبول سے تعرض نہیں کرتا (یعنی ان کو نہیں گراتا) تو ایسا شخص مسلمان نہیں، بلکہ یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ایک غور طلب نکتہ

بجذبی مہتی اس عبارت میں صاف لکھتا ہے کہ اگر کوئی شخص اسلام میں داخل ہو کر اسلام سے محبت کرتا ہو اور اس کا یہ بھی اعتقاد ہو کہ قبے سے نفع پہنچا سکتے ہیں اور نقصان، لیکن وہ ان کو نہیں گراتا تو فقط اس جرم کے باعث قطعاً و یقیناً کافر ہے۔ اس کے ساتھ اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر جو گنبد خضراء ہے وہ بھی دوسرے بزرگوں کے مزارات کے قبول کی طرح ایک قبہ ہے۔ اب دو صورتیں ہیں یا تو (خاک بدہن اعداد) اس کو گرا دیا جائے گا۔ اس صورت میں ابن سعود کے وعدوں کی مٹی پلید ہو جائے گی اور یا وہ اس کو نہیں گرائے گا لیکن اس صورت میں طائفہ نجدیہ اپنے قول کے مطابق قطعاً کافر اور یقیناً جہنمی ہوگا۔

دوگونہ رنج و عذاب امت جان مجنوں را

بلائے صحبت لیسلا و فرقت لیلے

خاتمہ سخن

میں نے یہاں تک بخدی جماعت کی سیاسی و مذہبی حالت پر ایک اجمالی بحث کی ہے۔ اہل اسلام خود اندازہ لگالیں کہ ایسی خطرناک جماعت کا مرکز اسلام پر تسلط مقاصد اسلام کے لئے کس حد تک مفید ہو سکتا ہے۔ باقی رہ گئی یہ بات کہ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ ہم خاندان شریف کو جہاز سے نکال کر اس کا انتظام مسلمانان عالم کے سپرد کر دیں گے۔ سو ظاہر ہے کہ ایک ملک پر قابض ہو جانے کے بعد کون اس کو چھوڑ سکتا ہے۔

ہم کو معلوم ہے وعدہ کی حقیقت لیکن
دل کے خوش کرنے کو بیشک یہ خیال اچھے

بخدیت کا پل

اس نام کا ایک چھوٹا سا رسالہ جناب مولوی محمد بہاؤ الحق قاسمی امرتسری نے تالیف فرمایا ہے جو رسالہ حنفی کے ساتھ شائع ہوا ہے اور اس کی علیحدہ کاپیاں بھی تعداد کثیر میں چھاپ لی گئی ہیں تاکہ وہ لوگ جنہیں رسالہ حنفی کے ملاحظہ کا اتفاق نہیں ہوتا، مطالعہ فرما سکیں۔

اس رسالہ میں دو عنوان ہیں۔ ایک سیاسی دوسرا مذہبی۔ سیاسی عنوان جس قدر لکھا گیا ہے۔ وہ ”زمیندار“ کے ۱۹۲۲ء کے فائل سے لیا گیا ہے اور اس کے متعلق جس قدر کہانی ضبط تحریر میں آئی ہے وہ زمیندار کی زبانی ہے اور مذہبی عنوان کے نیچے خود قرن اول ابن سعود مروود کی شائع کردہ کتاب ”مجموعۃ التوحید“ سے اقتباسات لئے گئے ہیں جو بخدی ملعون مذکور نے مطبع ام القری مکہ معظمہ میں چھپوا کر مفت تقسیم کی ہے اس کتاب یا مجموعہ میں قرن الشیطان اول محمد بن عبدالوہاب اور اس کی ذریت کے تصنیف کردہ چند رسالے

ہیں۔ ہندوستانی کے شیطانی اخبارات، متعدد مضامین میں نجدی ملعون کے اعتقادات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر چکے ہیں اور ہر زبان کی مستند تاریخوں کو عموماً اور علامہ زینبی دحلان جیسے محقق وقائع نگار اور شیخ سلیمان نجدی اور محمد بن عبدالوہاب کو خصوصاً جھٹانے کی ناکام سعی ہو چکی ہے مگر ان کو کیا معلوم تھا کہ ضرور انہیں کا آقا اور ولی نعمت قرن الشیطان ثانی ان کی ساری کوششوں پر ایک دم پانی پھیر دے گا اور خود ایک کتاب کے ذریعے سے اپنے ہندوستانی جلیوں، ایجنٹوں اور دمالوں کا منہ کالا کر دے گا۔

پہلے عنوان کے مطالعہ سے ناظر کتاب ان نتائج پر پہنچتا ہے کہ:

(۱) خاندان شیخ نجدی لعنۃ اللہ علیہ اپنے خروج کے زمانہ سے اب تک سلطنت عثمانیہ کا باغی رہا۔ برسر پر خاش راہی کہ ۱۶۱۲ء میں جنگ عظیم کے شروع ہونے سے پہلے وہ بامداد کپتان شکسپیئر انگریزی افسر ترکوں کو شکست دے چکا تھا اور الحصار ترکوں سے چھین کر اپنے قبضے میں کر چکا تھا، مگر دفعۃً کپتان شکسپیئر کے مارے جانے سے نجدیوں کو فتح تبدیل بہ شکست ہو گئی۔

(۲) موجودہ قرن الشیطان ملعون جیسے ابن سعود علاوہ ساٹھ ہزار پونڈ سالانہ وظیفہ کی اشرفیوں کی تھیلیاں بطور رشوت صرف اس غرض سے لے چکا ہے کہ ترکوں کے مفاد کو نقصان پہنچے۔

(۳) پہلے یہ خاندان اپنے جدید مذہب کو تلوار کے زور سے پھیلاتا تھا، مگر موجودہ قرن الشیطان سے محبت سے اپنے مبلغین کے ذریعہ سے اشاعت کی اور کامیابی حاصل کی۔

پہلے دو امور کے متعلق تو ہمیں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان امور کو پہلے بھی قارئین کرام اسی اخبار الفقیہ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں، مگر شیطانی اخبارات نے مسلمانوں سے ان امور کو مخفی رکھنے کی کوشش کی اور ان کا ذکر تک اخبارات میں نہ کیا۔ شیطانی ایجنٹ

جانتے تھے کہ اگر ان کے اخباروں کے مطالعہ کرنے والے ان حقیقتوں سے واقف ہو گئے اور اصل معاملہ ان کے سامنے کھل گیا تو شیطانی پراپیگنڈہ ٹوسکت ہو جائے گی اور تاروپود بکھر کر رہ جائے گا اور شیطانی ایجنٹوں کے توشکم کے لئے انیہن کا ہیما ہو جانا بے حد شوار ہو جائے گا۔ اگر یہ لوگ شیطانی ایجنٹ و دلال نہ ہوتے اور غیر جانبدار اہل حقیقت رکھتے تو تمام حقیقتوں کی چہرہ کشائی ان کا فرض منصبی ہوتا، مگر ان کی ہنری و روپہلی مصلحتوں نے انہیں دیانتداری سے روکا اور یہ لوگ اگرچہ بظاہر خاموش تھے مگر زبان حال سے پکار کر کہتے تھے۔

اے دیانت بر تو لعنت از تو رہنے یافتم
وے خیانت بر تو رحمت از تو گنجے یافتم

تاہم ہمیں لاہور کے شیطانی اخبار عرف زمیندار سے یہ پوچھنے کا حق حاصل ہے کہ جب ۱۹۲۲ء کے ماہ فروری تک تم اس اپنے آقا اور ولی نعمت ملعون شیطان بجد کو بے ایمان باغی مسلمانوں کا دشمن اسلام کا بدخواہ سلطنت برطانیہ کا پھوپھو سمجھتے تھے تو آج کون سی منطق کی بنا پر وہ شیطان غازی اور سلطان اور اس کا بڑے لشکر مجاہدین اسلام بن گئے اور پھر اسی شیطان کو جو صدیوں سے دشمن اسلام رہ چکا ہے، نو سال کے باغی پیکس ڈیسل شرعی سے تہذیب ہو سکتی ہے۔

امر سوئم کے متعلق ہم اپنے قارئین کرام کی توجہ شیطانی پروپیگنڈہ کے اس جزو کی طرف منعطف کرانے ہیں، جس میں بیان کیا جاتا ہے کہ شیطانی گروہ جنیلی مذہب کا پیرو ہے اور ہم شیطانی گروہ سے جو ان کو جنیلی بنا رہا ہے پوچھتے ہیں کہ جنیلی تو اس علاقہ کے لوگ ہمیشہ سے چلے آتے ہیں، مگر وہ کون سا جدید مذہب ہے جس کی اشاعت پر شیطانی گروہ پہلے تلوار سے کر رہا تھا بعد میں محبت و اخوت کے ذریعے سے۔ اس کا جواب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ جنیلی مذہب کی اشاعت تھی، کیونکہ سارا بجد اور اس کے قرب و جوار کا

علاقہ محمد بن عبدالوہاب ملعون قرن الشیطان اول کے پیدا ہونے سے مدتوں پہلے
 جنیبلی تھا۔ زمیندار ہم پر ۱۹۲۲ء میں یہ ظاہر کر چکا ہے کہ وہ اپنے نئے مذہب کی اشاعت
 کرتا تھا، اس سے ثابت ہوا کہ شیطانی اکیٹیوں کا یہ بیان کہ وہ جنیبلی مذہب رکھتے ہیں،
 بالکل غلط کذب بیانی اور عامہ مسلمین کو دھوکا دینے کی غرض سے ہے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ یہ رسالہ شیطانی جماعت کی روسا ہی کے لئے کافی ذریعہ ہے
 اور جو حضرات اسے غائر نظر سے ملاحظہ فرمائیں گے وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ شیطانی
 جماعت اپنے رومانی مورث اعلیٰ شیخ نجدی اور موجودہ قرن الشیطان کی حمایت اور شیطانی
 پرواگینڈا کی اشاعت کے لئے ہر قسم کی بے ایمانی دروغ بانی کذب بیانی روا رکھتی ہے۔

باب

مرکزی خلافت کمیٹی کی رپورٹ

مرکزی خلافت کمیٹی کی رپورٹ کی تلخیص

جس وقت نجدیوں کی فوجیں حجاز میں تہا کہ چارہی تھیں۔ مقدس مزارت منہدم
 کیے جاسے تھے۔ اس وقت تمام عالم اسلام کے مسلمانوں میں عموماً اور ہندوستان کے
 مسلمانوں میں خصوصاً اضطراب اور بے چینی کی لہر دوڑ رہی تھی؛ چنانچہ اس کے تدارک
 کے لیے مرکزی خلافت کمیٹی مقرر کی گئی۔ اس کمیٹی کی کارکردگی کے بارے میں ریس الاحرار
 مولانا محمد علی عثمانی نے مقالات لکھے، جن کو ریس احمد جعفری نے ترتیب دیا اور ادارہ اشاعت
 اردو حیدرآباد دکن نے ۱۹۴۲ء میں شائع کیا۔

مقامات مقدسہ کے احترام کا وعدہ

سلطان نجد کا تار مرکزی خلافت کمیٹی کے نام

بحرین ۱۰ اکتوبر کو حسب ذیل تار پرائیویٹ سیکرٹری سلطان نجد بحرین سے موصول

ہوا۔ اعلیٰ حضرت نے مجھے ہدایت کی کہ میں آپ کے تار کے جواب میں آپ کو اس کا
 یقین دلا دوں کہ مقامات مقدسہ کا پورا احترام کیا جائے گا اور حملہ مراسم جاری رکھے
 جائیں گے اور اس میں کسی قسم کا فرق نہ آئے۔ ہم نے حجاز میں محض اس لیے دست
 اندازی کی ہے کہ اسلامی مقامات اور حریم شریفین کو غیر مسلم بد اخلت سے محفوظ رکھ کر مذہبی
 عبادت میں سہولت بہم پہنچائی جاتے اور حجاج کو آرام سے کر تمام دنیا اسلام کے اطمینان
 کا باعث بنیں۔

پرائیویٹ سیکرٹری سلطان نجد

مولانا شوکت علی صاحب کا تار، سلطان نجد کے نام

صحابہ کرام کے مزارات کی بے حرمتی کے متعلق پریشان کن افواہیں مشہور ہو رہی ہیں
مہربانی کر کے صحیح حالات کی اطلاع دیجیے۔ (شوکت علی)

سلطان نجد کا جواب مولانا شوکت علی صاحب کے نام

”اسلامی مزارات ہمارے لیے قابل احترام ہیں“

اسلامی مزارات اور خصوصاً صحابہ کے مزارات ہمارے لیے بہت زیادہ قابل
احترام ہیں۔ آپ اطمینان رکھتے ہماری فوجیں مقدس قوانین کی خلاف ورزی نہیں کریں گی۔

عبدالعزیز سلطان نجد

جو وفد امیر علی اور سلطان ابن سعود کے پاس جتہ گیا تھا۔ اس کی رپورٹ شائع ہو
چکی ہے۔ روانگی کے وقت وفد کو حسب ذیل ہدایات دی گئیں۔
نقل ہدایت وفد حجاز زیر سرکردگی سید سلیمان صاحب ندوی۔

۱۔ مسلمانان ہند چاہتے ہیں کہ حجاز میں شرع اسلامی کے اصولوں پر جمہوری حکومت
قائم کی جائے، جس میں حجاز کی اندرونی آزادی کو پورے طور پر قائم رکھتے ہوئے
تمام وہ مسائل جو حجاز کی اسلامی مرکزی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں، مسلمانان عالم
کی مرضی و مشورہ سے طے ہونے چاہئیں۔

۲۔ مندرجہ بالا جمہوریت کی کشمکش کے لیے ایک ایسی اسلامی موتمر کا انعقاد کیا جائے
جس میں تمام اسلامی حکومتوں کے نمائندہ شامل ہوں۔

(اسی قسم کی سات اور ہدایات کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ سعیدی)

رپورٹ نے بیت المقدس کے حوالہ سے ۲۲ اگست ۱۹۲۵ء کو لندن سے ایک
بھیجا، جس نے قدرۃ ہر ایک مسلمان کے قلب کو سخت صدمہ پہنچایا اور دوسرے ممالک

مولانا محمد علی جوہر نگارشات محمد علی ص ۲۸

۲۲ - ۲۳ " " "

کے مسلمانوں کی طرح ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی ایک مہسجان پیدا کر دیا، تارکے
الفاظ یہ تھے۔ لندن ۲۲ اگست بیت المقدس۔

موتق اطلاع ملی ہے کہ وہابیوں نے مدینہ پر حملہ شروع کر دیا ہے۔ دو دن ہوتے
کہ گولہ باری بھی ہوتی ہے، جس سے بہت نقصان ہوا ہے۔ مسجد نبوی کے قبہ کو
جس میں رسول اللہ کی قبر ہے صدمہ پہنچا ہے اور سیدنا حمزہ (رسول اللہ کے چچا کی مسجد
شہید کر دی گئی ہے۔

تازہ ترین اطلاع یہ موصول ہوئی ہے کہ قبرسارک پر گولیوں کے نشانات ہیں۔
گذشتہ صدی کے محرکات اور ان عقائد کی بنیاد پر جو عام طور پر اہل نجد سے منسوب
کئے جاتے تھے، ان کو اہل نجد کے خلاف اس قدر غلو تھا کہ وہ واقعہ و رہافت کرنے
کے لیے تحقیقات کو بھی قطعاً غیر ضروری سمجھے تھے، برعکس اس کے خلافت نبیٹی ان
اطلاعات کی بنیاد پر جو بعد میں موصول ہوئیں۔ مزید تحقیقات کو ضروری سمجھتی تھی۔ نیز
مدینہ منورہ کے مقابر و آثار کو ہر قسم کے صدمہ سے محفوظ رکھنے کے لیے کسی احتیاط کو
نظر انداز نہیں کرنا چاہتی تھی، دوسری طرف جوں جوں جنگ ختم کے قریب پہنچتی جاتی تھی
حجاز میں جمہوریت کے قیام اور موتمر کے انعقاد سے مسائل زیادہ اہمیت اختیار کرتے
جاتے تھے۔ ان تمام پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے کمیٹی نے فیصلہ دیا کہ حسب ذیل اصحاب
کا ایک وفد بسر کردگی۔ مولانا سید سلیمان ندوی حجاز بھیجا جائے۔

۱ سید سلیمان ندوی (رئیس وفد)

۲ مولانا محمد عرفان

۳ مولانا ظفر علی خان

۴ سید خورشید حسین

۵ مولانا عبد الماجد صاحب ، بدایونی
 بدقسمتی سے سید سلیمان ندوی صاحب رئیس الوفد، مولانا عبد الماجد صاحب
 بدایونی اور سید خورشید حسن ہمراہ نہ جاسکے۔ سا
 ”وفد نے کیا کیا“

وفد ۱۸ نومبر کو رابع پہنچا۔ سلطان ابن سعود اور حجاز اور نجد کے مختلف حلقے
 کے اشخاص اور صاحب الرائے لوگوں سے ملا اور مکہ، مدینہ، جدہ اور ان بلاد کے
 درمیان کے علاقہ کے حالات، سچم خود دیکھنے کے بعد ان وجوہات کی بنا پر پڑھن کا ذکر
 وفد کی رپورٹ میں ہے۔ ۲۴ جنوری ۱۹۲۵ء کو جدہ سے روانہ ہو کر ۹ فروری کو
 واپس بمبئی میں آگیا۔ وفد کے ذمہ تین کام تھے۔

- ۱ مقابر و مشاہد کے باب میں حسب مسلک مجلس سعی و اہتمام
- ۲ مستقبل حجاز کے متعلق خلافت کمیٹی ۵ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو جس مسلک کا اعلان کر چکی
 ہے۔ اس کے واسطے مقبولیت عامہ حاصل کرنے کی سعی اور کوشش۔
- ۳ مؤتمر اسلام کے طلب اور انعقاد کے مہمات پر گفتگو کرنا۔ اس کے ساتھ ساتھ
 مدینہ منورہ میں روضہ اطہر کے گنبد مبارک اور مسجد سیدنا حمزہ وغیرہ کے متعلق جو
 اطلاعات آئی تھیں۔ ان کے متعلق تحقیقات۔

اول کے متعلق سلطان ابن سعود کی طرف سے نہ صرف یہ اطمینان دلایا گیا کہ
 مدینہ منورہ کے مشاہد و مقابر ان خدمات سے محفوظ رہیں گے، جو مکہ معظمہ کے مشاہد
 مقابر کو پہنچے تھے، بلکہ حافظ وہب نے ۲۴ نومبر ۱۹۲۵ء کو سرکاری طور پر آکر وفد
 کو اطلاع دی کہ مسجد بوقبیس کی تعمیر ہو گئی ہے۔ سزا رنبوی کی تعمیر کا کام دوسرے دن صبح

سے شروع ہو جائے گا اور دیگر مقامات کے تحفظ کے متعلق احکامات صادر ہوں گے، جن پر وفد نے تمام ارکان کے دستخط لیے۔

۴ دسمبر ۱۹۲۵ء کو حسب ذیل تاریخ بھجوا:

۲۴ نومبر کو مکہ پہنچنے اور سلطان سے ملاقات کی ۲۶ کو مدینہ جا رہے ہیں، جہاں سے واپسی پر تمام معاملات پر گفتگو ہوگی۔ مسجد بوقیسیس کی تعمیر ہوگئی۔ مزار نبوی کی تعمیر ہو رہی ہے۔ دوسرے مشاہد، مقابر و آثار کے تحفظ کے لیے وسائل اختیار کیے جا رہے ہیں، مدینہ کے متبرک مقامات کے بارے میں سلطان نے اپنے لڑکے کو جو وہاں کمانڈر ہیں۔ یہ حکم بھیجا ہے کہ ہماری ہدایت کے مطابق عمل کریں۔

سلطان نے ایک خط اپنے لڑکے امیر محمد کے متعلق بھی بھیجا کہ مدینہ میں فوجوں کے داخلہ کے وقت مقابر و مشاہد کا پورا اہتمام کیا جائے۔ ان کو کسی قسم کا صدمہ نہ پہنچے اور ان مقامات کے متعلق وفد خلافت کے مشورہ پر عمل کیا جائے، امیر محمد نے ان ہدایات کی پوری پابندی کی اور مدینہ منورہ کی مساجد، آثار، مقابر اور قبوں وغیرہ کو ہر قسم کے صدمہ سے محفوظ رکھا، اور مسلمانوں کے اطمینان کے لیے حسب ذیل تاریخ کے ذریعہ دنیا اسلام کو اس کی اطلاع بھی خود اپنے نام سے دی۔

آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ مدینہ انتہائی امن و امان سے تسلیم ہو گیا۔ تمام مقامات مقدسہ محفوظ ہیں اور ان کا احترام کیا جاتا ہے۔

وفد خلافت نے جو اس وقت مدینہ میں مقیم تھا۔ مسلمانان عالم کے ان جذبات کا احترام کرنے کے لیے جو مدینہ منورہ کے مقابر و مشاہد سے وابستہ تھے، سلطان کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا اور درخواست کی کہ جب تک دنیا اسلام حجاز کے مستقبل کا آخری فیصلہ نہ کرے، حجاز سلطان کے ہاتھ میں بطور امانت ہے۔ سلطان اسی قابل تعریف اسول پر کار بند رہیں گے۔ لے

مدیریت ہاتھ ہوتے مابغ میں دند کی قیادت دولت ایران کے تو نسل معینہ شام،
 عین الملک، جو سرکاری حیثیت سے گنبد نظر اور وغیرہ کے متعلق انواہوں کی تحقیق کے لیے
 آئے تھے۔ معلوم ہوا کہ سلطان ابن سعود نے سیر ایران کے ذریعہ دولت ایران کو تخریبی
 وعدہ دیا ہے کہ اگر کرمعظمہ کے منہدم شدہ مقابر و آثار کو کوئی تعمیر کرنا چاہے، تو سلطان کی
 طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوگی۔ اس سال حج میں اس بیان کی نہایت معتبر ذرائع سے مزید
 تصدیق ہوئی، اب اس خط کی نکل نقل حاصل کرنے کا انتظام کیا گیا ہے اور امید ہے کہ
 بہت جلد ہم تک پہنچ جائیں گی۔ س۔

اقتباس از خط مولانا ظفر علی خان موزعہ مکرم جنوری ۱۹۲۶ء جلد ۱۔

جمعیت مرکزیہ خلافت کی ہدایات اور کاغذات سے بھی، جو ہمارے کام کی اساس
 ہیں اور جنہیں میں نے بنظر غائر دیکھا ہے، یہی واضح معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس خصوص میں،
 یعنی مسئلہ مابہ البحت میں عظمت سلطان سے گفتگو کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ پٹنہ کی قرارداد
 اور متعلقہ وفد کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

حجاز کے مستقبل اور مجوزہ موتمر اسلامی کے مسئلوں پر غور کیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ
 جمعیت مرکزیہ خلافت کی طرف سے جلد از جلد ایک دند حجاز بھیجا جائے، جو زیادہ سے
 زیادہ چھ ارکان پر مشتمل ہو، تاکہ سلطان ابن سعود کے ساتھ موتمر اسلامی کے انعقاد اور
 اس انعقاد کے ابتدائی ضروری انتظامات کے متعلق اشارہ کرے۔ دند کو اس بات کی
 بھی کوشش کرنی چاہیے کہ جمعیت مرکزیہ خلافت نے مستقبل حجاز کے متعلق پانچ اکتوبر ۱۹۲۲ء
 کو جو حکمت عملی وضع کی تھی۔ اسے عالمگیر طور پر تسلیم کرا لیا جائے۔ نیز حسب ضرورت جمعیت
 خلافت کے عام ملک کی تسابقت میں۔ قبوں اور مقبروں کے تحفظ کی سعی کرنی چاہیے۔
 اس کے بعد قرارداد میں یہ مضمون درج ہے کہ اگر ضرورت پڑے، تو وفد تاقیام موتمر

حجاز میں ٹھہر سکتا ہے نیز یہ بتایا گیا ہے کہ جمعیت خلافت کے منصرم صدر (مولانا ابوالکلام) جمعیت کی قراردادوں اور ملک کے مطابق ایک مفصل یادداشت مرتب کریں، جو رئیس وفد کے حوالہ کی جائے۔ اسی قرارداد کے خط کشیدہ الفاظ جمہوریت کے باب میں گفتگو کی اساس بن سکتے ہیں، لیکن عظمت السلطان کے ساتھ نہیں، بلکہ دنیا سے اسلام کے وفود اور نماز میں کے ساتھ۔“

جمہوریت کے ذریعہ قیام کی نسبت بھی میرے دل میں بعض شبہات بدستور باقی ہیں اور پھر میرے نزدیک مجلس خلافت اور مسلمانان ہند کے عزت و حرمت کا اتنا زیادہ ہے کہ اس مسئلہ کو مزید استشارہ کے لیے ملتوی کر دیا جائے۔

اقتباس از جواب شعیب قریشی مورخہ ۲ جنوری ۱۹۱۶ء (جذہ)

رز دیوشن کے الفاظ نہ صرف ہم کو خلافت کمیٹی کے رز دیوشن کو (متملق جمہوریت پیش کرنے کی اجازت دیتے ہیں، بلکہ حکم دیتے ہیں رز دیوشن تکملاً نہ ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ ”وفد کو چاہیے کہ قبولیت عام حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ وہ دفعہ جس میں مفصل غزنی یادداشت مرتب کرنے کا ذکر ہے۔ رز دیوشن کے نہ مانع ہو سکتی ہے اور نہ ہے۔ خلافت کمیٹی کی پالیسی حجاز میں جمہوری حکومت کے متعلق کال طور پر مسلمانوں کے مختلف انجمنوں سے مشورہ اور مسئلہ کے ہر پہلو کو سوچنے کے بعد طے کی گئی تھی۔ بیس وجہ اس میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ مرکز خلافت کمیٹی کی پالیسی فرقہ دارانہ پالیسی نہیں اور چونکہ اس کی بنیاد اصول پر ہے، لہذا سقوط مدینہ نمبر سے یا جہ سے واقعات کا اس پر کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔ اس میں کوئی تغیر نہیں ہو سکتا۔ خلافت کمیٹی مرٹ جائے گی، لیکن اس پالیسی کو نہ چھوڑے گی۔“

سلطان ابن سعود کی ملکیت کے اعلان کے دیگر اسباب جو کچھ بھی ہوں، مگر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مولانا ظفر علی صاحب کا قابل افسوس رویہ بھی اس کا بہت بڑا

باعث ہوا غرنیکہ ۱۸ جنوری ۱۹۲۶ء کو جب کہ وفد خلافت جدہ ہی میں موجود تھا۔ سلطان ابن سعود نے یہ غلط غدر پیش کر کے کہ دنیائے اسلام نے دو مہینہ تک ان کے دعوت مؤثر کا کوئی جواب نہیں دیا اور اہل حجاز نے ان کو بادشاہ حجاز ہونے پر مجبور کیا اپنی باوثاہت حجاز کا اعلان کر دیا اور ان تمام عہدوں کی سہولیت کا اعلان کر دیا، جو انہوں نے ریاض سے نکلتے وقت اور مدینہ منورہ اور جدہ کے سقوط سے پیشتر مکہ میں بالٹکرا رو با تصریح خلافت کیدیٹی کو بالخصوص اور دنیائے اسلام کو بالعموم دیتے تھے۔ ان مزارات اور اس کے ساتھ اہل نجد کے فتنہ کے ڈر کی بے حقیقتی، جس کا اضافہ سلطان نے ایک ہفتہ بعد کیا۔ کیا تیسرے وفد کی جھاڑی رپورٹ سے صاف ثابت ہے، جس کا اقتباس ہم ذیل میں درج کرتے ہیں اور اپنے ذاتی تحقیقات اور مشاہدہ کے بعد ہم اس کی پوری تصدیق کرتے ہیں۔

اب رہا اعلان ملوکیت اور اہل حجاز کا سلطان کو اس پر مجبور کرنے کا مسئلہ تو ہم بکثرت اہل حجاز سے ملے، مکہ والوں سے ملے، اہل جدہ سے ملے، بدوؤں سے ملے، غرنیکہ ہر طبقہ کے لوگوں سے ملے اور ان کے خیالات دریافت کیے اور پوسے دثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ نہ وہ خاندان شریف کی حکومت چاہتے ہیں۔ نہ سلطان ابن سعود کی اور صرف یہ کہنا ان پر اتہام ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ بیرون حجاز کے مسلمانوں کو جن کو سلطان نے ان کی زبان سے اغیار و اجانب کہا ہے۔ ہمارے سیاسی انتظام سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ ان کی ذلی خواہش ہے کہ دنیائے اسلام ان کے مسلک کے نظم و نسق میں حصہ لے لیکن ہم نے محض اس پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان اشخاص سے جا کے ملے، جن کی نسبت بیان کیا جاتا تھا کہ اس تحریک میں پیش پیش تھے اور ان سب نے بیان کیا کہ ان کو اس واقعہ کا زیادہ سے زیادہ ایک شب پہلے علم ہوا اور یہ کہ وہ اس فعل پر خوف سے مجبور ہونے کہا جاتا ہے کہ ینبوع۔ علی۔ تبوک میں بھی سب لوگوں نے برضا و رغبت اور بلا جبر و اکراہ ایسا کیا، بلکہ اوروں کے ساتھ مل کر سلطان کو مجبور کرنے میں حصہ لیا اور

واقعہ یہ ہے کہ جمعرات کے دن 'ان سب جگہ لاسلکی کے ذریعے ہدایات بھیجی گئیں کہ وہ جمعہ کے دن بعد نماز بیعت کریں اور خود مسٹر فلبر کو اس امر کا جمعرات ہی کے دن علم تھا حقیقت یہ ہے کہ سلطان کے دل میں یہ بات پہلے ہی سے موجود تھی اور اگر اس کو مزید تقویت کی ضرورت تھی، تو ان کے شاہی وزیر اور دیگر نے اس کو قومی کو دیا اور اگر اس کی ابتداء انہوں نے اس اعلان سے کی جو بیعت سے قبل ام القریٰ میں انہوں نے شائع کیا جس میں انہوں نے سوائے خلافت کیسٹی کے تمام دنیا سے اسلام پر دوہینے تک ان کی دعوتِ موتمر کا جواب نہ دینے کا الزام لگایا ہے، حالانکہ جیسا ہم لوگ اوپر لکھ چکے ہیں۔ اول تو دعوتِ نامہ نامکمل تھا۔ دوسرے دوہینے جواب آنے کے واسطے ہرگز کافی نہ تھے علاوہ برائیں یہ وہ زمانہ تھا کہ جدال و قتال جاری تھا، خود جنگ کا نتیجہ اگر غیر یقینی نہ تھا تو کم از کم اتنی جلد جنگ کے ختم ہو جانے کی کسی کو توقع نہ تھی، تو پھر ایسی مدت تک جواب نہ آنے پر جو صرف مکتوب جانے اور آنے ہی کے لیے کافی تھی۔ عالم اسلام کو ملزم قرار دینا کہاں تک قریب انصاف ہے۔

پھر بیعت کے بعد کے اعلانات کو لیں۔ پہلے اعلان میں صرف یہ درج ہے کہ ہم کو حجازیوں نے ملوکیت پر مجبور کیا، لیکن جب اس پر دنیا سے اسلام کو اطمینان نہ ہوا اور مختلف جگہوں سے استفساری تار آئے، تو دوسرا بیان نکلا کہ ایک طرف تو حجازیوں نے مجبور کیا اور دوسری طرف سلطان کے بیٹے فیصل نے اپنی فوج کے ساتھ فنڈ کی دھمکی دی اور کہا کہ اگر تم نے بادشاہت قبول نہ کی، تو ہم تم کو خود غرض سمجھیں گے۔ اس دلیل کے انوکھے پن سے ہمیں سرکار نہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ نجدیوں میں سے خود شیخ عبداللہ بن بلہید صاحب کے جو قاضی القضاة اور شیخ الاسلام ہیں اور مکہ میں موجود تھے۔ اس امر کا عین وقت بیعت تک کوئی علم نہیں تھا۔ انہوں نے خود اس امر کو ہمارے سامنے تسلیم کیا اور دوسری طرف امیر فیصل سے ہماری گفتگو ہوئی، تو انہوں نے اپنے والد کی اعلانِ ملوکیت

کی وجہ سے صرف اہل حجاز کا جبر بتایا۔ ام القرنی کے ایڈیٹر یوسف یسین نے بھی جو خود سلطان کے کاتب برتری ہیں اور سلطان کی طرف سے تمام اعلانات لکھتے ہیں۔ دینی لائسنس کا طلبہ کرتے ہوئے اس غلطی کا اعتراف کیا، جو سلطان نے اعلان ملکیت کی وجہ سے کی ہے۔ اس کے بعد سلطان کا یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔ کمیٹی خود اندازہ کر سکتی ہے، لیکن جیسی کہ ان کے ردیہ ماقبل کو پیش نظر رکھتے ہوئے توقع کی جاسکتی تھی۔ مولانا ظفر علی خاں نے اعلان ملکیت کے بعد سلطان کے فعل کے لیے نذرات تادیل و توجہ پیش کرنے اور ملکیت کی کھلم کھلا حمایت کرنی شروع کر دی، چنانچہ اپنی رپورٹ میں سفارش کی۔ میری رائے میں کم از کم بحالات موجودہ جہان کے اندر اچھے انتظام کی یہ واحد صورت تھی، جس حد تک بیعت کا تعلق ہے۔ میں بو ثوق کہہ سکتا ہوں کہ اس میں کوئی جبر کا استعمال نہیں ہوا، اس لیے کہ جو لوگ ذی رائے کہلائے، ان کے مستحق ہیں، وہ پہلے ہی اس طرف مائل تھے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی (سلطان کی) ذات عرب کے لیے علی العموم اور حجاز کے لیے علی الخصوص نہایت عظیم الشان اور نادریدہ برکات کا سرچشمہ بنے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔ میری رائے میں اصلاح احوال عرب و حجاز کا اقتضا یہ ہے کہ موجودہ صورت انتظام کو قبول کر لیا جائے۔

برعکس اس کے حجازی رپورٹ میں یہ سفارش کی گئی۔

ہماری رائے میں اصولاً۔ اخلاقاً، قانوناً اعلیٰ اسلامی مفاد کے حق میں عرب قومیت کے مستقبل اور آزادی عرب کے لحاظ سے ہم کو اس فعل پر اظہار ناراضی کرنا ہے اگر ہم عرب میں امن و امان چاہتے ہیں، تو حجاز کو شخصی اثرہوں کے دائرہ سے باہر رکھنا چاہیے۔ حکومت جمہوری کے علاوہ مسئلہ حجاز کا اگر کوئی اور حل کیا گیا، تو وہ عرب میں فتنہ فساد کے دردانے کھول دے گا اور اس طرح وہاں اغیار کو اثر قائم کرنے کا موقع دے گا۔ حجاز میں جمہوریت نہ صرف عین قرین مصلحت اور اعلیٰ مقاصد اسلامی کو پیش نظر رکھتے ہوئے

ضروری، بلکہ عملاً ممکن ہے اور انتظام حجاز کے لیے روشن خیال ایماندار ذی اثر وطن اور اسلام سے محبت کرنے والے بھی لالچ اور ذاتی اغراض سے بالا تر حجازی یقیناً کم از کم اس تعداد میں ضرور مل سکتے ہیں۔ جتنے سلطان ابن سعود کو نجد اور حجاز دونوں کے انتظام کے لیے نجد سے مل سکے۔ حجاز کی آمدنی کثیر ہے، لیکن صرف محض درآمد سے آدھی چھ لاکھ پونڈ سالانہ وصول ہوتا ہے۔ حجاز سے مختلف ٹیکس کے ذریعے جو زر بیہ وصول ہوتا ہے، وہ اس کے علاوہ ہے اور یہ کثرت جملح کے ساتھ برابر بڑھ سکتا ہے اس کے علاوہ زکوٰۃ کی مدد بھی ہے۔ جو آج سلطان ابن سعود بھی حاصل کر رہے ہیں۔ نجد کی اس فوج کا خرچ آج بھی حجاز ہی پڑ رہا ہے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ بعض مصارف جو خاص نجد سے تعلق رکھتے ہیں، وہ بھی حجاز ہی نے ادا کیے، ان کے علاوہ ان کثیر اوقاف کی آمدنی جو دنیا سے، سلام کے مختلف حصوں میں حجاز کے لیے ہیں۔ یہ سب فکر ہماری رائے میں حجاز کے اخراجات کے لیے کافی ہونے چاہئیں۔ اس پر بھی مزید تجربہ کے بعد تھوڑی بہت امداد کی ضرورت پڑے، تو دنیا سے اسلام بخوشی دینے کے لیے تیار ہوگی۔

ہم ہرگز نہیں کہتے کہ سلطان ابن سعود انگریزوں کے ہاتھ بک گئے ہیں۔ مگر ان پر انگریزی اثر ضرور ہے، لہذا سیاسی مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے احتیاط شرط ہے۔ وہ حجاز میں اجاروں کے حصول کی کوشش اب بھی جاری ہے اگر ذمہ داری کا پورا احساس اور بروقت کام نہ کیا گیا، تو اس کے نتائج کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ سب سے اہم چیز یہ ہے کہ سلطان عبدالعزیز کی ساری جماعت میں ان کے بعد کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اپنے ملک نجد کی حفاظت اور تنظیم کر سکے۔ چہ جائیکہ وہ حجاز میں قیام حکومت کا ذمہ دار ہو۔ اگر خدا نخواستہ سلطان عبدالعزیز دنیا سے رخصت ہو جائیں، تو ان کے تیرہ لڑکوں اور بھائیوں میں حجاز تقسیم ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور دوسرے امراء کی طرح ان میں بھی ہر ایک انگریزوں کا ملازم ہو گا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ حجاز کی موجودہ حکومت کی طرف

پورے طور پر توجہ کر کے آئندہ کے تمام خطرات کا انسداد کر دیا جائے۔

اگر مذہبی رواداری کوئی چیز ہے، تو اس لحاظ سے بھی یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حجاز پر کسی ایک فرقہ کو مستطک کیا جائے۔ خاص کر ایسے فرقہ کو جو اپنے عقائد میں انتہا پر و بے کا غلو رکھتا ہو۔ غرضیکہ پہلے سے ہم ہی مشورہ دیں گے کہ خلافت کمیٹی مستقبل حکومت حجاز کے متعلق اپنے فیصلہ پر بدستور قائم ہے کہ وہی بہترین چیز ہے۔

دونوں رپورٹوں پر غور کرنے کے بعد مرکزی خلافت کمیٹی نے اپنے اجلاس منعقدہ

۱۹۲۶ء میں حسب ذیل رزلوشن پاس کی۔

مرکزی خلافت کمیٹی افسوس کے ساتھ اس طرز عمل سے اپنا اختلاف ظاہر کرتی ہے، جو حکومت حجاز کی تعین و اعلان کے لیے اختیار کیا گیا ہے کمیٹی کے نزدیک اس کا صحیح طریقہ وہی تھا، جو خود سلطان موصوف نے اپنے بار بار کے اعلانات میں ظاہر کیا تھا، یعنی مجوزہ اسلامی موتمر منعقد ہو اور وہ اہالی حجاز کے مشورہ کے بعد حکومت حجاز کا فیصلہ کرے۔

مرکزی کمیٹی ان عظیم الشان اسلامی مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے جن کا حصول سرزمین حجاز اور عالم اسلامی کی وابستگی پر موصوف سے سلطان موصوف کو ان کے اعلانات پر از سر نو توجہ دلاتی ہے اور امید کرتی ہے کہ وہ مجوزہ موتمر کو جلد از جلد طلب فرمائیں گے اور عالم اسلامی ان کی امیدوں کی کامیابی کا ذریعہ ہوں گے، جو آج ان کی ذات سے وابستہ ہیں۔

اس سلسلہ میں مرکزی کمیٹی یہ بات بھی ظاہر کر دینا چاہتی ہے کہ وہ اپنے اس ملک پر بدستور قائم ہے، جس کا اظہار مجلس عاملہ کی تجویز ۵ اکتوبر ۱۹۲۴ء مصدقہ خلافت کانفرنس بلگام میں کر چکی ہے۔ کمیٹی کے نزدیک سرزمین حجاز کے امن و نظام اور عالم اسلامی کے مفاد و مصالح کے لیے ضروری ہے کہ آئندہ حجاز میں جو حکومت بھی قائم ہو، وہ عالم اسلامی کی رائے عامہ کے مطابق ہو اور ملوک سلاطین کو بھی مستبدانہ حکومت کی جگہ خلافت راشدہ

اسلامیہ کے نمونہ پر ہو، جس میں کسی خاص خاندان یا نسل کی جگہ اہل تہل و عقد کے انتخاب پر امیر کے نصب و عزل کا دار و مدار ہوتا ہے۔ خلافت کمیٹی نے اپنی تجویز متذکرہ سد میں اسی لیے جمہوریت کا لفظ استعمال کیا تھا، کیونکہ اس مقصد کے اظہار کے لیے موجودہ زمانہ کی بول چال میں یہی لفظ اقرب ہے۔

العقاد موتمر کی تاریخ کا تعین

بین الا سلامی مسئلہ، کانفرنس کے مسئلہ کی عملی طور پر ابتدا اس تاریخ سے ہوتی ہے جو مرکزی خلافت کمیٹی نے ۷ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو سلطان ابن سعود اور امیر علی کی جنگ کے سلسلہ میں متجاہدین کے نام روانہ کیا تھا اس نے لکھا تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی یہ رائے ہے کہ مذکورہ بالا اصول پر اس وقت اراکین حجاز کی ایک عارضی جمہوری حکومت قائم کی جائے (یعنی حجاز پر جو تمام دنیا سے اسلام کا مرجع ہے کوئی بادشاہ یا سلطان حکمرانی نہیں کر سکتا، بلکہ وہاں ایک دمقراطی ریپبلکن حکومت ہونی چاہیے۔ جو غیر مسلموں کے اثر سے بالکل پاک ہو، اور مستقبل حکومت کا مسئلہ موتمر اسلامی کے فیصلہ پر چھوڑ دیا جائے۔

اس میں موتمر کے انعقاد اور اس کے غایت و غرض دونوں کا بالتصریح تذکرہ کر دیا گیا ہے، اس کے جواب میں جو تار سلطان نے ۲۲ اکتوبر کو براہ بکھین بھیجا، اس میں خلافت کمیٹی کے اصول متعلق طرز حکومت حجاز کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے تجویز انعقاد موتمر اور اس کی غرض و غایت سے ان الفاظ میں اتفاق کیا کہ "آخری فیصلہ دنیا سے اسلام کے اختیار میں ہے۔"

لگے ہی سلطان نے اپنی اس تقریر میں جو انہوں نے بیان سے کہنے چلتے وقت کی تھی اور جس کا خلاصہ عبداللہ بن بلید صاحب نے بذریعہ "تار" ۲۲ نومبر ۱۹۲۳ء کو

منشی کے ام بغرض اطلاع عام بھیجا تھا، اس امر کو اور واضح کر دیا تھا، تار کے الفاظ حسب ذیل تھے۔

”آن کے بعد سے مکہ میں بجز شریعت کے اور کوئی سلطان نہ ہوگا، سب کی گردنیں اس کے سامنے جھکیں گی، چونکہ اس مسئلہ سے جملہ مسلمانان عالم کا تعلق ہے، اس لیے وہاں کی پالیسی دنیائے اسلام کی مرضی کے مطابق ہوگی، ہم جملہ عالم اسلام کے نمائندگان کی ایک کانفرنس مکہ میں منعقد کریں گے اور ہر اس مسئلہ پر رائے دی جائے گی جس سے بہت اللہ شریف گناہوں اور ذاتی اغراض سے پاک رہے اور حجاج کو عربین شریفین کے سفر میں امن و عافیت نصیب ہو۔“

چونکہ اسی سفر سے سلطان نے خلافت کیٹی کے نمائندوں کو بذریعہ تار مسئلہ سے نمونہ لکھ کر آنے کی دعوت دی اور کیٹی سے درخواست کی کہ وہ ان کی طرف سے دوسرے ملحقہ اسلامی ممالک کو بھی دعوت پہنچائے۔

مگر پہنچنے کے بعد سلطان نے موتمر اسلامی کو دعوت دی جو دسمبر میں ہندوستان پہنچی، اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

دعوة ابن سعود

بسم الله الرحمن الرحيم

السلطنة النجدية وملحقاتها عدد ۲۲

مكة المكرمة ۸ ربيع الآخر سنة ۱۳۶۶ من عبد العزيز بن

عبد الرحمن آل فيصل آل سعود إلى حضرة صاحب الدولة -

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته وبعد فإني أرجو لكم دوام

الصحة والعافية وإني أَسْعِدُكُمْ وَأَمْلِي يَدِي لِيَدِكُمْ وَلِكُلِّ يَدٍ

عَامِلَةٍ الْخَيْرَ وَالسَّلَامَ وَالسَّلَامِينَ وَإِنِّي مَمْلُوءٌ ثِقَةً أَنَّهُ تَبَعَاوَنَّا عَلَى

الخير سيكون المستقبل لجميع الشعوب الاسلامية -

يا صاحب الدولة انى لست من المحبين للحروب وشورها و
ليس لى احب من السلم والسكون والصفاء والهنا والتفرغ
للاصلاح ولكن جيراننا الاشراف اجبروني على متشاق الحسام
وخوض غمرات الحرب خمس عشر سنة لا فى سبيل شىء سوى
الطمع على ما بايدنا لقد صدونا عن سبيل الله والمسجد الحرام
الذى جعله الله للناس سواء العاكف فيه والباد وسواء البيب
الظاهر بكل الموبقات مما لا يتحملة مسلم -

لقد رفعنا علم الجهاد التطهير ببلاد الله وسائر بلاد الله
المقدسه من هذه العاملة التى لم تترك سبيلا لحسن التفاهم
وحسن النية بما اقترفت من الشرور والآثام وانى والتذى
نفسى بيده لوارد التسلط على الحجاز ولا تملكه وانما الحجاز ودعيه
فى يدي الى الوقت الذى يختار الحجاز يوفيه لبلادهم واليا منهم
يكون خاضعا للعالم الاسلامى وتحت اشرف الامم الاسلاميه والشعوب
التى ابدت غيرة فذكرة كاليهود -

ان الخطة التى عاهدنا عليها العالم الاسلامى والتى لم تنزل
نحارب من اجلها بجملة فيما يلى -

(١) الحجاز للحجازيين من جهة الحكم وللعالم الاسلامى من
جهة الحقوق المقدسة التى له فى هذه البلاد -

(٢) سنجرى الاستفتاء التام باختيار حاكم الحجاز تحت اشرف
مندوبى العالم الاسلامى وبجدد الوقت اللازم لذلك

في ما بعد وسنسلم الرديّة التي بأيدينا لهذا الحاكم على الامس
الايته -

- (١) يجب ان يكون السلطان الاول والمرجع للناس كافة
هو الشريعة الاسلامية المطهرة -
- (٢) حكومة الحجاز يجب ان تكون مستقلة في داخلتها ولكن
لا يصح ان تعلن الحرب على احد ويجب ان يوضع لها النظام الذي
يمكنها من ذلك اذا ارادت -
- (٣) لا تعقد حكومة الحجاز اتفاقات سياسية اي دولة كانت -
- (٤) لا تعقد حكومة الحجاز اتفاقات اقتصادية مع دولة
غير اسلامية -

(٥) تحديد الحدود الحجازية ووضع النظم المالية والقضائية
والادارية للمجازموكول للسند وبين المختارين من الامم الاسلامية
وسيجدوعدد هم باعتبارهم الموكوزالذي تشغله كل دولة في
العالم الاسلامي والعربي وسينضم هؤلاء ثلاثه مندوبين من
جمعية الخلافة وجماعة اهل الحديث وجمعية العلماء في الهند -
هذا ما نؤيننا لهذه البلاد المقدسة وما سنسير عليه
في المستقبل انشاء الله ولنا الامل العظيم في ان تسرعوا في
ارسال مندوبكم واخبارنا عن الوقت المناسب لعقد المؤتمر
هذا ما لزم بيانه وفي الختام تقبلوا مني بقلوبكم من
الاحترام - الختم -

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

السلطنة النجدية وملتقاتها عدد ۲۲۴

منجانب عبد العزيز بن عبد الرحمن آل فيصل آل سعود

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

میں آپ حضرات کی دوامی صحت و عافیت کی امید کرتا ہوں، میں اس میں سعادت سمجھتا ہوں کہ آپ کے اور اسلام اور مسلمانوں کے بہر خیر خواہ اور خیر طلب کے ہاتھ کی طرف ہاتھ بڑھاؤں۔

مجھے پورا یقین ہے کہ ہمارے باہمی (اتفاق) و تعاون سے تمام اقوام اسلامیہ کا مستقبل شاندار ہو جائے گا۔

اے غیرت مند و باحیث بھائی! میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو لڑائی اور فتنہ و فساد کو دوست رکھتے ہیں، میرے نزدیک صلح اور امن اور باہمی محبت اور اقتصادی ترقی اور فارغ البالی سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں کہ اس میں اندرونی اصلاح کا پورا پورا موقع میسر ہوتا ہے، لیکن ہمارے پڑوسیوں، یعنی شرفاء (مکنا) نے ہمیں پندرہ سال تک نیام سے تلوار نکالنے اور جنگ کے مصائب میں مبتلا رہنے پر مجبور رکھا، شریفیوں کا اس جنگ سے سولے اس کے کوئی مقصد نہ تھا کہ ہمارے ملک و مال پر قبضہ کر لیں اور ہم کو خدا کی عبادت اور مسجد حرام سے جس میں اللہ تعالیٰ نے تمام مسلمانان عالم کو برابر و رجبہ کا حقدار قرار دیا ہے، روک دیں انہوں نے مقدس بیت الحرام کو اس قسم کی بد اعمالیوں کی گندگی سے ملوث کیا کہ ایک مسلمان اس کی برداشت نہیں کر سکتا۔

آخر ہم نے خدا کے پاک شہر مکہ معظمہ اور باقی بلاد مقدسہ کی تطہیر اور اس خاندان کے افراد سے نجات دلانے کے لیے علم جہاد بلند کیا، کیونکہ شریفی خاندان کے افراد

کے گذشتہ کارناموں اور سیاہ کاریوں کو دیکھتے ہوئے ان سے مفاہمت اور نیک نیتی کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔

اور میں اس خدائے برتر کی قسم کھا کر جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، کہتا ہوں کہ میرا مقصد حجاز پر تسلط یا حکومت کرنا نہیں ہے، حجاز میرے ہاتھ میں اس وقت تک امانت ہے، جب تک کہ اہل حجاز خود اپنے میں سے ایسے حاکم کا انتخاب نہ کر لیں، جو عالم اسلامی کی بات ماننے والا اور ان اقوام اسلامیہ اور طبقات ملیہ کے زیر نگرانی رہے، جنہوں نے اپنی غیرت ملیہ اور حیثیت دینیہ کا ثبوت ہم پہنچا دیا ہے۔ مثلاً ہندوستانی مسلمان نہ ہمارا وہ مطمح نظر، جس کا عالم اسلامی سے ہم نے وعدہ کیا ہے اور جس کے لیے ہم شمشیر بکف رہیں گے۔ مجملاً حسب ذیل ہے:-

۱۔ حجاز کی حکومت تو حجازیوں کا حق ہے، لیکن عالم اسلامی کے جو حقوق کہ حجاز سے متعلق ہیں، ان کے لحاظ سے حجاز تمام عالم اسلامی کا ہے۔

۲۔ ہم ایک استفتاء عام عنقریب جاری کریں گے، جس میں حاکم حجاز کے انتخاب اور عالم اسلامی کی نگرانی کے متعلق استفسار ہوگا، اس کے لیے وقت کی تعیین بعد میں کی جائے گی، اور پھر ہم اس امانت (حجاز) کو ان اصول کے ماتحت اس حاکم کے سپرد کر دیں گے۔

- دفعہ ۱۔ ضروری ہوگا کہ اساس حکومت شریعتہ نبویہ مطہرہ پر قائم کیا جائے۔
- دفعہ ۲۔ حکومت حجاز داخلی امور میں مستقل ہوگی، لیکن اسے یہ اختیار نہ ہوگا کہ کسی کے ساتھ جنگ کا اعلان کرے اور ضروری ہے کہ ایک ایسا نظام مقرر کر دیا جائے کہ اگر حکومت حجاز اعلان جنگ کرنا بھی چاہے، تو یہ نظام اس کو روک سکے۔
- دفعہ ۳۔ حکومت حجاز کسی حکومت کے ساتھ سیاسی معاہدہ نہ کر سکے گی۔
- دفعہ ۴۔ حکومت حجاز غیر مسلم حکومت کے ساتھ اقتصادی معاہدہ نہیں کر سکتی۔

دفعہ ۵۔ جواز کی حدود کا تعین اور مالی عدالتی نظام کا بنانا، ان نمائندوں کے سپرد ہوگا، جو عالم اسلامی سے اسی کام کے لیے منتخب ہو کر آئیں گے۔ ہر ملک کے نمائندوں کی تعداد حکومت کے احاطہ اقتدار کے لحاظ سے معین کی جائے گی، جو اس کو عالم اسلامی اور عربستان میں حاصل ہے، ان نمائندوں کے ساتھ تین نمائندے جمعیت مرکزیہ خلافت ہند اور جماعت اہل حدیث اور جمعیت علماء ہند کے بھی شامل ہوں گے۔

بلاد مقدسہ جواز کے متعلق ہمارا ارادہ یہ ہے اور اسی پر انشاء اللہ تعالیٰ ہم مستقبل میں عمل کریں گے۔

ہم کو توئی امید ہے کہ آپ اپنے مندوب بھیجنے میں جلدی کریں گے اور نیز یہ بھی بتائیں گے کہ اس موتمر عالم اسلامی کے انعقاد کے لیے مناسب وقت کونسا ہوگا، قابل بیان یہ باتیں تھیں اور آخر میں آپ ہماری جانب سے تحیۃ اور احترام قبول فرمائیں۔

(مہر سلطان)
عبدالغزیز بن عبدالرحمن

اس میں دو نقص تھے، ایک تو تمام ممالک اسلامی کو مدعو نہیں کیا گیا، مثلاً ترکی جیسی اہم حکومت کو دعوت نہیں دی گئی، دوسرے یہ کہ ان شرائط کے ذریعہ جن کی تصریح دعوت نامہ میں ہے، بعض نہایت اہم امور میں موتمر کے اختیارات کو محدود کرنے کی کوشش کی گئی تھی، لیکن اعلان بلوکیت کے بعد سلطان کی باتوں سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے ان کے انعقاد موتمر کے خیال کو ترک کر دیا ہے؛ چنانچہ جس وقت وفد نے ان سے جدہ میں ملاقات کے دوران میں انعقاد موتمر کے مسئلہ کا ذکر کیا، تو صاحب ممدوح نے اس کو یہ کہہ کر ٹالنا چاہا کہ جب عالم اسلامی جمع ہو جائے گی، اور مولانا عرفان صاحب اور شعیب قریشی صاحب کے اصرار کے بعد خلافت کمیٹی کی اس تجویز سے اتفاق کیا کہ حج کے موقعہ پر موتمر منعقد ہو، لیکن اس کے ساتھ صاف فرما دیا کہ جہاں تک جواز کے سیاسی انتظامات کا تعلق ہے جازریوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ عالم اسلام ہمارے سیاسی معاملات

میں مداخلت کرے اور اسی سلسلہ میں جہازوں کی طرف یہ الفاظ منسوب کئے، مایصبر
ابداً مایصبر الی آخر درجہ مایصبر“

لیکن چونکہ کوئی جزو چاہے، وہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو اس کا مجاز نہیں ہے کہ کل
کے اختیارات محدود کر سکے، وفد کے مجوزہ موتمر اسلامی کے اختیارات پر مصلحتاً بحث
نہیں کی اور اس مسئلہ کو ممبران مجوزہ موتمر پر چھوڑ دیا۔

موتمر اسلامی

ربیع الثانی ۱۹۳۶ء میں سلطان ابن سعود نے موتمر اسلامی کے لیے نیا دعوت نامہ بھیجا
اور یہ خلافت کمیٹی کے وفد کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ اس مرتبہ حکومت ترکی کو بھی شرکت
کی دعوت دی گئی۔

دعوت نامہ میں تبدیلی

لیکن تازہ دعوت نامہ کی عبارت پچھلے دعوت نامہ سے بھی زیادہ ناقص تھی،
الفاظ سے ظاہر تھا کہ سلطان نہیں چاہتے تھے کہ تشکیل حکومت جہاز کا مسئلہ موتمر کے سامنے
آئے، موتمر کے اغراض و مقاصد میں صرف حریم شریفین اور ان کے ساکنین کی خدمت
اور حریمین کی مستقبل کے خطرات سے حفاظت اور حجاج و زائرین کے لیے وسائل راحت و
آسائش کی کثرت اور ہر ایک ذریعہ سے بلاد متحدہ کے ان حالات کی اصلاح تھی، جو
سب مسلمانوں کے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہوں، دعوت نامہ کے الفاظ حسب
ذیل تھے:-

صاحب السیادہ رئیس جمعیۃ الخدافۃ جمعیتی
خدمۃ للحرمین الشرفین و اہلہا فتامینا لمستقبلہما و

توفیراً الوسائل الراحة للعجاج والنزوار واصلحاً لحال البلاد المقدسة من سائر الوجوه التي تهتم المسلمین جميعاً ووفاء بوعدها وعهودنا التي قطعناها على انفسنا وميلادنا في تكاتف المسلمین و توادرهم في خدمة هذه الديار الطاهرة واثنا الوقت المناسب لانعقاد المؤتمر العلمی يمثل البلاد الاسلامیه والشعوب الاسلامیه يكون في عشرين ذیقعدة سنه ۱۳۲۲ وقد ارسلنا الدعوة لكل من يهمة امر الحرمین من المسلمین وملوكهم واملی ان مندوبی جلالتم بکونون حاضرین في التاريخ المحدثی الله يتولانا جميعاً بعنايته -

ملك الحجاز وسلطان نجد عبد العزيز -

صاحب السیادة رئیس جمعیت الخلافت البیتی

حرمین شریفین اور ان کے ساکنین کی خدمت اور حرمین کی مستقبل کے خطرات سے حفاظت اور حجاج وزائرین کے لیے وسائل راحت و آسائش کی کثرت اور ہر ایک ذریعہ سے بلاد مقدسہ کے ان حالات کی اصلاح جو سب مسلمانوں کے لیے غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں اور اپنے دھروں اور ان عہود کو جو ہم نے اپنے اوپر لازم کر لیے تھے، پورا کرنے اور ان دیارِ طاہرہ کی خدمت گزارمی میں تمام مسلمانوں کی شرکت اور باہمی معاونت و محبت کی خواہش رکھنے کی بنا پر ہم نے خیال کیا کہ مؤتمر عالم اسلامی کے انعقاد کے لیے جو تمام بلاد اسلامیہ اور شعوب اسلامیہ کی نمائندہ ہو، یہ وقت مناسب ہے؛ چنانچہ ۲۰ رزی قعدہ ۱۳۲۳ھ کو یہ مؤتمر منعقد ہوگی، ہم نے تمام ان مسلمانوں کو جن کو حرمین کے امور کے ساتھ تعلق ہے اور ملوک اسلام کو دعوت بھیج دی ہے، ہمیں امید ہے کہ آپ کے نمائندے تاریخ مقررہ پر مؤتمر میں موجود ہوں گے خدا

ہم سب کا اپنی مہربانی سے کارساز ہے۔

ملک انجھاز و سلطان نجد — عبد العزیز

موتمر کے اغراض و مقاصد اور اس کے اختیارات کو صاف کرنے کے لیے جمعیت علماء ہند نے سلطان کو تازہ بھیج کر دریافت کیا کہ موتمر تشکیل حکومت حجاز کے مسئلہ پر بھی غور کرے گی یا نہیں، جمعیت علماء کے تارکے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

عظمت السلطان ابن سعود کے دعوت نامہ کا جواب

عظمت السلطان عبد العزیز مکہ معظمہ

آپ کا تازہ پہنچا، دعوت کا شکریہ جمعیت العلماء اپنے مندوب بھیجنے کو تیار ہے، مگر جمعیت ادب کے ساتھ عرض کر دینا چاہتی ہے کہ اسلام کے مرکز کو ہمیشہ کے لیے وائس اجانب سے مامون کرنے اور تمام عالم اسلامی کو اس کی حفاظت کا ذمہ دار بنانے کے لیے تشکیل حکومت حجاز کا اہم مسئلہ زیر بحث آنا ضروری ہے۔ محمد کفایت اللہ اس کا جواب سلطان کی طرف سے حسب ذیل آیا۔

جمعیت علماء دہلی،

اخذت بروقتکم وانی اشکر کفر علی بنیانکم الذی یدل علی کمال عقلکم ووافر غیرتکم الدینیتہ ان البلاد المقدسة حمیہ یتھج وقلوب المسلمین وہی مصونة عن الدسائس بعناية الله وراعايته وما دنا قائمین فیہا بالحق سائرین فیہا وفق الشریعہ الحمیدیہ متجنبین فیہا سبیل الاھواء فان شافیہا سیکون عظیمًا ولا یصلح الاخر هذه الامة الا ما اصلم اولہا وفق الله اجمع الی ما فیہ الخیر۔

ملک انجھاز و سلطان نجد، عبد العزیز

(ترجمہ) مجھے آپ کا تازہ ملا، میں آپ کے مضمون کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جس سے

آپ کی انتہائی فہم اور دینی غیرت ظاہر ہوتی ہے۔

بلا و مقدسہ مسلمانوں کی جانوں اور دلوں کی حفاظت میں ہیں اور خدا کی عنایت لگھبانی سے وہ وسائل اجانب سے بھی محفوظ و مستون ہیں اور جب تک ہم ان میں حق کے ساتھ قائم ہیں اور ہماری رفتار شریعت محمدیہ کے موافق رہے اور ہم خواہشات نفسانیہ کے راستے سے بچے رہیں، تو ان بلا و مقدسہ کی حالت عظیم الشان ہو جائے گی، پر اس امت کے آخری دور کی اصلاح اس چیز کے بغیر نہیں ہو سکتی جس سے پہلے دور کی اصلاح ہوئی تھی، خدائے تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں کی توفیق دے جن میں خیر اور بھلائی ہو۔

س سے سلطان کا منشا اور بھی واضح ہو گیا، لیکن چونکہ مسلمانوں کے جملہ اجتماعی اور مذہبی مسائل اور بالخصوص ان مسائل کے بصورت احسن حل کرنے کا بہترین، بلکہ واحد ذریعہ جو ان کے مشترکہ مرکز عرب سے منطلق ہیں، بین الا سلامی موتمر ہو سکتی ہے، لہذا باوجود اس کے کہ دعوت نامہ میں نقص موجود تھے اور یہ معلوم نہ تھا کہ نیا بت کس اصول اور کس حساب سے ہوگی، جمعیت خلافت کی مجلس عاملہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۸ اپریل ۱۹۲۶ء بمقام دہلی میں موتمر کے دعوت نامہ کو قبول کیا اور ۲۰ اپریل کو مرکزی خلافت کمیٹی نے حسب ذیل حضرات کو منتخب کیا کہ وہ مسلمانان ہندوستان کے نمائندوں کی حیثیت سے موتمر میں شریک ہوں۔

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، رئیس

مولانا شوکت علی صاحب

مولانا محمد علی صاحب

شعیب قریشی صاحب (رکن و سیکرٹری)

چونکہ ابھی یہ طے نہیں ہوا تھا کہ موتمر میں مختلف ممالک اسلامی کی نمائندگی کس

اصول اور کس حساب سے ہوگی، نہ یہ ہی یقین کے ساتھ کہا جاسکتا تھا کہ کتنے ممالک
 موتمر میں شرکت کریں گے اور خلافت کمیٹی کے پیش نظر یہ تھا کہ تشکیل حکومت حجاز
 اہم مسئلہ جس پر تمام دنیا سے اسلام کی مستقبل، اخلاقی، اقتصادی، سیاسی اور اجتماعی تاریخ
 کا دار و مدار ہے، ناقص اور غیر نمائندہ موتمر کے سامنے فیصلہ کی غرض سے پیش نہ ہو
 تاکہ اس تاریخی غلطی کا دوبارہ اعادہ نہ ہو جس کا خمیازہ مسلمان آج تک بھگت رہے ہیں
 لہذا جمعیت عامہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۸ اپریل ۱۹۲۶ء بمقام دہلی میں ریزولوشن
 کے دو حصے کر دیے تھے۔

۱۱۔ کہ وفد ان تمام امور پر بحث و مباحثہ کرے، جن کا ذکر دعوت عامہ میں ہے۔
 ۲۔ لیکن تشکیل حکومت حجاز کا مسئلہ اگر موتمر میں پیش کیا جائے، تو اس میں شرکت
 سے انکار کرے، لیکن اس کو ہدایت کی گئی تھی کہ سلطان ابن سعود سے بیچ کے طور پر
 گفتگو کر لی جائے اور ہمارا نقطہ نگاہ ان کے روبرو پیش کر کے ان کو ہم خیال بنانے
 کی کوشش کی جائے۔

ریزولوشن کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

موتمر حجاز کے متعلق طے پایا کہ دعوت نامہ منظور کیا جائے اور جن اغراض و مقاصد
 کا ذکر اس میں کیا گیا ہے، اس پر بحث و مباحثہ و تبادلہ خیالات کیا جائے اور آئندہ
 تشکیل حکومت حجاز کے لیے انعقاد موتمر کی بابت سلطان ابن سعود سے گفتگو کی جائے
 اور تشکیل حکومت حجاز کا مسئلہ اس موتمر پیش ہوا، تو اس میں شرکت سے انکار کیا جائے
 مگر سلطان ابن سعود نے بیچ کے طور پر گفتگو کر لی جائے اور ہمارا نقطہ نگاہ ان کے روبرو
 پیش کر کے ان کو ہم خیال بنانے کی کوشش کی جائے۔

حجاز جا کر جب موتمر کے ایجنڈا کو دیکھا، جس میں البلاد و حکومتوں کی مدد سے
 اور تھی اور ان مندوبین کی تعداد کو دیکھا، جن کو سلطان نے خود مقرر کیا تھا، تو معلوم

ہوا کہ خلافت کمیٹی اگر یہ پیش بندی نہ کرتی، تو بڑی سخت غلطی کی ترکیب ہوتی۔
ریزولوشن کے حصہ دوم کے سلسلہ میں وفد نے سلطان سے تین مرتبہ گفتگو کی
جس کی تفصیل دوسری جگہ درج ہے، ان ملاقاتوں کے دوران میں سلطان نے جن
خیالات کا اظہار کیا، ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے وفد نے اس کو قبل از وقت اور
نامناسب خیال کیا کہ محض مسئلہ تشکیل حکومت جواز پر مزید تفصیلی گفتگو کرنے کے لیے سلطان
سے انٹرویو (ملاقات) کے لیے درخواست کرے۔

مؤتمر کے انعقاد کی تاریخ کا التوار

مؤتمر کے انعقاد کی تاریخ ابتداً ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۴۳ھ مطابق ۲ جون ۱۹۲۳ء
تھی، لیکن چونکہ مستقل ممالک اسلامی کے نمائندے نہیں آئے تھے، اس لیے تاریخ
انعقاد دو مرتبہ بدلتی پڑی، تاکہ ان ممالک کو شرکت کا موقع مل سکے۔
آخری التوار ۷ جون ۱۹۲۳ء کو کیا گیا تھا، لیکن جب ۷ جون تک بھی ان
ممالک کے نمائندے نہ آئے، تو اس دن مؤتمر کا افتتاح ہوا۔

ممالک اسلامی جو مؤتمر میں شریک ہوئے

ان کے دو حصے ہیں، ایک تو وہ جو قبل از حج شریک ہوئے، جن کے نام بعد ان
کے نمائندوں کے اسماء کے حسب ذیل ہیں :-

ہندوستان :- (۱) خلافت کمیٹی :-
مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، رئیس

مولانا شوکت علی صاحب

مولانا محمد علی صاحب

شعیب قریشی صاحب رکن و سیکرٹری

(۲) جمعیتہ العلماء ہند :- مولانا کفایت اللہ صاحب، رئیس

مولانا شبیر احمد صاحب

مولانا احمد سعید صاحب

مولانا عبدالمجید صاحب

مولانا ابوالمعارف محمد عرفان صاحب

(۳) جماعت اہلحدیث :- مولانا شام اللہ صاحب، رئیس

مولانا عبد الواحد غزنوی صاحب

مولانا اسماعیل غزنوی صاحب

مولوی حمید اللہ صاحب

کشاف الدین بن قوام الدین، رئیس

۲۔ روس :-

رضا الدین

مصالح الدین بن خلیل

عبد الواحد بن عبدالرؤف، مہدی

طاہر الیاس

موسیٰ جام اللہ

عبدالرحمن بن اسماعیل ریکرٹری

عمر سعید چوکروامی نوٹو

۳۔ جاوا :-

حاج منصور

شیخ محمد باقر

شیخ جنان طیب

سید امین المبینی، رئیس

۴۔ فلسطین :-

اسمعیل آفندی محافظ

عجاج آفندی نویسنده

الشیخ حسن الکی
شیخ بہجت البیطار { شام

عمود منج مارون

نامزد کرده سلطان

عبدالغنی عونی بک الکی
حسن آفندی الکی { بیروت

ابوالعزائم ماضی رئیس

سید کامل عثمان آفندی

سید محمد ابوالعزائم

مدرین ابراہیم
شیخ ابوالقاسم احمد باشم { نامزد کرده سلطان

توفیق شریف (شامی)

عبدالغزیز العتیقی (نجدی)

ابوزید (مصری)

عبدالشہین بلہید ، رئیس

حافظ دہبہ

عبداللہ دلوچی

شیخ محمد الخطیب

یوسف السین (شامی)

۵- بیروت و شام :-

۶- مصر :- جمعیت خلافت لوادی النيل :-

۷- سوڈان :-

۸- شام :-

۹- نجد :-

۱۰۔ حجاز:-

شرف شرف عدنان

عبداللہ شیبی

شیخ اسمعیل مبیریک

شرف ہزایم ابولبتین

سلیمان قابل .. سخت بن بنیان

سعود شیشہ ابراہیم عاج

محمد نصیب

محمد مغیرنی

شرف علی بن الحسین السحارنی

عبداللہ الفضل النجدی

عارف الاحمدی

جن حضرات کو سلطان نے ان کی ذاتی حیثیت سے بطور خاص مدعو کیا تھا۔

سید رشید رضا (مصری)

- ۱۱ -

عبدالظاہر

منصور محمود

عبدالسلام ہیکل

حصہ دوم میں وہ ممالک ہیں جو بعد حج موتمر میں شریک ہوئے، ان ممالک کے اور ان کے مندوبین کے نام حسب ذیل ہیں، ان میں سے اکثر کو ابتداً شرکت میں تامل تھا، لیکن ہندوستانی نمائندوں کے غلوس اور کارگزاری سے متاثر ہو کر شرکت پر آمادہ ہو گئے۔

ادیب ثروتی

ترکی :-

افغانستان :-	جنرل غلام حیلانی خاں
یمن :-	حسین بن عبدالقادر
عسیر :-	علامہ شنیفتی (اورسی)
مصر :-	علامہ زواہری
	مصیری بک
	امین توفیق

(نوٹ) مصری وفد کی آمد پر سوڈانی حضرات اور وادی نیل کی بحیثیت خلافت کے نمائندے واپس چلے گئے، لیکن ایران آخر تک شریک نہ ہوا۔ ہم کو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حکومت نجد کی جانب سے یہ کوشش کی گئی کہ انتخاب نمائندگی و تناسب کے اصول کو پس پست ڈال کر مؤتمر کو اپنے ہم خیالان و ہم نوا اشخاص سے بھر دیا جاتے، چنانچہ نجد کو ۵ جوازہ کو ۱۲، عسیر کو جس کے تین حصول میں سے صرف ایک حصہ سلطان ابن سعود کے ہاتھ میں ہے، تین اور سب کو خود سلطان نے نامزد کیا، صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ بعض حضرات کو جو سلطان کی ملکیت کے حامی تھے، انفرادی حیثیت سے مقرر کیا گیا اور ان کو راستے وغیرہ کے معاملہ میں وہی حقوق تھے، جو باقاعدہ منتخب شدہ ممبروں کو تھے، اس کے علاوہ بعض لوگوں میں تو سلطان نے ممالک غیر کی طرف سے جوان کے ماتحت بھی نہ تھے، نمائندوں کو مقرر کر دیئے، اس طرح ۵۹ نمائندوں میں سے جو حج سے پہلے مؤتمر میں شریک تھے، ۲۶ سلطان کے نامزد کردہ تھے، اس میں اگر ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کے چار نمائندوں کو شامل کر لیا جاتے، تو ۵۹ سرکار مؤتمر میں سے ۲۰ سکن ان بن سعود کی تقریباً ہر بات میں تائید کرنے والے تھے، یہ تناسب تو اس وقت ہوا، جبکہ بیرونی ممالک نے ایک ایک سے زیادہ نمائندے بھیجے، اگر وہ صرف ایک ہی ایک نمائندہ

بیٹھتے، تو موتمروں میں قلت و کثرت کے مسئلہ کی جو صورت ہوتی، ظاہر ہے۔

علاوہ اس کے شرکار کی رائے پر اثر ڈالنے کے لیے ان نازیبا طریقوں کے استعمال سے بھی اجتناب نہیں کیا گیا، جن کو کوئی صحیح الاصول و صحیح المسک پبلک کام کرنے والا روا نہیں رکھے گا۔

موتمر کو حامیوں سے بھرنے کے بعد خود سلطان نے اسی تشکیل حکومت کو داخل ایجنڈا کر دیا، جس کو وہ موتمر کے سامنے پیش کرنے کے روادار نہ تھے اور جس کو انہوں نے نہایت احتیاط اور اہتمام سے دعوت نامہ سے خارج کر دیا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر ہم نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ مسلمانان ہند ہرگز گوارا نہیں کر سکتے کہ تشکیل حکومت حجاز جیسا اہم مسئلہ اس وقت تک موتمر کے سامنے جب تک کہ موتمر میں نیابت کے اصول اور فیصلہ کے قواعد و ضوابط کے تحت موتمر کا اجلاس نہ ہو اور سلطان کی افتتاحی تقریر کے بعد ہی ہم نے انتخاب عہدہ داران کے مسئلہ کے پیش ہوتے ہی نیابت اور قلت و کثرت کے طے کرنے کے سوال اور اس کے ساتھ ساتھ موتمر کے قانون اساسی کے پورے مسئلہ کو اٹھایا، اس پر ایک سب کمیٹی معائنہ و شائق اور دوسری سب کمیٹی قانون اساسی بنانے کے لیے منتخب کی گئی اور ہمارے اعتراض و مخالفت کے باعث حکومت حجاز کا مسئلہ لے بھنڈا، اور نیز سلطان کی افتتاحی تقریر سے خارج کر دیا گیا۔

پہلی کمیٹی کے ممبروں کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) مولانا محمد عرفان صاحب

(۲) یوسف حسین صاحب

(۳) منصور صاحب

دوسری کمیٹی کے لیے حسب ذیل حضرات منتخب ہوئے۔

(۱) مولانا شوکت علی (ہندوستان)

(۲۱)	رضاء الدین	(روس)
(۲۲)	محمد امین احمینی	(فلسطین)
(۲۳)	حافظ وہبہ	(سنجد)
(۲۴)	مولانا کفایت اللہ	(جمعیت العلماء، ہندوستان)
(۲۵)	عبداللہ بن بلید	(سنجد)
(۲۶)	عمر سعید چوکر دامی نوتو	(جاوا)
(۲۷)	شرف شرف عدنان	(حجاز) رئیس موتمر
(۲۸)	شعیب قریشی	{ بطور معاون و مشیر
(۲۹)	عجاج نوبہض	
(۳۰)	منصور	

انتخاب عہدہ داران موتمر

لیکن انتخاب عہدہ داران قلت اور کثرت کے تعین کے مسئلہ کے طے ہونے
بغیر عمل میں آیا۔

صداق:-

ہم نے اس مصلحت سے کہ ترکی سب سے ممتاز اور بڑی اسلامی حکومت ہے
اور اس سے بھی زیادہ اس مصلحت سے کہ ترکوں اور عربوں کے قلوب سے گذشتہ
واقعات کی ناگوار تلخی دور ہو جائے اور باہم وگروں کو کام کویریں اور نیز اس بنا پر بھی کہ وہ
مجالس کے نظام و کارروائی کے طریقے سے بخوبی واقف ہیں، یہ تجویز پیش کی کہ ترکی
وفد کے رئیس کو موتمر کا صدر بنایا جائے، مولانا ثناء اللہ صاحب نے نمائندگان سنجد
کی تائید کے ساتھ اس کے خلاف شریف شرف عدنان پاشا کا نام پیش کیا اور عبدالواحد

غزنوی صاحب نے تحریک کی کہ سلطان ابن سعود صدر موتمر ہوں، راتے لیے جانے پر کثرت راتے سے شریف شرف عدنان رئیس منتخب ہوتے، نائب صدر کی جگہ کے لیے حسب ذیل اصحاب کے لیے راتے دی گئی اور مولوی سید سلیمان ندوی رئیس وفد الخلافہ اور رضا الدین رئیس وفد روسیہ نائب صدر منتخب ہوتے ناموں عام توفیق شریف صاحب مقرر ہوئے۔

موتمر کا قانون اساسی

لجنہ قانون اساسی نے جو قانون بنایا اور جس کو موتمر نے بالاتفاق منظور کیا، وہ بطور ضمیمہ شامل رپورٹ ہے، اس میں موتمر کے اغراض و مقاصد اور اس کے نظام وغیرہ کے متعلق جملہ امور بالتفصیل درج ہیں۔

جس وقت یہ قانون بنا اور منظور ہوا، اس وقت ترکی، افغانستان، یمن اور مصر کے نمائندے موجود نہ تھے؛ لہذا وہ اس کے متعلق بحث و مباحثہ میں شرکت نہ کر سکے، لیکن ان کی شرکت کے بعد ان کو قانون اساسی پر راتے وینے کا حق دیا گیا ہے اور ان کی راتے کو موتمر یقیناً نہایت وقعت اور اہمیت دے گی۔

لجنہ اقتراحیہ

مختلف اقتراحات پر غور کرنے اور ان کو ترتیب دینے کے لیے جو اعضاء موتمر میں پیش کرنا چاہتے تھے، موتمر نے طے کیا کہ ایک لجنہ "لجنہ اقتراحات" کے نام سے منتخب کی جائے، جس میں ہر ملک کے نمائندے ان اصولات کے حساب سے ہوں جو قانون اساسی کے ماتحت اس کو حاصل ہیں، اس لجنہ اقتراحیہ کے لیے ممبر حسب ذیل تھے۔

ہندوستان :- مولانا محمد علی، مولانا کفایت اللہ، مولانا ثناء اللہ، مولانا شبیر احمد
نجد :- عبداللہ بن بلہید، حافظ وہبہ، یوسف یسین۔

حجاز :- رئیس موتمر شریف شرف عدنان، حجاز کی بھی نیابت کرتے تھے۔
جاوا :- عمر سعید چوکر دامی نونو، حاج منصور

روس :- کثاف الدین، مصلح الدین۔

شام :- عبدالغنی عونئی بک الاعلیٰ

فلسطین :- سید امین الحدیدی

عسیر :- عبدالعزیز

مصر :- ابوالعزائم ماضی (حکومت مصر کے وفد آنے کے بعد علامہ زواہری ممبر ہوئے)

سوڈان :- مدثر بن ابراہیم (حکومت مصر کے وفد کے آنے کے بعد ان کی جگہ علامہ

زواہری ممبر ہوئے)

اس کے علاوہ عہدہ داران موتمر بحیثیت عہدہ داران اس کے ممبر

تھے، بعد حج حسب ذیل اصحاب کا اس میں اضافہ ہوا۔

ترکی :- اویب ثروت بک۔

افغانستان :- جنرل غلام جیلانی خاں

بمب :- حسین بن عبدالقادر

مصر :- علامہ زواہری

ان کی شرکت کے بعد سوڈان اور مصر کے دوسرے نمائندے بختہ سے خارج

ہو گئے۔

بختہ کے انتخاب کے بعد موتمر کا باقاعدہ کام شروع ہو گیا، سب سے اہم اتر اتر

کام تیار کرنا تھا، جو اتر اتر ہماری طرف سے پیش ہوتے، ان کی تفصیل لگے پیش

کی جائے گی، اس سلسلہ میں ہم کو دوسرے اسلامی ممالک کے نمائندوں سے بکثرت ملنے کا، اور ان سے تبادلاً خیالات کا موقع ملا اور باوجود ان کوششوں کے جو مختلف ممالک کے نمائندوں میں اتفاق رائے اور اتحاد عمل کو روکنے کی جاری تھیں۔ اسپین میں نہایت مخلصانہ تعلقات اور مفید خوشگوار موثر اور آئندہ کے لیے امید افزا اتفاق رائے اور اتحاد عمل قائم کرنے میں کامیابی ہوئی، اس میں ہم کو ہمسائے بھائیوں کے خلوص، جوش، حب مذہب و ملت و دانشمندی سے بہت مدد ملی۔

لیکن کمیٹی کو خوشی ہوئی چاہیے کہ اس کے نمائندے اپنے صحیح اصول کی پابندی اعتدال، صلح جو رویہ اور بے غرضی سے ممالک اسلامی کے ان مختلف عناصر کو ایک نکتہ پر لانے میں کامیاب ہوئے۔

ہمارا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ شکر کاہ موتمر کی گرانمایہ خدمات کی کم قدری کریں، نہ ہم ناگوار امتیاز کرنا چاہتے ہیں، لیکن یہ محض اظہار واقعہ ہے کہ موتمر کے تمام اہم اور دقیق قرار و ادول میں سے بیشتر نمائندگان جمعیت العلماء اور جمعۃ الخلافۃ کی تھیں، موتمر کی کارروائی میں ہندوستان نے نہایت نمایاں اور ممتاز حصہ لیا اور یہی وجہ تھی کہ مختلف انجیال نمائندگان موتمر نے بھی موتمر کی کارروائی کے اختتام پر اجلاس عام میں اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے نمائندگان ہند کی تعریف کی۔

اس جگہ ہم کو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ فتنہ اقتراحیہ اور موتمر کی کارروائی دونوں میں نمائندگان نجد کا رویہ جو حکومت نجد کے اعلیٰ حکام اور نامزد شدہ ممبر تھے، نہایت افسوسناک تھا، جب کبھی کوئی ایسا اقتراح پیش کیا گیا جس کو ان کی حکومت نہیں چاہتی تھی، تو انہوں نے اس کو خارج رکھنے میں کسی ذریعہ کے استعمال کرنے میں چاہے وہ جائز ہو یا ناجائز عندہ کیا، چنانچہ ناثر و مقابریہ کے متعلق ریزولوشن نجد تو اقتراح میں بھی پیش ہو گئے اور موتمر میں بھی، لیکن موتمر کے آخری

دن اور کوئی اقتراح باقی نہ رہا کہ پیش ہو، لیکن وہ اقتراح پیش نہ کیا گیا، نمائندگان
سجد کی برابر کوشش جاری رہی کہ اس ریزولوشن کو ٹال دیا جاتے، حتیٰ کہ جب
ہماری طرف سے احتجاج کیا گیا، تو ان حضرات نے صاف کہہ دیا کہ اس سے فتنہ
فساد پیدا ہوگا، اس کو پیش نہیں ہونا چاہیے، لیکن جب صورت نازک ہو گئی اور دوسرے
ممالک کے نمائندوں نے بھی سختی سے اعتراض کیا اور ہماری تائید کی تو بالآخر طوعاً
کرہاً پیش کیا گیا اور یہ برتاؤ تنہا اس ریزولوشن کے ساتھ نہیں کیا گیا۔

اب ہم ان تجاویز کو دیتے ہیں، جن کو ہماری طرف سے موتمر میں پیش کیا گیا،
ان تجاویز کی عبارت طے کرنے میں ہم کو مختلف الخیال شرکار موتمر کا لحاظ رکھنا پڑا،
لہذا یہ الفاظ وہ ہیں، جن پر ہم مختلف ممالک کے نمائندوں کو جمع کر سکے، ان تجاویز
کے مرتب کرنے میں ہم نے الفاظ اور زبان پر اصرار کو چھوڑ کر صرف مطلب کا لحاظ
رکھا اور اصول کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔

وہ تجاویز جو ہماری طرف سے پیش ہوئیں اور موتمر نے قبول کیں۔

نوٹ:۔ ریزولوشن کی اصلی عبارت جو بعد ترمیم وغیرہ موتمر نے قبول کی،
منگائے متعلق متعدد مرتبہ رئیس موتمر صاحب سے درخواست کی گئی، لیکن اب
تک دستیاب نہ ہو سکی، لہذا صرف ان ریزولوشن کی عبارت دی جاتی ہے،
جو موجود ہے۔

(۱) آثار و مقابہ

اوجوان یقررالموتمر مایلی

(۱) ان یعاد بناء المآثرانی اقرب وقت ممکن

(۲) ان القبور التي هدمت تبرک امرأ عا دة بناؤها وشکل ذلك الی

لجنة من علماء المذاهب السنية والشيعية فهذا اللجنة تنظ في ذلك

دائمون دائرہا نہایتا۔

محرف :- مولانا شوکت علی

مؤید :- شعیب قریشی

(ترجمہ) مجھے امید ہے کہ موثر حسب ذیل تجاویز منظور کرے گی :-

(۱) حتی المقدور بہت جلد ماثر منہدم کو بنا دیا جائے۔

(۲) جو قبریں گرائی نہیں گئی ہیں، ان کی تعمیر اور ان کی ہیئت ایک کمیٹی پر جوستی

شیعہ علماء سے مرکب ہو چھوڑ دی جائے، یہی کمیٹی اس مسئلہ پر انتہائی غور سے کام

کرے گی اور اس کا فیصلہ آخری ہوگا۔

محرف :- مولانا شوکت علی

مؤید :- شعیب قریشی

(۲) حرام میں امامت چاروں مذاہب کے امام باری باری سے کریں۔

محرف :- شعیب قریشی

مؤید :- مولانا محمد علی

(۳) جزیرۃ العرب میں غیر مسلموں کو اقتصادی امتیازات نہ دے جائیں۔

محرف :- شعیب قریشی

مؤید :- مولانا محمد علی

ان بلا و مقدرہ میں غیر اسلامی مداخلت کا سدباب کرنے کے لیے یہ موثر فری

سمجھتی ہے کہ جہاز میں غیر مسلموں کو کسی قسم کے اقتصادی امتیازات عطا نہ کیے جائیں

اور ہر اسلامی کپنی سے بھی معاہدہ کرتے وقت ان دو دفعات کا اضافہ کیا جائے۔

الف جب فریقین معاہدہ میں اقبالیات ہو، تو فریقین کو عدالت جہاز کی طرف

رجوع کرنا ہوگا اور وہ اس کے فیصلہ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے۔

(ب) کمپنی کے حصہ داران کو اجازت نہ ہوگی کہ وہ اپنے حصے غیر مسلموں کے ہاتھ فروخت کریں۔
محکمہ: شعیب قریشی

مؤید: مولانا محمد علی

(۴) السداد غلامی محکمہ: مولانا کفایت اللہ و شعیب قریشی

مؤید: موسیٰ جار اللہ

۵: جدہ، مکہ، عرفات کے درمیان سڑک بننا چاہیے

حجاز میں ریلوے لائن کی تعمیر کا جو فیصلہ ہم نے کیا ہے، اس کی تکمیل کے واسطے برسر کی کوشش اور کثیر مال درکار ہے، اس لیے ہمیں چاہیے کہ بتدریج اس کام کو شروع کر دیں۔ اس سلسلہ میں حکومت حجاز کا اولین فرض ہے کہ وہ جدہ سے مکہ اور مکہ سے مدینہ اور عرفات تک سڑکیں ہموار کرانے کا کام شروع کر دے، تاکہ ان پر موٹر اور گاڑیاں چل سکیں۔ نیز جن مقامات پر قافلے اترتے ہیں، وہاں سرائیں بنوانے اور ضروری آرام و آسائش کے سامان مہیا کرے، یہ چھوٹا سا کام اس بڑے کام کی تمہید ہوگا، جو حج کے راستوں میں ریلوے لائن تعمیر کرانے کے لیے ہمارے پیش نظر ہے اس کے لیے مدت تک انتظار کرنا ناگزیر ہے۔

محکمہ: مولانا شوکت علی

مؤید: مولانا سلیمان ندوی

محکمہ: شعیب قریشی

(۶) تبلیغ اسلام

مؤید: مولانا محمد علی

(۷) ہر ممبر اپنی زبان میں رزلوشن پیش کر سکتا ہے۔

محکمہ: شعیب قریشی

مؤید: مولانا محمد عرفان

(۸) آزادی مذہب - محرک - مولانا کفایت اللہ

مؤید - مولانا محمد علی

وہ تجاویز جو پیش کی گئیں اور براہ راست لجنہ اتراحیہ کی طرف سے سلطان کو بغرض اطلاع بھیج دی گئیں -

(۱۱) مطاف و مسعیہ - محرک - شعیب قریشی

مؤید - مولانا عرفان

وہ تجاویز جو موتمر میں پیش کی گئیں، لیکن منظور نہ ہوئیں -

۱۱ ا قتل مومن کے خلاف -

بما ان الله تعالى قال في كتابه ومن يقتل مؤمنا متعمداً فجزاءه جهنم خالداً فيها وغضب الله عليه ولعنه واعد له عذاباً عظيماً - وقال صلعم لا ترجعوا بعدى كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض وقال صلعم من اشار الى احيه بمجديده لعنتها الملائكة وقال صلعم سباب المسلم فسق وقتال كفر وقال صلعم كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه وقال صلعم ان دماركم واموالكم واعراضكم حرام عليكم كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا وبلدكم هذا يطلب الموتى من كل مسلم يوم من بالله ورسوله واليو الاخوان يحرم على نفسه دفاع المسلمين واموالهم واعراضهم وان يجعل قوله صلى الله عليه وسلم مثل المؤمنين في تراحهم وتوادهم وتعاطفهم كمثل جسد اذا اشتكى به منه كلة نصب عينيه كل حين وآن -

اللہ تعالیٰ نے اپنی (مقدس) کتاب میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص قصداً کسی

سہ طواف سعی کرنے سے کوئی کسی مسلمان کو کسی وقت روک نہیں سکتا - ۱۲

مسلمان کو قتل کرے۔ اس کی جزا جہنم ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اس پر خدا کا غضب اور پھٹکان ہوگی اور اس کے لیے بڑا عذاب مقرر کر رکھا ہے۔“

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد تم لوگ کافر مت بن جانا، (اس طرح) ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو قتل کرے اور فرمایا آپ نے جو شخص لوہے سے اپنے بھائی کی طرف اشارہ کرتا ہے، ملائکہ اس پر لعنت کرتے ہیں اور فرمایا آپ نے مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس کا قتل کرنا کفر ہے اور فرمایا آپ نے ہر مسلمان کا خون مال اور آبرو، دوسرے پر حرام ہے اور فرمایا آپ نے کہ تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری آبرو تم لوگوں پر حرام ہیں، جس طرح آج کے دن اس مہینے اور اس شہر میں حرام ہے، لہذا مومن ہر مسلمان سے جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنا ہے، درخواست کرتی ہے کہ دیگر مسلمانوں کا خون، مال و متاع اور آبرو اپنے لئے حرام سمجھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو کہ مومن کی مثال (باہمی محبت و مودت میں) ایک جسم کی طرح ہے۔ ہر آن اور ہر وقت اپنا نصب العین بنائے۔

نورک :- شعیب قریشی

مؤید :- مولانا محمد علی

چونکہ اس مسئلہ کا ذکر دعوتِ نامہ میں نہ تھا اور ان کی حکومتوں کی طرف سے ان کو اس بارہ میں کوئی ہدایت نہ دی گئی تھی۔ اس لیے ترک، افغان، یمنی اور مصری نمائندوں نے اس مسئلہ میں رائے دینے سے احتراز کیا۔

(۲) معاہداتِ مابین حجاز و دہل غیر بغرض اطلاع پیش کئے جائیں۔

اقتراح ان بوجہ المومنین حجاز و دہل غیر بغرض اطلاع پیش کئے جائیں۔
نسخة من كل الاوراق الرسمية التي تتعلق باي علاقة وانشاهاً
الحكومت الحالية او السابقة مع الحكومات الاخرى ادا كانت قد

انشاء شئی من ذلك فتشيع -

محرک :- مولانا محمد علی

مؤید :- مولانا شوکت علی

(ترجمہ) میں تجویز پیش کرتا ہوں کہ موتمر، حکومتِ حجاز سے درخواست کرے کہ معاہدات کاغذات رسمی جن کا کسی علاقہ سے تعلق ہو اور جسے حکومت موجودہ یا سابقہ نے دیگر حکومتوں کے ساتھ قائم کیا ہو اگر اسے دستیاب ہوں، تو اسے شائع کرے۔

محرک :- مولانا محمد علی

مؤید :- مولانا شوکت علی

انمائندگان حکومت نجد نے اس کو سیاسی مداخلت قرار دیکر ان دستاویزات کے پیش کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ یہ معاملہ موتمر میں پیش نہیں ہو سکتا۔

وہ تجاویز جو بلجوزہ افراسیاب نے نامنظور کر دیں

(۱) حجاز میں قناصل مسلمان ہونے چاہئیں۔

ازہ رعاية لوصية النبي صلى الله عليه وسلم الى ارضى بھا وهو
على فراش الموت - يعلن هذا المؤتمر ان المسلمين لا يرضون بان
تقسيم غير المسلمين في الارض المقدسة الحجازية ولھذا يوجب المؤتمر
من الحكومات الاجنبية التي تريد ان يكون لها قناصل في الحجاز ان
تختار هؤلاء القناصل من المسلمين -

(ترجمہ) : سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق جس کی آپ نے الے
وقت میں وصیت کی تھی، جبکہ بسترِصال پر آرام فرما رہے تھے، یہ موتمر اعلان کرتی ہے
کہ حجاز کے مقدس مقامات میں غیر مسلم لوگوں کی سکونت کو مسلمان پسند نہیں کرتے

اور اس لئے موتمران حکومت اجنبیہ سے جو حجاز میں قناصل رکھنا چاہتی ہیں امید کرتی ہے کہ قناصل مسلمان منتخب کیے جائیں۔

محرک:- مولانا محمد علی

موید:- مولانا شوکت علی

(۲) آزادی جزیرہ العرب - محرک:- نمائندگان جمعیتہ العلماء ہند -

موید:- جمعیتہ الخلفائے ہند، فلسطین و شام -

اس کے علاوہ ذیل کی وہ تجاویز ہیں جو اوروں کی طرف سے پیش ہوئیں، لیکن ہم نے ان کی تائید یا ترمیم کی -

(۱) اصلاح احوال صحیہ

(۲) حجاز ریلوے کی واپسی

(۳) قربانی کے ذبح کے متعلق

(۴) جدہ دکنہ اور نکتہ مدینہ کے درمیان ریلوے لائن بنانے کے متعلق

(۵) عصبہ و معادن کی واپسی کے متعلق -

۱۱ حکومت نجد کے نمائندوں نے حجاز میں ہتھیار لگانے کے خلاف تجویز پیش کی، لیکن چونکہ اس کا نفاذ صرف غیر نجدیوں کے خلاف ہی ہوتا اور چونکہ ایسی صورت میں مسلمان ادائیگی فریضہ جہاد کے لیے آمادہ و مستعد نہ رہ سکتے تھے، لہذا ہم نے مخالفت کی، بالآخر تجویز نامنظور ہوئی -

(۲) یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ ریلوے لائن کی تعمیر اور تدارک سہولت کی تکمیل کے لیے

حجاج سے (۱) بندرگاہ جدہ پر اترتے ہی ۲۰ قروش اور لیے جائیں (۲) اونٹ، موٹر اور چھپرہ خرید ٹیکس کے نام سے روپیہ لیا جائے (۳) منیٰ میں ہر قربانی پر دس قروش وصول کیے جائیں - ہم نے کہا کہ ان تمام کاموں کے لیے جو کچھ لیا جائے برضا مندی

بطور چندہ صاحب استطاعت سے لیا جاتے، جبریہ ٹیکس کی صورت میں جو ادائیگی و فیضہ میں دشواری پیدا کئے نہ لیا جاتے، ہماری مخالفت پر تجویز نامنظور ہوئی۔

نئے قوانین کی رو سے، چونکہ ناموس عام (جنرل سیکرٹری) اور لجنہ تنقیدیہ کے انتخاب موتمر کے آخری دن ہونا چاہئیں، لہذا ۱۵ جولائی کو ان عہدہ داران کے انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا، مگر چونکہ بروقت بلا مزید مشورہ اور تلاش کے ایسے اہم عہدوں کے واسطے نام پیش نہیں کیے جاسکتے تھے، لہذا اس کارروائی کو تین ہینے کے لیے ملتوی کیا گیا اور صرف یہ طے کیا گیا کہ لجنہ تنقیدیہ کے ممبروں میں ایک ترک، ایک مصری، ایک ہندوستانی، ایک حجازی، ایک نجدی اور ایک شام اور فلسطین سے ہوگا اور ہر ملک والے اپنے اپنے نمائندے کو نامزد کر کے بھیج دیں گے، ناموس عام کے لیے دو نام پیش کیے گئے تھے، ایک امیر شکیب ارسلان کا اور دوسرا شیخ عبدالعزیز شادیش کا، لیکن ان کے استمزاج کے بغیر اس کا فیصلہ ناممکن تھا، لہذا اس مسئلہ کو بھی ملتوی رکھا گیا، اس طرح موتمر کی کارروائی ختم ہو گئی۔

موتمر ہر سال ہونی چاہیے

یہ وہ باتیں ہیں جو قدیم اور بڑی سے بڑی جماعتوں میں موجود ہیں، موتمر کا یہ پہلا ہی سال تھا اور انشاء اللہ رفتہ رفتہ ان تمام نقائص کا ازالہ ہو جائے گا، ان کی وجہ سے موتمر کی اہمیت کم نہیں ہو سکتی اور نہ اس کی دلچسپی میں کمی ہونی چاہیے۔

موتمر کا ہر سال ہونا ضروری ہے، اس واسطے کہ جیسا ہم شروع میں کہہ چکے ہیں۔ مسلمانوں کے تمام اجتماعی و مذہبی مشکلات اور خاص کر حجاز کے مسائل کے حل اور اتحاد عرب کے حصول کا واحد ذریعہ موتمر ہے۔

ہم کو چاہیے کہ لجنہ تنقیدیہ کو جلد سے جلد قائم کر کے اس کو حقیقی الامکان قوی اور

مستحکم بنانے کی کوشش کریں، تاکہ وہ مسلمانوں کی خواہشات کے پورا کرنے اور مناد اسلامی کی حفاظت و نگرانی کا موثر و کارگر آلہ ہو جائے۔

یہ رپورٹ ناقص ہے گی اگر ہم اپنے ان بھائیوں کی محبت و خلوص اور مفید مشورہ اور مدد کا شکر یہ ادا نہ کریں، جو ترکی، افغانستان، مصر، یمن، جاوہ، روس، شام، فلسطین اور سوڈان وغیرہ سے اپنے اپنے ممالک کے نمائندے ہو کر آئے تھے، ان سب میں امتیاز کرنا دشوار ہے، لیکن سید امین الحسینی رئیس الوفد فلسطین اور ایشیخ عجاج زویہیض کاتب الوفد فلسطین کا خاص طور پر شکر یہ ادا کرنا چاہتے ہیں، اول الذکر نے اپنی تدبیر اور اثر سے متعدد مرتبہ پیچیدہ سے پیچیدہ گفتنیوں کو سلجھایا اور بہت سے نازک مسائل کو بحسن و خوبی طے کرانے میں مدد دی، مؤخر الذکر اگر نہ ہوتے اور اپنی ہر ادا نہ محنت اور خلوص سے اپنی غیر معمولی لغت عربی و انگریزی کی واقفیت کو ہمارے لیے وقف کر کے ہماری ترجمانی کی زحمت گوارا نہ کرتے تو ہم اس موثر طریقہ سے مسلمانان ہندوستان کے جذبات اور مطالبات کی ترجمانی کرنے سے قاصر رہتے، کیونکہ اردو سے عربی میں ترجمہ کرنے کے لیے کسی اہل زبان کا ملنا دشوار تھا اور ارکان موتمر میں سے دونوں زبان کے جاننے والے خود بحث و مباحثہ میں حصہ لے رہے تھے، جس کی وجہ سے ان پر یہ بار نہ ڈالا جاسکتا تھا۔

ہم کو افسوس ہے کہ ہم کمیٹی اور سبک کو وفد کی کوششوں اور موتمر کی کارروائی سے وقتاً فوقتاً جیسا چاہیے تھا آگاہ نہ کر سکے، لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت نجد نے یہ عذر کر کے کہ تارلسان رمزئی (کوڈ) میں ہیں، ان کے بھجنے سے انکار کر دیا، حالانکہ کوڈ کی کتاب اور تار کے معمولی زبان میں معنی تار کے ہمراہ بھیجے جانے تھے اور اس سے پہلے اسی کوڈ میں وہی دفتر ہمارا تار ایک بھیج چکا تھا۔

اس حکم کی اصلی وجہ یہ تھی کہ حکومت نجد نہیں چاہتی تھی کہ موتمر کی وہ کارروائی جو

اُسے ناپسند ہو، یا کوئی اطلاع جو اس کے خلاف ہو بیرونی دنیا کو بھیجی جاتے اور حتیٰ المقدور اس کو روکنے کی آخر تک کوشش کرتی رہی۔ اسی غرض سے ہماری خط و کتابت پر بھی سنسر مقرر کیا گیا تھا جس کی ہم کو نہایت معتبر ذریعہ سے خبر ملی تھی۔

سلطان ابن سعود سے ملاقات

عین اس وقت خبر جو ہم کو ملی، وہ یہ تھی کہ مدینہ منورہ میں جنت البقیع کے مزارات کے قبے گرا دیے گئے، اس خبر نے ہم لوگوں پر ایک بجلی سی گری، ساحل پر اتر کر جدہ میں اس خبر کی پوری توثیق ہو گئی، جہاں پر حکومت کی طرف سے جدہ کے حکام اور اعیان نے ہمارا استقبال کیا اور شیخ محمد نصیب کے گھر ہم کو مہمان اتارا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹیلیفون پر مکہ سے سلطان نے ہم کو خوش آمدید کہا۔ ہم نے رسما ان کی عیادت و مہربانی کا شکریہ ادا کیا اور دوسرے دن مکہ معظمہ میں سلطان سے ہماری پہلی سرکاری ملاقات ۲۷ مئی ۱۹۲۶ء کو ہوئی۔ ملاقات اور جمعیت العلماء کے ارکان سب ساتھ مل کر گئے، اس ملاقات میں زیادہ تر رسمی طور پر سے باہمی سلام و تہنیت اور مزاج پرسی ہوتی رہی اور رئیس وفد نے ہماری طرف سے ان کی عنایتوں اور مہربانیوں کا شکریہ ادا کیا اور حجاز کے معاملات کے لیے موتمر کے انعقاد کی تحسین کی اور اس کی اہمیت جتاتی، مولانا شوکت علی صاحب نے موقع سے یہ کہا کہ حجاز کے معاملہ میں سب سے اہم یہ ہے کہ غیروں کو اس میں مداخلت کا موقع نہ دیا جائے اور اس ملک کو دوسروں کے نفوذ اور اقتدار سے پرچیت سے محفوظ رکھا جائے، یہ تمام دنیائے اسلام کی دولت ہے اور یہ تنہا کسی کی ملک نہیں، اسی سلسلہ میں کہا کہ ممکن ہے کہ آپ ہر چیز پر ہم سے بہتر علم رکھتے ہوں، لیکن ایک چیز آپ سے بہتر جانتے ہیں، یعنی غیروں کو ہم آپ سے بہتر جانتے ہیں، کیونکہ ڈیڑھ سو برس سے ہم کو

ان کا تجربہ ہے، سلطان نے کہا کہ ہم نے اپنی حکومت کے لیے دو اصول ایسے مقرر کیے ہیں جو ہمیشہ کے لیے ناقابل تبدیل ہیں، ایک یہ کہ ہمارا مرجع کتاب سنت کا فیصلہ ہوگا، دوسرا یہ کہ ہماری حکومت میں اجنبی کی مداخلت کسی حالت میں گوارا نہ ہو گی، مولانا محمد علی صاحب نے کہا کہ دو امور آپ کے ذہن نشین ہو جانے چاہئیں، ایک یہ کہ ہم مشرک نہیں اور کتاب و سنت پر ہمارا بھی ایمان ہے، دوسرا یہ کہ حجاز تمام مسلمانوں کا ہے، اس لیے ہم یہاں اجنبی نہیں اور حجاز کی خدمت کرنا ہمارا شعار ہوگا۔ مولانا سید سلیمان صاحب نے سلطان کو مخاطب کر کے کہا کہ دنیا میں کون ایسا مسلمان ہے، جس کو کتاب و سنت سے اعراض ہو، جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے تمام مختلف اسلامی فرقے ان کو یکساں تسلیم کرتے ہیں اور ان کو قبول کرتے ہیں، بحث جو کچھ ہے وہ ان کے معنی میں ہے، ہر فرقہ اس کا مدعی ہے کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق ہے، کوئی ایسا فرقہ بھی ہے، جو یہ کہتا ہو کہ ہم کتاب و سنت سے رد گردان ہیں اور کسی حکم کو کتاب و سنت کے مطابق سمجھتے ہوتے بھی ہم اس کی مخالفت کرتے ہیں، بلکہ اختلاف خود تائید اور تفسیر میں ہے، یا احادیث کی تضعیف و توثیق میں ہے یا دلائل کی قوت و ضعف میں ہے اور یہ اختلاف نیا نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ کا ہے، اس لیے یہ مناسب نہیں کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو دلائل کے بجائے قوت کے زور سے اپنے مسائل تسلیم کرانے، خود اہل سنت میں مختلف فرقے ہیں اور ان میں آراء و مسائل کا بھی اختلاف ہے، اس لیے یہ موقع نہیں کہ ہم اس موجودہ کش مکش کے زمانہ میں ان مسائل کو چھیڑیں، اس وقت ہم کو ضرورت ہے کہ کفر کے مقابلہ میں تمام اسلامی فرقوں کو یکجا کریں، نہ یہ کہ ان باہمی اختلافات کو زیادہ بڑھائیں، اسی سلسلہ میں مولانا شبیر احمد صاحب رکن جمعیت العلماء نے فرمایا کہ تائید و تفسیر کے اختلافات موجود ہیں اور اس کی مثالیں دیں اور فقہی حیثیت سے یہ تفصیل بھی پیش کی کہ کن

امور میں شرک اور کفر کا فتویٰ دینا چاہیے اور کن میں نہیں، پھر مولانا کفایت اللہ صاحب صدر وند جمعیت العلماء نے آخر میں سلطان کا شکریہ ادا کیا اور اتحاد و محبت کا پیام دیا۔ آخر میں سلطان نے کہا کہ بہتر ہو کہ ان امور میں آپ ہمارے یہاں کے علماء سے گفتگو کر لیجئے، میں منفذ ہوں، مفتی نہیں، ہمارے علماء قرآن و حدیث کے مطابق جو فیصلہ کرتے ہیں۔ میں ان کو نافذ کر دیتا ہوں۔ اسی گفتگو پر ہماری پہلی ملاقات ختم ہوئی۔

دوسری ملاقات

ہم نے اپنی پہلی ملاقات کو اس بنا پر کہ اس میں شرکار کی کثرت تھی اور دیگر حجازی اور نجدی حضرات و مشیران کا موجود تھے، اظہار مطلب کے لیے کافی نہیں سمجھا اس لیے دوسرے دن ان سے تنہائی کی ملاقات کی خواہش کی اور سلطان نے اس کا موقع دیا بنا بریں سید سلیمان ندوی صاحب و مولانا شوکت علی صاحب، مولانا محمد علی صاحب اور مولانا کفایت اللہ صاحب ۲۸ مئی ۱۹۲۴ء کی صبح کو سلطان سے ملنے گئے، آج وند کے ارکان نے نہایت صفائی سے اپنے خیالات پیش کیے اور مجلس خلافت کی تجاویز کا ذکر کیا، سلطان کے وعدے یاد دلانے، خصوصیت کے ساتھ شوکت علی صاحب کے اتحاد اسلامی اور حجاز کے مشترک حرم کے ساتھ ونبائے اسلام کے تعلقات کا ذکر کیا اور کہا کہ اس وقت ضرورت ہے کہ تمام مسلمان متحد و متفق ہوں، نہ یہ کہ ان میں مذہبی اختلاف پیدا کیا جائے، آپ نے قبوں، آثار اور مزارات کے انہدام کا جو طرز عمل اختیار کیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمام مسلمانوں میں نئے سرے سے عقائد کی خانہ جنگی شروع ہو جائے گی، ہم نے بڑی مشکلوں سے اپنے ملک میں ان خانہ جنگیوں کا خاتمہ کیا ہے اور تمام اسلامی فرقوں کو ملا کر ایک

متحدہ صف قائم کی ہے، لیکن اس طرزِ عمل سے جو آپ اختیار کر رہے ہیں، ہماری توہین دوبارہ منتشر اور پراگندہ ہو جائیں گی اور تمام دنیا سے اسلام خانہ جنگیوں کی دوسری مصیبت میں گرفتار ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں یہ ملک تمام مسلمانوں کا مشترکہ حرم ہے۔ یہاں کوئی اسلامی فرقہ اس بات کا حق نہیں رکھنا کہ وہ صرف اپنے خیال کے مطابق اس حرم اور آثارِ مبارکہ اور مقابر و مشاہد میں ایسا تصرف کرے، جو دوسرے فرقوں کے نزدیک صحیح نہیں۔ ہم کسی صورت میں یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ مذہب اسلام کے اہم مسائل کا فیصلہ صرف نجد کے چند علماء کے ہاتھوں میں دیدیں ہم نے شکایت کیا کہ مدینہ منورہ کے مقابر و آثار کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ موتمر اسلامی کے فیصلہ کے بغیر اس کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی، لیکن یہ کس قدر تعجب انگیز ہے کہ اس کی خلاف ورزی کی گئی اور دنیا سے اسلام کی خواہش کے برخلاف اس کے استصواب کے بغیر ان کو منہدم کر دیا گیا، سلطان نے کہا کہ آپ نے جو کچھ کہا وہ صحیح ہے اور میں بھی دل سے یہی چاہتا تھا، لیکن مشکل یہ ہے کہ آپ لوگ ہماری قوم سے واقف نہیں ہیں، ہماری قوم کے متعصب قبائل نے ہم کو دھکی دے کر لکھا کہ ہم نے حجاز میں جہاد اس لیے کیا تھا اور جان و مال اس لیے قربان کیا تھا کہ کتابِ سنت کو قائم کیا جائے اور مراسمِ شرک کا استیصال ہو، اس لیے جلد از جلد ان قبوں اور عمارتوں کو منہدم کر دیا جلتے، ورنہ ہم اگر ان کو اپنے ہاتھوں سے گرا دیں گے، اب ہمارے لیے وہی چارہ کار تھے۔ ایک یہ کہ ہم ان کو بزورِ روکیں اور دوسرے یہ کہ ہم ان کو خود اس کی اجازت دے دیں، پہلی صورت میں ایک خانہ جنگی پیدا تھی، دوسری صورت میں فتنہ و فساد پیدا ہوتا، اہل مدینہ کو تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا اور شاید دیگر عمارتوں کو صدمہ پہنچتا، پھر ہم نے یہ دیکھا کہ ان کا مطالبہ غیر شرعی نہیں ہے، بلکہ جو کچھ وہ چاہتے ہیں، وہ خدا اور رسول کے حکم کے مطابق ہے اور کتاب و سنت

کے عین موافق ہے۔ اس بنا پر میں نے قاضی القضاة سے خواہش کی کہ وہ خود مدینہ جا کر اس کام کو انجام دیں اور جو چیز خدا و رسول کے حکم کے مطابق ہے، اس میں کسی مسلمان کو اختلاف نہ ہونا چاہیے، مولانا محمد علی صاحب نے سلطان کی توجہ دنیا کی موجودہ حالت کی طرف مبذول کرائی اور کفار کی طاقت اور مسلمانوں کی کمزوری کا دردناک مرقع کھینچا اور پھر عالم اسلام کے اس حصہ کی آرزوؤں اور امیدوں کو ظاہر کیا جو بحمد اللہ پیدار ہو چکا تھا۔ ان مسلمانوں کی بار بار امیدیں بندھیں، لیکن ایک بار بھی پوری نہ ہوئیں شب میں ان کی آنکھیں نہایت بے تابی اور بے صبری سے ایک شعاع امید کی متلاشی تھیں، بار بار صبح کاذب نے انہیں دھوکا دیا، مگر صبح صادق نمودار نہ ہوئی، آخری بار ان کی نظر خود سلطان پر پڑی اور ان کی امیدیں سلطان کی ذات سے وابستہ ہو گئیں، وہ سلطان سے بڑی بڑی توقعات رکھتے تھے اور سلطان کے متعلق ان کے دل میں بڑی بڑی تمنائیں اور آرزوئیں تھیں اور وہ سلطان کو ملک الحجاز کے منصب سے کہیں زیادہ جلیل القدر منصب اسلامی پر دیکھنے کے متوقع تھے، انہوں نے سلطان سے کہا کہ آپ کیوں اس چھوٹے سے منصب پر راضی ہو گئے اور اس کے حصول کو اپنا مطمح نظر بنایا انہوں نے غالب کا شعر

توفیق با اندازہ ہمت ہے ازل سے!

آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوتا

پڑھ کر کہا کہ وہ قطرہ جو صدف میں جا کر موتی ہی بننے پر قانع ہے، پیرس کی رفاہ کے گلے کی زینت بھی بن سکتا ہے، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ سلطان وہ قطرہ آب ہوں جو ایک مسلمان کی آنکھ کا آنسو بن کر روضہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر گرایا جائے۔

سید سلیمان صاحب نے مقابروں کے متعلق سلطان سے علمی گفتگو کی اور

کہا کہ مذہبی حیثیت سے مقابروں و آثار دونوں کی الگ الگ حیثیتیں ہیں، مقابلہ کی تعمیر اور بنا کے متعلق احادیث اور فقہ میں تہریجی الفاظ ممانعت کے ملتے ہیں، گو ایک فریق ان کی تاویل کرتا ہے اور وہ ایسا نہیں سمجھتا، تاہم اس کی ایک شرعی حیثیت ہے اور اس لئے ضرورت ہے کہ علمائے اسلام کے سامنے کھلے طریقے سے اس مسئلہ کو پیش کر کے ان کے متعلق فتویٰ طلب کیا جائے جو یقیناً کثرتِ تعداد کے لحاظ سے حق کے خلاف نہ ہوگا، لیکن آثار یعنی وہ مقامات مقدسہ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام سے کوئی خاص نسبت ہے، ان کی حفاظت یا ان کی تعمیر و بنا کی ممانعت سے احادیث نبوی کا دفتر تمام تر خالی ہے، اس پر اگر بحث ہو سکتی ہے، تو صرف ان کی صحت اسناد یا عدم صحت سے؛ البتہ ان آثار میں اگر جاہل مسلمان ایسے اعمال کریں جو شرع کے خلاف ہوں، تو مثل دوسری چیزوں کے یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہاں ایسے نگران یا پولیس کے سپاہی مقرر کرے جو زائرین کو ان اعمال سے باز رکھیں، سلطان نے اس کے جواب میں کہا کہ میں مذہبی عالم نہیں ہوں، اس لیے اس کا جواب نہیں دے سکتا، آپ اس بارے میں ہمارے علماء سے گفتگو کیجیے اور اس لیے علماء کی ایک مجلس ترتیب دینے کا خیال ہے۔

تیسری ملاقات

تیسری بار ہم میں سے دو ارکان شوکت علی، محمد علی، جناب شیخ ابوالعزائم ہانسی کے ہمراہ سلطان سے جا کر ملے، اس ملاقات کو شیخ ابوالعزائم نے سلطان سے خط و کتابت کے ذریعہ سے طے کیا تھا اور طے کرنے کے بعد ہم میں سے اپنے ہمراہ چلنے کی درخواست کی، شیخ ابوالعزائم مصر میں وادی نیل کی خلافت کیٹی کے بانی اور صدر ہیں اور ہم سے اور ہماری جمعیت سے محبت کرتے تھے، ان کا منشا یہ تھا کہ بیچ

میں پڑھ کر ہماری جمعیت اور سلطان کے درمیان کوئی سمجھوتہ کرا دیں، ان کے پاس سلطان کے مقررین میں سے ایک صاحب تشریف لائے تھے اور ان سے کہا تھا کہ جمعیت خلافت اور سلطان کے درمیان کچھ غلط فہمی تھی جسے سلطان دور کرنا چاہتے ہیں ہم نے کہا کہ اگر سلطان ہم سے پھر ملنا چاہتے ہیں، تاکہ گفتگو کرنے سے کسی نتیجہ پر پہنچیں، تو ہم خوشی سے جانے کو تیار ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ سلطان ملنا چاہتے ہیں۔ ہم کو شروع کی دو ملاقاتیں کرنے کے بعد اس کی بہت کم امید تھی کہ سلطان ابن سعود ہمارے دونوں اہم مسئلوں یعنی تشکیل حکومت حجاز اور آثر اور مقابلہ کی دوبارہ تعمیر میں کوئی تشفی آمیز جواب دے سکیں گے، تاہم اگر کوئی معقول صورت نکل سکے جس سے جمعیت خلافت کے ان احکام کی ہم تعمیل کرا سکتے، تو اس کے لیے ہم ہر طرح تیار تھے شیخ ابوالعزائم صاحب سلطان کے پاس بیٹھے تھے ہمارے ارکان دوسری طرف کچھ فاصلے سے بیٹھے تھے، اول گفتگو سلطان اور شیخ ابوالعزائم کے درمیان ہوتی رہی اور خاموش بیٹھے سن رہے تھے، شیخ ابوالعزائم کی خواہش تھی کہ اگر ہم سلطان کی امداد کیسے یا ان سے تشفی پاسکے، تو اس میں ان کی خوشی اور نیک نامی دونوں کی تھی اس لیے ان کی گفتگو سلطان کی مدح و توصیف سے شروع ہوئی تھی اور اس کے درمیان میں ہمارے اخلاص اور جوش اسلامی کی بھی تعریف تھی اس ملاقات میں سلطان ابن سعود زیادہ جوش اور کچھ غیظ میں بھی معلوم ہوتے تھے، کیونکہ انہوں نے اپنی گفتگو میں ذرا زور کی آواز سے کہا کہ میں تیار ہوں کہ حجاز کو چھوڑ کر چلا جاؤں، بشرطیکہ شوکت علی، محمد علی اپنی فوجیں لائیں اور امن حجاز کی ذمہ داری لے لیں، جس پر ہم میں سے شوکت علی صاحب نے مجبور ہو کر گفتگو میں شرکت کی اور شیخ ابوالعزائم کے ہمراہیوں میں سے محمد کامل صاحب کے ذریعہ سے سلطان سے عرض کیا کہ وہ امیر ہیں اور ہم فقیر، وہ صاحب سیف ہیں، جس کا وہ بار بار ذکر کر چکے ہیں اور ہماری گردن میں غلامی کا طوق ہے لیکن

ان کی طرح ہمارے دلوں میں بھی اسلام کی خدمت کا شوق اور اس کی محبت موجود ہے اور ہم بھی جان و مال قربان کرنے کو ہر وقت تیار ہیں، آج ہم کوئی انتظام یہاں کے امن کا نہیں کر سکتے، لیکن خدا کے فضل پر بھروسہ کر کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ انشاء اللہ آئندہ اس کا انتظام ہو سکے گا، اس وقت ہم سلطان کے سوال کا صحیح جواب دے سکیں گے۔

ہم نے عرض کیا کہ مزارات کے متعلق آپ اپنی قوم سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان کی خواہش کے مطابق آپ نے مزارات کو منہدم کر دیا اور ان کی خوشی پوری کر دی، لیکن عمارتوں کا مشترک اور مقدس مرکز ہے اور اس کے بارہ میں عالم اسلام کو فیصلہ کرنے کا حق ہے، اس لیے مزارات کے مسئلہ کو عالم اسلامی کے علماء پر چھوڑ دینا چاہیے اور ان کا فیصلہ اس بارہ میں قطعی ہوگا، عالم اسلام اس کو کبھی قبول نہیں کر سکتا کہ اس کے علماء کی سڑے کی کوئی وقعت نہ ہو اور صرف نجد کے علماء جو چاہیں، اس مشترکہ حرم میں گزریں، گفتگو تیز تھی، سلطان نے ہماری معقول تجویز کا یہ جواب دیا کہ میں علماء عالم سے مشورہ کروں گا، مگر اخیر میں یہ دیکھوں گا کہ ان کا فیصلہ اتباع ہوگی یا نہیں، اس پر محمد علی صاحب نے بوجھا کہ اس کو کس طرح جانچے گا۔ جواب سلطان نے یہ دیا کہ کتاب اور سنت ایک ہے، مگر اس کی تفسیر و تاویل میں اختلاف ہوتا ہے اور بہر حال تمام عالم کے علماء کی تفسیر و تاویل یقینی طور پر علماء، نجد کی تفسیر و تاویل کے مقابلہ میں زیادہ معتبر ہونی چاہیے، تو پھر مبہم الفاظ میں سلطان نے وہی کتاب و سنت کا ذکر کیا اور آخری فیصلہ اپنے ہی ہاتھ میں رکھنا چاہا۔

باہر نکلنے کے بعد ہم سے شیخ ابوالعزائم ماضی نے ایک اور بات کہی جس کا تذکرہ کرنا یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے اور جس سے ایک عجیب و غریب ذہنیت کا پتہ چلتا ہے، شیخ ابوالعزائم نے مجھ سے یہ کہا کہ جمعیت خلافت اور شوکت علی و محمد علی اور

ان کی جماعت جو جمہوریت کی موافقت میں زور دیتے ہیں، تو اس میں ان کی ذاتی غرض پوشیدہ ہے، وہ یہ چاہتے ہیں کہ جمہوریت حجاز کا پہلا صدر خود شوکت علی ہو۔

اس خبر کو سننے کے بعد سلطان سے گفتگو کا موقعہ نہیں آیا، مگر ان کے مقربین سے ہم نے کہہ دیا کہ اگر ہم کو ذاتی منفعت منظور ہوتی، تو اس کو پورا کرنے کے لیے حجاز آنے کی ضرورت نہ تھی، جہاں دولت و ثروت کی جگہ ریت اور اونٹ کی میٹگنیاں ہوتی ہیں، عیش و آرام کے سامان تو ہندوستان میں بدرجہ اولیٰ موجود تھے، اگر ہم کو دنیاوی ہوش ہوتی تو ہم حجاز نہ آتے اور ایسا جدوجہد میں نہ پڑتے، وہاں انگریزوں سے دوستی کرتے، عیش و آرام کا سامان مہیا کرتے ہم کو اور ہماری جماعت کو حجاز سے کچھ لینا منظور نہیں، ہم حجاز کو کچھ نہ کچھ دینے آتے ہیں، یہاں سے سوائے جنت کے کچھ لینا نہیں چاہتے، ہم کو حجاز مقدس میں حکومت کا شوق نہیں ہے، اگر جاروب کشی اور گندگی اور میلا اٹھانے والوں کی ضرورت ہو، تو ہم فخر کے ساتھ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی یہ خدمت قبول کر کے نجات داریں حاصل کریں گے، جہاں تک ہم نے تحقیقات کی ہے، کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ شیخ ابوالغزالی ہم کی اس گفتگو کو ہم جھوٹ سمجھیں اور سلطان کے مقربین میں سے جن سے اس کا ذکر کیا گیا ایک نے بھی اس کی تردید نہیں کی۔

آخری ملاقات

گو سلطان سے اس کے بعد بھی کئی دفعہ مختلف موقعوں پر ملاقاتیں ہوئیں، مگر ان میں معاملات کے متعلق کوئی باضابطہ گفتگو نہیں ہوئی، اس لیے ان کا ذکر ضروری نہیں، آخری ملاقات موتمر کے ختم ہونے کے بعد مکہ سے روانگی کے دن ۴ جولائی ۱۹۲۴ء کو ہوئی۔

اس ملاقات کا انتظام شیخ عبدالعزیز عقیقی نے کیا تھا اور وہی لے کر ہم سب لوگوں کو جن میں ارکان جمعیت العلماء بھی تھے، سلطان کے پاس گئے، سلطان نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ مصافحہ کیا اور رخصت اور وداع کی تقریب سے پُر محبت کلمات ادا فرمائے۔ ہم نے ان کی مہمانی اور عنایت کا شکریہ ادا کیا، سلطان نے کہا ہم مسلمانان ہندوستان کے نہایت ممنون ہیں، اور یقین جانتے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں صرف ہندوستان ہی کے مسلمانوں پر بھروسہ کرتا ہوں، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ان کی تمام کوششیں بیغرضانہ ہیں اور ان کا دل اور زبان ایک ہے، میرا خیال تھا کہ حکومت حجاز کے لیے جن اہل فن کی ضرورت ہے، ان کے متعلق میں آپ لوگوں سے درخواست کروں، اس موقع پر ہم لوگوں نے اس خدمت کی بجا آوری کے لیے مستعدی ظاہر کی اور سید عمر صاحب ٹونکی کا نام پیش کیا، جو اتفاق سے اس سال حج میں جرمنی سے برقیات کی تکمیل کر کے آئے تھے، سلطان نے نہایت خوش ہو کر ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور شیخ عقیقی کو حکم دیا کہ وہ سید عمر صاحب کو بلا کر لائیں۔

اسی سلسلہ میں ہم نے مسعی میں اونٹوں کے بٹھانے سے جو تنگی ہو جاتی ہے اور حاجیوں کو تکلیف ہوتی ہے، اُس کی طرف توجہ دلائی، سلطان نے کہا کہ یہ امر خود ہمارے ذہن میں تھا، مسعی کا میدان اس سے پہلے بہت زیادہ تھا، مگر لوگوں نے قبضہ کر کے اپنے مکانات بنالیے اور موجودہ میدان بہت تنگ ہو گیا، ضرورت ہے کہ اس کو وسیع کیا جائے، پھر ہم نے رٹی میں اونٹوں کے بے تماشہ دوڑانے کے متعلق عرض کیا کہ اس سے حاجیوں کو بہت تکلیف ہوتی، سلطان نے کہا بیشک اس سے حاجیوں کو تکلیف ہوتی، اسی لیے ہم نے یہ ارادہ کیا ہے کہ آئندہ نما سے اس بارہ میں فتویٰ طلب کریں اور آئندہ اونٹوں پر سوار ہو کر رٹی کرنے سے لوگوں کو روک

ویں، تاکہ عام حاجیوں کو تکلیف نہ ہو، اسی طرح دوسرے انتظامات کا تذکرہ آیا۔
 آخر میں رخصت ہوتے ہوئے سلطان نے کہا کہ سفر کا تمام سامان مہیا ہو گیا ہے
 یا نہیں، اگر کسی چیز کی ضرورت ہو، تو بیان کیجئے، ہم نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ تمام
 سامان بجمہ اللہ مکمل ہو گیا ہے اور انہوں نے پھر کہا کہ ایک چھوٹے سے خیمہ کا ساتھ
 ہونا بھی ضروری ہے، اگر نہ ہو، تو وہ ساتھ کر دیا جائے۔ ہم نے دوبارہ شکریہ
 ادا کیا اور کہا کہ اس کا سامان بھی ہو چکا ہے، اس کے بعد سلطان نہایت گرمجوشی
 سے ہم لوگوں سے ملے اور ہم ان سے رخصت ہوئے۔

لجنہ تحضیرہ میں شرکت

موتمر کے انعقاد کے پہلے نائباً سید رشید رضا صاحب نے مجلس استقبالیہ کی
 طرف سے موتمر کا ایک نظام اور دستور العمل تیار کیا تھا، ہماری سے پہنچنے کے تیسرے
 دن ۱۶ رومی قعدہ ۱۳۴۲ھ کو حافظ وہبہ صاحب کا خط وفد کے نام آیا کہ موتمر سے
 پہلے موتمر کے نظام و قواعد پر غور کرنے کے لیے ایک مجلس بنام لجنہ تحضیرہ مقرر
 کی گئی ہے، جس میں ہر وفد کی طرف سے ایک ایک ممبر شریک ہوگا۔ اس وقت تک
 صرف جاوہ اور ہندوستان کے وفد پہنچے تھے، اس بنا پر مولانا کفایت اللہ صاحب
 (جمعیت العلماء ہند) مولوی ثناء اللہ صاحب (الہمدیث کانفرنس) سید سلیمان صاحب
 (مجلس خلافت) حاجی منصور (شرکت الاسلام جاوا) سید رشید رضا (رکن خفاص)
 حافظ وہبہ (ناظم مجلس استقبالیہ نمائندہ حکومت) دارباجہ میں تین دن تک بعد نماز
 عصر جمع ہو کر پیش کردہ نظام نامہ پر مباحثہ اور تبادلہ خیالات کرتے رہے اور خلافت
 جمعیت کے نمائندوں نے نظام نامہ کے ان دافعات کے متعلق ترمیمیں پیش کیں، جو
 موتمر یا اسلامی جمہوریہ کے اقتدار اور قوت کو منحصر باہت محدود کرتے تھے، خصوصاً

اسلامی ممالک والوں کی نیابت اور نمائندگی کو آبادی اور تعداد کے اصول پر پیش کیا، مگر انہوں نے کثرت رائے نے ہمارا ساتھ نہ دیا۔ اگر اس وقت یہ چیز طے ہو جاتی، تو موتمر کے دن اس میں برباد نہ جلتے، بہر حال اس لختہ تحفیر یہ کام تین دن جاری رہا اور اس میں نظام نامہ کے اوصاف پر نظر ثانی کی جاسکی۔

مجلس العلماء

۲۱ مئی ۱۹۲۴ء کو ہمسے وفد کو سرکاری اطلاع دی گئی کہ کل بعد ظہر علماء کا ایک جلسہ داربانا جہ میں اس غرض سے منعقد ہوگا کہ بعض مذہبی مسائل میں باہم گفتگو کی جائے، اس مجلس میں مصر، شام، فلسطین، سوڈان، جاوا، اور ہندوستان کے وفد کے علاوہ جو اس وقت تک پہنچ چکے تھے، ہندوستان اور دیگر ملکوں کے عام علماء کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی، جن میں اہل حدیث کی تعداد خاصی تھی، ہمسے وفد کے تمام ارکان نے بھی شرکت کی، سلطان کی تقریر سے جلسہ کا آغاز ہوا، اس تقریر میں یہ کہا گیا تھا کہ ہم تمام مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ ہم کتاب و سنت کو مضبوط پکڑیں اور اپنے فرقہ وارانہ خیالات کو چھوڑ کر کتاب و سنت پر متحد ہو جائیں۔ ان کے بعد رشید رضا صاحب نے تقریر کی، جس میں سر تا پا اہل نجد کی مداحی تھی اور ان کو روئے زمین کا بہترین مسلمان قرار دیا گیا تھا، بعد ازیں مصر و شام اور سوڈان کے علمائے یکے بعد دیگرے اٹھ اٹھ کر سلطان کی تعریفیں کیں اور ان کی دعوت پر لبیک کہا، محمد علی صاحب نے اٹھ کر کہا کہ ہم اسی کتاب و سنت کے نام پر آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ ملوکیت چھوڑ کر جمہوریت اختیار کیجئے اور قیصر و کسریٰ کے بجائے صدیق و فاروق کی سنت اختیار کیجئے، مولوی عبدالحلیم صاحب (جمعیۃ العلماء) نے اسلام کے دوسرے فرقوں کے ساتھ رواداری کی ضرورت ظاہر کی اور اس کی شکایت کی کہ بعض

اہل نجد دوسرے مسلمانوں کو ذرا ذرا سی بات پر کافر و مشرک کہہ بیٹھتے ہیں، مولانا کفایت اللہ صاحب (جمعیتہ العلماء) نے اس کی تائید میں تقریر کی، اس پر سلطان اور ابن بلیہد تاضی القضاة نے مشتعل ہو کر اس کا جواب دیا اور افسوس ہے کہ ہندوستان کے اہل حدیث اصحاب نے شور و شغب برپا کیا اسی اثنا میں سید سلیمان صاحب نے کھڑے ہو کر اسلامی رواداری کے متعلق تقریر کی اور کہا کہ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ اہل نجد یہاں معمولی باتوں پر مثلاً سگریٹ اور حقہ پینے پر لوگوں کو مارتے ہیں اور ذرا ذرا سی بات پر نشوونما کرتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح سنا ہے کہ رمضان میں تراویح دو تین روز تک ۲۰ رکعت پڑھی گئی اور اس کے بعد حکماً سب کو آٹھ رکعت پڑھنے پر مجبور کیا گیا۔ سلطان نے کہا کہ صحیح نہیں، میں نے خود کئی روز تک بیس رکعت تراویح پڑھی، مگر بعد کو مکہ کے دوکاندار میرے پاس آتے اور کہا کہ ہم لوگ کاروباری آدمی ہیں بیس رکعت پڑھنے میں وقت زیادہ لگتا ہے، اس لیے آٹھ رکعت پڑھنے کی اجازت دیجیے۔ اس پر ہم نے عمل کیا اور اس کے بعد عبداللہ شیبی، سید حسین ماتبا حرم وغیرہ چند سرکاری کئی اشخاص جو موجود تھے انہوں نے اس کی تائید کی، پہلا اجلاس اس طرح ختم ہو گیا۔

دوسرے دن پھر بعد نماز ظہر اس مجلس کا جلسہ ہوا سلطان اس دن شریک نہ تھے سب سے پہلے سید سلیمان صاحب نے مسئلہ مقابروں پر ایک پرزور تقریر کی اور آیات و حدیث اور تاریخ و سیر کے حوالے سے اپنے مدعا کو ثابت کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم یہاں مجلس خلافت کی طرف سے تین باتیں لے کر آتے ہیں۔

اول یہ کہ کتاب و سنت پر عمل کے ساتھ ساتھ ان امور میں وسعت دینی چاہیے، جن میں خود صحابہ و تابعین مختلف تھے، مقرر نے اس کی متعدد مثالیں احادیث اور عمل صحابہ سے پیش کیں پھر کہا کہ

دوسری چیز یہ ہے کہ کتاب وسنت کے نتائج کا سب سے پہلا منظر خود حکومت کو ہونا چاہیے کہ طرزِ اول کے مطابق خلیفہ کا انتخاب شرعی اور وراثت سے پاک ہو۔ دوسری چیز مقابر و آثار کا مسہ ہے۔ اس مسئلہ میں یہ بات جان لینا چاہیے کہ یہاں دو چیزیں ہیں، مقابر و آثار اور ان دونوں کے احکام الگ الگ ہیں، مسئلہ مقابر کی نسبت اس پر سب کا اتفاق ہے کہ احادیث صحیحہ میں بنا علی القبور اور تخصیص قبور وغیرہ کی ممانعت آئی ہے۔ گو ایک مختصر فریق کے نزدیک اس کا معنی کچھ اور ہوں، اس بنا پر اگر سلطان تمام دنیائے اسلام کے علما کے فیصلہ کا انتظار کرتے تو یقیناً ان کو ناامیدی نہ ہوتی اور اس طرح ذمہ داری بجائے ان کی ذات کے یا اہل نجد کے تمام دنیائے اسلام پر بٹ جاتی۔ آثار کا سلسلہ اس سے الگ ہے، آثار سے مراد وہ مقامات ہیں، جن کو انبیا یا صحابہ کی طرف کسی حیثیت سے نسبت ہے، قرآن حدیث اور آثارِ سلف میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے، جو ان آثار پر عمارتوں کے بنانے یا مساجد بنانے سے منع کرتی ہو، بلکہ قرآن پاک، احادیث، سیر، اور آثار میں ایسے آثار کا ذکر ہے، اس بنا پر ان آثار کی عمارتوں کو منہدم کرنا شدت اور غلو کے سوا کوئی شرعی توجیہ نہیں رکھتا، ہم کو معلوم ہے کہ جاہل مسلمان وہاں بعض غیر شرعی اعمال کرتے ہیں، ان اعمال کو رد کرنا چاہیے مگر یا یہ عمارتیں یا بعض عمارتیں جو غیر شرعی طور پر یا غیر مستند مواقع پر بنائی گئی تھیں۔ ان کی تصحیح کی جاتی، مثلاً مولد نبوی کی موجودہ شکل یقیناً صحیح نہ تھی، مگر زمانہ سلف میں اس کی شکل مسجد کی تھی، جس میں نماز پڑھی جاتی تھی، مگر موجودہ شکل حقیقی مولد کے کمرہ کی بنائی گئی تھی، جو صحیح و مستند نہ تھی، اس کی تصحیح کر دینی چاہیے تھی اور غلاف کٹھڑہ، سنگ مرمر کی سل وغیرہ ہٹائی جاسکتی تھی، مگر نفس عمارت کو توڑ ڈالنا شدت اور غلو کی انتہا ہے، مقام ابراہیم، صفا و مروہ، چاہ زفرم وغیرہ تمام آثار و آثار ابراہیمی ہیں، کیا ان کو بھی منہدم کر دیا جائے گا، غرضیکہ ایک مفصل

تقریر تھی اور اس تقریر کا کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، جب رشید رضا صاحب نے اٹھ کر کہا کہ چونکہ ہم اتحاد کے طالب ہیں۔ اس لیے بہت سی باتوں کا جواب دینا نہیں چاہیے اور دو ایک عالموں نے وعظ کے رنگ میں تقریریں شروع کیں، تو حافظ ذہبہ نے کہا کہ ہم یہاں شاعری کے لیے نہیں آئے ہیں، ہم کو کام کرنا ہے، اس لیے بہتر ہے کہ ہم پانچ چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی بنالیں، جو موتر سے پہلے نظام نامہ مرتب کھے سید سلیمان صاحب کی میں اس تجویز میں یہ ترہیم چاہتا ہوں کہ اس مجلس میں وہی ارکان و ذوق منتخب ہوں، جو کسی جماعت یا جمعیت کے باقاعدہ نمائندہ ہوں، ماضی ابوالغزائم صاحب (مصری) نے اس کی تائید کی، سید رشید رضا اور ان کے بعض دیگر رفقا نے اس ترہیم کی مخالفت کی، محمد علی صاحب اور شوکت علی صاحب نے حافظ ذہبہ کی اس نفس تجویز کی مخالفت کی اور اس مجلس کو اس قدر مختصر نہ بنایا جائے، بلکہ اس کو وسیع رکھنا چاہیے اور ہر شخص کو اس میں موقع دینا چاہیے۔ مہر حال یہ جلسہ بلا نتیجہ ختم ہو گیا اور پھر موتر سے پہلے کوئی باقاعدہ جلسہ نہ ہو سکا۔

جنت البقیع کے مزارات کا انہدام

۲۴ مئی کو اکبر جہاز ساحل پر لنگر انداز ہوا، اس وقت سب سے پہلی جو جنتناک جگہ گداز خبر ہمیں موصول ہوئی، وہ جنت البقیع اور دیگر مقامات کے مزارات کے انہدام کی تھی، لیکن ہم نے اس خبر کے قبول کرنے میں تامل کیا، اس لیے کہ سلطان ابن سعود خلافت کمیٹی کے دوسرے وفد کو تحریری وعدے دے چکے تھے کہ وہ مدینہ منورہ میں تمام مہبانی مآثر کو اپنی اصلی حالت پر باقی رکھیں گے اور ان میں کسی قسم کا تغیر روا نہ رکھیں گے، جب تک کہ موتر اسلامی کوئی آخری فیصلہ نہ کر دے، اس مسئلہ کا ایک بلاغ بھی سلطان نے دوسرے وفد کو لکھ کر دیا تھا، جسے ہندوستان

میں شائع کیا گیا اور جس کی وجہ سے ملک میں امن و سکون پیدا ہو گیا تھا۔ سفیر ایران کو تو وہ ایک تحریر بھی لکھ کر دے چکے تھے۔ جس میں انہوں نے وعدہ فرمایا تھا کہ نہ صرف مدینہ منورہ کے مزارات کی حفاظت کی جائے گی، بلکہ اگر دنیائے اسلام مکہ معظمہ کی منہدم شدہ عمارات کو دوبارہ بنوانا چاہے، تو ان کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوگی۔

جب تیسرا وفد حجاز گیا، تو اس سے سرکاری طور پر کہا گیا کہ مکہ کی مساجد اور مقابر کی تعمیر اور مقابر کے تحفظ کے متعلق احکامات صادر ہو گئے ہیں اور مدینہ کے مآثر کا پورا احترام و تحفظ کیا جائے گا اور سلطان نے اپنے بیٹے امیر محمد کو ایک خط لکھا کہ وہ مدینہ میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آنے دیں، جس کی وجہ سے دنیائے اسلام میں انتشار اور بیہجان پیدا ہو، اور مدینہ منورہ کے مآثر و مقابر کے باب میں وفد خلافت کے مشورہ کے موافق کام کریں۔

لیکن جدہ پہنچ کر ہم نے سب سے پہلے ایک رکن حکومت شیخ عبدالعزیز رضوی سے اس خبر کی حقیقت دریافت کی، تو انہوں نے تصدیق کی اور یہ فرمایا کہ نجدی قوم بدعت اور کفر کے استیصال کو اپنا پہلا فرض خیال کرتی ہے اور اس سلسلہ میں وہ دنیائے اسلام کے مصالح کی کوئی پروا نہیں کرے گی، خواہ وہ دنیائے اسلام خوش ہو یا ناراض۔

مکہ پہنچ کر جب ہم نے سلطان سے اس مسئلہ میں گفتگو کی، تو انہوں نے جو جواب دیا، وہ ہمیں مطمئن نہیں کر سکا اور نہ دنیائے اسلام کی اکثریت و عہدین کر سکتا ہے، جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں اس بحث کی تفصیل لکھ آئے ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ دلچسپ وہ فتویٰ ہے، جسے علماء مدینہ کے نام سے ام القریٰ نے شائع کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ قبول کے ہدم کا فتویٰ خود اہل مدینہ

نے دیا تھا، لیکن مدینہ پہنچ کر جب ہم نے اس کی تحقیقات کی، تو جو انکشافات ہوئے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اس فتوے کی حقیقت کے متعلق جو حالات ہم سے بیان کئے گئے ہیں، وہ یہ ہیں کہ قاضی عبداللہ بن بلیہد جب مدینہ منورہ پہنچے، تو انہوں نے علماء مدینہ کو اپنے مکان میں بلوایا، علماء مدینہ ان کے مکان پر جمع ہو گئے، تو قاضی عبداللہ بن بلیہد مکان کے اندر تھے، ان کے حقیقی بھائی محمد بن بلیہد پہلے باہر نکلے اور علماء مدینہ کو ان الفاظ سے مخاطب کیا۔

یا اهل جازانتم اشد کفر من هان وفرعون نحن قاتلناکم مقاتلة المسلمين مع الکفار، انتم عباد حمزه وعبد القادر۔

علماء مدینہ نے کہا کہ ہم سولے خداوند قدس کے کسی کی پرستش نہیں کرتے اور ہم بحمد اللہ مسلمان اور مومن ہیں۔

اس کے جواب میں محمد بن بلیہد نے کہا کہ کفار بھی بالکل ایسا ہی کیا کرتے تھے اور ہا نعبد ہم الا ليقربونا الى الله زلفی، کہہ کر اپنی بت پرستی اور کفر نوازی سے انکار کیا کرتے تھے۔

علماء مدینہ نے اس اعتراض کا جواب دیا، مگر محمد بن بلیہد نے جواب کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، کہا جاتا ہے کہ وہ علماء مدینہ کو سخت الفاظ سے مخاطب کرتے رہے۔

اس کے بعد قاضی عبداللہ بن بلیہد تشریف لائے، تو انہوں نے علماء مدینہ سے حسب ذیل مسائل کے متعلق سوالات کیے۔

(۱) کیا قبروں پر قبے تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے، تو اس کا ثبوت لاء اور اگر جائز نہیں، تو ان کا بدم ضروری ہے یا نہیں۔

(۲) غیر اللہ کی ندا کرنے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲) قبروں پر چراغ جلانا، چادریں چڑھانا اور ان کا طواف کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے جو لوگ ان افعال کا ارتکاب کرتے ہیں، وہ مسلمان ہیں یا مشرک؟

علماء مدینہ نے ان سے گزارش کی کہ ہم آپس میں مشورہ کر کے آپ کو جواب دیں گے، اس پر عبداللہ بن بلیہد قاضی القضاة نے سخت لہجہ میں فرمایا، کیا تم اب جا کر پڑھو گے اور پھر جواب دو گے، مگر علماء مدینہ نے کہا کہ ہم بغیر کسی مشورہ کے کوئی جواب نہیں دے سکتے، چنانچہ انہیں مہلت دی گئی اور دوسرے دن علماء مدینہ نے باہمی مشورہ کے بعد قاضی القضاة صاحب کو حسب ذیل جواب دیا۔

آپ اپنے استفتائیں سے مسئلہ قباب کے علاوہ باقی تمام مسائل کو حذف کر دیجئے، کیونکہ ان مسائل میں کوئی شخص بھی آپ سے اتفاق نہیں کرے گا، ہم میں سے کسی ایک شخص کا بھی یہ خیال نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو کافر یا مشرک کہنا روا رکھتا ہے۔

مسئلہ قباب کے متعلق علماء مدینہ کی دو جماعتیں تھیں، ایک جماعت کا یہ خیال تھا کہ قبروں کی تعمیر شرعاً ممنوع نہیں، جسے انہوں نے قاضی صاحب کے سامنے بڑی جرأت کے ساتھ ظاہر کیا، اسی جماعت میں مولانا عبدالباقی صاحب ذرنگی محلی تھے دوسری جماعت کا خیال یہ تھا کہ اگرچہ تعمیر قباب جائز نہیں، مگر ان کا بدم بھی غیر ضروری ہے۔ اس لیے کہ ان کے گراؤنے سے ساری دنیا نے اسلام میں ایک زبردست شور مچا پیدا ہو جائے گی، جو مسلمانان عالم کے تشمت اور تفریوں کا باعث ہوگی اور بجائے اس کے کہ دنیا نے اسلام کو حجاز کے ساتھ کوئی ہمدردی ہو، سخت بیزاری پیدا ہو جائے گی اور اس کے خطرناک نتائج اہل حجاز اور حکومت حجاز دونوں کے لیے بدترین ثابت ہوں گے۔

ان مسائل میں قاضی عبداللہ بن بلیہد اور علماء مدینہ کے درمیان بڑی دیر تک

بحث و مباحثہ ہوتا رہا، ان کے ضمن میں مسئلہ حیات النبی بھی آیا، جس کے متعلق علماء مدینہ نے اپنے عقائد و خیالات کا صاف صاف اظہار کیا، مگر معاملہ بحث و دلائل کی حد سے باہر تھا، قاضی عبداللہ بن بلہید نجدی قوم میں بہت زیادہ ہوشیار اور دور حاضر کی موجودہ سیاست کے زبردست ماہر بنے جاتے ہیں، دوسرے دن انہوں نے یہ صورت اختیار کی کہ جو علماء ان کی مخالفت میں زیادہ پیش پیش تھے انہیں چھوڑ کر باقی علماء کو بلوایا اور انہیں دھمکا کر یہ کہا کہ تم کو رہی لکھنا ہوگا، جو ہم چاہتے ہیں، مشاہیر علماء میں سے جن کو مدعو کیا گیا تھا، مولانا عبدالہادی اور علامہ داغستانی کے سوا باقی حضرات نے مائل ناخواستہ دستخط کر دیے اور اس کے بعد وہ سب کچھ ہو گیا، جس کی وجہ سے آج ساری دنیا سے اسلام میں ہیجان اور اضطراب پیدا ہو گیا ہے۔

یہ ہے علماء مدینہ کے فتوے کی حقیقت، جسے ”ام القریٰ“ میں شائع کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ علماء مدینہ بھی ہدم قباب کے موافق تھے۔

قباب کے انہدام کے متعلق جو بیان عمال حکومت کے ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ قاضی عبداللہ بلہید جب مدینہ منورہ میں پہنچ گئے، تو ان کے آنے کے دو چار روز بعد ایک شب کو چند غطفوں نے حضرت علیر سعدیہ کے روضہ کو گرانا شروع کر دیا، اس کی اطلاع گورنر کو دی گئی، انہوں نے ان غطفوں کو گرفتار کر لیا اور جیل خانہ بھیج دیا، ان کی گرفتاری کے بعد غطفوں میں بہت زیادہ جوش پیدا ہو گیا اور تقریباً ستر آدمیوں کا ایک وفد عبداللہ بن بلہید قاضی القضاة کے پاس آیا اور اس نے اس گرفتاری کے خلاف سخت احتجاج کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ گرفتار شدہ غطفوں کو فوراً رہا کر دیا جاتے اور انہیں ان قباب کے توڑنے کی اجازت دی جائے، ورنہ بھومی کارروائیاں کریں گے اور اس کے نتائج بہت خطرناک ہوں

گئے، کہا جاتا ہے کہ قاضی عبداللہ بن بلہیہ نے لاسلکی کے ذریعہ سے سلطان کو ان واقعات و حوادث کی اطلاع دی اور سلطان نے ہدم قباب کی اجازت دے دی ہدم قباب کے متعلق جتنی معلومات ہم حاصل کر سکے، اسے بلا کم و کاست ہم نے رپورٹ میں لکھ دیا ہے، سلطان پچھ فرماتے ہیں، ان کے عمال کچھ اور ارشاد فرماتے ہیں اور علماء مدینہ کے بیانات سے حقیقت دوسری معلوم ہوتی ہے، بہر کیف حالات و واقعات کچھ ہی ہوں، سلطان عبدالعزیز کے تمام حتمی اور واجب الایفا وعدوں کے باوجود مدینہ منورہ کے تمام قبے گرا دیے گئے اور عین اس وقت جبکہ مسلمانوں کی تمام تر توجہ اور کوشش کو ان معاملات پر صرف کرنا چاہیے تھا، جن پر مسلمانوں کی زندگی کا دارومدار ہے، عالم اسلامی کو ایک زبردست فتنہ میں مبتلا کر دیا۔

اس سے بھی زیادہ افسوسناک چیز یہ ہے کہ غطفلوں کی اس وحشت سے مکہ معظمہ کی طرح مدینہ منورہ کی بعض مساجد بھی نہ بچ سکیں اور قباب قبور کی طرح یہ مساجد بھی توڑ دی گئیں، جن کی تفصیل یہ ہے:-

مساجد مدینہ منورہ جن کو توڑا گیا۔

(۱) مسجد فاطمہ متصل مسجد قبا، چھت اور دیواروں کا اکثر حصہ توڑا گیا ہے۔

(۲) مسجد ثنا یا (جنگ احد میں جہاں دندان مبارک شہید ہوا تھا، وہاں یہ مسجد بنائی گئی تھی۔ چھت اور دیواروں کا اکثر حصہ ٹوٹا ہوا ہے۔

(۳) مسجد (چھت اور دیواروں کا اکثر حصہ ٹوٹا ہوا ہے)

(۴) مسجد مادہ (چھت اور دیواروں کا اکثر حصہ ٹوٹا ہوا ہے)

(۵) مسجد اجابہ (تھوڑی سی دیوار اور قبہ توڑا گیا ہے)

ان میں ان مساجد کو شامل نہیں کیا گیا ہے، جن میں قبوں ہیں، اور قبوں کو

مسجد سے علیحدہ کرنے کے لیے مسجد کے بعض حصوں کو توڑا گیا ہے

مقابلہ جو توڑے گئے ہیں، ان کی تفصیل صفحہ ۱۴۲ و ۱۴۳ اپر درج ہے، بقے اور
دیواریں کسی کی موجود نہیں ہیں۔



قبریں

جو دکھائی نہیں دیتیں

جو دکھائی دیتی ہیں

جن کے تعویذ کو صد مہینہ چاہتا ہے
یا مہینہ یا گ

قبر حضرت عثمان

جن کا تعویذ سالم ہے

قبر حضرت زینب

قبر حضرت فاطمہ

حضرت ام کلثوم

قبر حلیمہ سعیدہ

حضرت رقیہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہم

جو بالکل زمین سے ہموار کر دی گئی ہیں
قبر راہل بیت

یہاں ایک چھوٹا سا چبوترہ تھا جس
پر تعویذ تھے، تعویذ اور چبوترہ دونوں
توڑ دیے گئے ہیں اور قبروں کی جگہ تختے
جرٹے ہوئے ہیں۔

جن کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ
مٹی اور کنکر کے نیچے دبی ہوئی ہیں، ان کا
کوئی نشان نظر نہیں آتا، اس مٹی پر جس
کے نیچے ان قبور کا دفن ہونا بیان کیا جاتا
ہے۔ مزدوروں نے پتھر اور گارے کے
تعویذ بنائے ہیں۔

(۱) مزار ازواج منظر ہرات (یہ تعداد

میں تو تھے اب مٹی پر ایک جدید کچا تعویذ
بنا دیا گیا۔

(۲) قبر حضرت فاطمہ صغرا بنت حسین
 (۳) قبر سیدنا عقیل ابن جعفر صادق
 (۴) قبر سیدنا ابراہیم بن نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم۔

(۵) قبر سیدنا عثمان ابن مظعون
 (یہ قبر جنت البقیع میں سب سے پہلے بنائی
 گئی تھی اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم
 نے ۴۴۴ حضرت عثمان کو اپنے دست
 مبارک سے دفن کیا تھا۔)

(۶) قبر حضرت امام مالک

(۷) قبر حضرت نافع، حضرت عبدالرحمن

بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)
 کی قبور کا کوئی نشان موجود نہیں ہے،

گنبد خضرا اور مقام ابراہیم پر جو عمارت بنی ہے، اس کے انہدام کے متعلق بھی
 ہم نے بہت گرم افواہیں سنی تھیں، سلطان ابن سعود صاحب اس کی تردید کرتے
 ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا، سلطان کے گذشتہ وعدہ اور ان کی
 خلاف ورزی کو پیش نظر رکھتے ہوئے کمیٹی خود فیصلہ کر سکتی ہے کہ کہاں تک ان کے
 اس قول پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

نجدی حکومت کا تعصب مذہبی

یہاں تک جن مشاہدات اور تجربات کا ہم نے ذکر کیا ہے، وہ حجاز میں ہر شخصی اور خاندانی حکومت کے یکساں خلاف ہیں، لیکن ان کے علاوہ چند مزید وجود بھی ایسے موجود ہیں، جن کے باعث سلطان نجد کی حکومت حجاز کے لیے خاص طور پر ناموزوں ہے، ملک گیری کی ہوس کے علاوہ جو ایک فاتح اور بادشاہ کو دنیا طلب بنا دیتی ہے۔ یہاں تعصب مذہبی اور نکلوتے دینی مستزاد ہے اور ساری اسلامی دنیا کے خلاف جو نجدیوں کی ہم عقیدہ نہیں ہے، ایک حرب غفہ مذہبی ہوئی ہے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ سلطان عبدالعزیز حقیقتاً اپنے دین میں اس قدر غلام کرنے والے اور تشدد کے خواہاں نہ ہوں جتنے کہ مشائخ نجد ہیں، لیکن ملک گیری کے لیے جو کہ ان کے پاس ہے، یعنی قوم نجد اس کو ایک صدی سے زیادہ سے زیادہ وہی سکھا گیا ہے کہ اس کے علاوہ سب مسلمان مشرک ہیں اور نجدیوں کی گذشتہ صدی کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ ان کے ہاتھ کفار کے خون سے کبھی نہیں رنگے گئے ہر قدر خون ریزی انہوں نے کی ہے، وہ صرف مسلمانوں کی ہے۔ ہم یہاں کوئی مذہبی بحث چھیڑنا نہیں چاہتے، لیکن اس قدر کہنا گنہگار ہے کہ ہم نے کچھ یوں کو ان جزویات دین میں جس میں ان کے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہے، بہت سخت پایا اور وہ ذرا ذرا سی بات پر حجاج کو مشرک کہتے تھے۔ حالانکہ بعض افعال کا جن پر مسلمانوں کو یہ خطاب دیا جاتا ہے، عقائد سے کوئی تعلق نہ ہوتا ہے، سلطان عبدالعزیز کے مذہبی خیالات کچھ نہیں تھے، ان کی تمام تر قوت مذہبی لوگ اور مشائخ نے ہی اس طرح کا دہ پانچا ہے، ان کے

کی جنگ کا نام جہاد رکھا جائے اور جس ملک کو چھیننا مقصود ہو، اس کے لوگوں کو شکر کہا جائے، ہم نے بارہا دیکھا کہ جو حجاج مقام ابراہیم کی جالی کو یا اس کے قفل یا کنڈوں کو چھوتے تھے، ان کو بید سے مارا جاتا تھا اور انت مشرک کہا جاتا تھا، جو حجاج جنت المعلیٰ میں زیارت قبور کو جاتے تھے، ان میں سے اکثر پٹ کر آتے تھے، خود ہم میں سے چند نے حافظ وہبہ مشیر خاص امیر فیصل سے جو نائب جلالتہ الملک ہیں، پوچھا کہ ہم اور ہمارے ساتھ کی خواتین جنت المعلیٰ میں زیارت قبور کے لیے جانا چاہتی ہیں اس کے متعلق موٹر کا کچھ انتظام ہو سکے گا۔ انہوں نے فرمایا کہ کل صبح موٹر آجائے گی اور ایک شخص آپ کے ساتھ بھیج دیا جائے گا۔ تاکہ آپ کو آداب زیارت قبور بتاتے ہم نے کہا کہ ہم اپنے مذہب کے مطابق ان آداب سے واقف ہیں، تاہم کوئی ہرج نہیں ہے اگر آپ کا ایک نمائندہ موجود ہو دوسرے دن صبح کو ہم شیخ عبداللہ بن بلیہد نجدی قاضی القضاة مکہ مکرمہ سے ملاقات کرنے گئے واپس ہوتے وقت خیال ہوا کہ جس موٹر کا حافظ وہبہ نے وعدہ کیا تھا اس کو شیخ عبداللہ بن بلیہد صاحب ہی کے مکان پر منگوائیں؛ چنانچہ وہاں سے موٹر کے لیے ٹیلیفون کیا گیا جواب آیا کہ سلطان آپ کو زیارت قبور کی اجازت نہیں دیتے، اس لیے کہ فساد ہونے کا اندیشہ ہے ہم کو یہ سن کر جس قدر تعجب ہوا، اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں، اس لیے ہم سے صریحاً وعدہ کیا گیا تھا کہ زیارت قبور کے لیے سرکاری موٹر صبح کو آجائے گی اور ایک نجدی ہمارے ساتھ ہوگا جس کی موجودگی اس امر کی ضامن ہوتی کہ بدعات کا ارتکاب نہ کیا جائے گا، ہم نے اس تعجب انگیز جواب کا ذکر شیخ عبداللہ بن بلیہد سے کیا جس پر انہوں نے فرمایا کہ میں خود تمہارے ساتھ چلتا ہوں اور حکم دیا کہ ہمارے لیے سرکاری موٹر ان کے مکان پر بھیج دی جائے، اس پر حافظ وہبہ کا جواب ٹیلیفون سے موصول ہوا کہ آج یوم جمعہ ہے، موٹر نہیں مل سکے گی، لیکن کل یا پرسوں بھیج دی جائے

گی، نائب مدبر حرم اس وقت موجود تھے، انہوں نے ہم سے کہا کہ اس امر کو خوب شہرت دیجئے، اس لیے کہ جب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ نجدی قاضی القضاة خود آپ کو زیارت قبور کے لیے لے گئے، تو پھر کسی نجدی کی مجال نہ ہوگی کہ اور حاجی کو روکے یا ماسے اور حجاج بھی مطمئن ہو جائیں گے، ہم نے دوسرے دن موٹر کا انتظار کیا اور کوئی وجہ نہ تھی کہ اس دن موٹر نہ ملتی، مگر باوجود کئی بار ٹیلیفون کرنے کے موٹر نہ آئی، اس لیے مجبور ہو کر تیسرے دن ہم نے گاڑیوں کا خود انتظام کیا۔ جنت المعلیٰ ہماری قیام گاہ سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر تھی اور ہم اور ہم سے ساتھ کی خواتین میں چند ایسے لوگ تھے جو بہ سبب امراض و ناتوانی دھوپ میں اتنی دُور کچی ریتلی سڑک پر پیدل نہ چل سکتے تھے اور گوکہ معظمہ کی گاڑیاں ہندوستان کے یوں کے برابر بھی آرام دہ نہ تھیں، لیکن ان کے استعمال کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ شیخ عبداللہ بن بلید کو ٹیلیفون کیا کہ ہم میں سے بعض آپ کے مکان پر آ رہے ہیں، آپ آیا ہو جائیں، تاکہ حسب وعدہ ہم آپ کے ہمراہ جنت المعلیٰ جا سکیں، ہم ان کے مکان پر پہنچے تو نوکر نے کہا کہ شیخ صاحب سو گئے ہیں، مگر میں نے ٹیلیفون ملتے ہی اطلاع کر دی تھی اور پھر اطلاع کئے دیتا ہوں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ہم سے پوچھا کہ کیا آپ نے سلطان سے اجازت لے لی؟ گھنٹہ بھر بعد شیخ صاحب خود تشریف لائے اور انہوں نے بھی یہی سوال کیا کہ آپ نے سلطان سے اجازت لے لی؟ ان سے عرض کیا گیا کہ امر مسنون میں کسی کی اذن و اجازت کی کیا ضرورت ہے اور آپ تو خود ہمیں اپنے ہمراہ لے جانے کا وعدہ فرما چکے تھے، چونکہ باوجود وعدے کے متواتر تین دن موٹر نہیں ملی، اس لیے دوسری سواری کا ہم نے خود بندوبست کر لیا، اس پر شیخ صاحب نے فرمایا کہ ہاں میں نے وعدہ کیا تھا، لیکن مناسب یہی ہے کہ سلطان سے کہہ کر ایک عام قاعدہ جاری کر دیا جائے کہ جس سے ہر

اتفاق کیا، چنانچہ چند علماء کی مشاورت کے بعد کچھ قواعد جس میں اوقات اور آداب زیادہ شامل ہیں، سلطان کے حکم سے مقرر کر دیے گئے ہیں اور موتمر کے ختم ہونے سے قبل ہم معہ اپنے ساتھ کی خواتین اور چند دیگر مصری، فلسطینی اور شامی اراکین موتمر کے مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مولد حضرت علی کرم اللہ وجہہ دارا رقم اور جنت المعلیٰ وغیرہ دیکھنے کے لیے سرکاری موٹر میں گئے، جو چیز خاص طور پر قابل ذکر ہے، وہ ہمسائے سوال کے جواب میں قاضی عبداللہ بن علیہد کا قول ہے کہ نجدی بھی یوم جمعہ یا یوم سبت کو اپنے ہاں زیارت قبور کے لیے جاتے ہیں، مگر وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے علاوہ اور مسلمان جو زیارت قبور کو جاتے ہیں، وہ شرک کرنے کے لیے جاتے ہیں۔

خود سلطان عبدالعزیز نے جو بات ہم سے اور وفد جمعیت العلماء سے کہی وہ اس سے بھی زیادہ صورتِ حالات کو بے نقاب کرتی ہے۔

اس ملاقات میں جو جنت البقیع کے ہدم قباب و قبور کے لیے بالخصوص سلطان سے کی گئی تھی۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ آخر اس میں اس قدر جلدی کیوں کی گئی، موتمر کا اجلاس تین چار ہفتہ بعد ہونے ہی والا تھا، اس وقت تک انتظار کرنے میں کیا ہرج مہاج، تو سلطان نے فرمایا کہ میری بھی یہی رائے تھی، مگر میرے پاس چار ہزار نجدیوں کا وہم کو معلوم ہوا ہے کہ اس میں بعض مشائخ نجدی شامل تھے، نجد سے پیغام آیا کہ تم ارض مقدس حجاز کی تطہیر کے لیے یہاں سے گئے تھے عرصہ ہوا کہ مدینہ تمہارے قبضہ میں آگیا، لیکن تم نے اب تک اس کی تطہیر نہیں کی اور قباب اور پختہ قبور اسی طرح موجود ہیں، اگر تم یہ کام نہیں کرنا چاہتے یا نہیں کر سکتے، تو ہم خود آئیں گے اور ان کو توڑ دیں گے، ان کے آنے سے شر و فساد کا اندیشہ تھا، اس لیے میں نے خود ہی اس کام کو کر دیا، محل کا واقعہ جس میں اس محل پر

جو سلطان کی اجازت سے مصر سے آیا تھا اور جس کے ساتھ بیٹہ سلطان کے کہنے سے جدہ ہی میں چھوڑ دیا گیا تھا، صورت حالات کو اور بھی نمایاں کر دیتا ہے، فوجی بگل پر نہ سلطان کو نہ علماء نجد کی جانب سے، کوئی اعتراض تھا، لیکن محل کو صنم قرار دیا گیا اور بگل کو مزامیر میں داخل سمجھا گیا، یہی نہیں، بلکہ محل اور مصری فوج اور اس کے افسروں پر منیٰ کے باہر ہتھ پر سائے گئے، حکومت سلطان کی جانب سے جو لوگ محل کے ساتھ تھے، ان کے منع کرنے کی کچھ پروا نہ کی گئی اور سلطان کے بیٹوں اور خود ان کے باز رکھنے سے نجد ہی باز آئے اور باوجود آیتہ کریمہ لادفٹ ولا فسوق ولا جلال فی الحج مسلمانوں کے ہاتھ سے مسلمانوں کا خون منخرنی کیے پاس بہا، اگر مان بھی لیا جائے کہ سلطان عبدالعزیز کو اپنے مذہب کی جزیات میں غلو و تعصب نہیں اور وہ تشدد کو پسند نہیں کرتے، تب بھی ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ نجدی قوم اب ان کے بس کی نہیں رہی اور جو تعصب و تشدد کا سبق اس کو ایک صدی کے زائد عرصہ پڑھایا گیا ہے، اس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ ان امور میں سلطان نجد ان پر حکمران نہیں، بلکہ زمام حکومت صحابہ خود ان کے ہاتھ میں ہے اور طوعاً نہیں تو کوہ یا سلطان کو ان کی ناز برداری کرنا پڑتی ہے، قباب اور تخصیص قبور یا محل کے بارے میں تو ایک حد تک یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ نجدی اپنے سوا اور مسلمانوں کو کیوں مشرک سمجھتے ہیں، لیکن تمباکو پینے والوں کے نہ کثرت و نہ کثرتوں کے نزدیک آدمی کیونکر مشرک ہو جاتا ہے۔ یہ بات سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ ۱۹۲۱ء کے حج کے موقع پر مجالس خلافت اور جمعیت العلماء کے نمائندے مکہ معظمہ میں تھے اور جو رپورٹ نمائندگان مجالس خلافت نے اپنی واپسی پر شائع کی ہے، اس میں متعدد واقعات اس قسم کے درج ہیں کہ نجدیوں نے لوگوں سے سگریٹ پینے پر سخت کلامی کی اور بات بڑھ جانے پر ان کو مارا، ان

واقعات میں پہلا واقعہ باب السلام کے ایک کتب فروش کا تھا، جس کی موچپیس بڑی تھیں، نجدی نے انہیں پکڑ کر کہا کہ یہ مشترکاً نہ موچپیس کیسی ہیں، اس پر کتب فروش کو غصہ آگیا اور اس نے بھی سخت کلامی کی اور دونوں میں جنگ ہو گئی جس میں کتب فروش کے دو چوٹیں لگیں، نمائندگان مجالس خلافت اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ ہم خود موقع پر پہنچ گئے اور اس شخص کا نام اور چوٹوں کے نشانات لکھے، اس کا بیان قلمبند کر لیا اور حافظ دہبہ گورنر مکہ کو دکھلا کر انہیں توجہ دلائی کہ وہ اس قسم کے واقعات کا انسداد کریں، دوسرے دن انہی باب السلام میں ایک دوسرا واقعہ پیش آیا گو وہ سگریٹ پینے کے متعلق نہ تھا اور نمائندگان خلافت نے اس واقعہ کی بھی اطلاع حافظ دہبہ صاحب کو کر دی، اس کے بعد بھی چند واقعات کا ذکر ہے، بالآخر وہ تحریر کرتے ہیں کہ ہم نے حافظ دہبہ گورنر مکہ کو بذریعہ ٹیلیفون اطلاع دی کہ وہ بہت جلد قیام گماہ پر تشریف لائیں، تاکہ واقعات کے آئندہ انسداد کے متعلق مشورہ کر کے کوئی فیصلہ کیا جائے، چنانچہ اسی وقت حافظ دہبہ تشریف لائے، ہم نے بہت زور کے ساتھ ان سے کہا کہ آپ بہت جلد انتظامات کیجئے، تاکہ آئندہ اس قسم کا کوئی حادثہ پیش نہ آئے، حافظ دہبہ نے سلطان عبدالعزیز سے مل کر نہایت اچھا انتظام کیا، سگریٹ فروش کے متعلق ہم نے حافظ دہبہ سے کہا کہ آپ اس میں اصلاحات کریں اور اہل مکہ کو اس کے ترک کرنے کے لیے مفید مشورے دیں لیکن سوائے حکومت کے دوسرے شخص کو کیا حق ہے کہ وہ کسی شخص کو سگریٹ پیتا ہوا دیکھ کر اسے سزا بھی دے دے؟ حافظ دہبہ نے فرمایا کہ جس بدو نے کسی سگریٹ پینے والے کو مارا ہے۔ تحقیقات کے بعد اسے انشاء اللہ قرار واقعی سزا دی جائے گی، اس لیے کہ کسی تانرن کی خلافت و رزمنی کو، پاداش میں کسی مجرم کو حکومت ہی سزا دے سکتی ہے، باوجود نمائندگان مجالس خلافت کی ان مساعی اور حکومت کے

ان وعدوں کے بظاہر نجد کا ہر بد و اپنے آپ کو اس کا مجاز سمجھتا ہے کہ سگریٹ نوشی یا اسی قسم کے افعال پر لوگوں سے سخت کلامی کرے اور اگر سختی کا سختی سے جواب دیا جائے، تو ان کو مارے اور حکومت کی طرف سے مجرم کی خود سزا وہی کہے بظاہر یہ چیز اتنی عام ہے کہ بن وقت محل کا واقعہ پیش آیا، اس کے اُدھ گھنٹہ کے اندر ہی جو خبر سارے منی میں گرم تھی وہ یہ تھی کہ کسی نجدی نے مصری فوج کے کسی آدمی کو سگریٹ پیتے دیکھ کر اسے "أَنْتَ مُشْرِكٌ" کہا اور مارا جس پر نجدیوں اور مصری فوج میں لڑائی چھڑ گئی، واقعہ سگریٹ نوشی سے متعلق نہ تھا، لیکن بظاہر اس قسم کے واقعے اکثر پیش آتے رہتے تھے اور لوگوں نے قرین قیاس سمجھا کہ نجدیوں نے سگریٹ نوشی کو اپنے عقیدے کے مطابق حرام سمجھا، حالانکہ پینے والے کے مذہب میں وہ بالکل مباح تھا اور خود ہی کو تو ال اور خود ہی قاضی بن کر خود ہی حد شرعی بھی مجرم پر قائم کر دی۔

ہم کو معلوم ہوا ہے کہ شہد امر میں دو بنگالیوں کو سگریٹ پینے پر نجدیوں نے اس قدر مارا کہ وہ بیہوش ہو گئے، اسی حالت میں وہ مکہ مکرمہ میں لائے گئے اور حکومت ہند کی طرف سے جو اسپتال وہاں تھا، اس میں ان بنگالیوں نے بیہوشی ہی کی حالت میں جان دے دی، ہم کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ برطانوی قنصل متعینہ جدہ اس بارے میں کوئی کارروائی کر رہا ہے۔

حجاز پر فقط سلطان نجد کی نہیں بلکہ کل قوم کی بادشاہت

ہم سے دوران قیام میں حجاز نے متعدد بار ہم سے نجدیوں کے تعصب اور تشدد کی شکایت کی، لیکن ہم کو نہیں معلوم کہ حکومت نے کسی مجرم کو بھی سزا دی ہو، ان کی پولیس نے خود ہمارے وفد کے کاتب اختر علی صاحب کو ترم شریف میں صرف

اس قصور پر گرفتار کر کے حوالات میں ڈال دیا کہ پولیس والے حرم شریف میں سونے والوں کو بیدار مار کر اٹھا ہے تھے، تو انہوں نے محض ازراہ ترحم ان کو سمجھایا کہ لوگوں کو حرم پاک میں اس طرح نہ مارنا چاہیے، اس کہنے پر پولیس والے نہایت برا فرختہ ہوئے اور کہا تم بڑی دکالت کرنے والے آتے ہو، چلو تم بھی حوالات میں داخل ہو اور یہ کہہ کر انہیں حوالات میں ڈال دیا، بند کرنے کے بعد ان کی واڑھی بھی نوچی، لیکن ہم نے نہیں سنا کہ کسی ایسے سجدی کو بھی زیادہ اختیارات استعمال کر کے اپنے نزدیک ایک سگریٹ پینے والے یا زیارت قبور کرنے والے مجرم کو سزا دی ہو حقیقت یہ ہے کہ اہل سجدہ کو جزئیات فقہ و عقائد میں غلو ہی نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے آپ کو مجاز سمجھتے ہیں کہ جس چیز کو وہ مل کر سمجھیں اس کی نہیں سے گزر کر اس پر خود ہی ایک من گزرت حد شرعی قائم کر دیں اور ملزم کو سزا بھی دے دیں، آج حجاز پر فقط سلطان سجدہ کی حکومت نہیں ہے، بلکہ علماء سجدہ اور سجدی قبائل بھی حجازیوں پر حکمران ہیں، ہم نے مذہبی تعصب اور طوائف و سعی و زرمزم اور راستوں میں ایک حد تک بحرانہ غفلت کے سوا اہل سجدہ کی کوئی اور شکایت نہیں سنی، استحصال بالبحر اور عدالتوں پر دست درازی وغیرہ سے جہاں تک ہم کو علم ہے، ان کا دامن بالکل پاک ہے، لیکن اس فرق کو ملحوظ رکھنے کے بعد یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ وہ در باتوں میں اپنے فکر و عمل اور پے کی استعماری فوج کی طرح محکوم قوم پر اپنے کو حکمران اور اس کو اپنی طرف خیر سمجھتے ہیں اور اس لیے خود ساختہ قانون کا نفاذ کرنے میں اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھتے ہیں، موجودہ نظام حکومت کو اگر حجاز میں قائم رکھا گیا، تو اس کے ہی معنی نہ ہوں گے کہ ایک سجدی بادشاہ کی شخصی اور خاندانی حکومت اہل حجاز پر قائم ہو گئی، بلکہ ایک بڑی حد تک اس کے یہ بھی معنی ہوں گے کہ ایک پوری ایسی قوم کی حکومت ایک اور قوم ہو گئی، جسے حاکم قوم اپنے سے ذلیل تر بلکہ شرک کے

گناہِ عظیم کی مجرم سمجھتی ہے اور اپنے ہر فرد کو مجاز سمجھتی ہے کہ وہ محکوم مجرم قوم کے ہر فرد کو جب جی چاہے اور جس طرح جی چاہے سزا دے لے، ملکیت کی مصائب سے تو پہلے بھی ایک دنیا واقف تھی، مگر دولِ یورپ کے استعمار نے ہم جیسی محکوم قوموں کو ان زیادہ تکلیف دہ اور گونا گوں مصائب سے بھی آشنا کر دیا ہے، جو ایک محکوم قوم کو اس حالت میں برداشت کرنا ہوتی ہیں، جبکہ ان پر ایک دوسری قوم مسلط ہو اور بجائے ایک بادشاہ کے وہ قوم کی قوم ان پر بادشاہت کرے، فرق صرف اس قدر ہے کہ دولِ یورپ کو صرف اپنی دنیوی برتری کا گھمنڈ ہوتا ہے اور یہاں حاکم قوم کو محکوم قوم پر تفوق دینی کا بھی غرور ہے اور اس بنا پر وہ محکوم قوم خسارِ دنیا والا آخرہ کے دو گونہ عذاب میں مبتلا سمجھتی ہے۔

امورِ دنیوی میں بھی عدم مساوات

دنیوی امور میں بھی حجاز کی نجدی حکومت مساوات کو ملحوظ نہیں رکھتی؛ چنانچہ جہاں تک ہمیں علم ہے، نجدی حجاج سے وہ محاصل نہیں وصول کیے گئے جو باقی دنیا سے اسلام کے حجاج سے وصول کیے گئے تھے اور جن کی روز افزوں اور بالکل غیر متوقع ترقی سے حجاج نالاں تھے، طواف، استلام، مقامِ ابراہیم پر ادائیگیِ نوافل، زمرم، منیٰ اور سعی ورمی، جمار وغیرہ میں حاکم اور محکوم قوموں میں ایک حد تک اسی طرح کا فرق نظر آتا تھا، جو ہندوستان میں گوروں اور کالوں میں نظر آتا ہے اور حال میں باوجود موتمر کی سبکیٹ کمیٹی کے فیصلہ کے جو قانونِ اسلمہ جاری کیا گیا وہ اس ذوقِ کو صاف نمایاں کر رہا ہے۔

علمائے نجد اور عدم مساوات

یہ عدم مساوات عوام ہی تک محدود نہیں ہے، بلکہ علماء نجد بھی اس میں شامل ہیں۔ ہم اس موقع کو کبھی نہیں بھول سکتے؛ جبکہ سلطان کی دعوت پر بہت سے لوگ بیت بانا جبہ میں جمع ہوئے تھے اور بدعات کے متعلق بحث و مباحثہ ہوا تھا، مولانا عبدالحلیم رکن وفد جمعیت العلماء نے اس موقع پر بالکل صحیح فرمایا تھا کہ بدعت صرف بنا علی القبر تک محدود نہیں ہیں، بلکہ تکفیر اہل قبلہ بھی اس میں داخل ہے اور افسوس ہے کہ بعض اہل نجد اس سے احتراز نہیں کرتے، حالانکہ وہ تمسک بالکتاب والسنة کے وعویدار ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے ہمارا کلمہ پڑھا، ہمارے قبیلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ ہم سے ہے، اس پر سلطان نجد بہت برا فرختہ ہوئے اور انانہ نجد کہہ کر نجدیوں کی حمایت کرنے اور فرمانے لگے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو ہماری قبروں کو پوجے اور ہماری محترم ہستیوں سے دعا کرے، وہ بھی ہم میں داخل ہے؟ اس کا تو مولانا عبدالحلیم صاحب ہی نے اسی وقت جواب دیا کہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ اور ذبیحہ کی شرکت پر کسی اور چیز کو مستزاد بھی نہیں فرمایا تھا، مگر سب سے زیادہ تکلیف وہ یہ امر تھا کہ شیخ عبد اللہ بن بلہد نے نہایت درشتی اور رعونت کے لہجہ میں کہا کہ اس شخص کو میرے سامنے بٹھاؤ اور جب مولانا عبدالحلیم صاحب کو قاضی القضاة کے سامنے ایک کرسی رکھ کر بٹھایا گیا، تو انہوں نے اسی لہجہ میں مولانا سے سوال کیا کہ عبادت کیا ہے، اس پر مولانا کفایت اللہ صاحب رئیس وفد جمعیت العلماء کو دخل دینا پڑا، مولانا نثار احمد صاحب نے بھی جو جمعیت العلماء کے وفد کے رکن تھے، مگر شریک وفد نہ ہو سکے

تھے۔ ہمیں اطلاع دی کہ عین مسجد الحرام میں ایک مباحثہ کے دوران میں انہی شیخ
 عبداللہ بن بلید نے ان کو پنکھا پھینک کر مارا، حقیقت یہ ہے کہ علماء نجد بظاہر
 اس کے دعویدار معلوم ہوتے ہیں کہ شریعت حقہ کا علم انہی کو حاصل ہے اور یہی
 نہیں کہ ان کا مذہب، مذاہب اربعہ سے بہتر ہے، بلکہ علمائے نجد کو بھی وہ
 علمائے احناف سے بہتر جانتے ہیں، انہی حالات سے مجبور ہو کر ہم نے مشورہ و
 بمعیت وفد جمعیت العلماء موتمر میں ایک تحریک پیش کی تھی، کہ تمام مذاہب اسلامیہ کے
 متبعین کو ارض پاک جاز میں عبادات مناسک اور اعمال میں آزادی حاصل ہونی چاہیے
 اور کسی کو مجبور نہ کیا جائے کہ کسی چیز پر جو اس کے مذہب میں جائز ہے عامل نہ ہو یا
 کسی چیز پر جو اس کے مذہب میں جائز نہیں عمل کرے اور کس مذہب میں کیا چیز داخل
 نہیں، اس کا فیصلہ صرف اسی مذہب کے علماء مستند و معتبر کریں اور دوسرے
 مذہب کے علماء اس میں مداخلت نہ کریں، گو یہ تحریک بالآخر منظور ہوئی، لیکن
 اس پر سخت مباحثہ ہوا اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ نامزدگان سلطان کو بہ طیب
 خاطر قبول نہ تھی، ہدم شدہ مبنی و مآثر کی تعمیر و تحفظ کے متعلق جو تحریک ہم نے
 پیش کی تھی اور جس میں خود بعض نامزدگان سلطان کے مشورہ بہ ہم نے عمل کر کے
 ترمیم کر لی تھی، اس کو بھی نامزدگان سلطان نے ایک ہفتہ تک موتمر میں پیش ہونے
 نہ دیا اور یہ صرف آخری اجلاس موتمر میں بدقت تمام اور بعد خرابی بسیار پیش اور
 منظور ہو سکے۔

نتیجہ

ان حالات میں ہمارے نزدیک نجدی قوم کے ایک خاندان کی شخصی
 اور وراثتی حکومت قائم کرنا اور بھی زیادہ خرابیوں کا باعث ہو گا اور شخصی، خاندانی

اور قومی تصادم کے علاوہ ہر وقت عقائد و عبادات کے تصادم کا بھی اندیشہ ہے گا، اہل حجاز شریفی حکومت سے نالاں تھے، مگر اس کی وجہ حکومت کا ظلم و تعدی تھی۔ اہل حجاز موجودہ نجدی حکومت سے علاوہ اور وجوہ کے اس وجہ سے بھی نالاں ہیں کہ اب مذہبی ظلم و تعدی کا بھی اضافہ ہو گیا ہے اور اس کے جاری رہنے کا انہیں سخت اندیشہ ہے۔

ہوس ملک گیری قیام امن کے منافی ہے

اگر ہم مطمئن ہو جائیں کہ اس طرح خوف و طمع سے قائم کی ہوئی امن پائی بھی ہوگی، تب بھی ہم اس امر کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ اندرون ملک کی لوٹ مار بند کرنا نہ حجاج وزائرین، نہ باشندگان حجاز کے لیے کافی ہے، لیٹرے قبائل کی تگ و دو محدود ہوتی ہے، بر خلاف اس کے جنگجو اور حملہ آور بادشاہوں اور دیگر ملک گروں کی تگ و دو وغیر محدود ہوتی ہے اور جو قتل و غارت ایک سکندر ایک ہلاکو، ایک چنگیز، ایک تیمور، ایک پولین یا موجودہ زمانے کی ایک استعماری دولت متحدہ کے مطامع اور جوع الارض کا نتیجہ ہوتی ہے، وہ قزاقوں اور ڈاکوؤں کی قتل و غارت سے ہزاروں گنی زیادہ ہوتی ہے۔ ہم نے حال ہی میں دیکھا ہے کہ برسوں کے شہر میں اس کی متحدان حکومت نے پورا امن و امان قائم کر رکھا تھا اور لوگ اطمینان سے اپنے گھروں میں رہتے تھے اور سفر کرتے تھے، لیکن جنگ عوی چھڑ جانے پر ہر دو فریق کی طرف سے جو بزد آزمائی ہوئی، اس میں وہ بڑے بڑے بازار اور امرام کے سکونتی محلے جن میں خس و خاشاک کا نظر آنا بھی تقریباً ناممکن تھا، اس طرح تباہ و ویران ہو گئے کہ بڑے بڑے لیٹرے قبائل کے قتل و نہیب

کے باعث کوئی چھوٹا سا قریہ بھی اس سے پہلے تباہ و ویران نظر نہ آیا ہوگا، نہ معصوم سے معصوم انسان کی جان محفوظ تھی، نہ مال، بوڑھے اور بچے اسی طرح جنگ کی نذر ہوئے، جس طرح کہ باقاعدہ فوج کے مسلح سپاہی اور عورتوں کی عزت و ناموس کی حفاظت نہ کی جاسکی، آتش جنگ نے ایک لمحہ میں صدیوں کے قائم کردہ امن کو جلا کر بھونک دیا، اگر ارض پاک حجاز بزدل شمشیر ملک گیری کی رزمگاہ بن گئی، تو سلطان نجد کا قائم کردہ امن و امان کس کام آئے گا؟ ہم اوپر کہہ چکے ہیں کہ ایران، عراق، شرق اردن، مصر و یمن کے تعلقات سلطان نجد سے کیسے ہیں، اگر ان کو یا ان کے حمایتیوں کو یہ دعویٰ ہے کہ انہوں نے ارض پاک حجاز کو اپنی تلواروں اور نیزوں کی نوکوں اور سبذقوں کی گولیوں سے لیا ہے، تو کون چیز اس کے مانع ہو سکتی ہے کہ دوسرے بھی تیغ آزمائی کر کے اسی طرح اس ارض پاک پر قبضہ کر لیں، حقیقت یہ ہے کہ سلطان نجد نے حجاز کو حجازیوں سے بھی بزدل شمشیر نہیں لیا ہے، اہل حجاز کو آٹھ برس کے شریفی مظالم نے مردہ کر دیا تھا اور طائف والوں تک کو شریف حسین اور امیر علی نے دھوکہ میں رکھا کہ وہ قبائل نجد سے ان کی حفاظت کریں گے، حالانکہ دونوں طائف اور مکہ مکر مہ چھوڑ کر جدہ بھاگے جا رہے تھے، اس پر بھی جدہ بزدل شمشیر نہیں لیا جاسکا، شمشیر کے ساتھ بین الاقوامی تدبیر کو بھی سقوط جدہ میں داخل تھا، لیکن یہ بھی مان لیا جائے کہ حکومت حجاز اور اہل حجاز دونوں سے سلطان نجد نے حجاز کو بزدل شمشیر لیا ہے، تب بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اور مسلمان امر و سلاطین ملک گیری کی ہوس اور شمشیر زنی کے دلوں میں تیغ آزمائی کر سکتے ہیں۔ ع۔

دیگر اہل ہم بکنندہ شمشیر سامی کرد

ظاہر ہے کہ باہر کا فتنہ اس طرح فرو نہیں ہو سکتا، لیکن حجاز میں اندر کا فتنہ بھی

موجود ہے، اور وطنی فتنہ پر دینی فتنہ مستزاد ہے اور رہا یا میں انقلاب کی خواہش ایک فاتح کے ذوق ملک گیری سے کچھ ہی کم قتل و فارت کا باعث ہو سکتی ہے، ہم کو اس کی کافی سے بہت زیادہ شہادت مل چکی ہے کہ اہل حجاز سلطان نجد کے ملک الحجاز بنتے وقت نہ ان سے خوش تھے، نہ آج ان سے اور حکومت سے خوش ہیں۔

امیر علی کی وزارت خارجہ کی ایک تحریر

ہمارے وفد کے رئیس سید سلیمان ندوی کی صدارت میں جو وفد ۱۸ دسمبر ۱۹۲۴ء کو جدہ گیا تھا اس کے نام امیر علی کی وزارت خارجہ نے اپنے مراسلہ نمبر ۶۲ مورخہ ۷ ارجمادی الثانی ۱۳۴۳ھ میں لکھا تھا کہ:-

”آج کے بعد سے مملکت حجاز کو موجودہ بادشاہ حجاز کے سوا کسی سے کوئی تعلق نہیں اور نہ وہ اس لیے کسی کی طرف دیکھتی ہے اور حجاز نے قطعی ارادہ کر لیا ہے کہ وہ اپنے موجودہ بادشاہ سے آخر دم تک وابستہ رہے گا اور اس نے اپنے مستقبل زندگی کے متعلق بادشاہ مذکور کی بیعت کر کے اور دستوری حکومت کے قیام کا ارادہ کر کے اپنے متعلق قطعی فیصلہ کر لیا ہے اور یہ سخت وقت جس میں حجازی قوم نے بغیر اکراہ کے بادشاہ حال کی بیعت کی ہے، خود مملکت حجاز کی وطنی روش اور قومی خواہش پر بہترین گواہ ہے۔“

لیکن ہم نے دیکھ لیا ہے کہ امیر علی سے ”آخر دم تک“ وابستگی کے کیا معنی تھے اور ان سے ”بغیر اکراہ“ کے بیعت کی اصلیت کیا تھی، حقیقت یہ ہے کہ جس وقت مشرف حسین اور ان کی اولاد کے بیچہ منظم والحاد سے مملکت حجاز چھوٹی تو اس کی

وطنی روش اور قومی خواہش نے صاف گواہی دے دی، ہم نے دیکھ لیا ہے کہ جو گواہی اس سے پہلے دلوائی گئی تھی، وہ کس قدر جھوٹی تھی، مملکتِ حجاز آج نجدی حکومت کے پنجہ سے آزاد نہیں ہے، لیکن اس کی وطنی روش قومی خواہش اور دونوں سے زیادہ اس کا مذہبی مبلان صاف گواہی دے رہا ہے کہ وہ موجودہ بادشاہ حجاز سے ایک لحظہ کے لیے بھی وابستہ رہنا نہیں چاہتا اور بادشاہ حال کی بیعت بغیر اگرہ نہ تھی، ہمیں ہر طبقہ کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا، لیکن ہم نے سوائے چند کے کسی کو بھی جو نجدی عقائد کا نہ تھا۔ موجودہ حکومت سے خوش نہ پایا، بہتوں نے اس کی بھی شکایت کی کہ جمعیتِ خلافت ہند ہی موجودہ حکومت کے قیام کا باعث ہوئی اور گو ہم نے ان کو مطمئن کر دیا کہ یہ خلاف واقعہ ہے، تاہم ان کی آنکھیں ہندوستان پر لگی ہوئی ہیں کہ جس طرح اہل ہند نے اپنی پوری اخلاقی قوت شریف حسین اور امیر علی کے خلاف صرف کر دی، اسی طرح موجودہ طرزِ حکومتِ حجاز کے خلاف بھی صرف کریں گے، ہندوستان میں یہ بھی مشہور ہوا تھا کہ سلطانِ نجد اہل حجاز ہی کو مختلف ٹہڈوں پر حجاز میں مامور کر رہے ہیں اور حجاز للہجاز زمین کے اصول پر کار بند ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جتنے بڑے بڑے عہدے ہیں، تقریباً ان سب پر نجدی یا نجدیوں کے ہم عقیدہ اشخاص کو مقرر کیا جا رہا ہے اور جو چند حجازی بعض چھوٹے عہدوں پر مامور ہیں، وہ بھی اپنی ملازمت کو عارضی سمجھتے ہیں، بلکہ بعض کو تو اندیشہ ہے کہ کہیں ملازمت ہی سے نہیں، بلکہ مملکتِ حجاز سے بھی خارج نہ کر دیے جائیں، موسمِ حج سے پہلے ایک بڑی تعداد جن میں سے کچھ ضرور شریفی حکومت کے ارکان تھے، قید اور فرج البلد کر دیے گئے تھے، لیکن صحیح تعداد کا ہم کو پتہ نہ چل سکا، نہ ان کے قصور اور موجودہ قیام کا ایک تھر کی خاتون نے جو ان میں سے ایک کی تھیں، بیوی تھیں، ہم نے ان کی ان بچوں پر رحم کھا کر جن کا ذریعہ معاش صرف ان کے سابق شوہر کی آمدنی پر تھا،

حقتہ تھا، ہم ان کے سابق شوہر کی رہائی کے لیے حکومت سے سفارش کریں اور کم از کم حکومت کو اسی پر رضامند کر دیں کہ ان کا قصور بتا دیا جائے اور ان پر باقاعدہ مقدمہ چلایا جائے ہم ان کے سابق شوہر کے حالات سے واقف نہ تھے اور رہائی کی سفارش کرنا ہمارے امکان سے خارج تھا، تاہم ہم نے حافظ دہبہ سے ان کے متعلق ذکر کیا، تو ہم کو بتایا گیا کہ حکومت کے پاس تحریری ثبوت موجود ہے کہ یہ سب لوگ ایک سازش میں شریک تھے، جس کا منشا تھا کہ موسم حج میں انقلاب حکومت کی کوشش کی جائے اور حافظ دہبہ صاحب موصوف نے ہم کو یقین دلایا کہ ان پر باقاعدہ کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ان میں سے کسی پر بھی مقدمہ چلایا گیا یا نہیں، لیکن اب سننے میں آیا ہے کہ ایک بڑی تعداد کو جلا وطن کر دیا گیا ہے، بہر حال ہمارے روانگی جزدہ سے دوسرے ہی دن نافذ کردہ قانون اسلحہ سے ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ موثر سبکٹ کمیٹی کے سامنے پیش شدہ نجدی تحریک سے بھی ثابت ہوتا تھا کہ حکومت حجاز کو اہل حجاز کی رضامندی پر مطلق بھروسہ نہیں ہے اور وہ اہل حجاز کو اسی طرح مرعوب و خائف رکھنا چاہتی ہے، جس طرح کہ یورپ کی استعماری دولتیں مشرقی محکوم قوموں کو مرعوب و خائف رکھتی ہیں، ان حالات میں علاوہ بیرونی حملہ آوروں کی ہوس گیری کے موجودہ حکومت حجاز کو خود باشندگان حجاز کی خواہش آزادی سے بھی سابقہ بڑا، ہمیں لازمی معلوم ہوتا ہے اور حجاز کو موجودہ حکومت کے ہاتھ میں چھوڑ دینے کے یہی معنی ہیں کہ اس بقعہ مبارکہ کو ایک رزمگاہ بنا دیا جائے، جس میں مدتوں آتش جنگ مشتعل رہے، یہ خود مسلمانان عالم کو ہرگز گوارا نہ ہوگا، لیکن اس سے کہیں بدتر وہ زمانہ رصلح و امن ہوگا، جو غیر مسلم استعماری دولتوں کی مداخلت کے بعد جو ایسے حالات میں یقینی ہے، بظاہر آئیو والا ہے، خدا ارض پاک حجاز کو جس کے حرموں کی حدود میں گھانس اور درخت کی ٹہنی

بھی نہیں توڑی جاسکتی اور موردِ گس تک محفوظ ہیں، اس گشتِ و خون اور فساد و سنگ دم سے بچائے، اس خدا نے جس نے مکہ مکرمہ کو "بلد الامین" اور جس نے ہم سے وعدہ کیا کہ من دخلہ کان امانا، بیشک اس کی قدرت رکھتا ہے کہ وہ ارضِ حجاز میں امن و امان قائم رکھے، لیکن وہ مسبب الاسباب ہے اور آج سے تیرہ سو برس پیشتر اپنے رسول پر وحی نازل فرما کر اس نے یہ کام ہمارے سپرد کیا ہے کہ ارضِ مقدس حجاز کو کفر و شرک کی نجاست سے پاک رکھیں اور کفار کو اس کے پاس بھی نہ پھٹکنے دیں اور وہی مردِ آخر میں مبارک بندہ ہے جو کفار کے معاملہ کو روکنے کی پہلے ہی سے کوشش کرے اور کفار کی مداخلت کے سب راستے ہی بند کر دے، دولِ یورپ کے داخلہ کا جو کھٹکا شریف حسین کی غداری کے بعد سے مسلمانانِ عالم کو ہر وقت لگا رہتا تھا ایک حد تک آج بھی موجود ہے، سنا جاتا ہے کہ جدہ کے تارگھر کو برطانیہ کے داخلہ کی دہلیز جلد بنایا جانے والا ہے یہ خطرہ اس قدر پریشان کن اور وحشت انگیز ہے کہ ہم کامل ثبوت پہنچنے تک صبر نہیں کر سکتے اور جو تردد اور تشویش ہم کو لاحق ہے، اس سے اپنے ہم مذہبوں اور بالخصوص مسلمانانِ ہند کو نا آشنا نہیں رکھنا چاہتے۔ ہمارے نزدیک سلطان نجد کے وعدوں سے مسلمانانِ عالم کو نہ اطمینان ہو سکتا ہے نہ ان کو اطمینان ہونا چاہیے، یہ اطمینان اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے، جبکہ حجاز میں ایک حجازی جمہوری حکومت قائم ہو جائے اور اس پر چند ضروری امور میں مندرجہ بین عالم اسلام کی نگرانی ہو، اسی وقت یہاں پابیدار امن قائم ہو سکے گا اور اسی وقت یہ بقعہ مبارک آتشِ جنگ سے مامون و مصنون ہوگا، اسی کے لیے سلطان ابن سعود نے بیعِ الآخر ۱۳۴۲ھ کو موتمرِ اسلامی کی دعوت دی تھی اور دعوتِ نامہ میں تحریر فرمایا تھا:

الجوازین من جہت الحکم وللعالم الاسلامی من حقہ المحقوق المنفوس

التی لہ فی ہذا البلاد (حکومت کے لحاظ سے حجاز حجازیوں کے لیے ہے اور حقوق مقدسہ کے لحاظ سے جو دنیا سے اسلام کو حجاز میں حاصل ہیں، حجاز تمام دنیا سے اسلام کے مسلمانوں کے لیے ہے)

اسی دعوت نامہ میں سلطان نے لکھا تھا والذی نفسی بیدہ لمراد التسلط علی الحجاز ولا تملکة وانما الحجاز ودیعة فی یدہ الی الوقت الذی یختار الحجازیون فیہ لبلادہم والیا منہم یکون خاضعا للعالم الاسلامی وتحت اشرف الاسلامیہ والشعوب التی ابدت غیرہ تذکرہ کالھنود۔

(اور میں اس خدائے برتر کی قسم کھا کر جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہتا ہوں کہ میرا مقصد حجاز پر تسلط یا حکومت کرنا نہیں ہے، حجاز میرے ہاتھ میں اس وقت تک امانت ہے، جب تک کہ اہل حجاز خود اپنے میں سے ایسے حاکم کا انتخاب کر لیں، جو عالم اسلامی کی بات ماننے والا اور ان اقوام اسلامیہ اور طبقات ملیہ کے زیر نگرانی رہے، جنہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی طرح سے غیرت و حمیت کا ثبوت ہمہ پہنچا ہے)

اسی دعوت نامہ میں جہاں یہ درج تھا کہ حکومت حجاز و اعلیٰ امور میں خود مختار ہوگی، وہیں یہ بھی درج تھا کہ حدود حجاز کی تعین اور نظام مالی و عدالتی ادارتی کی حجاز کے لیے تشکیل ان مندوبین کے لیے ہوگی، جن کو اقوام اسلام اس کا اختیار دیں گی، ہماری رائے میں سلطان نجد کا یہ ارادہ یقیناً ایسا تھا کہ وہ اس پر فائز رہتے اور آج اسی کا ان سے مطالبہ کرنا چاہیے۔

حجاز میں امن کی خاص ضرورت

ہم نے حجاز کی سرزمین کے لیے قیام امن کو سب سے بڑی ضرورت

بتایا تھا، یہ نہ صرف اس لیے کہ ہر ملک میں قیام امن سب سے ضروری چیز ہے، بلکہ اس لیے بھی کہ یہ سرزمین دنیائے اسلام کی زیارت گاہ ہے اور جب حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کو اس وادی غیر ذمی زرع میں بسایا تھا اور خداوند کریم سے ان کے لیے دعا کی تھی، تو اس رزاق نے اپنی مسبب الاسباب سے حجاج کو ان کے رزق پہنچانے کا ذریعہ مقرر فرمایا تھا، ایک ایسے ملک میں جس کی اپنی آمدنی بہت ہی قلیل ہو اور جس کا دار و مدار تقریباً تمام تر باہر سے آنے والے حجاج پر ہو، حجاج کے آرام و آسائش کے متعلق پورا انتظام کرنا وہاں کا اولین فرض ہونا چاہیے۔

وفد کی رائے دربارہ تشکیل حکومت حجاز

جمعیت خلافت کی مجلس عاملہ نے ہمارے انتخاب کے وقت یہ فیصلہ کیا تھا کہ موتمر میں تشکیل حکومت حجاز کے بارے میں بحث نہ کی جائے اور جیسا کہ ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں، سلطان نجد نے جمعیت العلماء کے تارکے جواب میں گول الفاظ میں، لیکن پھر بھی صاف طور پر ظاہر کر دیا تھا کہ موتمر میں اس مسئلہ کے پیش ہونے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن جب موتمر کا افتتاح کرتے وقت سلطان نجد نے اپنی طرف سے ۲۶ نمائندوں کو نامزد کیا اور چار اہل حدیث کو بھی موتمر میں شریک کیا اور اس طرح ۵۹ ارکان موتمر میں سے تیس ایک بڑی حد تک سلطان نجد کی رائے کے پابند ہو گئے، تو تشکیل حکومت کے مسئلہ کو تمام مسائل سے پیشتر موتمر کے پروگرام میں رکھا گیا، لیکن اس مسئلہ کا سلطان کے آؤمی و عوامی میں نہ کہیں ذکر تھا اور نہ ہمارے جمعیت نے ایک ایسی موتمر میں سمجھیں اور

بحث کرنے کی اجازت دی تھی، جس کی نمائندگی ایک بڑی حد تک مشتبه تھی، اس لیے ہم نے غیر رسمی طور پر سلطان کو اطلاع دی کہ کسی ایسے مباحثہ میں شریک نہیں ہو سکتے اور اگر اس کے متعلق ان کے خطبہ افتتاحیہ میں کچھ ذکر کیا گیا، تو جمعیت خلافت کے مسلک کے مطابق ہم ان کی ملکیت کے خلاف اظہار رائے کریں گے، البتہ سلطان نجد کے ساتھ ملاقاتوں میں جو کچھ اس بارے میں کہا گیا ہے، وہ ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں، رسمی طور پر ان سے اس بارے میں مزید بحث نہیں بے سود معلوم ہوتی، اس لیے کہ وہ بادشاہت چھوڑنے پر کسی طرح راضی نہ معلوم ہوتے تھے، اب ہم اپنے مشاہدات اور تجربات کے بعد تشکیل حکومت کے متعلق اپنی رائے ظاہر کرنا چاہتے ہیں، ہماری رائے ہے کہ حجاز میں کسی قسم کی بادشاہت نہ قائم ہو، حکومت کسی خاص خاندان کے ساتھ ہرگز وابستہ نہ ہو، حکومت میں وراثت کا کوئی تعلق نہ ہو، حکومت شوریٰ اور جمہوری ہو اور صرف ساکنان حجاز کو ارکان حکومت بنایا جائے، گویا تک ان کو بیرونی امداد کی ضرورت ہو تو تمام اقطار عالم اسلامی سے بہترین مسلمان بطور عمال حکومت ملازم رکھے جاسکیں۔

عالم اسلام کی نگرانی

اس طرح حجازی حکومت داخلی امور میں خود مختار ہوگی، لیکن چند امور میں اس پر عالم اسلام کی نگرانی ہوگی، ان امور میں سب سے مقدم حجاز کو غیر مسلموں کی مداخلت سے بچانا ہے اور یہ فرض نہ صرف حجازیوں یا عربوں کا ہے، بلکہ ہر مسلمان کا ہے، جس کو یا ایہا الذین امنوا انما المشركون نجس فلا تقر بوا المسجد الحرام بعد عامہم ہذا کا بارگاہ ایندوی سے حکم ملا ہے، غیر مسلموں کی مداخلت طریقہ طریقہ سے ہو سکتی ہے۔ اس لیے مداخلت کو کس طریقہ سے روکا جائے گا

اس کی تشریح یہاں نہیں کی جاسکتی؛ البتہ غیر مسلموں کو اقتصادی امتیازات دینا بند کرنا چاہیے اور غیر مسلم دول کے قنصلوں پر کم از کم مسلم ہونے کی شرط لگائی جاسکتی ہے اور دوسرا امر جس میں عالم اسلامی کی نگرانی لازمی ہے، ترویج شریعت اسلامیہ ہے، اس لیے کہ کسی حجازی یا عربی حکومت کو بھی یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ شریعت حقہ کی خود خلاف ورزی کرے، یا اس کی خلاف ورزی جائز رکھے؛ البتہ ترویج حکومت کی طرف سے شریعت کے اسی حصہ کی کی جائے گی، جو تمام مذاہب اسلامیہ میں مسلمہ ہیں، جن مسائل میں مختلف مذاہب میں اختلاف ہے، ان میں ہر مسلم مجاز ہوگا کہ اپنے مذہب کے مطابق عمل کرے؛ البتہ دوسرے مذاہب اور مذاہب والوں کی توہین اور دل آزاری کی کسی کو اجازت نہ ہوگی، خواہ وہ اسے اپنے مذہب کا جزو ہی کیوں نہ سمجھے، اس کے علاوہ ان تبرکات و صدقات اور اوقاف کی نگرانی بھی عالم اسلامی کے مندوبین کریں گے، جو بیرون حجاز کی طرف سے دیے یا قائم کئے گئے ہوں، ان موٹی موٹی باتوں کے علاوہ کچھ اور امور بھی ایسے ہونگے، جن میں عالم اسلامی کی نگرانی کی ضرورت ہوگی، لیکن اس وقت اس قدر تشریح کافی ہے، عالم اسلامی کے مندوبین اسی طریقہ پر مقرر یا منتخب کئے جاسکتے ہیں، جو موثر اسلامی کیلئے پہلی موثر نے منظور کیا ہے۔

اہل حجاز کی اہلیت اہل نجد سے کم نہیں، بلکہ کہیں زیادہ ہے

حجاز کے لوگوں میں انتظام ملکی کی کافی اہلیت معلوم ہوتی ہے اور کم از کم نجدیوں سے زیادہ وہ حکومت حجاز کے چلانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ہمیں نجدیوں میں اہل حجاز سے بہتر کوئی شخص حجاز پر حکومت کرنے کا اہل نظر نہیں آیا، بلکہ اہل حجاز کو ہم نے اہل نجد سے کہیں زیادہ اس کا اہل پایا۔

۱۰ مولانا محمد علی جوہر نگارشات محمد علی ص ۲۱۵ - ۲۱۳ -

باب

لائسنس آف عربیہ

لارنس آف عربیہ کی خفیہ جہاز

لارنس آف عربیہ عربیہ سیاست کا مشہور افسانوی کردار ہے۔ اسے مغربی اہل قلم نے عربوں کی آزادی کا چیمپیئن بنا کر پیش کیا جو انہیں ترکوں کے ”چنگل“ سے نجات دلانے کے لئے از خود ان کے ساتھ آلا تھا۔ انہوں نے اس حقیقت کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی کہ وہ برطانوی انٹیلی جنس کا عیار ترمین آدمی تھا اور اسے باقاعدہ ایک عرب کی حیثیت سے عربوں میں ”پلانٹ“ کیا گیا تھا۔ اسے عربوں کو بغاوت پر آمادہ کر کے خلافت عثمانیہ کو پارہ پارہ کرنے اور اسرائیلی ریاست کے قیام کی راہ ہموار کرنے کا جوشن سونپا گیا اس کی مکمل روداد، خفیہ فائلوں سے اخذ کر کے پہلی مرتبہ فلپ ٹاٹلی اور کولن سپین نے اپنی کتاب ”LAWRENCE OF ARABIA THE SECRET“ میں بیان کی ہے جس کی تلخیص زبیر حسین پیش کرتے ہیں۔ یہ پہلی جنگ عظیم کا واقعہ ہے، جب سامراجی قوتیں اپنے آدمیوں کو مختلف جہتوں میں دوہری قوموں میں بھیجا کرتی تھیں۔ اب انہوں نے طریق کار بدل دیا ہے۔ وہ ان قوموں کے اندر ہی اندر اپنی بساط سیاست کے ہرے تیار کرتی ہیں۔ اس روداد کو پڑھئے اور اسلامی دنیا پر نظر ڈالیئے، سرخ و سفید سامراج کے کتنے ہی ”لارنس“ سرگرم کار نظر آئیں گے۔

۱۰ جون ۱۹۱۶ء کا دن تھا۔ مکہ کے حسین نے اپنے محل کی کھڑکی سے ہوائی فائر کیا۔ یہ سگنل تھا اس بات کا کہ ترکوں کے خلاف بغاوت شروع ہو گئی ہے۔ مدینہ میں پانچ روز پہلے ۵ جون کو لڑائی پھڑپھکی تھی، جہاں حسین کے چار میں سے دو بیٹے علی اور

فیصل پانچ سو عرب فوجوں کے ساتھ ترک فوج سے الگ ہو گئے تھے۔ انہوں نے ترک کمانڈر کو خط لکھا کہ وہ اپنے باپ کے حکم پر ترکوں سے تعلقات ختم کر رہے ہیں اور جنگ کا اعلان۔

یہ اس مہم کا نقطہ آغاز تھا، جس میں آئندہ پانچ برسوں میں لارنس نے اپنے کھلے اور چھپے جوہر دکھائے۔ امریکی صحافی لاول تھا مس (جس نے سب سے پہلے لارنس پر کتاب لکھ کر اسے عظیم ہیرو کی حیثیت سے پیش کیا) کے بقول لارنس صحرائی راہنہ ہڈ تھا اور سادہ لوح عربوں کی زبان میں "غازی" جس نے بھرے ہوئے عرب قبیلوں کو "ترکی استعمار" کے خلاف متحد کر کے دمشق پر فاطحانہ یلغار کی۔ خود لارنس نے اپنی مشہور کتاب "دائالی کے سات سنوں" میں اپنی شخصیت کو مزید رومانوی رنگ دیا۔ لیکن ایک رخ اور بھی تھا جسے کچھ لوگوں نے محسوس کیا، لیکن لارنس نے دانستہ چھپایا۔ اگر وہ چاہتا بھی تو سرکاری سیکرٹ ایکٹ اس کا انکشاف نہ کرنے دیتا۔

حسب و نسب

لارنس کے قدیم اجداد میں سر رابرٹ لارنس کا نام سیر نہرست ہے جو سارٹھے سات سو برس قبل صلیبی جنگوں میں شیردل رچرڈ کے ہم رکاب تھا اور زمانہ قریب کے اجداد میں دو بھائیوں سر ہنری اور سر جان لارنس نے ہندوستان کی جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) کو کچلنے میں اہم کردار ادا کیا۔ باپ تھا مس رابرٹ چیپ مین اوسط درجے انجیلو آئرش زمیندار تھا۔ لارنس، چیپ مین کی چار بیٹیوں کی اسکاچ آیا سارا میڈن کے بطن سے تھا جس کے ساتھ ساری عمر اس کا غیر قانونی تعلق رہا۔ معاشی اور قانونی حالات نے انہیں کسی ایک جگہ ٹکے نہ دیا۔ آئر لینڈ، ویلز، اسکاٹ لینڈ اور فرانس میں گھومنے پھرنے کے بعد انہوں نے آکسفورڈ کو اپنا مسکن بنایا۔ اسی زمانے میں چیپ مین نے اپنا نام بدل کر لارنس رکھ لیا۔ سارا سے اس کے تین بیٹے بھی تھے۔ تھا مس ایڈورڈ

لارنس کا نمبر دوسرا تھا۔

تھامس ایڈورڈ لارنس نے تعلیم پہلے فرانس کے شمالی ساحل کے ایک قصبے ویرڈ میں آکسفورڈ ہائی اسکول میں حاصل کی۔ بارہ برس کا تھا کہ کسی بات پر اپنے ایک ہم جماعت سے جھگڑا ہو گیا اور نوبت مار پیٹ تک جا پہنچی، جس کے نتیجے میں اس کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اس حادثے میں لارنس کی جسمانی نشوونما رک گئی اور اس کا قد چھوٹا رہ گیا۔ عام انگریز کا قد پونے چھ فٹ ہوتا ہے، جب کہ لارنس کا قد صرف پانچ فٹ پانچ انچ تھا۔ باقی جسم کے مقابلے میں اس کا سر بہت بڑا تھا۔

ہونہار بردا

سترہ سال کی عمر میں وہ کسی کو بتائے بغیر گھر سے نکلا اور کارنوال پہنچ کر رائل آرٹلری میں سپاہی بھرتی ہو گیا۔ باپ کو پتہ چلا تو وہ اسے بڑی مشکل سے واپس لے آیا۔ اب لارنس جیسس کالج آکسفورڈ میں داخل ہو گیا۔ تاریخ اس کا پسندیدہ مضمون تھا۔ یہاں آسٹموبیلین میوزیم کے ڈائریکٹر ڈی جی ہوگارتھ نے لارنس کی مخفی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور اس پر خصوصی توجہ دی۔ آثارِ قدیمہ اس کا خاص مطالعاتی میدان تھا اور وہ مختلف مہموں پر ایشیا کو چک، قبرص اور مصر بھی گیا۔ ماہر آثارِ قدیمہ ہونے کے علاوہ وہ پولیٹیکل اینٹیل جنس کا آفیسر بھی تھا، اور شرقِ اوسط سے متعلق امور پر خصوصی نظر رکھتا تھا۔ ہوگارتھ نے ایک تنظیم ”راؤنڈ ٹیبل“ تشکیل دی، جس کے ارکان میں بڑے بڑے اخباروں کے ایڈیٹرز، دانشور، اہم عہدیدار حتیٰ کہ پرائم منسٹر تک شامل تھے۔ لارنس نے ہوگارتھ کے واسطے سے ”راؤنڈ ٹیبل“ کے عزائم جذب کئے جو عرب میں اس کے کام کا بڑا محرک ہے۔

انگریزوں میں کوئی دوسرا شخص ایسا نہ تھا جو سلطنتِ عثمانیہ کے بارے میں ہوگارتھ کو چیلنج کر سکتا۔ جنگ شروع ہونے سے برسوں پہلے بظاہر ماہر آثارِ قدیمہ کی حیثیت سے وہ سلطنتِ عثمانیہ کے علاقوں میں گھوما پھرا، لیکن درپردہ سیاسی اور فوجی نوعیت کی

معلومات جمع کرتا رہا۔ ہوگا رتھ نے جلد ہی اپنے شاگرد کو اپنے رنگ میں رنگنا شروع کر دیا۔ لارنس قرون وسطیٰ کی تاریخ اور فن سپہ گری میں خصوصی دلچسپی لینے لگا۔ چھٹیوں میں وہ فرانس، انگلینڈ اور ویلز کے قلعوں اور جنگی میدانوں کا مطالعہ کرتا، نقشے بناتا اور فوٹو لیتا۔

پراسرار سفر

آکسفورڈ کے زمانے ہی میں لارنس نے خود کو انٹیلی جنس ایجنٹ کی حیثیت سے تیار کرنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے جسم کو قدرتی مصائب اور آفات برداشت کرنے کی تربیت دینے لگا۔ کئی کئی دن کچھ نہ کھاتا، شدید جاڑوں میں پیدل لمبے لمبے سفر کرتا، سائیکل پر لگاتا سواری کرتا، یہاں تک کہ تھک کر گر پڑتا۔ یوں وہ اپنی قوت برداشت بڑھا رہا تھا۔

۱۹۰۸ء میں لارنس نے اپنے تحقیقی مقالے کے لئے "مشرق وسطیٰ میں صلیبیوں کا ملٹری آرکیٹیچر" کا موضوع منتخب کیا، جس کے لئے ہوگا رتھ نے بھی خصوصی سفارش کی۔ جون ۱۹۰۹ء میں وہ مشرق وسطیٰ روانہ ہو گیا۔ اس کے پاس ہوگا رتھ کی ہدایات پر مشتمل ایک شیٹ، ایک طاقتور ٹیلی فون لینز والا کیمرا، ایک پستول، ایمونیشن اور سلطان ترکی کے نام لارڈ کرزن کے سفارشی خطوط تھے۔ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے لارنس نے آکسفورڈ میں شامی پادری سے عربی سیکھ لی تھی اور چارلس ڈاٹی سے بھی مل چکا تھا جو عرب علاقوں کی سیاحت کی وجہ سے مشہور تھا۔ مشہور انٹیلی جنس آپریٹر پیری گورڈن نے جو مشرق وسطیٰ میں متعین تھا، اسے کچھ نقشے فراہم کئے۔

لارنس چھ جولائی کو بیروت پہنچا اور شام کے ایک ہزار میل لمبے پیدل سفر پر روانہ ہو گیا۔ اس وقت شام میں موجودہ اسرائیل، اردن اور لبنان کے علاقے بھی شامل تھے۔ راستے میں وہ صلیبیوں کے قلعے کا مطالعہ کرتا رہا۔ بیروت سے وہ سیدون پہنچا۔ وہاں سے بانیاں، صفا، طبریہ، تاصو اور حیفہ ہوتا فک اور صور کے راستے واپس سیدون پہنچ گیا۔ پھر شمال میں طرابلس کا رخ کیا۔ وہاں سے لاذقیہ، الطائیہ، حلب، عوفہ

اور حزان کا دورہ کرنے کے بعد دمشق میں وارد ہوا۔

اس سفر کی تین باتیں قابل ذکر ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایک موقع پر کسی بدو نے لارنس کو پٹیا اور اس کی گھڑی، پستول اور نقدی چھین لی۔ ایک گڈریے نے مداخلت کر کے اس کی جان بچائی۔ لارنس کی شکایت پر ترک افسروں نے بدو کو گرفتار کر لیا۔ اس کا سلمان واپس دلایا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس سفر میں لارنس نے اپنے ایک خط میں فلسطین پر تبصرہ کیا۔ اس نے لکھا: ”یہودی جتنی جلدی اس سرزمین پر قبضہ کر لیں گے ان کے لئے بہتر ہوگا“

تیسری بات یہ کہ اس نے عام بدوؤں کی بول چال، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے کے انداز اور دوسرے عادات و اطوار سیکھ لئے۔

جاسوسی کے انداز

آکسفورڈ واپس پہنچ کر لارنس نے اپنا تحقیقی مقالہ داخل کر دیا اور اسے تاریخ میں فرسٹ کلاس آنرز کی ڈگری مل گئی۔ ۱۹۱۰ء میں وہ آکسفورڈ سے فارغ ہوا اور ہوگارتھ نے اسے ماگڈالین سے وظیفہ دلو کر ایشیائے کوچک میں قرائش کے مقام پر آثارِ قدیمہ کی کھدائی کی مہم میں اپنے ساتھ شامل کر لیا، جس کی وہ برٹش میوزیم کی طرف سے نگرانی پر مامور تھا۔

ہوگارتھ کی آثارِ قدیمہ کی یہ مہمیں بڑی پراسرار تھیں، وہ ہمیشہ سیاسی یا فوجی نقطہ نظر سے اہم مقامات کا انتخاب کرتا۔ اس کی ان ”آثارِ قدیمہ“ سے متعلق ”سرگرمیوں“ کے لئے حکومت کے مختلف ادارے سرمایہ فراہم کرتے۔ گویا اس کی سرگرمیاں آج کل کے کلچرل فاؤنڈیشن سے مشابہ تھیں، جن کی سرپرستی اور مالی مدد امریکن سی آئی اے کرتی ہے۔

یورپ کا مرد بیمار

مشرق وسطیٰ جس میں ہوگا تھ اور اس کا شاگرد لارنس سازشوں کا جال پھانے والے تھے، گزشتہ چار صدیوں سے سلطنتِ عثمانیہ کے زیرِ نگیں تھا۔ وہی سلطنتِ عثمانیہ جس کی سلطوت تین بڑے براعظموں ایشیا، افریقہ اور یورپ پر چھائی ہوئی تھی جس کی حدیں ایڈریٹک سے عدن تک اور مراکش سے خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھیں اور جس کے جرنیلوں کی فوجی ذہانت اور سپاہیوں کی شجاعت نے یورپ میں اس کی سرحدیں وی آنا کے دروازے تک پہنچا دی تھیں۔ انیسویں صدی کے وسط میں مغربی ملکوں میں صنعتی انقلاب آیا اور اس کے ساتھ ہی سلطنتِ عثمانیہ میں توڑ پھوڑ شروع ہو گئی اور پھر وہی عیسائی ملکیتیں جو کبھی ترکی کی شوکت اور سلطوت سے سہمی سہمی رہتی رہتی تھیں، اب اسے کمزور دیکھ کر بھوکے بھیڑیوں کی طرح اس پر ٹوٹ پڑیں۔ فرانس نے الجزائر، تیونس اور مراکش چھین لئے۔ برطانیہ نے مصر میں پنجے جمائے۔ آسٹریا نے ہنگری کے ساتھ مل کر بوسینیا اور ہرزیگووینیا ہتھیالیا۔ اٹلی نے لیبیا میں دانت گاڑے اور بلقان کے صوبے بغاوت اور سازشوں کے ذریعے الگ ہو گئے۔ ۱۸۵۳ء میں زار روس نکولس اول نے یہاں تک کہہ دیا: ”ہمارے سامنے ایک بیمار شخص ہے جو کسی بھی وقت اچانک مر سکتا ہے“۔ بیسویں صدی میں یورپی طاقتوں کو ترکی کی موت متوقع نظر آ رہی تھی اور وہ گدھوں کی طرح اس کے اوپر منڈلا رہی تھیں۔

یورپی طاقتوں کے مفادات

برطانیہ، فرانس، روس اور جرمنی اپنے اپنے مفادات کا جائزہ لے رہے تھے۔ برطانیہ کے مفادات سب سے جداگانہ تھے۔ سلطانِ ترکی کی تمام مسلم دنیا کا خلیفہ کہلاتا تھا۔ انڈیا میں برطانیہ کے زیرِ نگیں سات کروڑ مسلمان تھے اور خدشہ تھا، اگر سلطانِ ترکی نے جہاد کا اعلان کر دیا، تو یہ مسلمان رعایا اس کی حمایت میں انگریزوں سے برسرِ پیکار ہو جائے گی۔ برطانیہ کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ سلطنتِ ترکی قائم رہے، کیونکہ اس کے خاتمے

کی صورت میں جو خلا پیدا ہوتا وہ اس کے لئے کہیں زیادہ خطرناک تھا۔ ترکی کی امکانی بنا ہی کے پیش نظر برطانیہ کو اپنے فوجی اور معاشی مفادات کا بھی تحفظ کرنا تھا اور اس کا انحصار ہندوستان کے ساتھ رابطہ برقرار رہنے پر تھا جہاں اس کی آدھی فوج موجود تھی اور جو برطانوی مصنوعات کی سب سے بڑی اور بہترین منڈی تھا۔ مزید برآں ہندوستان کے ساتھ تجارت اور دوسرے روابط میں نہر سویز شہ رگ کی حیثیت رکھتی تھی اور سویز پر کنٹرول اسی صورت میں ممکن تھا، جب شام اور جزیرہ نمائے عرب، برطانیہ کے زیر نگیں ہوں۔

فرانس کے فوجی اور سیاسی مفادات شام سے وابستہ تھے۔ جرمنی اپنی وسعت پذیر معیشت کے پیش نظر عراق عرب (میسوپوٹیمیا) کو "جرمن انڈیا" میں تبدیل کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا اور روس نے آرمینیا اور قفقاز پر قبضہ کرنے کے بعد گرم پانیوں تک رسائی کے لئے استنبول کی بندرگاہ پر نظریں جم رکھی تھیں۔

مشرق وسطیٰ میں یورپی طاقتوں کی دلچسپی کا ایک اور زبردست محرک تیل تھا۔ اگرچہ دنیا پر تیل کی اصل اہمیت جنگِ عظیم اول کے آخر میں آشکار ہوئی، مگر برطانوی ماہرین نے ۱۹۰۴ء ہی میں محسوس کر لیا تھا کہ جنگی جہازوں کے لئے کوئلے کے مقابلے میں تیل کہیں زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ برٹش پٹرولیم کمپنی ایران میں تیل دریافت کر چکی تھی۔ اس کمپنی میں چرچل کا حصہ تھا۔ دوسری طرف جرمنی بھی بڑی سرگرمی سے مشرق وسطیٰ میں تیل تلاش کر رہا تھا۔ سلطان ترکی نے جرمن افسروں اور ماہرین کی مدد سے ۱۸۶۰ء سے ترک فوج کو جدید خطوط پر استوار کرنا شروع کر دیا تھا اور ترکی تیزی سے شاہراہ ترقی پر گامزن تھا۔ ۱۹۰۸ء میں نوجوان ترکوں نے سلطان عبدالحمید کو اقتدار سے الگ کر دیا، تاہم انہوں نے مغربی طرز پر ملک کی تعمیر و ترقی جاری رکھی۔ جرمن ماہرین کی مدد سے برلن بغداد ریلوے لائن کی تعمیر شروع ہو گئی اور مشرق وسطیٰ میں تیل کی تلاش

کی کوششیں بھی تیز کر دی گئیں۔

دوسری طرف افغانستان، ایران، میسوپوٹیمیا (عراق عرب) شام اور خلیج فارس میں بظاہر قونصلوں، تیاہوں، تاجروں اور ماہرین آثارِ قدیمہ کے بھیس میں برطانوی ایجنٹ سرگرم عمل تھے جو بری افواج، بحر یہ، دفترِ خارجہ، انڈیا آفس اور انٹیلی جنس سروس کے لئے معلومات جمع کر رہے تھے۔ ان ایجنٹوں میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل تھیں۔

گرفتاری اور رائی

اسی فضا میں، مشرق وسطیٰ کی سیاست میں لارنس نمودار ہوا۔ وہ وسطِ دسمبر ۱۹۱۰ء میں استنبول کے راستے قراقرمش پہنچا۔ یہاں کھدائی کی ابتداء ۱۸۷۸ء میں ہوئی تھی، لیکن خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہوئے اور منصوبہ ترک کر دیا گیا۔ پھر جونہی برلن بغداد ریلوے فرات تک پہنچی، انگریزوں نے ترکوں کو مطلع کر کے اچانک ازسرنو کام شروع کر دیا۔ جب انگریز "ماہرین آثارِ قدیمہ" کی ٹیم ہوگارتھ کی سرکردگی میں قراقرمش پہنچی، جرمن ایجنٹ دریا ئے فرات پر پل تعمیر کر رہے تھے؛ چنانچہ ٹیم کے بیشتر ممبر عرب منوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لیتے رہے، اس طرح انگریز اس مہم سے دوہرا مقصد حاصل کر رہے تھے۔ اپریل ۱۹۱۱ء میں ہوگارتھ نے "ہم" لارنس کے سپرد کی اور خود لندن واپس چلا گیا۔ قراقرمش میں کھدائی کا اصل مقصد کیا تھا؟ اس کا پتہ لارنس کے ان خطوط سے چلتا ہے جو اس نے اس زمانے میں ہوگارتھ اور اپنی والدہ کو لکھے۔ ۲۳ مئی ۱۹۱۱ء کو اس نے اپنی والدہ کو لکھا:

"میرا کیمرو بہت مفید ثابت ہو رہا ہے اور ٹیلی فونو میلوں دور تک ننگی آنکھوں سے بہتر کام کر رہا ہے۔"

خیال رہے یہ اس زمانے کا ذکر ہے، جب فوٹو گرافی ابھی ابتدائی دور میں تھی اور ٹیلی لائن بہت ہنگامے تھے اور شاذ و نادر استعمال ہوتے تھے، پھر لارنس میلوں دور

سے آثارِ قدیمہ کی کھدائی کے مقام پر کس چیز کے نوٹوںے رکھا تھا؟ ۲۴ جون ۱۹۱۱ء کو اس نے ہوگا رتھ کو لکھا۔

”میں سرمایہ نہیں گزارنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ مقامی دیہاتوں کی عزتی بولی بھیس بدلنے میں میری معاون ہوگی۔“

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر لارنس کو بھیس بدلنے کی کیا ضرورت تھی؟
لارنس کی پراسرار سرگرمیوں کی بھنگ ترکوں کو بھی پڑ گئی اور وہ اسے شک و شبہ کی نظر سے دیکھنے لگے، اس کا اظہار لارنس کے ایک خط سے ہوتا ہے جو اس نے ۱۹۱۲ء میں ہوگا رتھ کو لکھا۔

گرمیوں کے موسم میں جب کھدائی بند ہو جاتی، تو لارنس، واہوم اور جمودی کی ہمراہی میں لمبے لمبے سیر سپاٹے شروع کر دیتا۔ ایک دفعہ وہ اونٹ، کشتیوں میں سوار کر کے دریائے فرات کے پار لے گیا اور وہاں سے ان پر بیٹھ کر پورٹ سعید چلا گیا، جہاں کچھ عرصے قیام کیا۔ لارنس کے بیان کے مطابق اس سفر میں ترکوں نے اسے اور واہوم کو ترک فوج کے بھگوڑے سمجھ کر گرفتار کر لیا اور قید میں ڈال دیا اور انہوں نے محافظ کو رشوت دے کر رہائی پائی۔

عورت کے بھیس میں

۱۹۱۳ء کی گرمیوں میں لارنس انگلینڈ واپس چلا گیا۔ واہوم اور جمودی بھی اس کے ہمراہ تھے، ان کی واپسی موسم خزاں میں ہوئی۔ اگلے برس جنوری میں ہوگا رتھ کی ہدایات پر لارنس اور لیونارڈ وولی، برطانوی فوج کے کیپٹن ایس ایف نیوکومب کی سرکردگی میں صحرائے سینا کے سفر پر روانہ ہوئے۔ مقصد فوجی جاسوسی تھا۔ واہوم بھی لارنس کے ساتھ تھا، انہوں نے صحرا میں چھ ہفتے سفر کیا اور راستوں اور آبی ذخائر کے نقشے تیار کئے۔ ظاہر یہ کیا گیا کہ وہ اس راستے کا کھوج لگانا چاہتے ہیں، جس پر ایک

مشہور روایت کے مطابق اسرائیلی چالیس برس تک صحرا میں بھٹکتے پھرے تھے۔
 عقبہ میں ترک حکام نے اس پارٹی کو قبصے کے نزدیک آنے کی اجازت نہ دی،
 لیکن لارنس نے خانہ بدوش عورت کا بھیس بدلا اور داہوم کے ساتھ چپکے سے ترک
 لائن پارک کے جلدی جلدی علاقے کا سروے کر لیا۔ سفر کے اختتام پر لارنس قراقرش واپس
 آگیا۔ پھر نیوکومب کی تحریک پر لارنس اور وولی، طوروس کے پہاڑوں میں جرمنوں کی
 تعمیر کردہ سڑک کے بارے میں معلومات حاصل کرنے چل پڑے، جس کے ذریعے
 برلن۔ بغداد ریلوے کا تعمیراتی سامان پہنچایا جا رہا تھا۔ اس سفر میں ان کی ملاقات ایک
 اطالوی انجینئر سے ہو گئی جسے جرمنوں نے شہسے کی وجہ سے نکال دیا تھا۔ اس انجینئر
 سے انہیں ریلوے سے متعلق آئندہ منصوبوں کا پتہ چلا۔

جون ۱۹۱۴ء کو لارنس لندن چلا گیا جہاں لارڈ کچرن نے جو اس وقت مصر میں برطانیہ
 کا ایجنٹ اور کونسل جنرل تھا، اسے اور وولی کو سینائی کے سروے کی رپورٹ لکھنے
 کے لئے کہا۔

ایک جاسوس کی موت

۴ اگست ۱۹۱۴ء کو جنگ عظیم اول چھڑ گئی۔ ۱۲ اکتوبر کو ترکی نے روس پر حملہ کر
 دیا۔ لارنس، نیوکومب، جارج لائٹ، وولی اور ایوریسے ہربرٹ ملٹری انٹیلی جنس آفس
 میں اپنی ڈیوٹی سنبھالنے کے لئے قاہرہ چل پڑے۔

قاہرہ آئے چند روز ہوئے تھے کہ لارنس کی ملاقات سترہ سالہ عیسائی نوجوان
 چارلس بوطنی سے ہوئی۔ وہ جیسا کار رہنے والا تھا۔ اطالوی جہاز میں فلسطین سے
 بھاگ کر پورٹ سعید پہنچا اور وہاں سے قاہرہ یہاں اس نے برطانوی فوج کو ترکوں
 کی پوزیشنوں سے متعلق معلومات فراہم کیں۔ اس صلے میں اسے انٹیلی جنس میں ترقی
 سکے یا گیا۔ لارنس نے اپنا تعارف ملٹری انٹیلی جنس سے وابستہ ایجنٹ کی حیثیت

سے کرایا اور بتایا کہ اس کا تقرر بحیثیت ترجمان منسوخ کر دیا گیا ہے اور اب اسے میرا ایجنٹ بن کر کام کرنا ہوگا۔

اگلے روز لارنس نے چارلس کو برٹش انٹیلی جنس ایجنٹ کی حیثیت سے حینفا واپس جانے اور ترکوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی ترغیب دی اور کہا کہ جتنی رقم کی ضرورت ہو وہ فراہم کرے گا، مگر چارلس نے اپنے بجائے اپنے باپ کی خدمت پیش کیں جو ابھی تک حینفا میں تھا۔ لارنس مان گیا اور ایک خاتون کے ذریعے چارلس کے باپ سے پیغام رسائی شروع کر دی۔ تھوڑا عرصہ ہی گزارا تھا کہ چارلس کا باپ ساحل پر مشکوک حالات میں گھومتا ہوا پکڑا گیا، مقدمہ چلا اور اسے جاسوسی کے جرم میں سزائے موت دے دی گئی۔

گھٹنے ٹیک ریٹے

۱۹۱۴ء کے آغاز میں لارنس کو ایک نہایت اہم اور خفیہ مشن پر عراق بھیجا گیا۔ اس کے ذمے ترک فوجوں کے کمانڈر انچیف سے رابطہ پیدا کرنا اور اسے دس لاکھ پونڈ رشوت دے کر محصور برطانوی فوج کو چھڑانا تھا۔ جنرل ٹاؤن سینڈ کی کمان میں برطانوی افواج کو ترک فوجوں نے مار بھگا یا تھا اور وہ قلعے میں بند ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔ ترک فوج نے جس کی کمان خلیل پاشا کر رہا تھا، قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ دس ہزار سپاہیوں کے ہلاک ہو جانے کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا، انگریزوں نے انہیں پہچاننے کے لئے فوج بھیجی، لیکن خونریز لڑائیوں کے باوجود انگریز، ترکوں کا محاصرہ نہ توڑ سکے۔ جنگی چالوں سے مایوس ہو کر برطانوی وزیر مملکت برائے جنگ نے سیاست لڑانے کا فیصلہ کیا، برطانوی وزیر مملکت برائے جنگ کچنر نے خلیل پاشا کو خریدنے کی تجویز پیش کی۔ ۲۹ مارچ کو جنرل رابرٹسن نے قلعے کے قریب جنرل آفس کمانڈنگ فورس "وڈی" کو مندرجہ ذیل تار بھیجا:

”کلیر دی لائن ۱۴۸۹۵۔ صفر انتہائی خفیہ اور ذاتی۔ کیپٹن لارنس تم سے مشورہ کرنے کے لئے ۳۰ مارچ کو بصرہ پہنچ رہا ہے اور اگر ممکن ہو، تو وہ عراق میں متعین عثمانی فوج کے کسی کمانڈر مثلاً خلیل پاشا یا نجیب کو خریدنے کی کوشش کرے گا، تاکہ ٹاؤن سینڈ کو محاصرے سے نکالا جاسکے۔ اس مقصد کے لئے تمہیں دس لاکھ پونڈ تک رقم خرچ کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے، چونکہ فوری طور پر رابطے کے لئے کوئی مقامی فرد نہیں مل سکا۔ اس لئے اکیلے لارنس کو یہ مشن سونپا گیا ہے؛ تاہم ممکن ہے بصرہ میں اس مقصد کے لئے کوئی معاون مل جائے۔“

لارنس ۲۲ مارچ کو قاہرہ سے روانہ ہوا۔ کویت سے جہاز تبدیل کیا اور بصرہ میں مختصر قیام کے بعد دریائے دجلہ میں ننگر انداز ایک اسٹیمر میں قائم ہیڈ کوارٹر کو اپنے آنے کی رپورٹ دی۔ مقامی برطانوی جنرل اترکوں کو رشوت پیش کرنے کے حق میں نہ تھے، ان کا خیال تھا کہ یہ ہتھیار ڈالنے سے کہیں زیادہ ذلیل اور شرمناک حرکت ہوگی جس سے برطانوی فوج کا مورال گر جائے گا اور دشمن سے اتحادی طاقتوں کو بدنام کرنے کے لئے استعمال کرے گا، لیکن چونکہ لارنس مشن کے احکام چیف آف آپریشنل جنرل سٹاف کی طرف سے بھیجے گئے تھے، اس لئے وہ بادل ناخواستہ خاموش رہے، تاہم دو جرنیلوں نے لارنس کو الگ لے جا کر سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ مشن ایک سپاہی کے وقار کے منافی ہے۔ لارنس نے ان کی باتوں پر کان نہ دھرے اور کہا کہ انہیں اس کے معاملے میں دخل دینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ایویرے ہربرٹ (جو خود بھی انٹیلی جنس میں تھا) کے ساتھ مل کر لارنس نے خلیل کو دس لاکھ پونڈ کی رشوت پیش کی اور بعد میں بڑھا کر دگنی کر دی، لیکن خلیل نے یہ پیش کش پائے حقارت سے ٹھکرا دی۔ ٹاؤن سینڈ کے لئے بلا شرط ہتھیار ڈالنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا۔

ہتھیار ڈالنے کے موقع پر لارنس اور ہربرٹ بھی موجود تھے۔ یہاں بھی لارنس

نے جنرل کا کردار ادا کیا، ہر برٹ کے ہمراہ خلیل پاشا سے ملا اور مہیقار ڈالنے کے انتظامات طے کئے۔ بعد ازاں لارنس نے خلیل پاشا سے اپنی ملاقات کی خفیہ رپورٹ دار آفس (دفتر جنگ کو ارسال کی۔

خفیہ ہدایات

لارنس کا بنیادی مقصد ناکام رہا تھا، لیکن وہ دراصل صرف اسی کام کے لئے بیرونی پوٹیا نہیں آیا تھا۔ نئے قائم شدہ عرب بیورو میں کرنل کلیٹون اور دوسرے انگریز افسر عرب فیشنلزم کو برطانوی مفادات تابع بنانے کے لئے سرگرم عمل تھے۔ لارنس ابھی بصرہ ہی میں تھا کہ قاہرہ سے خفیہ ہدایات ملیں: "عرب بغاوت کے منصوبے پر عملدرآمد کا وقت آگیا ہے، قاہرہ میں کارآمد نیشنلسٹ لیڈر خاصی تعداد میں جمع کر لئے گئے ہیں اور انہیں خصوصی مشن پر بصرہ بھیجنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے... سب سے اہم چیز لوگوں سے راہ و رسم بڑھانے، انہیں خریدنے، اور تمام متعلقہ امور کے لئے روپیہ ہوگا۔"

لارنس نے ان ہدایات پر پورا پورا عمل کیا۔ عثمانی پارلیمنٹ کے ایک رکن سلیمان فیسی کا بیان ہے: "لارنس نے مجھے فوج اکٹھی کر کے ترکوں کے خلاف بغاوت کرنے کی ترغیب دی اور اس خدمت کے صلے میں بے انتہا سونا ہیا کرنے کا وعدہ کیا، لیکن میں نے پیش کش ٹھکرا دی۔"

لارنس کس قدر اہمیت اور لامحدود اختیارات کا مالک تھا اس کا اندازہ اعلیٰ حکام کے اس خط سے ہو سکتا ہے، جو اسے بصرہ میں بھیجا گیا ہے۔

جنرل میک موہن بصرہ آ رہے ہیں۔ ہم نے اس سے گفت و شنید کی ہے اور اس نے ہتھاری ہر طرح سے مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے، وہ ہتھارے متعلق سب کچھ جانتا ہے؛ تاہم اگر وہ ہتھاری مدد کرنے میں سستی کرے، تو بلا بھگت ہمیں اطلاع دے دو۔"

تصویر کا بھیانک رخ

لاول تماس نے اپنی کتاب میں لارنس کی بڑی شاندار تصویر کھینچی ہے۔ اس طرح فلم ”لارنس آف عربیہ“ میں اسے عربوں کی جدوجہد آزادی کا ہیرو ثابت کیا اور دکھایا گیا ہے کہ اس نے کس طرح ایک دوسرے کے خون کے پیاسے حریف عرب قبائل کے باہمی اختلافات کی آگ بجھائی اور انہیں متحد کر کے ایک قوم میں بدلنے کی کوشش کی۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ لارنس کی اپنی رپورٹیں بتاتی ہیں کہ بغاوت کا مقصد شروع ہی سے عربوں پر برطانیہ کا کنٹرول قائم کرنا اور ایسے حالات پیدا کرنا تھے کہ عربوں کے اختلافات ختم نہ ہوں اور نہ وہ کبھی متحد ہو سکیں۔

جنوری ۱۹۱۶ء میں لارنس نے ایک تھنہ پیپر تحریر کیا، جس کا عنوان تھا ”مکہ کی سیاست“ اس زمانے میں وہ جنرل اسٹاف انٹیلی جنس قاہرہ میں برائے نام سیکنڈ لیفٹیننٹ تھا، اس میں عرب بغاوت کے بارے میں اس نے لکھا:-

”حسین کی سرگرمیاں ہمیں مفید نظر آتی ہیں، کیونکہ یہ ہمارے فوری مقاصد سے ہم آہنگ ہیں اور وہ مقاصد ہیں، اسلامی بلاک کی شکست اور سلطنت عثمانیہ کا انتشار۔ ترکوں کے رخصت ہونے کے بعد جو ریاستیں قائم کرے گا، وہ ہمارے لئے اسی طرح بے ضرر ہوں گی، جس طرح جرمنی کا آلہ کار بننے سے پہلے ترکی تھا۔ عرب، ترکوں کے مقابلے میں کم مستحکم ہیں۔ اگر انہیں مناسب طریقے سے استعمال کیا جائے، تو یہ سیاسی لحاظ سے ایک پختہ رنگی مجموعہ بنے رہیں گے۔ چھوٹی چھوٹی حریفیں ریاستیں کبھی متحد نہ ہو سکیں گی، لیکن کسی بھی بیرونی طاقت کے خلاف باہم مل کر اقدام کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گی!“

عربوں کے مستقبل کے بارے میں یہ خیالات برطانیہ کے ان وعدوں کے برعکس تھے، جو اس نے عربوں کو بغاوت پر آمادہ کرنے کے لئے کئے تھے۔ لارنس کو اصل

حقیقت کا علم تھا اور یہ چیزیں اس کے منیر کو کچھ کے دے رہی تھی: چنانچہ وہ "دانائی کے سات ستون" میں رقمطراز ہے:-

"مجھے نظر آتا تھا کہ اگر ہم نے جنگ جیت لی، تو عربوں سے ہمارے وعدوں کی حیثیت کاغذی پرزوں سے زیادہ کچھ نہ ہوگی۔ اگر میں ایک معزز مشیر ہوتا، تو اپنے آدمیوں کو حکم دیتا کہ وہ ہتھیار پھینک کر گروں کو چلے جائیں۔ انہیں ایک سراب کے پیچھے اپنی زندگی خطرے میں ڈالنے کی اجازت نہ دیتا۔ مگر مشرقی محاذ جنگ جیتنے کے لئے عرب تحریک ہمارا سب سے بڑا ہتھیار تھا!"

یہ شاطرانگہ مزید لکھتا ہے: "فراڈ کا خطرہ مول لینا ہی پڑا۔ مجھے کامل یقین تھا کہ مشرقی محاذ پر جلدی اور سستی فتح کے لئے عربوں کی مدد حاصل کرنا ضروری ہے اور یہ کہ فتح حاصل کرنا اور وعدے توڑنا ہمارا جانے سے بہتر ہے۔"

مال غنیمت کی فکر

فروری ۱۹۱۵ء میں سینائی سے ہنسویز تک ترکوں کی ابتدائی کامیاب پیش قدمی سے کچنر کو یقین ہو گیا تھا کہ جنگ کے بعد روس اور فرانس مشرقی بحیرہ روم میں موجود رہے، نووہ مسر، ہنسویز اور آخر کار ہندوستان کے لئے خطرہ بن جائیں گے۔ چنانچہ مصر اور ہنسویز کی حفاظت کے لئے پیشگی اقدامات ضروری تھے۔

لائڈ جارج اس مقصد کے لئے فلسطین کو بہتر سمجھتا تھا۔ یہاں بندرگاہ حیفا کی سہولت میسر تھی اور پھر میسو پوٹیا سے بذریعہ ریل رابطہ بھی قائم تھا۔ ابھی اس مسئلے پر بحث و تمحیص جاری تھی کہ برطانوی مدبریوں کا نقطہ نظر واضح تر ہونے لگا۔ وہ یہ کہ اگر عرب علاقے تقسیم کئے گئے، تو برطانیہ خالی ہاتھ رہنا پسند نہیں کرے گا۔ ایک نوٹ لکھا ہے:-

اگر ہم نے دوسری قوموں کو ترکی کے حصوں پر چھینا چھٹی کے لئے آزاد چھوڑ

دیا اور خود تماشا دیکھتے رہے، تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے اپنے قومی فرض کو پس پشت ڈال دیا ہے۔“

چرچل اس معاملے میں سب سے زیادہ پر جوش تھا، اس نے کہا: ”برطانیہ اس مالِ غنیمت سے اپنا مناسب حصہ وصول کرنے کی تیاری کرنی چاہیے۔“

جنگی چالیں

مئی ۱۹۱۵ء میں ایسکوٹھ کی سربراہی میں مخلوط حکومت قائم ہوئی۔ ترکی پر اتحادیوں کا حملہ گیلی پولی میں سخت ہزیمت سے دوچار کہا۔ اس کے بعد اتحادیوں، خصوصاً برطانیہ نے اپنی حکمت عملی تبدیل کر لی۔ اب برطانیہ کا رخ مشرق وسطیٰ کی طرف تھا، جہاں اس کے دو بڑے محکمے انڈیا آفس اور فارن آفس مصروف عمل تھے، لیکن ان دونوں کی پالیسی متضاد تھی۔ فارن آفس ترکی کے خلاف عرب قومیت کو پروان چڑھا رہا تھا، جب کہ انڈیا آفس، ہندوستانی مسلمانوں کی ترکی سے ہمدردی کے پیش نظر فارن آفس کی اس پالیسی کا سخت مخالفت تھا۔

اسی فضا میں ”لارنس، ہوگا رتھ منصوبہ“ منظر عام پر آیا، یعنی سلطنتِ برطانیہ کے زیر اثر عرب ریاست کا قیام۔ اہم مسئلہ یہ تھا کہ ترکوں کے خلاف خروج کے لئے کون سا عرب موزوں رہے گا۔ اس پس منظر میں انگریزوں کی نگاہ انتخابِ حسین شریف مکہ پر پڑی۔ وہ واحد شخص تھا، جسے عربوں میں اعلیٰ مذہبی حیثیت حاصل تھی۔ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے بھی تھا اور مکہ اور مدینہ کے مقدس مقامات کا محافظ بھی۔ مکہ کا شریف اعظم بنتے سے قبل وہ سترہ برس یرغالی کی حیثیت سے استنبول میں گزار چکا تھا اور سلطنتِ عثمانیہ کے بیشتر لیڈروں کو جانتا تھا۔ علاوہ ازیں وہ تہنہ عرب لیڈر تھا جس کی شہرت (حاجیوں کے انتظامات کے نگران کی حیثیت سے) عرب سے باہر کی مسلم دنیا میں بھی تھی اور اس کا امکان تھا کہ بیشتر عرب قوم

پرست اس کی سرداری قبول کر لیں گے۔ انگریزوں کا خیال تھا کہ اگر حسین برطانیہ کی مدد سے ترکوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا، تو وہ کامیابی سے سلطان ترکی کے اتحادیوں کے خلاف اعلان جہاد کا اثر زائل کر سکے گا جو بصورت دیگر برطانیہ، فرانس اور روس کے مسلم مقبوضات کی کروڑوں مسلم رعایا میں بے چینی اور بغاوت پیدا کر سکتا ہے۔ اس وجہ سے لارنس کی نظروں میں صرف حسین ہی موزوں عرب تھا۔ اس نے ۱۹۱۶ء کے آغاز میں ایک طویل میمورنڈم لکھا، جس میں عرب بغاوت کا پورا مقصد، سیاست اسٹریٹجی اور چالوں کا تذکرہ تھا۔ جنگ کے بعد برطانیہ کے مقاصد کیا ہونے چاہئیں، لارنس نے وہ بھی بیان کر دیئے تھے۔

”اس جنگ کا اگر کوئی نتیجہ برآمد ہوا، تو وہ یہ کہ سلطان (ترکی) کی مذہبی برتری ختم ہو جائے گی۔ انگلینڈ اب کوئی نیا خلیفہ نہیں بنا سکتا، جیسا کہ اس نے مصر کے لئے نیا سلطان بنا دیا تھا۔۔۔۔۔ یہ تو ایسے ہی ہوگا جیسے جاپان رومن کیتھولک چرچ کے لئے نیا پوپ مقرر کر دے۔ پھر حقیقی عرب یہاں تک کہ شامی بھی ڈھیلے منہ والے مصریوں کو پسند نہیں کرتے۔“

سلطان ترکی کا متوقع حریف اور خلافت کا سب سے موزوں امیدوار شریف مکہ ہو سکتا ہے، جو گزشتہ کئی برسوں سے عرب اور شام میں سرگرم عمل ہے اور عرب کے سیاہ و سفید کا مالک ہونے کا مدعی۔ اسے صرف ترکی سے ملنے والی رقم اور ترک افواج نے اعلان خود مختاری سے باز رکھا ہے، لیکن ہم مصر یا ہندوستان کی وساطت سے تبادلہ رقم دے سکتے ہیں۔ یمن میں برطانیہ کے خلاف جو شورشیں برپا ہیں، انہیں دبائے کی اس کے سوا اور کوئی سبیل نہیں کہ حجاز ریلوے لائن کاٹ دی جائے۔ اسی راستے سے سپاہیوں کو روپیہ اور اسلحہ فراہم کیا جاتا ہے اور اس لائن کی موجودگی یمن میں برطانوی عملداری کے لئے ایک خطرہ بنی ہوئی ہے۔ اسے کاٹ کر ہم حجاز کی سول حکومت کو

مفلوج اور حجاز آرمی کو منتشر کر سکتے ہیں، پھر حجاز کے عرب سردار اپنا کھیل شروع کر دیں گے۔ بہر حال حجاز ریلوے لائن کو کاٹ دینے سے ترکی حکومت حرمین سے ہاتھ دھو بیٹھے گی، گویا ترکی شیر کے منہ سے دانت نکل جائیں گے اور وہ ہمارے لئے بے ضرر ہو جائے گا۔ بد وقتیہ ریلوے سے نفرت کرتے ہیں، کیونکہ اس کی وجہ سے ان کی سالانہ محصول کی آمدنی کم ہو گئی ہے اور وہ لائن کاٹنے میں ہماری پوری مدد کریں گے۔

عرب لیڈر کی تلاش

اس رپورٹ سے ان جنگی چالوں کا خاکہ سامنے آتا ہے جو لارنس عربوں کو بغاوت پر اکسانے کے لئے اختیار کرنا چاہتا تھا؛ تاہم وہ تقریباً ایک برس بعد اس معرکے میں ملوث ہوا۔ مکہ پر قبضے میں بلاشبہ کامیابی ہوئی، لیکن مدینے میں باغیوں کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔ ترکوں کا محاصرہ کر لیا گیا، لیکن انہوں نے ہتھیار ڈالنے کے بجائے جم کر مقابلہ کیا۔ ان کے پاس اسلحہ اور خوراک کا ذخیرہ تھا اور پھر حجاز ریلوے کے ذریعے انہیں سامان رسد و جنگ پہنچ رہا تھا۔ عرب ڈائنامیٹ کے استعمال سے واقف نہ تھے، اس لئے لائن کو پوری طرح کاٹنے میں ناکام رہے، اس سے حسین کی پریشانی بڑھ گئی، اس کے دستے ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ ان حالات میں اس نے برطانیہ سے حجاز ریلوے لائن توڑنے اور دور مار توپیں اور پہاڑی رائفلیں ہتیا کر نیکی درخواست کی، لیکن بے سود۔ حسین نے بعد ازاں بیان کیا کہ بغاوت شروع ہونے سے پہلے دوسرے امور کی طرح انگریزوں سے یہ طے ہوا تھا کہ وہ حجاز ریلوے کو کاٹ دیں گے، لیکن ایسا نہ کر سکنے کی وجہ سے عرب جدوجہد کو شدید دھچکا لگا۔

انگریزوں کو اصرار تھا کہ ایسا کوئی معاہدہ طے نہیں پایا تھا..... اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ یہ تھا کہ عرب بیورو نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت حسین کی امداد روک لی تاکہ اسے احساس ہو جائے کہ انگریزوں کی مدد کے بغیر وہ کہیں کامیاب

نہیں ہو سکتا اور معقول رویہ اختیار کرے؛ اس سے نکلے ہوئے ہے کہ برطانیہ کا شروع ہی سے یہ پروگرام تھا کہ بغاوت پوری طرح برطانیہ کے کنٹرول میں ہو اور اس نے حسین کو یہ حقیقت باور کرانے کا تہیہ کر رکھا تھا، لیکن برطانیہ جلدی پیش قدمی کرنے پر مجبور ہو گیا، جب ترکوں نے مکہ پر دوبارہ قبضے، حسین کو پھانسی دینے اور سازش کو کچل دینے کا منصوبہ بنایا اور ترک فوج مکے کی طرف چل پڑی۔

اکتوبر ۱۹۱۶ء میں مصر میں برٹش ایجنسی کے اورنٹیل سیکرٹری روناڈ سٹورس کے ہمراہ لارنس کو عرب بغاوت کا جائزہ لینے اور موزوں قوم پرست لیڈروں کا انتخاب کرنے کے لئے جدہ بھیجا گیا۔ لارنس اپنے اس دورے کے بارے میں ”دنانی کے سات ستون“ میں لکھتا ہے:

”میرا شروع ہی سے خیال تھا کہ عرب بغاوت کی مشکلات انگریزوں اور عربوں کی غلط لیڈرشپ کا نتیجہ ہیں، نہ کہ لیڈرشپ کے فقدان کا؛ چنانچہ عرب لیڈروں کا جائزہ لینے کے لئے میں خود عرب گیا۔ شریف مکہ بہت بوڑھا تھا، عبداللہ کو میں نے بجد چالاک، علی کو بہت زیادہ نفیس الطبع اور زید کو سردہر پایا۔ پھر میں اندرون ملک جا کر فیصل سے ملا اور اس میں مجھے صحیح لیڈر مل گیا، بدوقبائلیوں کی خاصی تعداد اس کے ساتھ تھی اور پھر وہ ایسے علاقے میں تھا، جہاں پہاڑیاں قدرتی تحفظ فراہم کرتی تھیں؛ چنانچہ میں خوش اور مطمئن مصر واپس آ گیا اور اپنے افسروں کو بتایا کہ مکے کا دفاع اس کی پہاڑیاں نہیں، فیصل کی فوج کر سکتی ہے، وہ اس نئی اطلاع سے ششدر رہ گئے، انہوں نے فیصل کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا اور پھر مجھے مرضی کے خلاف عرب بھیج دیا گیا۔“

ماشہی شہزادہ انگریز کے دام میں

اس بیان سے لارنس نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ عرب بغاوت میں محض اتفاقاً ملوث ہو گیا، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، جیسا کہ ہم مختلف دستاویزی

ثبوت پیش کر چکے ہیں کہ عرب بغاوت کے شعلے بھڑکانے میں اس کا نمایاں ہاتھ تھا۔ وہ قاہرہ اور حسین کے درمیان رابطے کا کام کرتا رہا تھا۔ اس میں اب کوئی شبہ نہیں رہا کہ وہ پولیٹیکل انٹیلی جنس آفیسر کی حیثیت سے عرب گیا تھا تاکہ معلوم کرے کہ بغاوت کو قوت فراہم کرنے کے لئے کیا کچھ کرنے کی ضرورت ہے اور اپنی آمد کے دوسرے ہی روز اس نے عرب بیورو کو صورت حال کی رپورٹ بھیج دی تھی، پھر حسین اور اس کے چار بیٹوں میں سے اس کی نظر انتخاب فیصل پر پڑی، کیونکہ اس کی فوج زیادہ تر ساحلی قبائلیوں پر مشتمل تھی، اور وہ لارنس کو آزادانہ نقل و حرکت کی باسانی اجازت دے سکتا تھا۔ عبد اللہ کی فوج اندرونی قبائلیوں پر مشتمل تھی جو کسی اجنبی کی موجودگی کو برا نہیں کر سکتے تھے۔ علی کی صحت کمزور تھی اور زید کی ماں ترک تھی، جس کی بنا پر اسے بغاوت سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ فیصل کا خیال تھا کہ وہ لارنس کے ذریعے عربوں کو آزادی سے ہمکنار کر سکے گا۔ دوسری طرف لارنس کو یقین تھا کہ وہ فیصل کو آلہ کار بنا کر اسلامی بلاک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور مشرق وسطیٰ میں برطانیہ کا اثر و رسوخ بڑھا دے گا۔

انگریز کی عیاری

لارنس کے لباس، عادات، گفتگو اور دوسرے افعال نے اس کی مشہور داستان جنم دینا شروع کی، وہ اس داستان میں عرب کا چیمپین، پرنس آف مکہ اور عرب کا بے تاج بادشاہ بن کر ابھرا، لیکن اب یہ حقیقت طشت از بام ہو چکی ہے کہ لارنس، عربوں کی آزادی کا ہنز خواہاں نہیں تھا۔ اسے عربوں سے محبت تھی، نہ انہیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا تھا، اس نے عربوں کا لباس، عادات و اطوار، طرز طعام اور انداز کلام صرف اس لئے اپنایا تھا کہ انہیں زیادہ بہتر طریقے سے اپنے مقصد کے لئے استعمال کر سکے۔ وہ تسخیرِ شام کی رپورٹ میں لکھتا ہے:-

اگر ہم شام میں امن سے رہنا چاہتے ہیں اور میسوپوٹیمیا (عراق عرب) پر قبضہ اہ

مقدس شہروں پر کنٹرول کرنا چاہتے ہیں، تو اس کے لئے ناگزیر ہے کہ مشرق کے حکمران یا تو ہم خود ہوں یا پھر کوئی اور غیر مسلم طاقت جس کے ساتھ ہمارے دوستانہ تعلقات ہوں۔

اسی طرح وہ ”سیاسی مکتہ“ میں رقمطراز ہے:

”احسین کا خیال ہے کہ وہ کسی روز حجاز میں عثمانی خلیفہ کی جگہ لے سکتا ہے۔ اگر ہم ایسا انتظام کریں کہ یہ سیاسی تبدیلی تشدد آمیز ہو، تو اسلام کا خطرہ ہمیشہ کے لئے ہم سے دور ہو جائے گا، یعنی مسلمانوں کی قوت باہم متصادم ہو کر تقسیم ہو جائے گی، پھر ایک خلیفہ ترکی میں ہوگا اور دوسرا عرب میں۔ وہ ہمیشہ دینی جنگ میں الجھے رہیں گے اور یوں اسلام کی قوت و سطوت اسی طرح ختم ہو کر رہے ہو جائے گی، جس طرح پوپ کی غیر موجودگی میں پاپائی نظام ختم ہو گیا۔“

لارنس کو عربوں سے سوائے اس کے کہ وہ انہیں برطانوی سامراج کا پیچھے بنا چاہتا تھا اور کوئی دلچسپی نہ تھی، اسی مقصد کے لئے اس نے سارے پاڑ بیٹے۔ اپنے ”سٹائیس آرٹیکلز“ میں جو اس نے پولیٹیکل افسروں کے لئے لکھے تھے اور بتایا تھا کہ عربوں کو کس طرح قابو میں کیا جائے وہ لکھتا ہے:-

”حجاز کے عربوں کو قابو میں لانا ایک فن ہے، سائنس نہیں۔۔۔۔۔ ہمارے لئے وہاں سہنری مواقع ہیں۔ شریف ہم پر اعتماد کرتا ہے۔۔۔۔۔ اگر ہم ہوشیاری سے کام لیں، تو باسانی اس کی خوشنودی حاصل کر کے اپنا کام سرانجام دے سکتے ہیں۔“

”جو تھے آرٹیکل“ میں وہ فیصل سے اپنے تعلقات کے روشن ترین رخ سے نقاب اٹھاتا ہے:-

اپنے لیڈر کا اعتماد جیتنے اور اسے قائم رکھنے۔۔۔۔۔ اس کے پیش کردہ منسوبوں کو کبھی مسترد یا نامنتور مت کیجئے، لیکن یہ اہتمام ضرور کیجئے کہ یہ منصوبے سب سے پہلے ذاتی طور پر آپ کے روبرو پیش ہوں۔ ہمیشہ انہیں سراہیے اور تعریف کر چکنے کے بعد ان

میں ترمیم کیجئے، اس طرح کہ اسے کچھ محسوس نہ ہونے پائے اور وہ یہی سمجھتا رہے کہ ترمیم اس کی اپنی پیش کردہ ہے، یہاں تک کہ وہ آپ کی رائے سے ہم آہنگ ہو جائے۔ جب آپ اس مقام پر پہنچ جائیں، تو اسے وہیں ٹھہرا لیجئے اور اس کے خیالات کو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیجئے اور پھر پورے استقلال سے آگے دھکیلیے، لیکن پوشیدہ طور پر تاکہ اس کے سوا کوئی اور شخص آپ کے دباؤ سے آگاہ نہ ہو سکے۔

آرٹیکل نمبر ۱۱ اور ۱۹ سے انکشاف ہوتا ہے کہ لارنس کے پیش نظر عربی لباس زیب تن کرنے کا حقیقی مقصد کیا تھا:-

”عرب قبیلوں میں عربی لباس زیب تن کر کے آپ ان کا اعتماد اور دوستی جیت سکتے ہیں، جو یونیفارم کی صورت میں ناممکن ہے؛ تاہم یہ کام خطرناک اور مشکل ہے... آپ کو غیر ملکی تھیٹر پر ایک ایکٹر کا کردار کئی ماہ تک آرام کے بغیر مسلسل ادا کرنا پڑے گا۔ مکمل کامیابی کا لمحہ وہ ہوگا، جب عرب آپ کو اجنبی سمجھنا چھوڑ دیں، وہ آپ کے ساتھ بالکل اپنوں کی سی باتیں کریں اور آپ کو اپنا ہی ایک فرد سمجھیں۔“

آگے چل کر بیسویں آرٹیکل میں لکھا ہے:-

”اگر آپ عربی لباس پہن لیں، تو باقی سب طوراً طوراً بھی انہیں کے اختیار کریں۔ اپنے انگریزی دوستوں اور رسم و رواج کے وساعل پر پھینک دیں اور مکمل طور پر عربوں کے رنگ میں رنگ جائیں۔“^{۳۱} اس طرح آپ عربوں کو انہی کے ہتھیاروں سے مات دے سکیں گے۔“

ایک شرمناک خفیہ معاہدہ

جس وقت لارنس اور ہوگارتھ عربوں سے وعدے و وعید میں مصروف تھے۔ فارن آفس میں کچھ دوسری پالیسیاں تشکیل پارہی تھی۔ ان پالیسیوں کے نتیجے میں آخر کار ”سائیکس پیکارٹ“ معاہدہ معرض وجود میں آیا، جس کے تحت سلطنت عثمانیہ کے منتخب

حصے برطانیہ، فرانس اور روس نے آپس میں تقسیم کر لئے اور عربوں کے لئے بہت تھوڑا اور غیر اہم علاقہ رہنے والا فرانس نے فیصل کو اس معاہدے سے بے خبر رکھا۔ اسے خدشہ تھا کہ عربوں کو اس معاہدے کی بھنک بھی پڑگئی، تو وہ ہتھیار پھینک کر بیٹھ جائیگا۔ اس معاہدے کے تحت برطانیہ کو عراق (جس میں بغداد اور بصرہ شامل تھے) ملنا تھا اور فرانس کو شام کا جڑا حصہ جس میں موصل کا ضلع بھی شامل تھا (اگرچہ بعد میں جب انگریزوں کو پتہ چلا کہ اس علاقے میں مشرق وسطیٰ کے بہترین آئل فیلڈ ہیں، تو انہوں نے ارادہ بدل لیا۔ فلسطین، صہیونی ریاست کے قیام کے لئے وقف کر دیا گیا، معاہدے کی اہم خصوصیت تھی کہ عربوں کو وعدوں کے جس دلکش جال میں پھانسا گیا تھا، انہیں پس پشت ڈال دیا گیا، عربوں کو ایک بھی قابل ذکر علاقہ نہ ملا۔ انہیں اس دھوکے کی ذرا بھی ہوا لگ جاتی، تو ان کے لڑنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا اور بغاوت اسی وقت دم توڑ جاتی۔

معاہدہ انتہائی خفیہ رکھا گیا، حتیٰ کہ میک موہن کو بھی اس وقت پتہ چلا، جب سائیکس نے اسے خود بتایا۔

سازش کا انکشاف

اس بے خبری کے عالم میں دو سال بیت گئے۔ نومبر، ۱۹۱۱ء میں روس میں بالشویک برسرِ اقتدار آئے، تو انہوں نے اپنے مخصوص سیاسی مفادات کے تحت پہلی بار اس معاہدے سے پردہ اٹھایا۔ ترکوں کو عرب بغاوت فرو کرنے کا اچھا موقع مل گیا؛ چنانچہ شام میں ترک کمانڈر انچیف جمال پاشا نے فیصل کو خطوط لکھ کر اس معاہدے سے آگاہ کیا اور کہا کہ برطانیہ اور فرانس نے عرب کو آپس میں تقسیم کرنے کا معاہدہ طے کر رکھا ہے اور حسین برطانیہ کے جال میں پھنس گیا ہے، اس نے صلح کی پیشکش بھی کی۔

لارنس کو ترکوں کی اس پیشکش کا علم تھا۔ وہ ایک ایک تفصیل جانتا تھا۔ وہ فیصل کی

کی غیر حاضری میں اس کے سیکرٹریٹ کی فائلیں دیکھا رہتا تھا۔ وہ حسین اور فیصل کی خط کتابت راستے ہی میں روک کر پڑھ لیتا تھا۔

فیصل نے ترکوں کے خطوط حسین کو بھیج دیئے، جس نے ایک بار اسے یقین دلایا تھا کہ ”برطانیہ کا وعدہ سونے کی طرح ہے، اسے جتنا بھی رگڑو گے اور زیادہ چمکے گا“، حسین نے ٹیلی گرام کے ذریعے جواب دیا: ”اتحادی بہت عظیم ہیں اور کسی قسم کے شک و شبہ سے بالا“ تاہم اس نے بطور اعیانہ ترکوں کے خطوط، مصر میں برطانیہ کے مافی کشر سر رینالڈ ونگیٹ کو بھیج دیئے اور پوچھا ان میں کتنی صداقت ہے۔

ونگیٹ اور فارن آفس کے درمیان ٹیلی گراموں کا تبادلہ ہوا اور آخر کار ونگیٹ کو حکم ملا کہ وہ حسین کو درج ذیل جواب بھیج دے۔

”ترک عربوں اور ان کی صلیف یورپی طاقتوں کے درمیان بد اعتمادی کا بیج بونا چاہتے ہیں... ہنز میجسٹی کی حکومت ہنز مانی انس سے کئے ہوئے وعدوں کی پھر سے تجدید کرتی ہے۔“

جمال پاشا کے جانشین نے ”سائیکس پیکاٹ“ معاہدے کا وہ متن شائع کر دیا، جو روسیوں نے جاری کیا تھا۔ فارن آفس نچھٹے میں پڑ گیا۔ قریب تھا کہ وہ اقرار کر لیا کہ ونگیٹ کی ہدایت اور پھر فارن سیکرٹری مسٹر بالفور کی منظوری سے جِدہ میں برطانوی ایجنٹ کے ذریعے ایک تحریر حسین کو بھیج دی گئی۔ یہ تحریر حلیہ بازی، غلط بیانی اور جھوٹ کا شاہکار تھی۔ برطانوی حکومت نے لکھا تھا کہ یہ معاہدہ محض ایک چال تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ اتحادی طاقتوں کو ترکوں کے خلاف جنگ جاری رکھنے میں دقت پیش نہ آئے اور یہ معاہدہ اب عملی طور پر مردہ ہو چکا ہے۔

لارنس کی پر قریب ذہانت

جہاز میں لارنس کا اپنے فرانسیسی ہزار کرنل ایڈورڈ بے موند سے اس بات

پر تصادم ہو گیا کہ عرب بغاوت کا راستہ کیا ہونا چاہیے۔ کرنل بگنے موند اس مشن کا
 انچارج تھا جو ستمبر ۱۹۱۶ء میں فیصل پر برطانیہ کے اثرات کا توڑ کرنے کے لئے مجتہد
 بھیجا گیا تھا۔ بگنے موند نے صرف پیشہ ور سپاہی تھا، بلکہ عالم بھی۔ وہ مراکش اور الجزائر میں
 خدمات انجام دے چکا تھا اور عربی زبان بڑی روانی سے بولتا تھا۔ اگر وہ اپنے مقصد میں
 کامیاب ہو جاتا، تو لارنس آف عربیا کی داستان جنم نہ لیتی اور لارنس، پرنس آف مکہ اور
 صحرائی راہنہ جیسے القابات سے محروم رہتا۔ بگنے موند کا خیال تھا، بغاوت منظم اور
 باقاعدہ ہونی چاہیے اور اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عربوں
 کی مدد کے لئے برطانوی اور فرانسیسی فوجی دستے بڑی تعداد میں بھیجے جائیں۔ کرنل موند
 کی اس تجویز سے اکثر برطانوی ماہرین بھی متفق تھے، کیونکہ یہ خیال عام تھا کہ بدو ترکوں
 کی منظم فوج کے مقابلے میں ٹھہر نہیں سکتے۔ لیکن لارنس نے اس تجویز کی شدید مخالفت
 کی اور کہا، بدوؤں نے اجنبیوں خصوصاً بے دینوں کو اپنے ملک میں در آتے دیکھا،
 تو وہ فوراً الگ ہو جائیں گے، اس لئے جنگ بے قاعدہ اور غیر منظم طرز پر ہونی چاہئے
 اور وہ بھی زیادہ تر عرب خود لڑیں؛ تاہم اتحادی اسلحہ، روپیہ پیسہ، خوراک اور چھاپا
 انگریز افسران کی امداد کے لئے مہیا کریں۔ لارنس کی تجویز مان لی گئی۔ بگنے موند خود
 اپنی حکومت کی پوری تائید حاصل نہ کر سکا۔

خشیت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز

لارنس اپنی مرضی کے مطابق بغاوت کی پالیسی متعین کرنے میں کامیاب ہو گیا
 تھا۔ اب اس کو کسی ایسے کامیاب اقدام کی ضرورت تھی، جس سے اس کی دانائی کا اظہار
 ہو۔ یہ مقصد اس نے جولائی، ۱۹۱۶ء میں بحیرہ قلزم کی بندرگاہ عقبہ پر قبضہ کر کے
 حاصل کر لیا۔

لارنس ابھی ”وجہ“ میں فیصل کے کیمپ میں تھا کہ حویطاط قبیلے کا شیخ عودہ

بغاوت میں شامل ہو گیا۔ اس نے عقبہ پر حملے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ کچھ نوون کا خیال ہے کہ پورا منصوبہ دراصل اسی کا تیار کردہ تھا نہ کہ لارنس کا۔ کچھ اور لوگ اس کا سہرا فیصل کے سر باندھتے ہیں۔

یہ ہم ۹ مئی ۱۹۱۷ء کو وجہ سے شمال کی طرف روانہ ہوئی، اس میں لارنس کے علاوہ عودہ شریف ناصر (بغاوت کے پرجوش لیڈروں میں سے ایک) و شامی نصیب البکری اور زکی دروہی اور رائفوں سے مسلح قیس اونٹ سوار تھے۔ لارنس نے زمین کے تھیلوں میں بیس ہزار سونے کے سکے بھی ساتھ رکھ لئے تھے تاکہ بغاوت کو دور دور تک پھیلایا جاسکے۔ اس چھوٹے سے دستے نے دنیا کے گرم ترین اور لٹ و دق صحرا میں دو سو میل کا فاصلہ طے کر کے وادی سرخان پہنچ گیا، جہاں عودہ، ناصر اور دونوں شامی مقامی قبیلوں کو فیصل کی مدد پر آباذہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ دوسری طرف لارنس جیسا کہ اس نئے زمانے کے ستون میں بیان کیا ہے۔ ملک کے شمال کی طرف لمبے سفر پر تین تہا مکمل کھڑا ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ شام کے ادریس لوہانزے سے کچھ نئی جنگی چالیں آزمانے کا موقع ملے گا جو صلیبی جنگوں اور پہلی عرب فتح کے واقعات سے اس کے ذہن میں ابھری تھیں۔ لارنس ۵ سے ۱۶ جون تک کیمپ سے غائب رہا۔ یہ دمشق کا وہ مشہور سفر تھا جو ابھی تک متنازعہ فیہ ہے۔

لارنس کے بہت سے سوانح نگار اس کے سفر دمشق کے بارے میں شک کرتے ہیں۔ سلمان موسیٰ کا دعویٰ ہے کہ اس نے لارنس کے دو عرب ساتھیوں نصیب البکری اور فیض العسین اور بعض دوسرے عربوں کا انٹرویو کیا، جن کا اس سے کچھ نہ کچھ تعلق رہا تھا۔ نصیب کا بیان ہے کہ لارنس ایک دن کے لئے بھی کیمپ سے غائب نہیں ہوا تھا، جب کہ فیض کے خیال میں اتنے مختصر عرصے میں اتنا لمبا فاصلہ طے کرنا ممکن نہیں، اس نے پوچھا کہ ”کیا لارنس کوئی پزندہ تھا؟“ اس نے یہ دلیل بھی دی کہ یہ سفر اس لئے بھی ناممکن

ہے کہ لارنس چو بیس گھنٹے بھی خود کو پوشیدہ نہیں رکھ سکتا تھا اور باسانی پہچان لئے جاتا، خصوصاً ایسے علاقوں میں جہاں کے لوگ بے حد متحس ہیں، پھر جب بھی عربوں سے وابستہ کوئی انگریزی مشن پر جاتا، تو شریف یا شریفیت کا کوئی قابل اعتماد عرب اس کے ہمراہ ہوتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ہم میں لارنس کے عرب ساتھی کون تھے؟ وہ کہاں ٹھہرے اور انہوں نے خوراک کہاں سے حاصل کی؟ پھر لارنس نے ”دانائے کے سات ستون“ اور ”صحرا میں بغاوت“ میں اتنی اہم مہم کا ذکر مبہم الفاظ میں کیوں کیا؟ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ دمشق کا سفر محض من گھڑت افسانہ ہے۔

چہ ارزاں فروختند؟

۱۹ جون، ۱۹۱۷ء کو عقبہ کی مہم دوسرے مرحلے میں داخل ہو گئی۔ اب دستے میں پانچ سو افراد تھے، انہوں نے ۲ جولائی کو اباللسان میں ترکوں پر حملہ کر دیا۔ تھوڑی دیر کی بے نتیجہ لڑائی کے بعد عودہ نے شتر سواروں کے ساتھ ترکوں پر یلغار کر دی اور گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ لارنس نے افراتفری میں اپنے ہی اونٹ کے سر میں گولی مار دی، تو وہ اس کے پیچھے کھلے جانے سے بال بال بچا۔ میدان عربوں کے ہاتھ رہا۔ تین سو ترک مارے گئے اور ایک سو ساڑھے قیدی بنے۔۔۔۔۔ جب کہ صرف دو عرب ہلاک ہوئے۔ اباللسان کی فتح کے بعد عقبہ خود بخود زیر ہو گیا اور ۶ جولائی کو اس پر عربوں نے قبضہ کر لیا۔ لارنس ایک ہیرو کی حیثیت میں قاہرہ پہنچ گیا، عقبہ کی فتح کا مطلب تھا کہ مدینہ کی ترک فوجوں کے ساتھ رابطے کا فاصلہ پھ سو میل اور بڑھ گیا۔

۱۰ جولائی، ۱۹۱۷ء کو لارنس نے عرب بیورو کو رپورٹ دی جس میں اپنے سفر دمشق کا بھی ذکر کیا اور لکھا کہ وہ دمشق میں دشمن کی لائنوں کے پیچھے جا کر ترک فوج میں موجود عرب علی رضا الکرکابی سے ملا۔ اس نے مختلف علاقوں میں عرب شیوخ سے بھی ملاقات کی اور ان کی ہمدردیوں کا پتہ چلایا، دشمن کی جنگی پوزیشنوں کی جاسوسی کا

کئی مقامات پر ججاز ریلوے کو نقصان پہنچایا اور ایک ٹرین تباہ کی۔

یہ بلاشبہ ایک نمایاں کارنامہ تھا؛ چنانچہ سر ریجنالڈ ڈنگلیٹ نے لارنس کے لئے ”وکتوریہ کراس“ کی سفارش کی، لیکن چونکہ یہ کارنامہ اس اعزاز کے لئے مخصوص شرائط پوری نہ کرتا تھا، یعنی کوئی افسر اس کارنامے کا عینی شاہد نہ تھا، اس لئے اس سفارش پر عملدرآمد نہ ہو سکا۔

اگست ۱۹۱۷ء میں فیصل، اس کی فوجوں اور لارنس کو ڈنگلیٹ کی کمانڈ سے نکال کر جنرل ایلن بی کی کمان میں دے دیا گیا۔ اس تبدیلی نے فیصل اور لارنس کو عجم کی آزادی کے محدود مٹری آپریشن سے عالمی سیاست اور عالمی جنگ کے وسیع اور پیچیدہ میدان میں لاکھڑا کیا۔ ایلن بی کی ماتحتی میں لارنس کے لئے فضا بڑی سازگار تھی، جس سے اس نے پورا پورا فائدہ اٹھایا، اس کے مقابلے میں خصوصی مراعات اور لامحدود اختیارات کے ساتھ دو لاکھ پونڈ سونے کی شکل میں اسے دیئے گئے۔ اس سونے نے عرب بغاوت کی کامیابی میں کیا کردار ادا کیا، یہ امر اب کوئی راز نہیں رہا۔۔۔۔۔ سلیمان موسیٰ کا کہنا ہے: ”بدوں میں لارنس کی شہرت اور قدر و منزلت کا باعث صرف سونا تھا، انہوں نے سوچا ہوگا کہ جس شخص کے قبضے میں اس قدر خطر رقم ہے وہ ضرور اپنی حکومت کا اہم فرد اور بے پناہ اختیارات کا مالک ہوگا۔

لارنس کی موت کے بعد ریجنالڈ ڈنگلیٹ نے لکھا:

”عرب آپریشن کی کامیابی کا واحد سبب وہ رقم تھی جو میں اسے بڑی مقدار میں

بھیج رہا تھا، نہ کہ اس کی شخصی جرات و ہمت اور سوچ بوجھ!“

اکتوبر میں لارنس نے یرموک کے ریلوے پل کو اڑانے کی کوشش کی۔ وہ شمال

اور فلسطین کے محاذ پر ترکوں کے درمیان مواصلات کا واحد ذریعہ کاٹ دینا چاہتا

تھا۔ ابھی وہ بارود رکھ ہی رہا تھا کہ سنتری چوکتا ہو گیا اور مشن ناکام رہا۔ یرموک کی اس

مہم میں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ عبدالقادر نامی ایک عرب جو الجزار میں پیدا ہوا تھا، اچانک لارنس سے الگ ہو کر روپوش ہو گیا۔ بگنے موتد نے لارنس کو خبردار کیا تھا کہ عبدالقادر ترکوں کا ایجنٹ ہے۔ اس وقت لارنس نے توجہ نہ دی، لیکن اب اسے بھی شک پڑ گیا، تاہم وہ ترکوں کے مواصلات کے مرکز و ریح کی جاسوسی کے لئے چل پڑا۔ ایک بوڑھے کسان کے ہمراہ پھٹے پرانے عربی لباس میں وہ قبصے میں داخل ہوا، جہاں ترکوں نے اسے پکڑ لیا۔ لارنس اپنی اس گرفتاری کا ذمہ دار عبدالقادر اور اس کے بھائی سعید کو ٹھہراتا ہے۔

ترکوں کی مشکلات

جنوری ۱۹۱۰ء میں لارنس نے طفیلہ کے معرکے میں حصہ لیا۔ اس نے عرب بیورو کو جو رپورٹ بھیجی، اس کے مطابق اس معرکے میں جنگی چالیں اس نے تشکیل دی تھیں۔ اس میں نوسو افسروں اور جوانوں پر مشتمل تین ترک انفنٹری بٹالین نے حصہ لیا، جن میں سے چار سو کھیت رہے اور ڈھائی سو قیدی بنائے گئے۔ اس کارنامے پر لارنس کو ڈی ایس ڈی (Distinguished Service Order) دیا گیا۔ جولائی تک غیر منظم عرب فوج تبدیل و باقاعدہ فوج میں تبدیل ہو گئی (بگنے موتد، اس عرصے میں دل شکستہ ہو کر واپس فرانس جا چکا تھا) اب فیصل کی فوج میں تین سو شترسواروں کا دستہ ۳۵ سزنگ اڑانے والے مصری، ۳ گورکھا توپچی اور ۱۴۰ افزقی تھے اور چالیس انگریز (جن کی سپرد داری میں آرٹلری اور مشین گنوں سے آراستہ بکتر بند گاڑیاں تھیں) تھے۔

۱۹ ستمبر کو ایلین بی ترکوں پر آخری وار کرنے کے لئے تیار تھا۔ اکیسویں کو نے ترکوں کے کمزور بائیں بازو پر حملہ کیا اور انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ جنگ کے دوسرے دن تک برطانوی فوج ترکوں کی ساتویں اور آٹھویں آرمی کو تین اطراف سے گھیرے میں لے چکی تھی۔ اب صرف اردن کی سمت کا راستہ کھلا رہ گیا تھا، لیکن ادھر بھی بیسیویں

کور کے ڈویژن تیزی سے جمع ہو رہے تھے۔ دوسری طرف دریائے اردن کے پار پہاڑی علاقے میں عرب فوجیں ترکوں کی سکیڈ کور کی طرف بڑھ رہی تھیں، ان حالات میں ترکوں کے لئے شمال کی طرف پیچھے ہٹنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہا تھا۔ دمشق کا سقوط چند روز کی بات تھی۔ شریف حسین کو اپنی خواہشات کی تکمیل کی منزل سامنے نظر آرہی تھی۔ انگریزوں کے وعدوں کے طلسم میں گرفتار یہ شخص سمجھتا تھا کہ شام کا مستقبل اس کے اپنے ہاتھوں میں ہے۔ دوسری طرف انگریز حکام بھی مضطرب تھے کہ اسے حقیقت حال سے کس طرح آگاہ کیا جائے۔ خاص طور پر جدہ میں برطانوی ایجنٹ لیفٹیننٹ کرنل سی ای ولسن کچھ زیادہ ہی پریشان تھا اور اس نے خفیہ خطوط کے ذریعے ونگیٹ کو اس صورتحال سے آگاہ کیا۔ اس دوران کلیٹون نے سائیکس کو لکھا

”فواد الخطیب قاہرہ پہنچ چکا ہے اور اس کی گفتگو سے پتہ چلتا ہے کہ شریف اصل صورتحال سے بالکل بے خبر ہے اور سمجھتا۔۔۔ ام اور عراق کسی شرط کے بغیر اسے مل جائیں گے۔“

وعدوں کا نیا جال

آخر کار جون ۱۹۱۸ء میں برطانوی ڈپلومیسی کے زیر اثر سات نیشنلسٹ لیڈروں نے قاہرہ میں اعلان کیا کہ وہ حسین کو بادشاہ تسلیم نہیں کریں گے، ان کی نظروں میں وہ ایک بدو اور نا تجربہ کار شخص ہے۔ غالباً سائیکس پیکاٹ، معاہدے پر ترکوں کے پریگنڈ اور اعلان بالفور کی وجہ سے انہی عرب تعلقات میں جو گڑبڑ پیدا ہو گئی تھی، اسے دور کرنے کے لئے برطانوی حکومت نے عربوں سے کچھ نئے وعدے کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ ان کا اعلان ایک دستاویز میں کیا گیا جسے ”ڈیکلریشن آف دی سیون“ (سات قوم پرست لیڈروں کا اعلان) کا نام دیا گیا۔ اس کی ایک کاپی حسین اور فیصل کو بھی بھیج دی گئی۔ اس اعلان کے دو بڑے نکات یہ تھے کہ جو عرب علاقے جنگ کے آغاز سے

قبل آزاد تھے، وہ اسی طرح آزاد رہیں گے اور عربوں کے آزاد کرائے ہوئے علاقوں میں "ان کی مکمل آزادی اور اقتدار اعلیٰ" کو برطانوی حکومت تسلیم کرے گی۔ باقی علاقوں میں رعایا کی رضامندی کے مطابق حکومت تشکیل دی جائے گی۔ یہ وعدے کس قدر بے سرو پا اور بے معنی تھے، اس کا جائزہ ہم آگے چل کر لیں گے۔

اس اعلان نے معاملے کو پہلے سے بھی کہیں زیادہ پیچیدہ بنا دیا گیا اس کا یہ مطلب تھا کہ سائیکس پیکاٹ معاہدہ ختم ہو چکا ہے؟ کیا فرانسیسیوں کے مفادات منظر انداز کر دیئے گئے؟

اتحادی افواج کے پہلے دستے کے دمشق میں داخل ہونے سے پانچ روز قبل فارن آفس نے ڈگنیٹ کو درج ذیل ٹیلی گرام ارسال کیا: "اگر جنرل ایلین بی دمشق کی طرف پیش قدمی کرے، تو ۱۹۱۶ء کے اینگلو، فرانسیسی معاہدے کی تعمیل ہر چیز پر مقدم ہوگی۔ ممکن ہو، تو وہ فرانسیسیوں کے ساتھ مل کر عرب انتظامیہ سے کام چلائے۔ ہم نے اس سلسلے میں اسے تار بیج دیا ہے۔"

چنانچہ جب آسٹریلین جنرل ہیری چاول نے جو دمشق کی طرف پیش قدمی کرنے والی سوار فوج کی قیادت کر رہا تھا، پوچھا کہ شہر پر قبضے کے بعد اس کی انتظامیہ کا کیا کیا جائے، تو ایلین بی نے جواب دیا: "تمہیں معلوم ہے یروشلم میں ہم نے کیا کیا تھا؟ بالکل وہی کچھ یہاں کرنا ہوگا؟ ترک والی (سول گورنر) کو طلب کرو، اسے حسب سابق انتظام چلانے کی ہدایت دو اور ضرورت کے مطابق اسے پولیس ہتیا کر دو۔"

پھر چاول نے پوچھا: "عربوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟ افواہ ہے کہ وہ شام کا نظم و نسق سنبھالنا چاہتے ہیں۔"

ایلین بی نے جواب دیا: "مجھے خبر ہے، لیکن تمہیں میرا انتظار کرنا پڑے گا۔ اگر اس دوران فیصلہ گڑ بڑ کرے، تو لارنس کے ذریعے اس سے نبٹ سکتے ہو، جو

کہ تمہارا مددگار آفیسر ہوگا۔“

فیصل بلاشبہ گڑبڑ پیدا کرنے والا تھا، لیکن لارنس سے اس کے بننے کی توقع کی گئی وہ غلط تھی، بلکہ فیصل کے اقدامات کی پشت پر لارنس کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔ ایلن بی کو اس کی خبر دیر سے ہوئی۔

اتحادی دمشق کے دروازے پر پہنچ گئے اور لارنس، چاول اور الجزائر می جانیوں عبدالقادر اور سعید کے درمیان چپقلش شروع ہو گئی۔ اس کہانی کا آغاز اندرون شہر سے ہوا۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۱۸ء کو فوج نے خبردار کیا کہ شہر کا سقوط بس چند گھنٹوں کا منتظر ہے شہر

کی ترک انتظامیہ نے کاغذات سنبھالے اور شہر چھوڑ دیا۔ روانگی سے پہلے گورنر نے الجزائر می لیڈر سعید کو بلوا بھیجا اور بتا دیا کہ ترک شہر خالی کر گئے ہیں۔ سعید نے فوراً گورنمنٹ ہاؤس پر شاہ حسین کا ہاشمی پرچم لہرا دیا، حکومت کی صوبائی کونسل تشکیل کی اور حسین کے نام پر شام کی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ بعد ازاں اس نے شام اور لبنان کے بڑے بڑے شہروں میں تار روانہ کر کے ترک فوجوں کی واپسی کی اطلاع دی اور حسین کے نام پر عرب انتظامیہ بنانے کی ہدایت کر دی۔

پہلا راؤنڈ

شام تک اتحادی فوجیں شہر کے باہر آ پہنچیں۔ سب سے آگے چودھواں کیولری برگیڈ تھا، جس کے پیچھے شریف ناصر کی کمان میں عرب فوج تھی۔ ”داناہی کے سات ستون“ میں لارنس نے دعویٰ کیا ہے کہ عرب سب سے پہلے شہر میں داخل ہوئے، لیکن جنرل چاول اس سے متفق نہیں۔ اس کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے ایک آسٹریلین برگیڈ اور انڈین کیولری کی ایک رجمنٹ شہر میں داخل ہوئی اور اگلے روز یعنی یکم اکتوبر کو لارنس اور عرب فوج پہنچی۔

۲۵ ستمبر کو ایک کانفرنس میں جنرل ایلن بی نے دمشق پر قبضہ کرنے کے لئے

چاول کے منصوبے منظور کئے اور فیصل اور اس کے دستوں کو اردن کے مشرق میں میجر جنرل سر جارج بارو کی کمان میں سونپ دیا۔ لارنس رابطہ افسر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا، ۳۰ ستمبر تک یہ واضح ہو گیا کہ دمشق پر پیش قدمی چاول کرے گا اور بارو کا ڈویژن ریزرو میں رہے گا، جو نہی لارنس کو اس حقیقت کا پتہ چلا، وہ یکم اکتوبر کی صبح کسی کو بتائے بغیر بارو کے کیمپ سے غائب ہو گیا۔ وہ دمشق کی فتح میں بیچھے نہیں رہ سکتا تھا۔ چاول کو لارنس کی غیر حاضری کی خبر ساڑھے سات بجے ملی، جب وہ بارو سے ملنے کے لئے آیا۔

چاول لکھتا ہے: "میں بلا تاخیر دمشق کی سول انتظامیہ تشکیل دینے کے لئے بے چین تھا، لیکن میرا واحد سیاسی مشیر غائب ہو گیا تھا۔" چنانچہ اس نے خود شہر میں جانے کا فیصلہ کیا۔ وہاں گورنمنٹ ہاؤس کے سامنے لارنس مل گیا۔ اسے عربوں کے ایک جوشیلے ہجوم نے گھیر رکھا تھا، ان میں سے ایک کا تعارف لارنس نے شکری پاشا کے نام سے کرایا۔ چاول لکھتا ہے:-

"لارنس نے اپنی غیر حاضری کا بہانہ یہ بنایا کہ وہ حالات کا جائزہ لے کر (اسے) چاول کو مطلع کرنا چاہتا تھا، پھر اس نے بتایا کہ شکری دمشق کا گورنر ہے۔ میں نے کہا میں ترک گورنر سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا تم اسے بلوا سکتے ہو؟

"ترک گورنر ایک روز پہلے جا چکا ہے اور شکری کو شہریوں کی اکثریت نے منتخب کر لیا ہے۔" لارنس کا جواب تھا۔ میں نے کمانڈر انچیف کی طرف سے شکری کی تقرری منظور کر لی اور لارنس کو رابطہ افسر مقرر کر دیا اور ہدایت کی کہ وہ پتہ کرے، انتظامیہ کو کس قدر پولیس درکار ہے؟

لارنس نے پہلا راونڈ جیت لیا تھا۔ ایک عرب دمشق کا گورنر بن گیا اور وہ بھی لارنس کا منتخب کردہ۔

الجزائری برادران

اب امیر سعید کا حال سنئے۔ تقریباً چھ بجے صبح فجر میں داخل ہوئی، تو وہ فیصل کے سیکنڈ ان کمانڈ، شریف ناصر سے ملا اور کہا کہ وہ حکومت سنبھال لے۔ ناصر ہیار اور تھکا ہوا تھا۔ اس نے پیش کش قبول نہ کی اور سعید کو حکومت کا نظم و نسق چلانے کی تحریری اجازت دے دی۔ لارنس کو یہ خبر ملی، تو وہ فوراً امیر سعید کے خلاف سرگرم عمل ہو گیا۔

لارنس، سعید کا اس قدر مخالفت کیوں تھا؟ ۲۸ جون ۱۹۱۹ء کو اس نے جی ایچ کیو قباہرہ کے چیف پولیٹیکل افسر کے نام جو خفیہ رپورٹ بھیجی اس میں اس سوال کا جواب ملتا ہے۔ وہ لکھتا ہے: ”عبد القادر ایک جنوبی مسلمان تھا اور شریف کی انگریز نوازی کا شدید مخالفت۔۔۔۔۔ ایک رات وہ ازرق سے روپوش ہو گیا۔۔۔۔۔ اور درع میں ترکوں سے ملا۔ اس نے اپنے مشن سے انہیں آگاہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ میں اور علی اس ہفتے یرموک کا پیل اڑانے والے ہیں؛ چنانچہ ترک باخبر ہو گئے اور ہماری ہم ناکام رہی۔ اس کے بعد عبد القادر دمشق چلا گیا۔ میں ترکوں کی دفاعی پوزیشن معلوم کرنے کے لئے بمبیس بدل کر دُرع گیا، جہاں پکڑ لیا گیا، کیونکہ عبد القادر نے گورنر کو میرا حلیہ بتا دیا تھا۔ گرفتاری کے بعد مجھ پر بے پناہ تشدد کیا گیا اور گورنر نے میرے ساتھ بد فعلی کی۔ مجھے زخمی حالت میں ہسپتال پہنچا دیا گیا، جہاں سے میں فرار ہو گیا۔ گورنر اپنے فعل پر اس قدر نام تھا کہ اس نے کبھی اپنی حکومت کو میری گرفتاری اور فرار کی رپورٹ نہ دی۔

”میں ازرقی کے راستے عقبہ واپس چلا گیا۔۔۔۔۔ عبد القادر کو جب خبر ملی کہ ترکوں نے دمشق خالی کر دیا ہے، تو وہ فوراً وہاں پہنچا اور حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی، جب ناہر اور میں پہنچے، تو عبد القادر اور سعید اپنے مسلح ملازموں کے ساتھ ایک قطار میں بیٹھے تھے۔ فیصل نے مجھ سے درخواست کی کہ اسے ان لوگوں سے چھٹکارا دلواؤں۔ میں نے انہیں چلے جانے کو کہا اور بتایا کہ علی رضا کی واپسی تک شکری الایوبی گورنر ہوگا۔ عبد القادر

نے جانے سے انکار کر دیا اور کونسل چیمبر میں مجھے خنجر گھونپنے کی کوشش کی، لیکن عودہ نے اسے پتھے گرایا اور نوری شلان نے مجھے روئلہ قبیلے کی پناہ میں دیدیا۔

”اگر شام میں کوئی پچانسوی کا مستحق تھا، تو وہ یہی دو بھائی تھے۔ مجھے دکھ ہوتا ہے کہ سعید کو اس قدر ڈھیل دی گئی ہے... صرف یہی حقیقی اسلامی اخوت کا علمبردار (پان اسلامسٹ) ہے اور ہمارے لئے دشواریاں پیدا کر سکتا ہے۔“

دوسری طرف دونوں الجزائر میں بھائی بھی لارنس سے شدید نفرت کرتے تھے وہ اسے سمجھتے تو عرب ہی تھے، لیکن ایک تو وہ ملحد تھا، دوسرے انہیں یقین تھا کہ وہ انگریزوں کا جاسوس ہے۔ اسی لئے جب عبدالقادر کو گولی مار دی گئی، تو لوگوں نے اس شہسے کا اظہار کیا کہ اس قتل کے پس پردہ لارنس کا ہاتھ تھا۔

ڈرامے کا ایک منظر

۱۳ اکتوبر کو ایلینی دمشق پہنچا اور جاتے ہی چاول کو بلوا بھیجا۔ اسے بتایا کہ فرانسیزیوں کے ساتھ معاملات الجھ گئے ہیں۔ اس لئے وہ فوراً فیصل سے ملنا چاہتا ہے۔ چاول نے فیصل کو لانے کے لئے اپنے ای ڈی سی کوروس رائس میں بھیج دیا۔

فیصل اور ایلینی کے درمیان کیا بات چیت ہوئی؟ اس کی تین تاریخی شہادتیں محفوظ ہیں جو ایلینی، لارنس اور چاول نے الگ الگ تیار کیں۔ ایلینی کا بیان بالکل مختصر ہے: ”میں نے متعلقہ اسٹاف کی موجودگی میں شریف فیصل کو بتایا کہ میں اردن کے مشرق میں دمشق سے معان تک کے علاقے میں عرب انتظامیہ تسلیم کرنے کو تیار ہوں، مگر وہ فوجی انتظامیہ کی صورت میں میرے سپریم کنٹرول میں ہوگی۔ میرے مقرر کردہ دو رابطہ افسر، ایک انگریز اور دوسرا فرانسیسی، میرے اور عرب انتظامیہ کے درمیان رابطے کا کام کریں گے، جب تک ملٹری آپریشن جاری رہیں گے، سپریم کمانڈ میرے ہاتھ میں رہے گی۔ میں نے یہ حقیقت بھی فیصل پر واضح کر دی کہ برطانیہ اور فرانس کی

ینا اعلان پر فیسبرو وعدے

لارنس یونہی لندن نہیں گیا تھا۔ اس کے پیش نظر خاص مشن تھا۔ راستے میں وہ قاہرہ میں رکا اور ڈگیٹ سے طویل ملاقات کی۔ لندن پہنچ کر لارنس نے دو ہفتے کے اندر حکومت کو ایک حیرت ناک منصوبہ پیش کیا۔ اس منصوبے میں اس نے تجویز کیا کہ سائیکس پیکاٹ معاہدہ ترک کر دیا جائے اور (حجاز کو چھوڑ کر) عرب کی تین ریاستیں بنا دی جائیں۔ زیریں میسو پوٹیمیا میں عبداللہ کو بالائی میسو پوٹیمیا زید کو، اور شام فیصل کو دے دیا جائے۔ میسو پوٹیمیا کی دونوں ریاستیں برطانوی مفادات کے تابع ہوں گی اور زیریں میسو پوٹیمیا پر عملاً برطانیہ کا کنٹرول ہوگا۔

سائیکس پیکاٹ معاہدے کی طرح یہ منصوبہ بھی عربوں کے لئے قابل اعتراض تھا۔ اس منصوبے نے مشرق وسطے کے بہترین علاقے کاٹ دیئے اور انہیں غیر عرب کے کنٹرول میں دے کر ایک بڑی اور خود مختار عرب مملکت کا تصور یلیا میٹ کر دیا۔

لارنس کا یہ منصوبہ سائیکس پیکاٹ کے منصوبے سے بھی بڑھ کر برطانوی مفادات کا محافظ تھا۔ دوسری طرف فرانسیسی، سائیکس پیکاٹ منصوبے کو ایک لمحے کے لئے بھی منجمد تصور کرنے کو تیار نہ تھے اور جس وقت انگریز شام میں ترکوں کی آخری مزاحمت سے نبرہ آنا تھے، وہ اس معاہدے کو روپہ عمل لانے کی زور شور سے جدوجہد کر رہے تھے۔ شکر می پاشا سے فیصل کی آمد تک لارنس نے دمشق کا گورنر بنایا تھا۔ فیصل کے آنے ہی بیروت روانہ ہو گیا، وہاں اس نے گورنمنٹ ہاؤس پر حجاز کا پرچم لہرایا اور حسین کی عملداری کا اعلان کر دیا۔ ایلینی کے دوستوں نے آکر حجاز کا پرچم اتارا اور فیصل کے آدمی بغاوت کی دھمکیاں دینے لگے؛ چنانچہ برطانیہ اور فرانس کی حکومتوں کو ایک نیا اعلان کرنا پڑا، جس کو بڑے وسیع پیمانے پر پھیلا یا گیا۔ بازاروں میں منادی کی گئی اور خواندہ علاقوں میں پڑھ پڑھ کر سنایا گیا۔

اس نئے اعلان میں بڑے دل خوش کن وعدے گئے گئے۔ کہا گیا کہ ترکوں کی غلامی کا جوا اتارنے والی آبادی کو اپنی مرضی سے قومی حکومت تشکیل دینے کا حق ہو گا اور اس حکومت کو حق خود اختیاری حاصل ہوگا۔ اعلان میں برطانیہ اور فرانس دونوں کے متفقہ طور پر یہ وعدہ کیا کہ وہ ایسی حکومتوں کے قیام میں ہر ممکن تعاون کریں گے اور ان کے وجود میں آتے ہی انہیں تسلیم کر لیں گے۔

اس موضوع پر اب جو کینٹ پیپر جاری ہوئے ہیں۔ ان سے آشکارا ہوتا ہے کہ اعلان میں انگریزوں کے ذاتی محرکات کام کر رہے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ امن کانفرنس میں سائیکس پائیکاٹ معاہدے سے دامن چھڑانے کے لئے اس اعلان کو استعمال کر سکیں گے۔ بہر حال، اعلان کے محرکات جو کچھ بھی تھے، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ شام میں حالات فوراً پرسکون ہو گئے۔ چھ ماہ بعد یعنی امن کانفرنس کے موقع پر عربوں کو پتہ چلا کہ وہ کسی سادگی سے دھوکا کھا گئے ہیں۔ اعلان کی قدر و قیمت اس سیاہی سے زیادہ نہ تھی جو اسے تحریر کرنے میں صرف ہوئی تھی۔

اس عرصے میں لارنس بہت سرگرم رہا اور سائیکس پائیکاٹ معاہدے کو سبوتاژ کرنے کے لئے اپنے گرد حمایتی جمع کرتا رہا اور بڑی بے چینی سے ترپ کے پتے کی تلاش میں رہا جسے وریلیز میں استعمال کر سکے اور پھر خلافتِ توقع اس کا رخ صیہونیوں کی طرف پھیر گیا۔

صیہونیوں کے عزائم

ترکی کی متوقع شکست قریب دیکھ کر صیہونیوں نے فلسطین میں اپنے قومی وطن کے قیام کی تیاریاں شروع کر دیں جس کی برطانوی حکومت نے ان کے ساتھ ساتھ کمر باندھا۔ دوسری طرف برطانیہ نے فلسطین عربوں کو دینے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ ایک نئی بہم چل پڑی جس میں لارنس سب سے آگے تھا، اس نے عربوں کو

صورت حال قبول کر لینے کی ترغیب دینا شروع کر دی۔ وہ سمجھتا تھا فلسطین میں صہیونیوں کے عزائم سائیکس پیکاٹ معاہدے کا توڑ کر سکتے ہیں اور اس طرح فرانسیسیوں کو مشرق وسطیٰ سے نکالا جاسکے گا۔ دمشق سے واپس آئے چند روز ہوئے تھے کہ اس نے کمیونٹی کی مشرتبی کمیٹی کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انڈیا آفس نے اس کے خیالات پر فوراً گرفت کی۔ اور پھر محکمہ جاتی جنگ شروع ہو گئی۔ لارنس، فیصل کو امن کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے یورپ آنے کی دعوت دیتا ہے، لیکن جب فیصل مارسیلز پہنچتا ہے تو فرانس کی طرف لارنس کا پرانا دشمن بننے موند، فیصل اور لارنس کا راستہ روک لیتا ہے۔

لندن میں لارنس، فیصل کو صہیونی لیڈر خاتم وائزمن سے دوبارہ متعارف کراتا ہے تاکہ مشرق وسطیٰ کے بارے میں اپنے ماسٹر پلان کو آگے بڑھائے، پلان جس میں وہ یہودیوں کو مرکزی کردار ادا کرنے کے لئے سامنے لاتا ہے اور جس میں فرانسیسی ہمیشہ کے لئے ڈوب جاتے ہیں۔

پانچ متبادل راستے

جنگ عظیم کے تناج نے ایک طرف سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کر دیئے اور یورپی طاقتوں کے سامراجی عزائم کا دائرہ مشرق وسطیٰ تک پھیل گیا، دوسری طرف صہیونیوں کو بھی فلسطین پر قبضہ کرنے کا راستہ مل گیا۔ جنگ سے پہلے صہیونیوں نے ترک حکمرانوں سے "مقدس سرزمین" میں آباد ہونے کی اجازت حاصل کرنے کی سر توڑ کوشش کی، مگر ناکام رہے۔ جنگ شروع ہوئی اور صہیونیوں کی سرگرمیاں کا مرکز برلن بن گیا، لیکن جلد ہی انہیں احساس ہو گیا کہ یروشلم پر اتحادیوں کا کنٹرول ہوگا، چنانچہ ہوشیار صہیونی لیڈروں نے برطانیہ اور فرانس کے ساتھ پیگمیں بڑھانا شروع کر دیں۔

برطانوی صہیونیوں کا سرخیل متاز سائمنڈان اور کیمیا دان ڈاکٹر خاتم وائزمن تھا، جو سیاست کی طرف بھی گہرا میلان رکھتا تھا۔ وائزمن چھوٹے قد اور گھٹے ہوئے جسم، بارش

اور مسیحیوں کی شخصیت کا مالک تھا، بڑا ہی بے رحم اور مخالفوں کا خطرناک دشمن۔ برطانیہ کے سیاستدانوں میں اس کی مؤثر لابی پہلے سے موجود تھی۔ اب اس نے لابی کا دائرہ وسیع کرنے کی جدوجہد شروع ہوئی۔

سب سے پہلے دسمبر ۱۹۱۲ء میں صہیونیوں نے برطانوی پارلیمنٹ میں طاقتور رپورٹیشن سے ملاقات کی اور ہوم آفس کے انڈر سیکریٹری ہربرٹ سموئیل کے ذریعے اپنا کیس کا بیسٹ میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ سموئیل نے ایک خفیہ اور کسی حد تک مبالغہ آمیز میمورنڈم کے ذریعے یہ خدمت انجام دی جسے اس نے ”فلسطین کا مستقبل“ کا نام دیا۔

سموئیل کا کہنا تھا کہ ایک آزاد اور خود مختار یہودی ریاست کے قیام کا وقت ابھی تک نہیں آیا، تاہم صہیونی سلطنت برطانیہ سے فلسطین کے احقاق کا خیر مقدم کریں گے۔ اس نے برطانیہ کو اس پر آمادہ کرنے کے لئے پُرکشش دلائل دیے۔ اس وقت کے برطانوی وزیر اعظم اسکوٹھ نے میمورنڈم پڑھا اور اپنی ڈائری میں یہ نوٹ لکھا: ”یہ ٹاکرڈ کا تازہ ایڈیشن معلوم ہوتا ہے۔۔۔۔۔ مجھے متاثر نہیں کر سکا، لیکن وہ دیزو کے پسندیدہ قول نسل ہی سبب کچھ ہے، کی عجیب و غریب تمثیل ہے“۔

سموئیل کو کسی طرح وزیر اعظم کے خیالات کا پتہ چل گیا اور اس نے میمورنڈم پر نظر ثانی کی اور اسے مبالغہ آمیز خیالات سے پاک کر کے دوبارہ اس کی تشہیر شروع کر دی۔ اب اس نے فلسطین کے لئے پانچ متبادل راستے پیش کئے۔

۱۔ فرانس سے الحاق ۲۔ ترکوں کی تحویل میں رہنے دیا جائے۔ ۳۔ بین الاقوامی کنٹرول میں دے دیا جائے۔ ۴۔ خود مختار یہودی ریاست قائم ہو۔ ۵۔ برطانوی انتداب جس کے تحت یہودیوں کی آباد کاری کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

سموئیل نے جو جیوش کمیونٹی سے برطانوی کابینہ میں بیا جانے والا پہلا امیر تھا، آخری راستے کی وکالت کی، لیکن اسکوٹھ اب بھی لا تعلق رہا، تاہم معاملہ ختم نہ ہوا اور ۱۹۱۶ء

میں سر مارک سائیکس نے صیہونیوں سے اس مسئلے پر گفت و شنید شروع کر دی۔ یہودیوں نے رسمی یقین دہانی کرا دی کہ برطانیہ کی حمایت کے بدلے میں وہ فلسطین میں برطانوی اقتدار قائم کرنے کے لئے کام کریں گے؛ چنانچہ ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو فارن سیکریٹری مسٹر بالفور نے وہ مشہور اعلان کیا، جو تاریخ میں اعلان بالفور کہلاتا ہے۔ اعلان میں کہا گیا تھا:

”ہنریجیٹی گورنمنٹ فلسطین میں یہودیوں کے قومی وطن کے قیام کے حق میں ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے زبردست کوشش کرے گی؛ تاہم ایسا اقدام نہیں کیا جائے گا جس سے فلسطین کی غیر یہودی آبادی کے شہری اور مذہبی حقوق متاثر ہوتے ہوں۔“

دستاویزی شہادت

یہ اعلان بالکل مبہم سا تھا؛ چنانچہ جب عربوں نے احتجاج کیا، تو برطانوی حکومت نے اس کی تاویلیں شروع کر دیں۔ ادھر یہ مسئلہ چھڑ گیا کہ برطانیہ نے عربوں کے ساتھ واقعی کوئی وعدہ کیا تھا کہ فلسطین ان کے حوالے کر دیا جائے گا؟ اب وہ خط کتابت شائع ہو چکی ہے جو ۱۹۱۵-۱۴ء میں سر ہنری میک ماہن (مصر میں برطانیہ کے ہائی کمشنر) اور مکہ کے شاہ حسین کے درمیان ہوئی تھی اور جس کے نتیجے میں عربوں اور انگریزوں کے درمیان پہلا معاہدہ وجود میں آیا تھا۔

جارج انٹونی اپنی کتاب ”THE ARAB AWAKENING“ میں اس خط کتابت کا جائزہ لینے کے بعد لکھتا ہے:

”برطانوی حکومت کی دو دستاویزیں جو حال ہی میں منظر عام پر آئی ہیں، ظاہر کرتی ہیں کہ فلسطین بلاشبہ عربوں کو دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔“

پہلی دستاویز عرب بیورو کی رپورٹ ہے، جو ہوگا رتھ نے نومبر ۱۹۱۶ء میں تیار کی۔ اس میں مختصراً بتایا گیا ہے کہ میک ماہن اور حسین کے درمیان کیا طے ہوا تھا اور کیا نہیں ہوا تھا۔ متعلقہ شق میں لکھا ہے کہ عربی بولنے والے ان تمام کی خود مختاری تسلیم کر لی جائے،

جہاں برطانیہ فرانس کے مفادات کو نقصان پہنچائے بغیر عمل کے لئے آزاد ہے۔ شق میں آگے چل کر دمشق، حمص، حما اور حلب کے مغرب میں ایک لائن کھینچی گئی ہے جو مشرق میں ایران کی سرحد تک اور جنوب میں خلیج فارس اور بحر منہ تک چلی گئی ہے۔ ان حدود میں آنے والے تمام ممالک کے مستقبل کے انتظامات عربوں اور فرانسیسیوں پر چھوڑ دیئے گئے ہیں اور صرف عدن اور عراق کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ اس شق کی رو سے فلسطین، شام کے اس حصے میں آیا ہے جو عربوں کو دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ عرب بیورو کی اس دستاویز کی نہ تو وسیع پیمانے پر نشر و اشاعت کی گئی، نہ اسے منسوخ کیا گیا۔

دوسری دستاویز پچاس سال تک خفیہ رہی۔ یہ ۲۰ نومبر ۱۹۱۸ء کو لندن میں ہونے والی وارکینٹ کی مشترکہ کمیٹی کے ایک اجلاس کی طرف بحرف رپورٹ ہے۔ اس کی تفصیلات پہلی بار شائع کی جا رہی ہیں۔ اس اجلاس میں صدارت کی کرسی پر لارڈ کرزن رونق افروز تھے۔ کمیٹی شام کے معاملے پر بحث و تمحیص کے بعد مسئلہ فلسطین پر غور کرنے والی تھی۔ کرزن نے اپنے دستور کے مطابق حکومت کے اقدامات کا ٹیب لکھ کر بیان کیا:

”فلسطین کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ہم اپنی پابندیوں کو زیر بحث لائیں، تو صرب سے پہلے وہ عام وعدہ ہے جو ۱۹۱۵ء میں حسین سے کیا گیا، جس کے تحت فلسطین اس علاقے میں شامل کیا گیا تھا، جسے مستقبل میں خود مختار عرب ریاست قرار پانا ہے۔“

لارنس کا نیا منصوبہ

نومبر ۱۹۱۰ء میں اعلان بالفور کے بعد یہودیوں کے عزائم کے متعلق عربوں میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوئے، انہیں دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی، چونکہ لارنس کے فیصلے کے ساتھ خصوصی تعلقات تھے، اس لئے وہ عربوں کو نئی صورت حال قبول کرنے کی ترغیب دینے میں پیش پیش تھا۔ لارنس سمجھتا تھا کہ اعلان بالفور فرانسیسیوں

کو نہ صرف فلسطین سے دور رکھے گا، بلکہ یہ اس اسکیم کا بھی حصہ بن سکتا ہے، جس کے تحت فرانس کو شام سے بھی دور رکھنے کی راہ ہموار کی جا رہی تھی۔ یہ بڑا دلیرانہ منصوبہ تھا اور لارنس شام میں ایک ایسی عرب ریاست کے قیام کے لئے کوشاں تھا، جس کے سرپرست، تو انگریز ہوتے، مگر مشیر اور سربراہ کار صہیونی۔

انگلینڈ پہنچے کچھ دن ہوئے تھے کہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو لارنس وار کابینٹ کی مشرتی کمیٹی کے اجلاس میں شریک ہوا، جس کی صدارت لارڈ کرزن کر رہا تھا۔ اجلاس میں تمام فارن سیکرٹری شریک تھے۔ ایڈون مائیکو سیکرٹری آف سٹیٹ آف انڈیا نے جو برطانیہ کی یہودی کمیونٹی کا ممتاز ممبر تھا۔ صہیونیوں کی تحریک کی حمایت کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ قومی تعلقات نسلی یا مذہبی تعلقات سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ اس کے برخلاف سربارک سائیکس نے عربوں کی خود مختاری اور صہیونیت دونوں کی حمایت کی، تاہم اس نے مایوسی کا اظہار کیا کہ عرب اور یہودی اکٹھے کام کر کے ایک نئے مشرق وسطیٰ کو جنم نہیں دے سکتے۔ اجلاس میں بالفور اور ایڈیوٹنٹ جنرل بھی موجود تھے۔ اپنے منصوبوں کو مستحکم شکل دینے کا لارنس کو یہ سہنری موقع ملا تھا۔ پھر لارڈ کرزن نے جس طرح اس کا تعارف کرایا، اس سے اس کا اعتماد اور بھی بچتا ہو گیا۔ کرزن نے کہا: بد حکومت کا ہر ممبر یہودی لارنس کے عظیم کارناموں کو تعریف اور تحسین کی نظر سے دیکھتا ہے اور فخر کرتا ہے کہ ایک انڈین نے برطانیہ کی ترقی اور استحکام اور عرب فوجوں کے لئے اس قدر کام کیا ہے!

لارنس نے اپنے خطاب میں سائیکس کی موجودگی کی پروا کے بغیر سائیکس پکاٹ معاہدے پر شدید نکتہ چینی کی، فیصل اور عرب شیوخ کے خیالات شراک کو تباہے اور پھر مشرق وسطیٰ سے متعلق اپنا منصوبہ پیش کیا، جس کے مطابق بغداد اور زیریں میسوپوٹیمیا پر عبداللہ بالاسو پوٹیا پر زید اور شام پر فیصل کی حکومت ہو۔ فرانس کو بیروت اور لبنان کے سوا اور کسی علاقے پر قبضے کا حق نہ دیا جائے۔ لارنس نے یہ بھی بیان کیا کہ فیصل بغداد ہے کہ وہ اپنی مرضی سے

مشیر منتخب کرے گا۔ اس مقصد کے لئے وہ انگریزی یا امریکی صہیونی یہودیوں کی خدمات حاصل کرنے کے لئے بے چین ہے۔

کمیٹی نے لارنس کو ہدایت کی کہ وہ ان خطوط پر ایک مہمورنڈم تیار کرے:

اب لارنس کو اعلیٰ مشیر کا درجہ مل گیا اور اسے یہ اختیار دے دیا گیا کہ وہ پیرس میں ہونے والی امن کانفرنس میں برطانیہ کے مطالبات منوانے کی جو تدبیر بھی کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

کمیٹی کے اجلاس اس کے بعد بھی جاری رہے۔ میسوپوٹیمیا کے بارے میں کمیٹی کی گرفت مضبوط تھی، وہاں برطانیہ کو کنٹرول قائم کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی، لیکن یہ کنٹرول کس قسم کا ہو یہ طے کرنا بھی باقی تھا۔

انڈیا آفس اور فرانس دونوں لارنس کے منصوبے کے شدید مخالف تھے، جس کی حمایت فارن آفس کا ایک حصہ کر رہا تھا۔ فرانس کو خدشہ تھا کہ اگر سابق سلطنت عثمانیہ کے عربوں نے خود مختاری حاصل کر لی، تو اس کا اثر شمالی افریقہ میں فرانس کی مسلم رعایا پر لازماً پڑے گا۔ ایسے ہی خدشات انڈیا آفس کو ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں تھے۔ انڈیا آفس کا نقطہ نظر لارنس کے لئے بہت اہم تھا؛ چنانچہ عرصے تک حرمین شریفین کا معاملہ طے نہ ہو سکا۔

میسوپوٹیمیا کے بارے میں لارنس کے خیالات کی پذیرائی نہ ہو سکی، تو اس نے سفارش کی کہ شام کا اقتدار فیصل کو سونپ دیا جائے، لیکن کمیٹی ایک بار پھر سائیکس پیکار معاہدے میں الجھ کر رہ گئی۔ برطانیہ فلسطین کو خود حاصل کرنا — اور فرانسیسیوں کو شام سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ لارنس نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر کمیٹی کو بتایا کہ اس نے خیال میں فلسطین اور شام میں صہیونیوں اور عربوں کے درمیان تصفیہ کرانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی، جس کے نتیجے میں فرانس شام سے نکلنے پر مجبور ہو جائے گا، بشرطیکہ فلسطین کی انتظامیہ برطانیہ کے ہاتھوں میں رہے۔ کمیٹی یہی کچھ چاہتی تھی؛ چنانچہ پیرس ان

کانفرنس میں کمیٹی نے اس موقف پر مبنی تجاویز پیش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

فیصل پیرس میں

۱۸ نومبر کو لارنس نے ونگیٹ کے توسط سے شاہ حسین کو تار بھیجا کہ امن کانفرنس میں شاہ کی نمائندگی فیصل کرے اور وہ (حسین) اپنے فیصلے کی اطلاع تار ہی کے ذریعے برطانیہ، فرانس، امریکہ اور اٹلی کو دے دے۔ ۲۲ نومبر ۱۹۱۸ء کو فیصل ایک برطانوی کروڑ میں روانہ ہوا۔ فرانس نے فیصل کو عربوں کا نمائندہ ماننے والے اور اسے امن کانفرنس میں بولنے کی اجازت دینے سے صاف انکار کر دیا۔

برطانوی دفتر خارجہ نے پیرس میں برطانوی سفیر کو ہدایت کی کہ لارنس کو تمام تفصیلات تبادلی جائیں جو کہ مارسیلز کے راستے میں ہے اور باقی معاملہ اس پر چھوڑ دیا جائے۔ فیصل کو براہ راست لندن لانے کی رائے مسترد کر دی گئی، کیونکہ اس اقدام سے فرانس یہ سمجھے گا کہ فیصل کو فرانس کے خلاف کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ فرانس نے لارنس پر الزام عائد کیا کہ اس منصوبے کے پس پردہ اس کا ماتھے کار فرما ہے اور فیصل کے استقبال کے لئے پروگرام تیار کر لیا۔ لارنس کے پرانے حریف بنے موند کے ذریعے لارنس کو کہلوادیا گیا کہ اگر وہ برطانوی کرنل کی حیثیت سے برطانوی وردی میں یہاں آتا ہے، تو ہم خوش آمدید کہیں گے، لیکن عربوں کے بادل سے میں اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

لارنس نے اسے اپنی توہین سمجھا اور فوراً لندن واپس چلا گیا۔ فیصل نے باوقار طریقے سے حالات کا سامنا کیا اور پیرس پہنچ گیا، دسمبر کو وہ فرانس کے صدر سے ملا۔ تین روز بعد بنے موند نے فیصل کو کیلے کے مقام پر لارنس کے سپرد کر دیا اور وہ دونوں انگلینڈ چلے گئے۔

صہبہ فی لیٹاکا دام

فیصل ۱۹ جنوری ۱۹۱۹ء تک انگلینڈ میں رہا اور لندن میں شہنشاہ جارج پنجم نے

اس کا خیر مقدم کیا۔ وہ لارنس کی معیت میں مسٹر بالفور سے بھی ملا، لیکن سب سے اہم واقعہ کارلٹن ہوٹل میں صہیونی لیڈر خانم وائزمن سے اس کی ملاقات تھی جس میں مشرق وسطیٰ میں عربوں اور یہودیوں کے لئے ایک عارضی تصفیہ تیار کیا گیا۔ لارنس سقوط یروشلم کے وقت فلسطین میں وائزمن سے مل چکا تھا اور اس کا بڑا مذاح تھا۔ اب وہ برطانوی حکومت کی مکمل منظوری سے فیصل اور وائزمن کو ایک دوسرے کے قریب لے آیا، اس نے صہیونی لیڈر کے سامنے مشرق وسطیٰ کا ایک نیا منصوبہ رکھ دیا۔ یہ منصوبہ لارنس نے خور تیار کیا تھا۔ صہیونی اس میں مرکزی کردار ادا کرنے والے تھے۔

فیصل کی وائزمن کے ساتھ یہ پہلی ملاقات نہ تھی۔ وہ ۳ جون ۱۹۱۰ء کو عقبہ کے مقام پر پہلے بھی اس سے مل چکا تھا۔ اس ملاقات میں اس نے فیصل کو باور کرایا تھا کہ اگر وہ ایک طاقتور اور خوشحال عرب مملکت قائم کرنا چاہتا ہے، تو صرف ہم یہودی ہی اس کی مدد کر سکتے ہیں۔ ہم انہیں روپیہ بھی دیں گے اور ان کی قوت منظم کرنے میں ان کا ہاتھ بھی بٹائیں گے۔ ہم اس کے بے ضرر پڑوسی ہوں گے، کیونکہ ہم نہ تو اس وقت بڑی طاقت ہیں اور نہ مستقبل میں اس کا کوئی امکان ہے۔ اس ملاقات کے بعد صہیونی، فیصل سے تعلقات استوار کرنے میں لگے رہے۔ اسے عربوں اور اتحادیوں کے آزاد کرانے ہوئے علاقے کا انتظام کرنے کے لئے روپے کی اشد ضرورت تھی۔ صہیونیوں نے تخمینہ لگایا کہ اخراجات دو لاکھ پونڈ ماہوار ہوں گے اور ۱۹۱۹ء میں فیصل آنے اور اس کا ٹیکس وصول ہونے تک آمدنی صفر رہے گی؛ چنانچہ فیصل کو قرضے اور مالیاتی مشینری کی پیش کش کی، بشرطیکہ وہ فلسطین کے معاملے میں ان کی اعانت کرے۔

یہ اعانت کس قسم کی ہوگی، اس کا فیصلہ کرنے کے لئے فیصل اور وائزمن کارلٹن ہوٹل میں ۱۱ دسمبر کو ملے۔ فیصل کا کوئی معاون یا افسر اس ملاقات یا اس کے نتیجے میں ہونے والے معاہدے سے آگاہ نہ تھا۔ وائزمن کے اپنے بیان کے مطابق فیصل

نے سائیکس پیکاٹ معاہدے پر خٹگی کا اظہار کیا اور اسے عربوں اور یہودیوں دونوں کے لئے ہٹک قرار دیا۔ عربوں نے دمشق میں حکومت بنالی تھی، لیکن یہ بہت کمزور تھی۔ اس کے پاس نہ روپیہ تھا نہ فوج کے لئے ایمنیشن اور آدمی۔ فیصل کی ساری امیدیں امریکہ سے وابستہ تھیں کہ وہ اس معاہدے کو ختم کرادے گا۔ اس پر وائٹمن نے بتایا کہ وہ ۱۹۱۵ء سے اس معاہدے سے واقف ہے اور نہ صرف احتجاج کر چکا ہے، بلکہ امریکی صہیونیوں سے کہہ چکا ہے کہ جب بھی موقع آئے اس کی مخالفت میں اقدام کریں۔

وائٹمن نے مزید کہا کہ صہیونیوں کا پروگرام یہ ہے کہ امن کانفرنس اور فیصل فلسطین پر یہودیوں کے قومی اور تاریخی حق کو تسلیم کر لیں، برطانیہ ٹرسٹی طاقت بن جائے، یہودیوں کو حکومت میں مناسب حصہ ملے اور ملک کو اس طرح ترقی دی جائے کہ عرب کسانوں کے ملکیتی حقوق غصب کئے بغیر پچاس لاکھ یہودیوں کو فلسطین میں آباد کیا جاسکے۔ اس کے بدلے میں یہودی، فیصل کو داغوں اور روپے کی شکل میں ہر ممکن مدد دینے کو تیار ہیں۔ اس کے جواب میں فیصل نے کہا کہ فلسطین میں زمین کی کوئی کمی نہیں۔ وائٹمن لکھتا ہے: ”اس نے قسم کھا کر ہمیں یقین دلایا کہ وہ امن کانفرنس میں اعلان کرے گا کہ صہیونیت اور عرب تحریک سا جھی تحریکیں ہیں اور ان کے درمیان مکمل ہم آہنگی ہے۔“

اس گفت و شنید کے نتیجے میں آخر کار معاہدہ طے پا گیا جس کی رو سے برطانیہ کو ٹرسٹی شپ، صہیونیوں کو فلسطین میں داخلہ، آباد کاری اور حکومت میں شراکت کا حق مل گیا اور فیصل کو یہودیوں سے روپیہ، مالی مشورے اور امن کانفرنس میں صہیونیوں کی حمایت حاصل ہو گئی، لیکن ۳ جنوری کو جب معاہدے کے اصل مسودے پر دستخط کرنے کا وقت آیا، تو اختلافات پیدا ہو گئے۔ لارنس نے مشہور مورخ ٹائن بی اے جو برطانوی امن وفد کا ایک رکن تھا) کو بتایا کہ وائٹمن نے دستاویز کے ڈرافٹ میں ”جیوش اسٹیٹ“ اور ”جیوش گورنمنٹ“ کے الفاظ شامل کر دیئے تھے، جب لارنس نے یہ الفاظ پڑھے، تو فیصل

نے اصرار کیا کہ ان کی جگہ ”فلسطین“ اور ”فلسطین گورنمنٹ“ کے الفاظ استعمال کئے جائیں۔
 وائزمن نے فیصل کو مطمئن کرنے کے لئے کہا کہ جیوش اسٹیٹ کا یہ مطلب نہیں کہ
 وہ فلسطین کے عربی بولنے والے باشندوں کی راہ میں رکاوٹ بنے گی۔ فیصل نے اصرار کیا کہ
 معاہدے کے آخر میں استثنائی جملہ عربی میں لکھا جائے۔ لارنس نے فوراً مندرجہ ذیل الفاظ
 لکھ دیئے :-

”اگر عرب حکومت قائم کر لیتے ہیں، جیسا کہ میں نے ۳۱ جنوری کو برطانوی امور
 خارجہ کے سیکرٹری کو اپنے منشور میں لکھا تھا، میں اس معاہدے کی پابندی کروں گا، لیکن
 اگر اس میں تبدیلی کی جاتی ہے، تو اس پر عمل ہوتا ہے یا نہیں میں جوابدہ نہیں ہوگا۔“ اس کے
 بعد فیصل اور وائزمن نے اپنے دستخط ثبت کر دیئے۔

اکتوبر میں فیصل نے جیوش کرائیکل کو ایک انٹرویو میں بتایا کہ جہاں تک وہ سمجھا ہے
 وائزمن بس یہ چاہتا ہے کہ یہودیوں کو آباد کاری کی اجازت، مساوی حقوق اور حکومت میں
 مناسب حصہ مل جائے، جب جیوش کرائیکل کے نمائندے نے کہا کہ یہودی اعلان بالفور
 کا یہ مطلب لیتے ہیں کہ انہیں اپنے قومی وطن کے قیام کا حق ہے، جو آخر کار ایک یہودی
 ریاست بن جائے گا، تو فیصل نے کہا: ”فلسطین کو عرب مملکت کے علاوہ کسی اور کے
 حوالے کرنے کے خلاف اور اس سرزمین پر عربوں کی بالادستی قائم رکھنے کے لئے عرب اپنے
 خون کا آخری قطرہ تک بہادیں گے۔“

حسین اور ابن سعود

۱۸ جنوری ۱۹۱۹ء کو پیرس میں امن کانفرنس شروع ہوئی، جس میں لارنس نے
 برطانوی وفد کے ممبر کی حیثیت میں شرکت کی۔ اس کا کام فیصل کو ”صحیح سمت میں رکھنا
 تھا۔ فیصل اس خوش فہمی میں مبتلا تھا وہ عربوں کے لئے جو کچھ چاہتا ہے لارنس کے ذریعے
 حاصل کرے گا۔ ادھر کرن اور اس کے ساتھی لارنس کی مدد سے برطانیہ کے لئے عربوں

سے اپنی مرضی کی باتیں منوانا چاہتے تھے۔ اس دوران میں لارنس اور انڈیا آفس کی جھڑپیں شدید ہو گئی تھی۔ لارنس، شریف کو عرب لیڈر قرار دیتا تھا اور انڈیا آفس ابن سعود کو؛ چنانچہ پیرس امن کانفرنس میں لارنس کو جس بڑے مسئلے کا سامنا کرنا پڑا وہ یہی تھا کہ حقیقی عرب لیڈر کون ہے؟ شریف یا ابن سعود؟ ابن سعود، حسین کو عرب کا بادشاہ تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھا اور حجاز پر حملے کر رہا تھا۔ اس کے خلاف حسین نے دو مہینے روانہ کیں جو ناکام رہی ہیں۔ مئی ۱۹۱۹ء میں عبداللہ چار ہزار پیدل فوج اور دس ہزار سواروں کے ساتھ ابن سعود کو کچلنے کے لئے روانہ کیا۔

دیکھتے ہیں کہ انڈیا آفس ابن سعود کو روپیہ اور اسلحہ فراہم کر رہا تھا اور فارن آفس عبداللہ کو۔ وہابیوں نے رات کے وقت عبداللہ کی فوج پر یلغار کر دی اور اسے گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ عبداللہ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا۔ ابن سعود اب مکہ کی طرف مارچ کرنے کی تیاری کر رہا تھا کہ فارن آفس کا الٹی ٹیم ملا، وہ پیچھے ہٹ جائے، ورنہ اسے روکنے کے لئے ہوائی جہاز بھیجے جائیں گے۔ انڈیا آفس نے بھی اسے پیچھے ہٹ جانے کا مشورہ دیا اور ابن سعود کی یلغار ختم گئی (۲۵-۱۹۲۳ء میں ابن سعود نے حجاز اور مقدس شہروں پر قبضہ کر لیا) (یہ اب سعودی عرب میں شامل ہیں) عبداللہ کی سے لارنس کو بڑی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ اس نے وار کینٹ کو بتایا تھا کہ حجاز پر حملے کی صورت میں حسین، ابن سعود سے آسانی کے ساتھ نیٹ لے گا۔

کمیشن کی رپورٹ

فیصل صاف محسوس کر رہا تھا کہ امن کانفرنس میں برطانیہ، فرانس کے آگے آہستہ آہستہ جھکتا جا رہا ہے؛ تاہم صدر ولسن کی اس تجویز سے لارنس اور فیصل دونوں کا حوصلہ بلند ہو گیا کہ عوام کی مرضی معلوم کرنے کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن شام بھیجا جائے۔ اس کمیشن میں امریکہ اور برطانیہ کے دو نمائندے تھے، لیکن کوئی فرانسیسی نمائندہ نہ تھا۔

حکومتوں نے فلسطین اور شام میں اتحادیوں کے شانہ بہ شانہ مشترکہ دشمن سے نبرد آزما عرب فوج کی محارب (شریک جنگ حیثیت تسلیم کر لی ہے)۔
اسی ایلینی نے ڈنگیٹ کو ایک خط میں لکھا:

”میں نے یہ فیصلہ کو خبردار کر دیا ہے کہ ذاتی حیثیت میں وہ سول گورنمنٹ میں کسی قسم کا کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ اسے اب آرام کرنا، اپنی فوج کی نفری بڑھانا اور اسے آئندہ پیش قدمی کے لئے تیار کرنا چاہیے!“

لارنس نے ”دانائی کے سات ستون“ میں اس واقعے کے ضمن میں حسب عادت بے پر کی اڑائی ہے اور اصل معاملہ گول کر گیا ہے۔

چاول نے اس ڈرامے سے اپنے سپاہیانہ انداز میں یوں پردہ اٹھایا ہے:
” فوراً کانفرنس بلائی گئی، جس میں جنرل سرائڈ منڈ ایلینی، میجر جنرل سرلوس بولس، چیف آف سٹاف امی ای ایف، برگئیڈیر جنرل سی۔ اے۔ سی گڈوین خود، میرا چیف آف سٹاف، شریف ناصر، نوری بے السعید، امیر فیصل کا نام مقام چیف آف سٹاف، شریف ناصر، سیکنڈ ان کمانڈ حجاز فورسز، لیفٹیننٹ کرنل پی سی جوس، لیفٹیننٹ کرنل ٹی۔ ای لارنس، میجر اسٹرننگ، کیپٹن بنگ اور عرب بیورو قاہرہ کے لیفٹیننٹ کرنل کارن والسن شریک تھے۔ لارنس ترجمان کے درائنس ادا کر رہا تھا۔ کمانڈر انچیف نے فیصل سے کہا:

۱۔ فرانس، شام پر پاسبان طاقت ہوگی۔

۲۔ فیصل اپنے باپ حسین کے نمائندے کی حیثیت سے فرانس کی رہنمائی اور معاشی سرپرستی میں شام کی انتظامیہ سنبھالے گا۔ (شام میں لبنان شامل ہوگا۔ فلسطین)

۳۔ فیصل لبنان سے کوئی واسطہ نہیں رکھے گا۔

۴۔ فیصل کو فوراً فرانسیسی رالبلہ افسر رکھ لینا چاہیے، جو لارنس کے ساتھ مل

کر کام کرے گا

فیصل نے اس پر شدید اعتراض کیا۔ اس نے کہا اسے برطانیہ کی مدد قبول ہے، لیکن فرانس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ ایلینی کے فرستادہ مشیر نے تو اسے بتایا تھا کہ شام، لبنان سمیت عربوں کو ملے گا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ بندرگاہ کے بغیر ملک اسے قبول نہیں۔ اس نے فرانسیسی رابطہ افسر یا فرانس کی رہنمائی حاصل کرنے سے بھی انکار کر دیا۔

چیف لارنس سے مخاطب ہوا۔

”کیا تم نے اسے نہیں بتایا تھا کہ شام، فرانس کے زیر حمایت ہوگا؟“

”نہیں جناب، میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“ لارنس نے جواب دیا۔

اس پر چیف نے کہا: ”لیکن تمہیں یہ تو خبر تھی کہ لبنان سے فیصل کا کوئی واسطہ

نہیں ہوگا!“

”نہیں جناب مجھے کچھ معلوم نہ تھا۔“ لارنس نے پھر نفی میں جواب دیا، کچھ دیر بحث و

تحقیق ہوتی رہی۔ آخر چیف نے فیصل سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں (یعنی سرٹریمنڈ ایلینی) کمانڈر انچیف ہوں اور فیصل اس وقت میرے ماتحت ایک لیفٹیننٹ جنرل

ہے۔ اسے میرے احکام کی بے چون و چرا تعمیل کرنی ہوگی، جب تک جنگ ختم نہیں

ہوتی اور معاملے نہیں ہوتا، اس وقت تک اس (فیصل) کو موجودہ صورت حال

قبول کرنا ہوگی۔ فیصل نے اس فیصلے کو مان لیا اور اپنے مساجدین کے ساتھ رخصت

ہو گیا۔ لارنس وہیں رہا۔

فیصل جا چکا تو لارنس نے چیف سے کہا: ”میں فرانسیسی رابطہ افسر کے ساتھ

مل کر کام نہیں کر سکتا اور انگلینڈ واپس جانا چاہتا ہوں۔“ ہاں، مجھے تم سے اتفاق ہے۔“

چیف نے کہا اور لارنس کرے سے نکل ہو گیا۔ ٹھوڑی دیر بعد ایلینی بھی کار میں طبریہ

روانہ ہو گیا۔

کانفرنس نے فیصل کے مطالبات پر فیصلہ ملتوی کر دیا اور وہ شام واپس چلا گیا۔
برطانیہ ابتدا میں بڑا سرگرم تھا، لیکن جب کمیشن نے تجویز کیا کہ اس کی سرگرمیوں کا دائرہ میسوپوٹیمیا
اور فلسطین تک بڑھا دیا جائے، تو اس کی دلچسپی سرد پڑ گئی۔ آخر کار کمیشن کے امریکی ممبروں نے
اپنی رپورٹ پیش کر دی جس کے مطابق شام، فلسطین اور عراق کو مختصر مدت کے لئے
انتداب کے تحت دے دیا جائے اور پھر جتنی جلدی ممکن ہو سکے انہیں خود مختاری دے
دی جائے۔

شام کا انتداب امریکہ کو اور عراق کا برطانیہ کو دے دیا جائے۔ فلسطین کو جیوش کاسن
و ملیتھ بنانے کا خیال ترک کر دیا جائے۔ یہ مشورہ کسی کے لئے بھی قابل قبول نہ تھا یہاں تک
کہ واشنگٹن نے بھی اسے نظر انداز کر دیا۔

جس وقت صہیونی فلسطین کے بارے میں فیصلے کے منتظر تھے اور فیصل دشمن
میں تحقیقاتی کمیشن کی حمایت کی اس لگائے بیٹھا تھا، لارنس فرصت کے موقع کو غنیمت جان
کر قاہرہ سے اپنے کاغذات حاصل کرنے کے لئے رائل ایئر فورس کے ایک طیارے
میں روانہ ہوا، لیکن طیارہ اٹلی میں حادثے کا شکار ہو گیا اور وہ زخمی ہو کر واپس لندن پہنچ گیا۔

سازشوں کے نئے جال

برطانوی حلقوں میں یہ احساس بڑھتا جا رہا تھا کہ مستقبل میں تیل ایک اہم مہتیار
ہوگا، مگر سائیکس پیکاٹ کے معاہدے کے نتیجے میں موصل ایسا تیل کے ذخائر سے مالا مال
علاقہ فرانس کو ملنے والے علاقے میں شامل ہو گیا تھا، تاہم دسمبر ۱۹۱۱ء میں کلینسو لندن
آیا، تو لارڈ جارج نے اس سے تصفیہ کر لیا، جس کے تحت موصل برطانیہ کو مل گیا، اس کے
بدلے میں برطانیہ نے تیل میں فرانس کو حصہ دینے، دریائے ربائن کے بائیں کنارے
کے مسئلے پر اس کی حمایت کرنے اور شام کو بیروت اور دمشق میں تقسیم نہ کرنے کا
معاہدہ کر لیا، چنانچہ امن کانفرنس میں برطانیہ کی کوئی سازش نہ چلی سکی۔ فرانس اپنے وقف

پر ڈٹا رہا اور آخر کار برطانیہ کو شام اور فسیل سے دست کش ہونا پڑا۔
تیل کے ماہرین کا خیال تھا کہ رعایت اور رائلٹی کے بارے میں گفت و شنید اس
صورت میں زیادہ آسان ہوگی، جب مشرق وسطیٰ میں ایک طاقتور عرب مملکت کی بجائے
اتحاد کے شعور سے عاری کئی حریف ریاستیں ہوں؛ چنانچہ تیل کی لابی، مشرق وسطے میں
سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے جان بچھانے میں مصروف ہو گئی۔

باب

سلطنت عثمانیہ کا آخری تاجدار

سُلطان عبد الحمید

عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید کو مغربی مسنغین بے رحم قاتل، قوم کا دشمن، بخدا اور
 خائن کہتے ہیں، ترک بھی ایک مدت تک اس پروپیگنڈے سے مسحور ہے —
 لیکن اب رفتہ رفتہ اس پروپیگنڈے کا طلسم ٹوٹتا جا رہا ہے۔ سلطان کا واحد جرم یہ تھا
 وہ فلسطین کا علاقہ یہودیوں کے حوالے کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تھے — حال ہی میں
 ترک زبان میں لکھی ہوئی سلطان کی اپنی یادداشتیں شائع ہوئی ہیں۔ یہ یادداشتیں انہوں
 نے اس زمانے میں تحریر کیں، جب وہ قہر بیلر بی میں قید تھے۔ ان یادداشتوں کا
 کا ترجمہ عربی میں ہو چکا ہے۔ — ہم انہیں پہلی بار اردو
 میں شائع کر رہے ہیں۔

سلطان عبدالحمید کی یادداشتیں

۱۸ مارچ ۱۹۱۷ء

جنگ سے پہلے جرمنی کی ابھرتی ہوئی طاقت کو یورپی ممالک خصوصاً برطانیہ، فرانس
 اور روس بڑی تشویش کی نظر سے دیکھ رہے تھے، لیکن میرے نزدیک یورپی طاقتوں میں
 توازن برقرار رکھنے کے لئے جرمنی کا ابھرنا ضروری تھا۔ جرمنی کی طاقت میں روز بروز اضافہ
 ہو رہا تھا اور میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کا تصادم دوسری یورپی طاقتوں سے ناگزیر ہوتا
 جا رہا ہے۔ یہ طاقتیں دولت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے پر جس طرح تلی ہوئی تھیں، اس
 کے پیش نظر ہمیں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ جنگ کی صورت میں ہمارا موقف کیا ہوگا میرا بہت
 سا وقت اسی مسئلے پر غور و فکر میں گزرتا۔

استنبول میں بڑی طاقتوں کی جو کانگریس منعقد ہوئی، اس میں ان کی نیٹیں واضح
 ہو کر سامنے آگئیں۔ یہ کانگریس انہوں نے عیسائی رعایا کے حقوق کی حفاظت کی خاطر
 نہیں بلانی تھی، جیسا کہ ان کا دعویٰ تھا، بلکہ درحقیقت ان کا مقصد خود اپنی ”آزادی“ کا

تخلف تھا، وہ چاہتی تھیں کہ انہیں ملک میں کھل کھیلنے کی کھلی چھٹی مل جائے تاکہ وہ دولت عثمانیہ کو پھاٹنے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا عمل مکمل کر سکیں۔

اس مقصد کو بر لانے کے لئے یہ طاقتیں دو طریقوں سے کام کر رہی تھیں۔ اول یہ کہ مسیحی رعایا کو بغاوت پر اکسانے اور ملک کی خوشگوار فضا کو مکدر کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔ دوم، پارلیمنٹ اور دستور کے مطالبات کے پردے میں ہمارے اندر ایسے آدمی پیدا کرنے کی تدبیروں میں مصروف تھیں جو ان کے منصوبوں کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں ان کے معاون اور مددگار بن سکیں۔ ہمارے نوجوانوں کو گمراہ کرنے کے لئے انہوں نے اپنی تھیسیوں کے سہ کھول دیئے تھے۔ افسوس یہ کہ ہمارے بعض جدید تعلیم یافتہ ترک نوجوان ان کے تمکندوں میں شکار ہو گئے۔ وہ دستوری حکومت کے علمبردار تو تھے، لیکن اس کے پیچھے جو مغربی فلسفہ کار فرما تھا، اس سے بالکل بے خبر تھے، یہ کہ اجنبی طاقتوں کو خود ہماری اپنی صفوں میں تفریق پیدا کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ میرے لئے خیانت اور تمرد پر مبنی یہ صورتحال ناقابل برداشت تھی اور مجھے اپنے ملک کو اس سے نجات دلانا ضروری تھا۔

یورپی طاقتوں کی اس کانگریس میں ایک بات اور سامنے آئی۔ وہ یہ کہ سلطان عبدالعزیز خان نے اپنے عہد میں عثمانی لشکر اور بحریہ کو طاقتور بنانے کے جو اقدامات کئے تھے، ان سے یہ طاقتیں سخت پریشان تھیں۔ یہ اقدامات گویا سلطان کے عہد حکومت کا حاصل تھے، ان کے موثر اور کارگر ہونے کا پتہ روس کے ساتھ جنگ میں چلا۔ بد قسمتی سے عثمانی فوج کے افسردہ گروہوں میں بیٹ چکے تھے۔ ایک دہ گروہ جو حکمران خاندان کا مخالف تھا اور دوسرا وہ جو اس کا حامی اور موید تھا۔ ان دونوں گروہوں کے درمیان کشمکش میدان جنگ میں بھی جاری رہی۔ اگر ایسا نہ ہوتا، تو ہم روسی لشکر کی پیش قدمی نہ صرف روکنے میں کامیاب ہو جاتے، بلکہ جو ابی حملہ کر کے اسے تباہ بھی کر دیتے۔ اس

طرح سلطان عبدالعزیز خان کی عثمانی فوج کے متعلق پالیسی کلیتہً ناکام نہ رہی تھی۔ تاہم عثمانی افواج کے برعکس عثمانی بیڑے نے اپنی بحاری تعداد کے باوجود کوئی نمایاں کارنامہ انجام نہیں دیا۔ وجہ یہ تھی کہ ہمارے تقریباً تمام جہازوں کی کمان انگریزوں کے ہاتھ میں تھی اور جب ہم نے بعض جنگی جہازوں کی کمان ان سے لینا چاہی، برطانوی سفیر بھاگا بھاگا قصرِ خلافت میں آیا اور کسی شرم اور خجالت کے بغیصات، صاف کہہ دیا کہ ہم اس اقدام کو بالکل برداشت نہیں کریں گے۔ نتیجہ یہ کہ مجھے عثمانی بیڑا واپس خلیج میں بھیجنا پڑا اور بحرِ اسیف میں یورپی بیڑوں کی ترکازیوں کا مقابلہ کرنے والی قوت نہ رہی۔ لوگوں نے خفیہہ دباؤ سے پیدا ہونے والی اس صورتحال کے متعلق سراسر جھوٹے افسانے گھڑ لیے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ چونکہ بحری بیڑے نے عبدالعزیز کو تختِ خلافت سے اتارنے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا، اس لئے عبدالحمید نے اسے بیچارہ کر کے رکھ دیا۔ یورپی طاقتوں سے تنہا لڑنے کی عثمانی سلطنت میں سکت نہ تھی۔ ایشیا کے اکثر مسلمان ملکوں پر انگریز اور روس ایسی بڑی طاقتیں مسلط تھیں اور عثمانی خلافت کا وجود ان کی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹک رہا تھا۔ وہ اسے ختم کرنے کے درپے تھیں اور عثمانی سلطنت کے اندر جگہ جگہ بغاوتیں کھڑی کر رہی تھیں۔

اسی زمانے میں میرے ہاتھ ایک ایسا منصوبہ لگا جو برطانوی وزارتِ خارجہ کے دفتر میں تیار ہوا تھا۔ اس منصوبے میں دو آدمی بنیادی کردار کی حیثیت رکھتے تھے۔ ایک جمال الدین افغانی اور ایک انگریز جو اپنا نام بلند بتاتا تھا۔ منصوبے میں کہا گیا تھا کہ ترکوں سے خلافت کی قبالے لی جائے اور مکہ کے شریف، حسین کو مسلمانوں کا خلیفہ بنانے کا اعلان کر دیا جائے۔

میں جمال الدین افغانی کو قریب سے جانتا تھا۔ اس وقت وہ مصر میں تھے۔ وہ بہت خطرناک آدمی تھے۔ جہدی ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ ایک بار انہوں نے میرے سامنے

تجزیہ رکھی کہ وہ وسطی ایشیا کے مسلمانوں کو روس کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر سکتے ہیں۔ مجھے خوب علم تھا کہ افغانی ایسا کرنے پر قادر نہیں۔ وہ انگریز کے آدمی تھے اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ انہیں انگریز نے میری جاسوسی کے لئے تیار کیا تھا۔ میں نے فوراً انکار کر دیا۔ میں نے انہیں ابوالہدی الصیادی الجلی کے ذریعے استنبول آنے کی دعوت دی اور پھر انہیں نکلنے نہ دیا۔

خلافت کو تباہ کرنے کے لئے انگریز آئے دن کوئی نہ کوئی سازش کرتے رہتے تھے۔ وہ ایشیا میں پندرہ کروڑ مسلمانوں پر حکومت کرتے تھے، یہ لوگ خلافت عثمانیہ کے حامی تھے۔ مجھے اس صورتحال کی خبر تھی۔ میں نے وسط ایشیا اور دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کے ساتھ رابطہ پیدا کرنے کے لئے بہت سے معزز اصحاب، شیوخ طریقت اور درویش بھیجے۔ ان لوگوں نے اسلامی اخوت کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے بڑا کام کیا۔ شیخ سلیمان آفندی بخاری ان میں سے ایک تھے۔ ہندوستانی مسلمان بھی دولت عثمانیہ کے ساتھ گہرا جذباتی رشتہ رکھتے تھے۔ ہم پر جب بھی کوئی افتاد پڑتی ہے، بے چین ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ساتھ انگریزوں کا جو طرز عمل تھا، اس سے سخت نالاں تھے، انہوں نے مطالبہ کیا تھا کہ انگریزی حکومت، دولت عثمانیہ کے ساتھ امن و امان سے رہے۔ مسلمانوں کی اس ہمدردی سے، ہمیں آزمائش کی گھڑیلوں میں بڑی تقویت ملتی تھی۔

یہی وہ زمانہ تھا جب انگریز جرمنوں کے بارے میں ہماری مملکت میں شکوک و شبہات پھیلا رہے تھے۔ دراصل وہ یہ چاہتے تھے کہ ہم جرمنوں کے ساتھ مل کر ان کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ روس اور برطانیہ دونوں عثمانی سلطنت کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ انگریزوں نے اس سلسلے میں ایک تجویز بھی روسیوں کے سامنے رکھی، لیکن انہوں نے اسے مسترد کر دیا۔ دراصل دونوں کا مقصد تو ایک تھا، لیکن ان میں سے ہر ایک خود سلطنت عثمانیہ کے زیادہ سے زیادہ علاقوں پر قبضہ

کرنا چاہتا تھا۔ وہ دوغلی پالیسی پر عمل پیرا تھے۔ ایک طرف انگریز ایشیا میں روس کے بڑھتے ہوئے قدم روکنے کی تگ و دو میں لگے ہوئے تھے۔ اس طرح وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔ دوسری طرف انہوں نے جرمنی کے خلاف متحدہ محاذ بنا رکھا تھا۔ میری نیت شروع میں جرمنی سے معاہدہ کرنے کی نہ تھی، لیکن جب یورپی طاقتوں کے باہمی معاہدوں کا پتہ چلا تو میرے لئے بھاری بھرم بحری طاقت رکھنے والے ملک کے ساتھ معاہدہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

انگریزوں کی ریشہ دو انیاں جاری تھیں۔ فری میسنری تحریک زوروں پر تھی۔ نوجوان ترک مردوزن اس تحریک میں شامل ہو رہے تھے۔ سالونیکا ان کا گڑھ تھا۔ ادھر جرمنی نے بھی اپنی نگرانی میں فری میسنری کی محفلیں چھا رکھی تھیں۔ ان کا مرکز مناسٹر میں تھا۔ یہ دونوں مرکز آپس میں دست گیریاں رہتے۔ انور نیازی، شمسی وغیرہ مناسٹر کے مرکز سے تعلق رکھتے تھے۔ میں نے جرمنی کے ساتھ بغداد میں ریلوے لائن بچھانے کا معاہدہ کیا۔ تو انگریز پھر گئے اور مقدونیہ میں ہمارے خلاف ایک مصیبت کھڑی کر دی۔

ادھر ہم یونانیوں سے بنٹ رہے تھے، ادھر جنگ عظیم قریب تر آتی جا رہی تھی۔

۲۰ مارچ ۱۹۱۶ء

روسیوں نے جب عثمانی سلطنت کا بٹوارا کرتے کی برطانوی تجویز مسترد کر دی کہ اس میں قائدہ انگریزوں کو پہنچاتا تھا، تو انگریزوں نے میرے ساتھ تعلقات بڑھانے شروع کئے۔ ابتدا میں میں ان کی چال نہ سمجھ سکا۔ کئی مہینے بعد حقیقت حال واضح ہو کر سامنے آئی۔ ایک روز انگریز سفیر مجھ سے ملنے آیا۔ وہ اناطولیہ، شام اور حجاز کے متعلق دیر تک باتیں کرتا رہا کہنے لگا: ”یہ علاقے تاریخ کی عظیم ترین تہذیبوں کا گہوارہ رہے ہیں۔ یہاں قدیم آثار جگہ مدفن ہیں۔ عثمانی سلطنت کو ان کی کھدائی کرنی چاہیے۔ بڑے قیمتی خزانے ملیں گے۔ قدیم مورثوں اور یادگاروں کی صورت ہی میں نہیں، نقد اور سونے چاندی کی صورت میں بھی۔ اس لئے مصر میں آثار قدیمہ کی کھدائیوں کا حوالہ دیا۔“ برطانوی حکومت اس مقصد کے لئے ہر قسم

کی مدد دینے کو تیار ہے۔ معاہدہ طے پاتے ہی برطانوی ماہرین آثارِ قدیمہ پہنچ جائیں گے۔
 میں چونکہ انگریزوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کا خواہشمند تھا، اس
 لئے اس تجویز کے پیچھے کارفرما مقصد پر میری نظر نہ گئی۔ میں نے تجویز منظور کر لی۔ فوراً صدر
 اعظم خلیل رفعت پاشا کو طلب کیا۔ برطانوی تجویز اس کے سامنے رکھی اور کہا کہ وہ اس سلسلے میں
 ضروری اقدامات کرے۔ آثارِ قدیمہ کے جو ماہرین آئیں، انہیں ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔
 بے حد تاخیر کے بعد انگریزوں نے اپنے ماہرین استنبول بھیجے۔ میں نے سب کو
 باریاب کیا، ان کی کامیابی کی تمنا کی، ان کے اعزاز میں عشاء دیا، جس میں دوسری حکومتوں کے
 سفیر بھی شریک ہوئے۔ روسی سفیر سے بات چیت کے دوران میں نے کہا کہ انگریزوں
 نے تاریخ اور تہذیب کی خدمت کے لئے مجھ سے آثارِ قدیمہ کھودنے کی اجازت طلب
 کی تھی جو میں نے دے دی ہے، تو وہ بڑے عجیب انداز میں مسکرایا، جیسے اسے اس بات پر
 یقین نہ ہو۔

برطانوی ماہرین کے ایک گروہ نے قیصریہ میں کھدائی شروع کی، دوسرے نے موصل
 میں اور تیسرے نے بغداد کے قریب ایک مقام پر، ان کے ساتھی مقامی مزدور اور کارکن کام
 کر رہے تھے۔ ہمارے آدمی اپنی جگہ پر اس کام کی نگرانی کر رہے تھے۔ ان مقامات سے
 سوائے چند شکستہ برتنوں، چھوٹی موٹی مورتیوں، تانبے کے پرانے سکوں اور مقبروں وغیرہ کے
 کوئی خاص شے برآمد نہ ہوئی۔ ہم نے معاہدے کے مطابق یہ برتن، مورتیاں اور سکے ان
 کے حوالے کر دیئے۔ اس میں برطانوی سفیر مجھ سے ملنے آیا اور ہم کام کی رفتار اور نتائج پر
 گفتگو کرتے۔ ایک روز وہ آیا تو خاصا مسرور اور پر جوش تھا۔ ایک مرصع تلوار پیش کرتے
 ہوئے کہنے لگا یہ موصل کے قریب کھدائی میں ملی ہے۔ تلوار ٹوٹی ہوئی تھی، لیکن اس کے
 دستے میں قیمتی پتھر چبڑے ہوئے تھے، اس کا کہنا تھا کہ یہ تلوار کسی زلزلے سے زمین میں
 دب گئی، اس کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر دور کہیں چلا گیا اور باقی حصہ کھدائی کے دوران ہاتھ آ

گیا۔ میں نے سفیر کا شکریہ ادا کیا اور اسے انعام سے نوازا، مگر عجیب بات یہ تھی کہ ہماری ٹیلی فون میں کو اس تلوار کے دستیاب ہونے کا کوئی علم نہ تھا، اس کی دوہی وجوہات تھیں۔ ایک یہ کہ ہمارے مجزوں کو تلوار کے ملنے کی خبر تک نہیں مل سکی، دوسرے یہ کہ سفیر کوئی ایسا ڈرامہ کر رہا تھا جس سے میں ناواقف تھا۔ میں نے یہ تلوار بازار بھیج کر بعض تاجروں کو پیش کی۔ انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ معاملہ کیا ہے، انہوں نے یہ بتایا یہ تلوار پرانے زمانے کی نہیں ہے۔ میں نے کہا نہیں یہ بہت پرانی ہے اور پھر میں نے اس کے کسی دلائل دیے، تاہم میں حقیقت کا سراغ لگانے میں مصروف رہا، لیکن کچھ بھی پتہ نہ چلا۔ پھر اخبار میں چھپنے والی ایک خبر سے مجھے معلوم ہوا کہ جو ماہرین موصل اور بغداد میں کھدائی کر رہے تھے، وہ آثارِ قدیمہ کی تلاش چھوڑ کر کنویں کھودنے لگے ہیں۔

اب مجھ پر ان کے حقیقی عزائم عیاں ہوئے۔ دراصل تیل تلاش کرنے کے لئے انہوں نے آثارِ قدیمہ ڈھونڈنے کا ڈھونگ بچایا تھا۔ اگر وہ تیل تلاش کرنے کی پیش کش لے کر آتے، تو میرا طرز عمل بالکل مختلف ہوتا، اس لئے انہوں نے ماہرین آثارِ قدیمہ کا نقاب اپنے چہرے پر ڈال لیا۔ پھر مجھے اپنے اعتماد میں لینے کے لئے مرصع تلوار دریافت کرنے کا ڈرامہ رچایا۔

کچھ مدت بعد برطانوی سفیر نے مجھ سے ملاقات کی اور کہنے لگا کہ شام اور حجاز کے علاقے زیادہ تر صحرا پر مشتمل ہیں اور پانی نہ ہونے کی وجہ سے پیاس یہاں کے باشندوں کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ پانی کے فقدان کی وجہ سے اس علاقے کو ترقی بھی نہیں دی جاسکتی۔ ہم انسانیت کے نام پر اس مسئلے کو حل کرنے اور صحرا میں کنویں کھودنے پر آمادہ ہیں، لیکن اس کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ پانی کی تنگی ختم ہو جائے اور صحرا میں شخستان وجود میں آجائیں تو موجودہ کنویں جو مقامی لوگ اب تک استعمال کرتے آئے ہیں، بند کر دیئے جائیں گے اور ہمارے کھودے ہوئے کنوؤں پر ہمارا کنٹرول ہوگا۔

میں نے یہ تجویز مسترد کر دی، یہی نہیں بلکہ موصل اور بغداد میں جو کنویں کھودے گئے تھے، وہ بھی بند کر دئیے۔ انگریز اس پر بڑے تملائے۔ کھدائی وغیرہ تو وہیں رہ گئی، اب

اب انہوں نے اپنی ساری تگ و دو عثمانی سلطنت کو ختم کرنے اور خلافت کا منصب ہم سے چھین کر مکہ کے شریف کے حوالے کرنے پر مرکز کر دی۔ میں نے اس منصوبے کو ناکام بنانے کے لئے درویشوں کا ایک بڑا قافلہ ہندوستانی مسلمانوں کے پاس بھیجا۔ انگریزوں نے اس منصوبے کا مقابلہ اور زیادہ سرگرمی سے کیا اور جزیرہ کریٹ میں بغاوت کروادی۔ مزید یہ کہ ایک بار پھر ہمارے خلاف روس اور فرانس سے ساز باز شروع کی، لیکن روس کے زار نے انکار کر دیا۔ زاروں کی حکومت کے خلاف روس میں جو تحریکیں چل رہی تھیں، انگریز ان کی معاونت کر رہے تھے اور ملک میں دستوری نظام قائم کرنے کے مطالبے کے اسی طرح موٹے تھے، جیسے وہ عثمانی سلطنت میں دستوری حکومت کے نام پر چلنے والی تحریکوں کے حامی تھے۔

ٹھیک اس زمانے میں جب انگریز ہمارے ساتھ کشمکش میں مصروف تھے۔ جرمنی نے ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور کریٹ کے مسئلے پر ہماری حمایت کی اور یورپ کی دوسری حکومتوں کے موقف کی مخالفت، ادھر یونان میں ہماری افواج فتحیاب ہو رہی تھیں۔ ان فتوحات نے جرمنوں کی آنکھیں کھول دی تھیں؛ چنانچہ فرانس، برطانیہ اور روس کے گٹھ جوڑ کا مقابلہ کرنے کے لئے قیصر جرمنی میرے اور قریب ہو گیا۔ میں نے بھی جواب میں دوستانہ روابط بڑھائے۔ میں دراصل اس طرح انگریزوں پر واضح کر دینا چاہتا تھا کہ ہمیں کبھی دو طاقتوں نہ سمجھو۔ ہم جرمن افواج کے لئے ہندوستان فتح کرنے کے دروازے کھول دینے کی طاقت رکھتے ہیں، لیکن جرمنی کے ساتھ تعاون کرنے کے یہ معنی نہ تھے کہ ہمیں اس کے نظریات و افکار سے سو فی صد اتفاق تھا، کئی امور و معاملات میں ہمارا نقطہ نظر ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھا۔

انہی دنوں قیصر ولہلم سرکاری دورے پر استنبول آیا۔ میں نے اس کا بڑا شاندار استقبال کیا، اس کے اعزاز میں جو دعوت دی، اس میں تقریر کرتے ہوئے اسے دنیا بھر میں رہنے والے تیس کروڑ مسلمان کا دوست قرار دیا۔ قیصر نے دمشق پہنچ کر جو تقریر کی

اس میں اس نے زار روس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”دو گت عثمانیہ موت کے کنارے پر نہیں کھڑی، بلکہ وہ زندگی کی توانائیوں سے پوری طرح بہرہ ور ہے۔۔۔۔۔ روس کو جابٹے کہ وہ مسلمانوں اور ان کے شرف سے نہ بھیسے، قبصر کے طرز عمل اور اس کی تقبروں نے میرے پاکیزہ جذبات کے ساز کو چھیڑ دیا۔“

جرمن شہنشاہ کے ساتھ بعض اہل علم بھی آئے تھے، ان میں ماہرین آثارِ قدیمہ بھی تھے۔ انہیں بھی انگریزوں کی طرح پرانے آثارِ ڈھونڈنے کے کام سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے موصل اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ منتخب کیا اور میں نے اس کی اجازت دے دی۔ اب بھی وہی معاملہ پیش آیا۔ میں نے سنا کہ جرمن ماہرین آثارِ قدیمہ کی جماعت بھی کنویں کھود کر پٹرول نکالنے کی فکر میں ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں نے دھوکا کھا لیا تھا۔ اگر جرمن شہنشاہ پٹرول تلاش کرنے کے مسئلے پر میرے ساتھ بات چیت کرتا، تو بعض شرائط کے تحت میں اسے اجازت دے دیتا، اس لئے کہ خود میرا ملک پٹرول تلاش کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ آثارِ قدیمہ کی تلاش کے پردے میں پٹرول ڈھونڈنے والے ماہرین اور جاسوسوں کو بھیجنا سافٹ خاہر تھا کہ جرمن ہم عثمانیوں کے بارے میں کیا نقطہ نظر رکھتے ہیں۔

قصر شاہی کے سیکرٹری تحسین پاشائی رائے بہ تھی کہ ہم جرمن شہنشاہ سے جنیج کریا لیکن مجھے اس سے اختلاف تھا۔ میں نے کہا ”جیب ہے وہ تلاش کرتے رہیں، اگر وہ پٹرول جیب میں ڈال کر نہیں لے جائیں گے، ہم انہیں طہرائی سے نکلنے والے نکتہ برنس وغیرہ دے دیں گے اور پٹرول اپنے کاپیس لائیں گے کہ ان سے معاہدہ پٹرول کا نہیں، آثارِ قدیمہ کے نوادرات کا ہوا ہے۔“

میرے ایک مشیر صلاح الدین آفندیو اس قسم کے مسائل خوب سمجھتے تھے، میں نے انہیں طلب کیا اور امریکہ بھیجا۔ اس زمانے میں امریکہ اس میدان میں بہت ترقی یافتہ تھا اور ہماری سلطنت کے ساتھ اچھے تعلقات استوار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

چاہتے ہیں کہ ہمارے ملکوں میں پٹرول ہے یا نہیں، مگر افسوس میری سعی بے ثمر رہی۔ صلاح الدین آفندی نے امریکہ میں جن کمپنیوں سے رابطہ قائم کیا، انہوں نے اس سلسلے میں کسی گرجوشتی کا اظہار نہ کیا؛ چنانچہ انہیں بے تیل مرلہ لوٹنا پڑا۔

واپسی پر صلاح الدین آفندی نے مجھے بتایا کہ امریکیوں کا خیال ہے، وہ خود اپنے ملک میں آنا پٹرول نکال لیں گے کہ دنیا بھر کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں وہ کسی دوسرے ملک میں پٹرول نکالنے کی مہم میں کیا دلچسپی لے سکتے ہیں، جب کہ یہ بھی جانتے ہوں کہ امریکہ سے باہر کسی ملک میں وسیع پیمانے پر نکالنے والا پٹرول ان کے تسل کی قیمتوں پر بھی اثر انداز ہوگا۔

بہر حال انگریزوں اور جرمنوں کے بعد ہم نے بھی اپنے زیر نگین ممالک میں پٹرول کی بو سونگھ لی؛ چنانچہ میں نے جاپان سے تیل کے کنویں کھودنے والے ماہرین کا ایک وفد بلا یا، جاپان کی حکومت نے میری درخواست مان لی۔ لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟ میں کچھ نہیں کہہ سکتا، اس لئے کہ تھوڑی ہی مدت بعد مجھے تخت سے معزول کر دیا گیا۔

۲۲ مارچ ۱۹۱۷ء

عثمانی سلطنت کو رعایا کے حالات اور مسائل و مشکلات کی خبر مختلف ذرائع سے ملتی رہتی تھی۔ ایک تو گورنر اور قاضی اپنی رپورٹیں دیا کرتے تھے۔ دوسرے عثمانی سلطنت کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے ٹیکوں اور ان کے شاخ اور درویشوں کے ذریعے آستانے کے متعلقہ حکام یہ ساری خبریں اور رپورٹیں اکٹھی کر کے میرے سامنے پیش کرتے تھے۔ میرے دادا سلطان محمود ثانی نے اپنی انٹیلی جنس کا دائرہ مزید وسیع کر دیا۔ اب درویش بنفس نفیس سلطان تک اپنی فراہم کردہ خبریں پہنچایا کرتے۔ یہ سلسلہ میرے تخت نشین ہونے کے بعد تک جاری رہا۔ ایک روز ہمارے لندن میں متعین سفیر موسوراسی پاشا سے مجھے پتہ چلا کہ سابق صدر اعظم حسین عوتی پاشا اپنے زمانہ وزارت میں انگریزوں سے روپیہ وصول کیا کرتا تھا۔ میں اس

خیانت پر مہبوت ہو کر رہ گیا۔ کتنے ہی دن میری طبیعت کدر رہی۔ انہی دنوں محمود پاشا نے مجھ سے ملاقات کی اور ”نوجوان ترکوں“ کے بعض ارکان کے متعلق بے حد اہم معلومات پیش کیں۔ میں نے محمود پاشا سے ان کا ماخذ دریافت کیا، تو معلوم ہوا کہ پاشا نے انٹیلی جنس کا ایک خصوصی بیورو قائم کر رکھا ہے، اس میں بعض اشخاص کے آقارب پیسے لے کر کام کرتے تھے۔ یہ رشتہ دار ان لوگوں سے ملتے اور ان سے جو بات بھی سنتے، اس کی رپورٹ محمود پاشا کو دیتے۔

بے شک پاشا میرا بہنوئی ہے، لیکن میرے نزدیک یہ درست نہیں تھا کہ سلطنت کا کوئی پاشا اپنے طور پر حکومت سے بالکل الگ تھلگ کوئی خفیہ محکمہ قائم کرے۔ میں نے پاشا سے کہا اپنے اس محکمے کو فوری طور میرے حوالے کر دے اور آئندہ ایسی کوئی حرکت نہ کرے۔ پاشا نے خاصی دل تنگی کے ساتھ میرے حکم کی تعمیل کی۔

میرے لئے سب سے پریشان کن بات یہ تھی کہ بڑی طاقتیں وزیر اعظم تک کے لوگوں کو خریدنے میں کامیاب ہو چکی تھیں۔ ایسی سلطنت دشمن کے ہاتھوں کیسے محفوظ رہ سکتی ہے، جس کے بڑے بڑے عہدیدار روپے سے خریدے جاسکتے ہوں؟ اسی بنیاد پر میں نے انٹیلی جنس کا ایک خصوصی محکمہ قائم کیا جس کی نگرانی براہ راست میں خود کرتا تھا۔ یہی وہ محکمہ ہے جسے میرے دشمن جو نابجی (خفیہ پولیس) کا نام دیتے ہیں۔

جو نابجی کی فراہم کردہ معلومات کی میں پوری طرح چھان چھک کرتا تھا، اس لئے اصلی ”جو نابجی“ کے علاوہ چھوٹے لوگ بھی ان میں شامل ہو سکتے تھے؛ چنانچہ جب تک پوری طرح تحقیقات نہ کر لیتا، ان کی فراہم کردہ کسی خبر کو سچا نہ سمجھتا۔ میرے ایک بزرگ سلطان سلیم خان اکثر کہا کرتے تھے کہ میں اجنبیوں کے ہاتھ اپنے کلیجے پر محسوس کر رہا ہوں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم غیر ممالک میں اپنے سفیر مقرر کریں اور اپنے پیغامبر اور قاصد باہر بھیجیں تاکہ جو کچھ اجنبی طاقتیں کر رہی ہیں، یہ لوگ اس کی ہمیں اطلاع دے سکیں اور ہم فوراً ان اطلاعات پر کوئی اقدام کر سکیں۔

میں خود بھی اجنبی ہاتھ محسوس کر رہا تھا، اپنے کلیجے پر نہیں، اس کے اندر وہ میرے وزیر اعظموں اور وزیروں کو خرید رہے تھے اور انہیں ہمارے ملک کے خلاف استعمال کر رہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن پر سلطنت کے خزانے کا ایک بڑا حصہ صرف ہو رہا تھا۔ میں ان کی کارستانیوں سے بے خبر رہنے پر کیسے رضامند ہو سکتا تھا!

ہاں، میں نے یہ خفیہ محکمہ قائم کیا اور خود اس کی نگرانی کرتا رہا۔ یہ محکمہ محب وطن لوگوں کی نہیں، قداروں اور خائستوں کی خبریں فراہم کرتا تھا۔

۲۳ مارچ ۱۹۱۷ء

جب سے سخت و تاج مجھ سے چھینا گیا ہے، اس وقت سے اب تک میرے دشمن میرے متعلق کئی مضامین اور کتابیں لکھ چکے ہیں، ان کے قلم سے خون چک رہا ہے۔ وہ ایسی ایسی باتیں مجھ سے منسوب کرتے ہیں، جو کبھی میرے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آئی تھیں، میرے زمانہ حکومت میں بھی یہ لوگ ایسی کتابیں لکھا کرتے تھے اور میرا تسخار ڈالتے تھے، لیکن اس خرافات کو مملکت عثمانیہ میں نہ پھیلا سکتے تھے، اس لئے اکثر کتابیں یورپ میں طبع ہوئیں اور صرف مصر میں پھیلا کرتی تھیں، لیکن اب یہ جھوٹا باب عالی میں پھیلا یا جا رہا ہے۔ اس وقت کہا جاتا تھا کہ یہ لوگ مجھ سے خوف کھاتے ہیں اور اسی لئے میرے خلاف لکھتے رہنے ہیں، لیکن اب انہیں کس بات کا خوف ہے کہ ان کے قلم میرے خلاف مسلسل چل رہے ہیں؟ میرے پاس اقتدار نہیں رہا۔ میں یہاں قیدی کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ کسی شخص کے ساتھ میرا رابطہ نہیں ہے، پھر وہ یہ کتابیں کس مقصد کے لئے لکھ رہے ہیں؟ کیا وہ ضمیر کے عذاب میں مبتلا ہیں اور جانتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ ہمیشہ بھلے مانسوں کی طرح پیش آتا رہا ہوں۔

”میں دانشوروں کا دشمن تھا، یہ بات وہ کسی شرم و ندامت کے بغیر لکھ رہے ہیں اگر دانشوراہنی جیسے لوگ ہوتے ہیں اور وہی کچھ کرتے ہیں جو یہ کر رہے ہیں، تو میں نے

ایسی عقل و دانش کو زندگی میں ایک دن بھی ذرا اہمیت نہیں دی، اگر ان کی مراد حقیقی دانشوروں سے ہے، تو پہلے وہ خود اس کا نمونہ پیش کریں میرے ساتھ دلیل سے بات کریں۔ ان کی دلیل میں وزن ہوا، تو میں اسے قبول کر لوں گا۔ مجھے زندگی بھر اہل دانش کی تلاش رہی، لیکن افسوس کہ ایسا کوئی شخص ہاتھ نہ آیا۔ مجبوراً مجھے ان معنفین ایسے لوگوں کی خدمات حاصل کرنا پڑیں۔

اگر میں عقل و دانش اور علم کا دشمن ہوتا، تو یونیورسٹی کا افتتاح کیوں کرتا؟ ملکیہ شاہانہ ایسے مدارس کیوں قائم کرتا؟ لڑکیوں کے لئے الگ دارالعلوم کس لئے بنواتا؟ یورپ کی یونیورسٹیوں کے طرز پر اعلیٰ درس گاہیں کیوں کھولتا اور طلبہ کو قانون کی تعلیم حاصل کرنے کی سہولتیں اور مراعات کیوں فراہم کرتا؟ میں نے جب ملکہ شاہانہ میں فلسفے کی تعلیم شروع کی تو طلبہ نے اس پر سخت احتجاج کیا اور کہا کہ ہمیں کافر بنایا جا رہا ہے، لیکن میں جانتا تھا کہ کفر، علم میں نہیں جہالت میں ہے؛ چنانچہ فلسفہ پڑھایا جانے لگا۔ اسی طرح دوسرے سائنسی علوم فزکس وغیرہ کی تعلیم بھی دی جانے لگی۔ میں نے زندگی کے ہر شعبے کے افراد تیار کرنے کے لئے صرف اسکول اور کالج کھولنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اصحاب علم و فضل اور ادیب کہلانے والے اشخاص کی ماڈی اور معنوی دونوں طرح سے حوصلہ افزائی کی، ان میں جو دست پاشا، احمد مدحت آقندی اور مراد آقندی (جو اپنے آپ کو مؤرخ کہتا ہے) ایسے بہت سے لوگ شامل تھے، انہیں میں نے کتابیں تک فراہم کیں۔

میں نے کبھی کسی پڑھے لکھے شخص سے خوف نہیں کھایا؛ البتہ ان احمقوں سے ضرور مجتنب رہتا ہوں جو چند کتابیں پڑھ کر اپنے آپ کو عالم فاضل کہلوانے لگتے ہیں۔ یہی لوگ مغرب کے شیدائی ہیں، مغربی قوموں کے ہاتھوں میں کھیلنے والے لوگوں کی طرف میں نے کبھی ادنیٰ سی توجہ بھی نہیں کی اور نہ اس پر مجھے ندامت ہوئی ہے جس شخص نے اپنے تئیں سالہ عہد حکومت میں ہر قریے میں ایک مسجد اور ہر مسجد میں ایک مدرسہ قائم کیا ہو وہ علم اور عقل و دانش کا دشمن کیسے ہو سکتا ہے؟ میرے عہد میں

جوکتا میں شائع ہوئیں، ان پر نظر ڈالیے اور ان کا موازنہ میرے بعد شائع ہونے والی کتابوں سے کیجئے، یورپ کے بڑے بڑے ادیبوں، فلسفیوں اور عالموں کی بہترین تصانیف میرے عہد حکومت میں چھپیں، فروخت ہوئیں اور لوگوں کی بڑی تعداد نے انہیں پڑھا۔ میں نے یورپ کی جن چیزوں سے اپنی مملکت اور قوم کو سچا ناپاچا، وہ یورپ کا علم نہیں، اس کی جہالت کا مرقع تھیں۔ میں نے طلبہ کی بڑی تعداد، تعلیم حاصل کرنے کے لئے یورپ بھیجی۔ یہ صحیح ہے کہ ان میں سے چار پانچ بگڑے ہوئے نکلے، لیکن ان کی اکثریت مملکت کے لئے مفید ثابت ہوئی اور مجھے ان پر فخر ہے۔ میں نے مملکت کو زمانے کے دوش بدوش چلانے کی کوشش کی۔ تخت پر بیٹھتے ہی میں نے پوری مملکت میں ٹیلیگراف کا نظام رائج کیا، حالانکہ اس وقت یورپ کے بعض ممالک تک اس سے محروم تھے میری نگرانی میں تیس ہزار کلومیٹر ٹیلی گراف کے مارشروں ہی میں نہیں بعض قریوں تک پھیلا دیئے گئے۔ اسی طرح میں نے اپنے خصوصی اموال سے آبدوز کشتیاں بنانے کا حکم دیا، حالانکہ اس زمانے میں انگریزوں کے پاس بھی آبدوز کشتیاں نہ تھیں۔ میرے بعد انہوں نے یہ منصوبہ ترک کر دیا، تو میرا قصور نہیں۔ میں پھر کہتا ہوں اور دکھ بھرے دل کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں کسی بھی اچھی اور مفید چیز کا دشمن نہیں تھا۔

۲۳ مارچ ۱۹۱۷ء

قصر بیلر بی

میرے مرافق نے پوچھا: آپ اپنی یادداشتیں اس انداز میں قلمبند کر رہے ہیں گویا آپ اپنا دفاع کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ آپ نے اپنے عہد اقتدار میں مملکت کے تحفظ کے لئے جو راستہ اختیار کیا، کیا کسی شخص کو اس میں شک ہے کہ واحد اور ناگزیر راستہ نہ تھا؟

میں نے کہا: میں اپنے خدا اور تاریخ کے حضور اس بات پر بالکل مطمئن ہوں کہ میں

نے اپنے ملک کی حفاظت اور خوشحالی کی خاطر اپنی حد تک بہترین اقدامات کئے۔ ان اقدامات کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ میں نے کبھی امانیت اختیار نہ کی، حتیٰ کہ جن لوگوں نے ملک سے خیانت اور غداری کی، انہیں بھی کبھی خود کوئی سزا نہیں دی، بلکہ انہیں عدالت کے حوالے کیا اور عدالت نے جو سزا دی، اس میں بھی میں نے تخفیف کر دی۔ بعض کو معاف تک کر دیا۔ میں کہا کرتا تھا اللہ کا کوئی بھی بندہ خطا سے خالی نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اس حقیقت کو نہیں جانتا، تو اللہ اور تاریخ تو جانتے ہی ہیں۔ مجھے اس بارے میں ذرا بھی رنج اور قسطن نہیں ہے۔

رہا یہ کہ میں اپنا دفاع کر رہا ہوں، تو میں دیکھتا ہوں کہ میرے ملک پر مصیبت ٹوٹ رہی ہے۔ ہماری افواج شکست کھا کر دار الحکومت کی طرف آ رہی ہیں، سلطنت کی عظمت اور وقار خاک میں مل گیا ہے کہ شاید کبھی بحال نہ ہو سکے اور اس ہزیمت و رسوائی کا سبب فاسقوں اور فسادوں کی سیاہ کاریاں ہیں۔ یہ لوگ تاریخ کی عدالت اور امت کی نفرت اور غضب سے بچنے کے لئے مجھے ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں یہ آگ عبد الحمید نے جلائی ہے۔ میں یہ یادداشتیں ان ابنائے امت کے لئے لکھ رہا ہوں جو عظیم عثمانی سلطنت کی تباہی پر اندوگہیں ہیں۔ انہیں قلمبند کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ ہر بات صاف اور واضح دیکھ سکیں۔ انہیں پتہ چل جائے کہ اس تباہی کے اصل ذمہ دار کون ہے، وہ اس حیرت سے نکل آئیں، جس میں مبتلا کر دیئے گئے ہیں اور تاریخ کے فیصلے کا انتظام کرنے کے بجائے خود سوچ بچار کے بعد حقیقت کو پہنچ سکیں۔

یہ ہند اور کلچر ڈوگ مجھے ساری خرابیوں کی جڑ بتاتے ہیں اور کتابوں پر کتابیں لکھ رہے ہیں ان کی وطن پرستی کا طول و عرض یہ ہے کہ ایک ازمنی جب اپنے سلطان اور خلیفہ عثمانی کو ہلاک کرنے کے لئے بم پھینکتا ہے، تو یہ اس پر تالییاں بجاتے اور اس کی مدح و تحسین کرتے ہیں (اشارہ ہے ترکی شاعر توفیق نکرمت کی طرف جو

سلطان عبدالحمید کا سخت مخالف تھا۔ جب ایک ارٹنی نے ان پر قاتلانہ حملہ کیا، تو توفیق فطرت نے اس کی شان میں قصیدہ لکھا۔ یہ مہذب اور کلچرڈ لوگ مجھ پر افترا کی بوچھاڑ کرتے ہیں حتیٰ کہ سعید پاشا ایسے لوگ بھی اپنے سیاہ ضمیر کی روشنائی سے میرے چہرے پر کالک ملنے سے نہیں ہچکچاتے (سعید پاشا ۱۸۲۸-۱۹۱۶ء ادیب اور صحافی تھا۔ متعدد بار صدر اعظم رہا) میں یہ یادداشتیں اپنے دفاع میں نہیں، اس لئے لکھ رہا ہوں کہ لوگ حقیقت سے آگاہ ہوں۔

یہ مفتزی مزے لے لے کر کہتے ہیں عبدالحمید نوجوانوں کو سمندر میں ملاقات کے لئے بلا یا کرتا تھا اور وہیں غرق کر دیتا تھا، لیکن کیا ان کے پاس کوئی ثبوت ہے کہ کسی ایک نوجوان نے بھی مجھ سے سمندر میں ملاقات کی ہو۔۔۔ یقیناً وہ ادنیٰ سے ادنیٰ ثبوت بھی نہیں پیش کر سکتے، پھر بھی یہ بات بار بار لکھتے ہوئے انہیں شرم نہیں آتی۔

ملک کے بیٹے میرے بیٹے ہیں، میں نے انہیں ہمیشہ اسی نظر سے دیکھا ہے، ان کی بڑی تعداد کو میں نے معاف کیا۔ اکثر کے عیوب سے چشم پوشی کی، ان کی خطاؤں سے درگزر کیا، حالانکہ مجھے ان کی ایک ایک بات کی خبر تھی۔ پھر میں انہیں سمندر کی موجوں کا نوالہ کیوں کر بنا سکتا تھا؟ یہ فعل محض جرم ہی نہیں، بلکہ سوچ بچار کی دعوت بھی دیتا ہے۔ مجھے اس جرم کا مرتکب گرداننے والوں نے میرے بعد خود کیا کیا؟ کیا انہوں نے خود یہی جرم نہیں کیا، وہ مجھے غدار قرار دیتے ہیں، حالانکہ وہ خود غداری کے مرتکب ہوئے۔

میں ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں۔ اس کے آئینے میں ان غداروں کا چہرہ دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب روس سے جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ طونہ اور بلقانہ کے محاذ پر ہماری فوج کی کمان سلیمان پاشا کر رہا تھا۔ ایک روز مجھے اس کا تار ملا۔ اس نے اطلاع دی تھی کہ فوج کے بعض کمانڈر گرفتار کئے گئے ہیں، انہیں استنبول بھیج رہا ہوں۔ یہ کمانڈر پاشا کے منصب پر فائز تھے، ان میں سے بعض پر خیانت کا الزام تھا اور بعض پر انہیں جاری کئے جانے والے احکام میں تغیر و تبدل کا یہ پاشا استنبول پہنچے

تو میں نے ان کے خلاف تحقیقات اپنی ذاتی نگرانی میں کروائی، پتہ چلا کہ سلیمان پاشا نے سلطان عبدالعزیز خان کو تخت سے معزول کرنے میں جو کردار ادا کیا تھا، یہ لوگ اس پر تنقید کرتے تھے۔ سلیمان پاشا کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی، اس نے ان پر خیانت و غداری اور حکم عدولی کا الزام عائد کر کے انہیں گرفتار کیا اور گولی کا چارہ بنانے کے لئے استنبول بھیج دیا۔

یہ تحقیقات راجم پاشا نے کی تھی، اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ ان پاشاؤں پر جو الزامات لگائے گئے ہیں ان میں سے کوئی الزام بھی درست نہیں ہے۔ میں نے ان پاشاؤں کو بے گناہ قرار دے کر رہا کر دیا اور انہیں دوسری خدمات سونپ دیں۔ یہ سب کچھ جنگ کے دوران ہوا، جب کہ ہمیں ایک ایک فوجی افسر کی محاذ جنگ پر شدید ضرورت تھی۔ سلطنت کے بھی خواہ افسر، فوج اور سول میں سے اسی طرح کی سازشیں کر کے نکالے جا رہے تھے۔

سلیمان پاشا اس پر ٹراٹلہ لایا۔ اس نے ایک تار صدرِ اعظم ادیم پاشا کو بھیجا جس میں اس نے پوچھا تھا کہ کارروائی کا کیا نتیجہ نکلا ہے۔۔۔۔۔ کیا ان پاشاؤں کو سزا دی گئی ہے۔

باب ۹

ابن سعود کا وزیر حکومت

ابن سعود ۲۲ دسمبر ۱۸۸۰ء کو ریاض میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۲ء میں باقاعدہ عسکری مہمات میں حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۱۰ء میں شریف حسین نے ابن سعود سے ترکوں کی حاکمیت اعلیٰ منوائی۔ ۱۹۱۳ء میں ابن سعود نے الحصار کو فتح کیا۔ ۲۴ دسمبر کو ابن سعود نے برطانیہ سے مندرجہ ذیل معاہدہ کیا۔

- (۱) برطانیہ نے ابن سعود اور ان کی اولاد کو نجد اور الحساء کا حکمران تسلیم کیا۔
- (۲) بیرونی جارحیت کی صورت میں ابن سعود کو برطانیہ کی اعانت حاصل ہوگی۔
- (۳) ابن سعود کے بیرونی معاملات پر برطانوی سیادت تسلیم کر لی گئی۔
- (۴) ابن سعود نے یہ تسلیم کیا کہ وہ اپنا علاقہ یا اس کا کچھ ظاہری حصہ برطانیہ کی مرضی کے بغیر کسی طاقت کے حوالے نہ کریں گے۔
- (۵) ابن سعود اپنے علاقہ میں حاجیوں کے قافلہ کے راستہ کھلے رکھیں گے۔
- (۶) ابن سعود نے وعدہ کیا کہ وہ کویت، بحرین اور ساحلی امارتوں کے معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔

اس معاہدہ کی تمام دفعات سے واضح ہو جاتا ہے کہ ابن سعود برطانیہ کے حاشیہ نشین بن چکے تھے اور ان کے زیر تصرف علاقہ دراصل برطانیہ کی ایک کالونی سے زیادہ نہ تھا۔ ابن سعود نے برطانیہ سے اپنی اس غلامی کی قیمت ایک لاکھ پونڈ سالانہ مقرر کی۔

۱۹۱۶ء میں ابن سعود نے انخوان کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ ۱۹۲۱ء میں ابن سعود نے رشیدیوں کو مکمل شکست دے کر جبل الشمر اور حائل کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

۲۳ دسمبر ۱۹۲۵ء کو ابن سعود نے جدہ اور حجاز پر مکمل قبضہ کر لیا اور اپنے مقبوضہ جاز کا نام مملکت نجد و حجاز رکھا۔

۱۹۲۵ء کے بعد ہندوستان کی مرکزی خلافت کمیٹی ابن سعود سے مذاکرات کرتی رہی، جن کا منشا یہ تھا کہ ابن سعود تمام بلاد اسلامیہ کے متحدہ علماء کے مشورہ سے حکومت کرے، کیونکہ سرزمین حجاز سے تمام مسلمانوں کا تعلق ہے۔ اس کی حیثیت بادشاہ کی نہ ہو، بلکہ اس کے بجائے وہ ایک نگران اور خلیفہ کی حیثیت اختیار کرے، جس میں موروثی بادشاہت کا تصور نہ ہو۔ اس کے علاوہ مرکزی خلافت کمیٹی کا یہ بھی مطالبہ تھا کہ تمام قبہ جات کی حفاظت کی جائے اور جو منہدم کرا دیے گئے ہیں ان کی از سر نو تعمیر کی جائے۔ ابن سعود شروع، شروع خلافت کمیٹی کی تائید کرتا رہا۔ ان کے مطالبات پورے کرنے کے وعدے بھی کیے، لیکن آہستہ آہستہ وہ تمام وعدوں سے منحرف ہوتا گیا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے تمام مزارات گرا دیے گئے اور ۲۲ ستمبر ۱۹۳۲ء کو اس نے اپنے مطلق العنان بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا اور نجد و حجاز پر مشتمل عرب علاقہ کا نام سعودی عرب رکھا۔ سردار حسنی ابن سعود کی مطلق العنانی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

نجد کی حکومت قدیم وضع کی ہے، وہاں حکومت علیحدہ علیحدہ شعبوں پر منقسم نہیں ہے۔ نہ مجلس حکومت ہے۔ نہ وزارت ہے، پوری حکومت خود سلطان کی ذات ہے۔

۱۱ مئی ۱۹۳۳ء کو شاہی ہائی کونسل نے سعود کو ولی عہد بنانے کا فرمان جاری کیا۔ فرمان پر کونسل کے تمام ارکان کے دستخط ثبت تھے۔ اس کونسل کے سربراہ فصیل تھے، ابن سعود نے اس فرمان کی توثیق کر دی۔

۱۹۲۳ء تک امریکہ نے عملی طور

سعودی عرب پر امریکی اثر کی ابتداء پر سعودی عرب کو نظر انداز کر

رکھا تھا۔ جدہ میں اس کی سفارتی نمائندگی تھی۔ نہ تو فیصل خانہ امریکی دوسے کے

امیر فیصل نے امریکی ارباب اختیار سے تبادلہ خیال کیا، دورہ کامیاب رہا اور

اسی سال امریکہ نے جدہ میں اپنا مستقل لیگیشن قائم کیا، لیگیشن قائم ہوتے ہی

امریکہ نے ظہران میں ہوائی مستقر تعمیر کرنے کی گفتگو شروع کر دی، جس کا مقصد

کراچی کے راستہ جاپان سے نمٹنے کے لیے سہولتیں حاصل کرنا تھا۔ مستقر کی تعمیر

۱۹۲۳ء میں شروع ہوئی اور ۱۹۲۴ء میں یہ مکمل ہو گیا۔

اکتوبر ۱۹۲۴ء میں امیر فیصل کی کوششوں سے امریکہ ایکسپورٹ بینک نے

سعودی عرب کو ایک کروڑ ڈالر کا قرضہ دیا، تاکہ وہ اپنی معیشت کو بہتر بنا سکے۔

۱۹۲۷ء میں وزارت خارجہ نے ولی عہد میر سعود کے دورہ امریکہ کا بندوبست

کیا، جس میں دونوں ملک ایک دوسرے کے اور قریب آئے۔

۱۹۱۵ء کے معاہدہ دارن کے بعد سے ۱۹۲۷ء کے معاہدہ جدہ تک

سعودی عرب، برطانیہ کا حاشیہ نشین خیال کیا جاتا تھا۔ ۱۹۲۷ء - ۱۹۲۳ء تک

کے درمیانی عرصہ میں برطانیہ کو سعودی عرب میں ایک چھینی قوم کا درجہ حاصل ہا

جنگ عظیم دوم کے اوائل میں برطانیہ نے سعودی عرب کو مالی امداد دی۔ جنگ

سے سعودی عرب کی معیشت بُری طرح متاثر ہوئی تھی، سعودی عرب کی آمدنی

کا بڑا حصہ انحصار حج پر تھا۔ جنگ کی وجہ سے حاجیوں کی تعداد کم ہوئی۔ ۱۹۲۳ء

میں امریکہ نے جدہ میں اپنا لیگیشن قائم کیا تھا، جسے ۱۹۲۷ء میں سفارت خانہ کا

فیصل ص ۲۷-۲۸ ملخصاً

محمد صدیق قریشی

۲۸

۲۵

درجہ سے دیا گیا۔ ۱۹۱۱ء میں امریکہ نے ایک خصوصی معاہدہ کی رو سے پازیکاتی
 پر وگرام کے تحت سعودی عرب کو فنی امداد دینا شروع کی۔ ۱۸ جون ۱۹۱۵ء کو
 دونوں ملکوں کے درمیان ایک دفاعی معاہدہ طے پایا جس کی رو سے ظہران کا ہوائی
 مستقر پانچ سال کے لیے امریکہ کو دے دیا گیا۔ معاہدہ کے متن میں فوجی مستقر
 کے الفاظ استعمال نہ کیے گئے۔ اس رعایت کے عوض امریکہ نے سعودی عرب کو
 فوجی ساز و سامان بہم پہنچانے کے علاوہ سعودی فضائیہ کے پائیلٹوں کو تربیت
 دینے کا بھی وعدہ کیا۔ اس معاہدہ پر ملک کے اندر اور باہر عرب قوم پرستوں
 نے ناک بھون چڑھائی، حالانکہ سعودی حکومت مندرجہ فوائد بالاکے علاوہ اس
 مستقر کا کرایہ بھی وصول کرتی تھی۔

سعودی عربیہ میں تیل کی دریافت کا دیرینہ خواب

مغربی ممالک خصوصاً برطانیہ اور امریکہ مدت سے یہ چاہتے تھے کہ عرب
 سے ترکوں کا اقتدار ختم ہو اور وہ آزادانہ طور پر صحرائے عرب میں تیل کی دریافت
 کر سکیں، چنانچہ محمد صدیق لکھتے ہیں۔ سعودی عرب کی تاریخ تیل کی دریافت
 سے ایک اہم موڑ مڑ گئی۔ یہ ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کا ذکر ہے۔ کیلیسی فورنیا کی اسٹنڈرڈ
 آئل کمپنی نے ۶۰ سال کے لیے سعودی عرب کے مشرقی حصہ میں تیل تلاش کرنے
 کا ٹھیکہ لیا۔ ۱۹۳۳ء میں ٹیکساس کمپنی بھی اس کے ساتھ شریک ہو گئی۔ ۱۹۳۰ء
 تک ایکسٹن، ٹیکساس اور موبیل بھی شریک جستجو ہو گئیں اور اس طرح مجموعی طور پر کمپنی میں
 نام عرب امریکی آئل کمپنی (آراکو) پڑا۔ صوبہ حسام میں ظہران، دامام، بقیق اور ابو حریہ
 کے مقامات پر تیل کے کنویں کھودے گئے۔ پہلا کنواں جس سے تیل نکالا گیا ۱۹۳۸ء
 میں مکمل ہوا۔ تجارتی سطح پر ۱۹۴۵ء میں پیداوار شروع کی گئی۔

عالمی جنگ کے دوران میں آرا کو صحیح معنوں میں تیل کی تلاش میں کوئی کامیابی نہ
 سرانجام نہ دے سکی یہی وجہ ہے کہ تیل کی آمدنی محدود رہی۔ اس کا اثر سعودی
 معیشت پر پڑا، کیونکہ حاجیوں کی آمد سے جو آمدنی ہوتی تھی، وہ نہ ہونے کے
 برابر رہ گئی تھی، ان دنوں محوری طاقتوں کا پلہ بہت بھاری تھا۔ جرمنی نے
 یو، گوسلاویہ اور یونان کو سر کر لیا تھا۔ کریٹ پر حملے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔
 ادھر بغداد محوری طاقتوں کی حمایت میں انقلاب برپا ہو چکا تھا اور اب مصر پر ان
 کی گہری نظر تھی۔ جاپان کی نظریں بھی خلیج فارس کے تیل سے مالا مال علاقہ پر لگی تھیں،
 ابن سعود امنڈتے ہوئے خطرات کے باوجود برسن اور ٹوکیو کو نظر انداز نہ کیا
 اور اپنی معیشت کو بہتر بنانے کے لیے برطانوی اور امریکی حکومتوں سے رجوع
 کیا۔ اس وقت تک امریکہ غیر جانبدار تھا۔ ابن سعود نے تین کروڑ ڈالر قرضہ مانگا
 اور پانچ سال کی اقساط میں واپس کرنے کا وعدہ کیا۔ شاہ نے یہ دھمکی بھی دی کہ اگر
 قرضہ نہ ملا، تو تیل کی تلاش کے متعلق مراعات واپس لے لی جائیں گی۔ امریکہ کمپنی نے
 ۱۹۴۳ء میں تیس ہزار پونڈ پیشگی دیے تھے، لیکن ایک جدید مملکت کی تعمیر و
 ترقی کے لیے یہ رقم نہایت قلیل تھی۔ دھمکی دیتے جانے کے بعد کمپنی کے نمائندے
 جیمز ایس مونسٹ نے اپریل ۱۹۴۴ء میں صدر روز ویلٹ سے ملاقات کی، بالآخر
 طے پایا کہ برطانیہ سے کہا جائے۔ امریکہ نے حال ہی میں جو ۲۴ کروڑ ۵۰ لاکھ
 ڈالر اسے قرضہ دیا تھا۔ اس میں سے سعودی عرب کو مطلوبہ رقم فراہم کرے،
 چنانچہ برطانیہ نے سعودی عرب کو ایک سال کے لیے چار لاکھ پونڈ دیے۔
 بتدیہ سچ اس رقم میں اضافہ کیا حتیٰ کہ ۱۹۴۵ء میں یہ رقم ۵۴ لاکھ پونڈ ہو گئی
 جنگ ختم ہونے کے بعد سعودی عرب میں تیل کی پیداوار میں خاصہ اضافہ ہوا۔
 ۱۹۵۰ء میں ساا نہ پیداوار پچاس لاکھ ٹن تھی اور اس کا شمار مشرق وسطیٰ میں ایران

کے دوسرے نمبر پر ہوتا تھا۔ اس وقت ایران کی پیداوار تین کروڑ ٹن تھی۔ ۱۹۵۰ء میں سعودی عرب کو تیل سے ۹ کروڑ ڈالر آمدنی ہوئی۔ امریکہ، سعودی تیل درآمد کرنے والے ملکوں میں سرفہرست تھا۔ ۱۹۵۳ء کو ابن سعود کا انتقال ہو گیا اور ان کی جگہ ان کے بڑے بیٹے شاہ سعود حکمران بن گئے۔

اب تک جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ یہ ابن سعود کے دورِ حکومت کا ایک اجمالی سیاسی جائزہ تھا، اب ان کے عہد میں ان کے ایما پر جو مذہبی کارگزاریاں کی گئیں وہ بہار الحق قاسمی دیوبندی سے سینے۔

دیوبند خواب

جناب بہار الحق قاسمی (دیوبندی) نے ابن سعود کی حکومت کی کارگزاریوں کے بارے میں ایک مختصر رسالہ ”نجدی تحریک پر ایک نظر“ کے نام سے لکھا، اس رسالہ کے شروع میں شیخ نجدی کے بارے میں علماء دیوبند کے تاثرات پیش کیے گئے ہیں، جن کو ہم اس کے کتاب کے تیسرے باب میں پیش کر چکے ہیں، اب رسالہ کا وہ حصہ پیش کر رہے ہیں، جس میں جناب بہار الحق قاسمی نے حکومت ابن سعود کی کارگزاریوں کا ایک اجمالی نقشہ کھینچا ہے۔

نجدی تحریک کے ثمرات

پہلا شمارہ

عبدالغزیز ابن سعود موجودہ امیر نجد نے
مکہ معظمہ پر قابض ہو کر اپنے عقاید کی

کافر سازی اور مشرک گری

اشاعت کے سلسلہ میں سب سے پہلے، جو کتاب شائع کرا کر مفت تقسیم کی، وہ
مجموعۃ التوحید ہے۔ اس کے متعدد مقامات میں اچھے خاصے مسلمانوں کو کافر،
مشرک، بدعتی اور خدا جانے کیا گیا بنایا گیا ہے۔ نمونہ کے طور پر صرف ایک عبارت
مع ہدیہ ناظرین ہے۔

ان اعداء الله لهم اعتراضات كثيرة على دين الرسل يصدون
بها الناس منها قولهم نحن لا نشرك بالله بل نشهد ان لا يخلق و
لا ينفع ولا يضر الا الله وحده لا شريك له وان محمداً صلى الله عليه
وسلم لا يملك لنفسه نفعاً ولا ضرراً فضلاً من عبد القادراً وغيره ولكن
انما مذنب والصالحون لهم جباه عند الله واطلب من الله بهم
فجاء ابيه بما تقدم وهو ان الذين قاتلهم رسول الله صلى الله عليه
سلم مقرون بما ذكرت ومقرون ان اوثانهم لا تدبر شيئاً وانما
ارادوا الجاه والشفاعة (مجموعۃ التوحید ص ۵۴ مطبوعہ امر القویٰ مکہ
معظمہ ۱۳۳۲ھ بمجر بحکم ابن سعود)

(ترجمہ) دشمنانِ خدا کے بہت سے اعتراضات ہیں، جن سے وہ لوگوں کو

بہکاتے ہیں۔ ان کا ایک اعتراض یہ ہے کہ ہم خدا کے ساتھ شریک نہیں کہتے بلکہ گواہی دیتے ہیں کہ خدا کے سوا پیدا کرنے، نفع اور نقصان پہنچانے والا کوئی نہیں اُس کا کوئی شریک نہیں اور کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ چہ جائیکہ حضرت شیخ عبدالقادر (حیلانی) وغیرہ کے لیے یہ وصف ثابت ہو، لیکن چونکہ میں گنہگار ہوں اور اللہ کے نزدیک صلحاء کا بڑا مرتبہ ہے۔ اس لیے میں ان کی طفیل سے خدا سے حاجات طلب کرتا ہوں۔ پس تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے، جو گزر چکا کہ اے معترض جس کا تو نے ذکر کیا اس کا وہ لوگ (مشرک) بھی اقرار کرتے تھے، جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کیا تھا۔ وہ اقرار کرتے تھے کہ ان کے بت کسی چیز کے مدبر نہیں ہیں اور وہ (تیری طرح) جاہ اور شفاعت ہی کا ارادہ رکھتے تھے۔

اس عبارت میں اس مسلمان کو مشرکین عرب سے شمار کیا گیا ہے، جو پکار پکار کر توجید کا اقرار کر رہا ہے۔ اس کو فقط اس بنا پر گردن زدنی قرار دیا گیا کہ وہ کیوں خدا سے صلحاء کا واسطہ دے کر حاجات طلب کرتا ہے؟ کہو! نجدیوں کی حمایت کرنے والو! اب بھی وہابیوں کی کافر سازی اور مشرک گہری میں کچھ شک سے

دوسرا اثر

ابن سعود مذکور کے حکم سے ایک اور کتاب چھپ کر مفت تقسیم

کشف درود شریف کا تلف کیا جانا

ہوتی ہے۔ جس کا نام ہے۔ "الهدیۃ السنیۃ" اس میں لکھا ہے۔

ولا نامر با تلاف شیئ من المؤلفات اصلا الا ما شتم علی ما یوقع

الناس في الشرك كروض الرياحين وما يحصل بسببه خلل في العقائد كعلم المنطق فانه قد حرمه جمع من العلماء على انا لا افحص عن مثل ذلك وكالدلائل

(الهدية السنیه ص ۲۵۹۲ مطبوعه المنار مصر سنہ ۱۳۲۲ھ)

(خلاصہ مطلب) ہم کسی کتاب کے تلف کرنے کا ہرگز حکم نہیں دیتے، مگر ہاں ہم اس کتاب کو تلف کرا دیتے ہیں۔ جن میں ایسے مضامین ہوں جو لوگوں کو شرک میں مبتلا کریں۔ یا ان کے سبب سے عقائد میں خلل آتا ہو، جیسے روض الرياحین کتب منطق اور دلائل الخیرات (یعنی ان کو تلف کرا دیا جاتا ہے) دیکھئے! دلائل شریف کو تلف کرنے کا صاف اعتراف ہے۔ اس بہانہ سے کہ اس میں (معاذ اللہ) مشرکانہ کلمات ہیں، حالانکہ یہ وہ پاکیزہ اور بابرکت کتاب ہے کہ جس میں اول سے آخر تک کلمات درود شریف کے علاوہ توحید، عشق الہی اور محبت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ولولہ انگیز درس موجود ہے۔ اسی وجہ سے ہزاروں علماء، صلحاء اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم اس مقدس کتاب کو حرزِ جان بناتے رہے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب علماء دیوبند سے حسن ظن کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ دلائل الخیرات کا وظیفہ دیوبندی علماء کے معمولات سے ہے (کتاب سفر نامہ شیخ الہند ص ۹۸ والتصدیقات ص ۱۱) کیا مولوی ثناء اللہ صاحب نجدیوں کی شرک باری کے طوفان بے تمیزی سے علماء دیوبند کو بچانے کی کوشش فرمائیں گے؟ (دیدہ باید)

تیسرا نمبر

مقاماتِ مقدسہ کے ساتھ نجدیوں کی گستاخی
مشہور ہے، نعت خوانانِ نجدیہ اگرچہ اس سے
گستاخی اور بے ادبی

انکاری ہیں، مگر تاکے؟ کتاب "حیات طیبہ" میں (جو مولوی ثناء اللہ صاحب کے دفتر میں فروخت ہوتی ہے) اگرچہ نجدیوں کی خوب تعریف کی گئی ہے، مگر بعض مقامات پر حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ:-

۱۸۰۳ء کے اختتام پر مدینہ بھی سعد کے قبضہ میں آگیا۔

مدینہ لیکر اس کے مذہبی جوش میں یہاں تک اُبال آیا کہ اُس نے اور مقبروں سے گزر کر خود نبی اکرم کے مزار کو بھی نہ چھوڑا۔ آپ کے مزار کی جواہر نگار چھت کو برباد کر دیا اور اس چادر کو اٹھا دیا، جو آپ کی قبر مقدس پر پڑی تھی۔" (ص ۲۰۹)

پہلے کا اثر

اسلامی سلطنتوں کی مخالفت اور ان کی تباہی و بربادی

وہابی فرقہ جب سے عالم وجود میں آیا ہے۔ اسلامی بادشاہوں سے برابر لڑتا رہا۔ اس فرقہ نے ترکی سلطنت کو مٹانے کی ہمیشہ کوشش کی۔ بنظر اختصار چند ثبوت عرض کرتا ہوں۔

(۱) کتاب بوند کور (حیات طیبہ) میں لکھا ہے کہ:-

"عبدالعزیز کے بعد اس کا بڑا بیٹا سعد اپنے باپ سے زیادہ پرجوش

نکلا اس نے اور بھی فتوحات کو وسعت دی اور ترکی سلطنت کی

بنیادوں کو ہلا دیا۔" (ص ۲۰۸)

پھر اسی کتاب کے اسی صفحہ میں ہے:-

"سعد نے بیس ہزار فوج سے سلیمان پاشا سے مختلف جنگوں میں

پے درپے فتوحات حاصل کیں اور اس کی فوج کے آگے ترکوں کی ملکی
اسپرٹ کی وال نہ گئی۔“

(۱۲) یہ تو خود ترکی سلطنت کے ساتھ سجدیوں کا سلوک رہا۔ ترکوں کے نہایت
گہرے دوست ابن رشید امیر حائل مرحوم اور ان کے خاندان پر سجدی ظالموں
نے انگریزوں کی طرفداری میں جو مظالم توڑے، اس کی مختصر کہانی عالی جناب
ظفر علیخان صاحب ایڈیٹر زمیندار کی زبانی سناتا ہوں۔ ایڈیٹر صاحب موصوف نے
اپنے اہل میں ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان ہے: ہمارے قبلہ کو دہائیوں نے
لوٹ لیا۔ اور کو مندرجہ ذیل سطور سے شروع کیا گیا تھا۔

وسط عرب میں ہائل ایک زبردست امارت ہے، جس کے فرماؤ
امیر ابن رشید کے قتل کی افسوسناک خبر پہلے دنوں بعض انگریزی اخبار
میں چھپی تھی۔ ”لندن ٹائمز“ اپنی ۱۰ مئی کی اشاعت میں امیر مغفور کے واقعہ
قتل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ دوران جنگ میں ابن رشید ترکوں کا
حلیف تھا اور ابن سعود جو دہائیہ کے امیر ہیں۔ دول متحدہ کی طرفداری میں
اس سے برسر پیکار تھے۔ ابن رشید کا خاندان کئی نسلوں سے قاتل کے
خبر کا شکار ہوتا چلا آیا ہے اور اب شاید بجز ایک طفل شیرخوار کے ابن رشید
کی نسل بالکل ہی مٹ گئی ہے۔“ (زمیندار ۱۲ جون ۱۹۲۰ء)

(۱۳) آج مولوی ثناء اللہ صاحب اور ان کے ”یارانِ طریقت“ نہایت بلند آہنگی
سے یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ دوران جنگ عظیم میں سجدیوں نے ترکوں کی ہرگز مخالفت
نہیں کی، حالانکہ آپ اس سے پہلے سجدیوں کی مخالفت کا اقرار کر چکے ہیں۔ مولوی

عہ یہ مضمون ذرا طویل ہے، محرم گنجائش کے باعث پورا نقل نہیں ہو سکتا۔ ایڈیٹر صاحب نے اسی مضمون میں لکھا تھا کہ
دہائی صلیب کی لڑائیاں لڑتے ہیں اور یہ کہ ولایت کذب، بغاوت اور تردد و سرکشی کی مترادف ہے ۱۲ منہ

صاحب موصوف کے ایک مضمون مندرجہ زیندار کا حسب ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیے
جو انہوں نے ایڈیٹر زیندار کے مذکورہ بالا مضمون کے اُس حصہ کی تردید میں لکھا تھا
جہاں ایڈیٹر صاحب نے ہندوستانی غیر مقلدوں کو ڈہائی کہا تھا۔ مولوی تنہا اللہ صاحب
لکھتے ہیں کہ :-

اس خلاف واقعہ الزام لگانے میں ان کی دو غرضیں تھیں۔ ایک مذہبی کہ
یہ لوگ (اہلحدیث) باوجود دعویٰ ترک تقلید کے عبد الوہاب نجدی کے
مقلد ہیں۔ دوسرے پولیٹیکل غرض تھی کہ گورنمنٹ کے ذہن نشین کریں
کہ جس طرح نجدی لوگ اپنی اعلیٰ حکومت ترکی کے مخالف ہیں۔ یہ لوگ
بھی گورنمنٹ کے مخالف ہیں۔ اس لیے اعیانِ اہلحدیث نے اس الزام
کو دور کرنے میں مقدور بھر کوشش کی، جس میں وہ بجز اللہ کامیاب
ہو گئے۔ (زیندار ص ۵ مورخہ ۲۲ جون ۱۹۲۲ء)

آج ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جنگ عظیم میں نجدیوں نے ترکوں کی مخالفت کر کے
ان کو نقصان پہنچایا تھا، تو ہمارا گلا دبانے کی کوشش کی جاتی ہے، حالانکہ ہم
آپ کے پہلے اقوال کی تائید کر رہے ہیں۔
گل و گلچیں کا گلہ بیل خوش لہجہ نہ کر
تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث

پانچواں ٹمرہ

جزیرۃ العرب پر نصائے
کاتبین و اقتدار
کہا جاتا ہے کہ ابن سعود نے حجاز میں داخل
ہو کر اس کو غیر مسلم اقتدار سے پاک کر
دیا ہے، حالانکہ یہ واقعات کے خلاف ہے۔ اگر اس کے جنگ و جدل کا داعی

یہی جذبہ ہوتا، تو عقبہ و منان پر انگریزوں کے قبضہ کو بھی گوارا نہ کرتا شریف حسین
 غدار ہونے کے باوجود اس قبضہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر چکا ہے (سیاست
 ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء) لیکن ابن سعود نے کیا کیا؟ اس کی روشنی میں لانے کے لیے معزز
 روزنامہ سیاست لاہور کا ایک اقتباس نقل کرتا ہوں :-

ابن سعود کے اخبار "ام القرنی" نے عقبہ اور معان پر انگریزی تصرف سے
 قبل ابن سعود سے ملکر دریافت کیا کہ عقبہ اور معان کی طرف جو فوج جانیوالی
 تھی، وہ کیوں روک دی گئی ہے؟ ابن سعود نے کہا ہمیں علم ہے کہ چند
 روز میں شریفی فوجیں عقبہ اور معان سے نکل جائیں گی "مولانا محمد علی اگرچہ ہمیں
 تو ام القرنی کی یہ تحریر ان کی خدمت میں بھیجی جاسکتی ہے۔ ذرا ابن سعود
 کے الفاظ پر غور کیجیے۔ کیا یہ الفاظ معنی خیز نہیں؟ کیا ان سے ثابت نہیں
 ہوتا کہ ابن سعود کو علم تھا کہ انگریز عقبہ اور معان پر قبضہ کرنے والے ہیں
 غرضیکہ عقبہ اور معان پر انگریزوں کا قبضہ ہوا اور ابن سعود کی مرضی
 سے ہوا اور اس کی وجہ سے اس کو مدینہ منورہ پر فوج کشی کا موقع ملا اور اگر
 ابن سعود اس ناپاک سازش میں انگریزوں کے ساتھ شامل نہ ہوتا، تو انکو
 مجبور ہوتے کہ عقبہ اور معان کو نجدی افواج سے بچانے کے لیے شریف
 کی مدد کریں، ورنہ فلسطین کا امن مندوش ہو جاتا" (سیاست ص ۲۰۰ بابتہ
 ۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

اس مضمون کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابن سعود نے اس وقت تک اس
 قبضہ کے خلاف کوئی عملی کارروائی نہیں کی۔ اگر اس کا یہی مطمح نظر ہوتا کہ حجاز غیر مسلم اثر
 سے پاک ہو جائے، تو سب سے پہلے مدینہ شریف پر چڑھائی کرنے کی بجائے عقبہ
 اور معان پر انگریزوں سے لڑتا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ انگریزوں کے اس ناپاک

قبضہ کے خلاف اس کی پیشانی پر ابھی تک بل بھی نہیں پڑا، پھر یہ کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ ابن سعود حجاز کو غیر مسلم اقتدار سے پاک کرنا ہے؟
 اور امتحان بغیر تو یہ آپ کا رفیق!
 قابل نہیں ہے بھائی کسی شیخ و شباب کا

پہچان

نصائی کی ابدی غلامی
 شریف حسین اور امیر علی کے قبضہ حجاز کو اس لیے گوارا نہیں کیا جاتا کہ وہ انگریزوں کے پٹھو اور زیر اقتدار ہیں، مگر ابن سعود اور اس کی حکومت انگریزوں کے اس قدر بے بس غلام ہیں کہ شریفی خاندان کی غلامی کو نسبتاً آزادی سے تعبیر کرنا چاہتے، چنانچہ وہ معاہدہ اس کا ناقابل تردید ثبوت ہے، جو ۱۹۱۵ء میں انگریزوں اور نجدیوں کے مابین ہوا اور جس کی تصدیق ۱۹۲۰ء میں ہوئی تھی، وہ معاہدہ یہ ہے۔

ابن سعود اور انگریزوں کا معاہدہ

حکومت برطانیہ اعتراف کرتی ہے اور اس کو اس امر کے دفعہ اول تسلیم کرنے میں کوئی غدر نہیں ہے کہ علاقہ جات نجد احسام، قطیف، حبیل اور خلیج فارس کے ملحقہ مقامات، جن کی حد بندی بعد کو ہوگی۔ یہ سلطان ابن سعود کے علاقہ جات ہیں اور برطانیہ اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ ان مقامات کا مستقل حاکم سلطان مذکور اور اس کے اجداد ہیں۔ ان کو ان ممالک اور قبائل پر خود مختار

عہدہ بلکہ ابن سعود نے اس قبضہ کو عملی شکل سے تعبیر کر کے اس پر اظہار سرت و شادمانی کیا ہے، دیکھو ابن سعود کا خط بنام سر ایمری وزیر مستعمرات لندن مطبوعہ انجرائٹی العرب، دمشق بحوالہ سیاست، لاہور ص ۲ بابت ۱۹ نومبر ۱۹۲۵ء ص ۱۲

حکومت حاصل ہے اور اس کے بعد ان کے لڑکے ان کے صحیح وارث ہوں گے، لیکن ان ورثاء میں سے کسی ایک کی سلطنت کے انتخاب و تقرر کے لیے یہ شرط ہوگی کہ وہ شخص سلطنتِ برطانیہ کا مخالف نہ ہو اور شرائط مندرجہ معاہدہ ہذا کے بھی خلاف نہ ہو۔

اگر کوئی اجنبی طاقت سلطان ابن سعود اور اس کے ورثاء کے

دفعہ دوم ممالک پر حکومتِ برطانیہ سے مشورہ کیے بغیر یا اس کو ابن سعود

سے مشورہ کرنے کی فرصت دیے بغیر حملہ آور ہوئے، تو حکومتِ برطانیہ ابن سعود سے مشورہ کر کے حملہ آور حکومت کے خلاف ابن سعود کو امداد دے گی اور اپنے حالات کو محفوظ رکھ کر ایسی تدابیر اختیار کرے گی، جن سے ابن سعود کے اغراض و مقاصد اور اس کے ممالک کی بہبود محفوظ رہ سکے۔

ابن سعود اس معاہدہ پر راضی ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ:-

دفعہ سوم (۱) وہ کسی غیر قوم یا کسی سلطنت کے ساتھ کسی قسم کی گفتگو یا

سمجھوتہ اور معاہدہ کرنے سے پرہیز کرے گا۔

(۲) ممالک مذکورہ بالا کے متعلق اگر کوئی سلطنت دخل دے گی، تو ابن سعود فوراً

حکومتِ برطانیہ کو اس امر کی اطلاع دے گا۔

ابن سعود عہد کرتا ہے کہ وہ اس عہد سے پھرے گا نہیں اور

دفعہ چہارم وہ ممالک مذکورہ یا اس کے کسی دوسرے حصہ کو حکومتِ برطانیہ

سے مشورہ کیے بغیر بیچنے، رہن رکھنے، مستاجری یا کسی قسم کے تصرف کرنے کا مجاز نہ ہو

گا۔ اس کو اس امر کا اختیار نہ ہوگا کہ کسی حکومت یا کسی حکومت کی رعایا کو برطانیہ کی مرضی

کے خلاف ممالک مذکورہ بالا میں کوئی رعایت بلائیس دے۔ ابن سعود وعدہ کرتا ہے کہ

وہ حکومتِ برطانیہ کے ارشاد کی تعمیل کرے گا اور اس میں اس امر کی قید نہیں ہے

کہ وہ ارشاد اس کے مفاد کے خلاف ہو یا موافق۔

ابن سعود عہد کرتا ہے کہ مقامات مقدسہ کے لیے جو راستے اس
 دفعہ پنجم کی سلطنت سے ہو کر گزرتے ہیں، وہ باقی رہیں گے اور ابن سعود

حجاج کی آمد و رفت کے زمانے میں ان کی حفاظت کرے گا۔

ابن سعود اپنے پیشرو سلاطین نجد کی طرح عہد کرتا ہے کہ وہ
 علاقہ جات، کویت، بحرین، علاقہ جات روسا و شیوخ

عرب، عمان کے ان ساحلی علاقہ جات اور دیگر ملحقہ مقامات کے متعلق جو برطانوی
 حمایت میں ہیں، کسی قسم کی مداخلت نہیں کرے گا۔ ان ریاستوں کی حد بندی بعد کو ہو
 گی جو برطانیہ سے معاہدہ کر چکی ہیں۔

اس کے علاوہ حکومت برطانیہ اور ابن سعود اس امر پر راضی
 ہیں کہ طرفین کے بقیہ باہمی معاملات کے لیے ایک اور مفصل

عہد نامہ مرتب و منظور کیا جائے گا۔

مؤرخہ ۱۸ رجب ۱۳۲۲ھ ہجری

۲۶ نومبر ۱۹۱۵ء عیسوی

مہر و دستخط عبدالعزیز السعود

دستخط بی ریڈ کاس وکیل معاہدہ ہذا و نمائندہ برطانیہ، خلیج فارس۔

دستخط چیسفورڈ نائب ملک معظم وائسرائے ہند۔

یہ معاہدہ وائسرائے ہند کی طرف سے گورنمنٹ آف انڈیا بمقام شملہ ۱۸ مئی
 ۱۹۱۶ء کو تصدیق ہو چکا ہے۔ دستخط لے۔ ایچ گرانٹ سیکرٹری حکومت ہند

شعبہ خارجہ و سیاسیات

ابن سعود اہل حدیث حضرات کی نظر میں

مسلمک اہل حدیث کی ایک خاتون
انہدام قبائے ترکوں کی بیاو راحیل شروانیہ بنت حاجی محمد موسیٰ خان

شروانی نے ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴ء) میں حج کیا اور اپنے سفر حج کی روداد لکھی۔ اس کے دو سال بعد راحیل شروانیہ کے بھائی ہارون خاں شروانی اور ان کے دوست محمد مقتدی شروانی نے حج کے اور راحیل کے سفر نامہ زاد پر بعد کے بدلے ہوئے حالات کے تحت نوٹ لکھے۔

ہم یہاں پر محمد مقتدی شروانی کے نوٹ سے بعض اقتباس نقل کرتے ہیں۔
 محمد مقتدی شروانی (اہل حدیث) لکھتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴ء) میں جب راحیل صاحبہ نے حج کیا ہے، تو عرب میں ترکوں کی ترکی تمام ہو چکی تھی اور شریف کی رزیل حکومت قائم تھی ان کے واپس ہونے کے مٹا بعد سلطان ابن سعود کا دور آیا اور قتل و خونریزی اور زیارات و مزارات کی انتہائی بے حرمتی اپنے ساتھ لایا جس سے اسلامی دنیا میں ایک تہلکہ عظیم برپا ہو گیا بعد ازاں یورپ خطوط ہندوستان پہنچے اور بیسوں مضامین اخبارات میں شائع ہوئے، جن میں سجدیوں کے خلاف نالہ رشیوں بلند کیا۔ موقع کی تحقیقات کے لیے دو وفد ہندوستان سے گئے، جن میں سے ایک مئی ۱۹۲۴ء میں ہماری بھی پہنچنے سے پہلے ہندوستان واپس پہنچ چکا تھا اور دوسرا سید حبیب شاہ والا واپس ہوتا ہوا ہمیں بمبئی میں ملا اور جو حالات ہم بعض براہیورٹ خطوط سے معلوم کر چکے اور اخبارات میں پڑھ چکے تھے اور جو اس وفد کی زبانی منکشف ہوئے، ان سب کی جمع شئی زائد ان خود

ہمارے ذاتی تجربہ اور غنی مشاہدہ نے کی۔

سرزمین عرب کی سہ ماہیہ خاک بوسی کے دوران میں، جو بات ہمیں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ محسوس ہوئی، وہ یہ تھی کہ عرب، ترکوں کے لیے روتے اور شریفیوں اور نجدیوں کی مصیبت کو ترکوں کے ساتھ اپنی ناشکر گزاری و احسان فرموشی کا وبال سمجھتے تھے۔ سارا ملک بلا استثناء شریف سے بوجہ اس کے غایت درجہ عوامی ہونے اور نجدیوں سے سبب ان کی انتہائی مذہبی نارواداری کے بے حد نالائق تھا اور چونکہ عرب ایک آزاد قوم ہیں اس لیے (علی نون من فرعون و ملائکہ) اپنے جذبات کو مطلق نہ چھپاتے تھے۔

حرمین شریفین سے باہر کی زیارت گاہیں اور تبرک یادگاریں نہ صرف منہدم بلکہ نہایت بے حرمتی کی حالت میں تھیں اور معلوم نہیں، راحیل صاحبہ کے ہم اعتقاد وہم ملت سلطان ابن سعود (اہل حدیث) نے ان دلخراش و شرمناک افعال کی علت و اباحت کن نصوص سے مستنبط کی تھی۔ جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے ہیں، تو یہ عالم تھا کہ کوئی شخص غیر سخت مار کھاتے ان مقامات و مکانات کے قریب تک نہ جاسکتا تھا، حتیٰ کہ حرم شریف کے اندر مقام ابراہیم کے دروازہ کو ہاتھ نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ متنزم و حجر پر ادنیٰ وقفہ پر بھی نجدی پولیس کے سپاہی جو غلاف شریف کو تھامے دیوار کعبہ کے پشتبان پر کھڑے رہتے تھے۔ بیدکی مارا کرتے تھے۔ مکہ مکرمہ کے مدفن جنت المصلیٰ میں (جہاں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا بھی مزار ہے) نہ صرف قبوب کو زمین بوس بلکہ قبور تک کو مسمار اور ان کے گرد و پیش بول و براز پڑا ہوا اور اڈنٹوں کو بے ہمار چرتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھا، یہی نقشہ مدینہ منورہ میں بھی تھا، وہاں کے مدفن جنت البقیع کے تمام قبوب و اکثر قبور (ازال جملہ مزار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ)

سہ محمد مقتدی شروانی نظراول زاوا السبیل ص ۲۲

ڈھانے جا چکے تھے۔ کوئی شخص شبکہ (جالی) مبارک کو ہاتھ نہ لگا سکتا تھا۔ نہ اس کے قریب جا کر با آواز صلوٰۃ والسلام پڑھ سکتا تھا۔ ایک قاری صاحب صف پر بیٹھ کر قرآن شریف بجز دامن پڑھا کرتے تھے، ان کو روک دیا گیا تھا۔

گروہ میں است مسلمانی کہ واعظ دارو

وائے گرازیں امروز بود فردائے ن

زاد السبیل کی مصنفہ راحیل شروانیہ کے بھائی (اہل حدیث) ۱۹۴۶ء میں سعودی

حکومت کے حالات کے ضمن میں لکھتے ہیں!

بلاشبہ نجدیوں نے جنت البقیع اور جنت المعلیٰ میں مختلف قبوں کو منہدم کرنا

اس طرح ترکوں کی بنائی ہوئی نہایت نفیس عمارتوں کو برباد کر دیا۔

راحیل صاحبہ زاد السبیل کے مقدمہ میں لکھتی ہیں۔

گوکہ اعتقاداً سلطان ابن سعود اور میں ایک ہی ملت کے سمجھے جاتے ہیں، کیونکہ

الحمد للہ میں بھی اہل حدیث ہوں، مگر پھر بھی میں وہاں کے بعض حالات کو افسوس کی

نگاہ سے دیکھتی ہوں، مثلاً مقامات متبرکہ کے مسمار کر دینے سے ہرگز اسلام کا کوئی فائدہ

نہیں ہوا۔ سلطان ابن سعود ضرور غلطی پر ہیں، کیونکہ ہم اگر کوئی ایک آدھ معمولی کام بھی

جرات سے اپنی عمر میں کر گزرتے ہیں، تو یہ امید ہمارے دل میں ہوتی ہے کہ ہماری

یادگار قائم ہوگی۔ چہ جائیکہ جنہوں نے تمدن اسلام کی شان سے دنیا کی اصلاح کی جن کے

واسطے کہا جاتا ہے کہ زمین و آسماں پیدا ہوئے ان کی بعض ضروری یادگاریں رونے

زمین سے نابود کر دی گئیں۔ مولد البنی، مولد فاطمہ کو مسمار کر دیا گیا اور یہ فرمایا جاتا ہے

کہ اس کی سند نہیں کہ یہ وہی جگہ ہے۔ اگر اس کی سند نہیں، تو ضرور مکہ میں کوئی جگہ، تو

۱۰ محمد مقتدی شروانی النظر الاول زاد السبیل ص ۲۴، ۲۵

۱۱ ابن خاں شروانی (اہل حدیث) نظر ثانی " " ۲۲

وہ ہوگی، جہاں یہ واقعات گزریں حکومت عرب کا یہ فرض عین تھا کہ ایسے مقامات پر جو شرک و بدعات ہوتے تھے، تو ان کی روک تھام کرتی، تو ثواب دارین حاصل ہوتا، مگر ان کی اینٹ سے اینٹ بجانی سے ہرگز کوئی تقویت اسلام کو نہیں ہوتی۔ مولد فاطمہ میں غربا کے بچوں کا مدرسہ تھا، وہ کونسی بدعت تھی کہ اس کو بھی نہ قائم رہنے دیا گیا۔ اصل میں سلطان ابن سعود اپنی بادشاہی کے غرہ میں آکر یہ سب کچھ کر رہے ہیں، ان کو حد سے ہرگز نہیں گزرنا چاہیے۔ ان کو اہل اسلام کی ہر ملت کے قلوب کا لحاظ کرتے ہوئے سلطنت کرنا مناسب ہے۔ وہ بادشاہ کیا جو صرف اپنے اثر سے بدعات راجیل صاحبہ کی بدعات سے مراد کسی بزرگ کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر اس کے وسیلہ سے مقبولیت کی دعا کرتا ہے) کو نہ روک سکا اور مقامات کو مسمار کرنا اپنی کمزوری کا ثبوت ہے۔ ہم شریف کی بے اعتدالیوں اور لاپرواہیوں سے نالاں تھے، حنفی لوگ نجدیوں کے مظالم سے ہر سال ہیں ۲

اسلام کو سکون کب حاصل ہوا، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس گروہ کو شرک و شرک سے راجیل صاحبہ کی مراد بزرگوں سے توسل اور استغاثہ ہے اور یہ خود امام ابو حنیفہ اور امام شافعی و دیگر ائمہ کا طریقہ رہا ہے) کی ہرگز تلقین نہیں کی، بلکہ لوگ خود ہی سینکڑوں سال سے اصلاح نہ ہونے کے باعث گمراہی میں مبتلا ہو گئے ان کی اصلاح اس طرح کرنی تھی کہ حکومت شرک و بدعات کو جبراً روکتی، جیسا کہ ترکوں کے زمانہ میں ہر مقام پر کوڑا بردار کام کیا کرتے تھے (ترکوں کے عہد میں کوڑا برداروں کا صرف یہ کام تھا کہ جو شخص جہالت کی بنا پر آستانوں پر سجدہ تعظیمی کرتا تھا اس کو کوڑوں سے سزائش کی جاتی تھی۔ توسل اور استغاثہ نہ شرک و بدعت ہے نہ اس پر کوئی باز پرس ہوتی تھی) مگر ہر چند مقامات ہر باد کر دینے سے عام بے چینی مسلمانوں میں پیدا ہوگی۔ ۳

اہل حدیث حضرات کا تعصب اور انبیاء اور اماموں کی بے حرمتی

راحیل شروانیہ اہل حدیث حضرات کی تنگ نظری کے بارے میں لکھتی ہیں اور دہلی کے پنجابی اہل حدیث حضرات کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

اور سب اہل حدیث ہیں، ہر ایک نیک بات کے شوقین ہیں، مجھے ان لوگوں کا وجود بہت نقیمت معلوم ہوتا ہے اور خدا کا شکر ادا کرتی ہوں، مگر افسوس ہے کہ زیادہ تر یہ سب متعصب ہیں، حالانکہ اہل حدیث کا مقصد اول یہ ہے کہ تعصب پاس نہ رہے، بس تعصب نے ان کو داغ لگایا ہے۔ ورنہ مذہبی خیال سے بکتا خاندان ہے۔ اہل حدیث کے نزدیک چاروں اماموں کی وقعت برابر اور ان کے احکام کی صداقت کا حکم ہے، مگر میں نے دیکھا کہ یہ لوگ اماموں کی منزلت کا لحاظ اکثر بھول جاتے ہیں اور اپنی معلومات کے زعم میں ہیں۔ اصل میں یہ بات کم علمی کی وجہ سے ہے، چونکہ عورتوں ہی سے میرا سابقہ رہا تھا؛ لہذا ظاہر ہے کہ فرقہ اناث ہے، جو علم سے بہت کم تعلق ہے، بس جو حالت ہونی چاہیے تھی ہوتی۔ میری عادت مذہبی معاملات میں مباحثہ کی نہیں ہے، کیونکہ اول تو میں خود اس معاملہ میں ناواقف ہوں اور نہ عالم سے بحث کر سکتی ہوں اور نہ جاہل سے، کیونکہ اگر عالم سے بحث کر دوں تو جذبات میرے ذہن نشین نہیں اور جو جاہل سے بحث کر دوں، تو وہ ہر گناہ سر پر لوں۔ اس لیے مذہبی معاملہ میں مباحثہ سے بہت ڈرتی ہوں، مگر وہ لوگ چونکہ اپنے کو ہر ایک غلام اللہ ہر سمجھتے تھے۔ اس لیے ہر جاہل سے ہر وقت مباحثہ ہوتا اور نہایت، برانہیجہ اس کا نکلتا۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ بغیر رفع یدین اور کھڑے سجدہ کے نماز ہی نہیں ہوتی حالانکہ اہل حدیث کے عالموں نے ہر دو کی اجازت دی ہے۔ ان لوگوں نے نہایت بری خصلت اختیار کی ہے کہ جہلاء کو اپنی روش پر لانا چاہتا ہے۔ یہ تو علم کے اہل

ہونے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ بس سے

گرمیوں میں کتبست واپس ملا!

کارِ طفلان تمام خواہد شد

کا مضمون ہے۔ یہ جاہل درجاہلوں نے اور بھی اہل حدیث کو بدنام کیا ہے، جاہلوں کے چیلوں کی یہاں تک نوبت ہے کہ اماموں کو برا کہنے لگے اور پیغمبروں کو اپنا ہمسر بنانے لگے۔ یہ حالت نہایت ہی افسوسناک ہے۔ اس گروہ کے ایک بڑے رکن ہیں ان کا ملازم ایک روز حرم شریف میں کہنے لگا کہ یہ مصلیٰ اماموں کے نام کے کیوں بنا دیئے ہیں اور اس حنفی مصلیٰ کو تو مجھے ایسا غصہ آتا ہے کہ تو رڈالوں ایک دوسرا حنفی بھی بیٹھا تھا، وہ مارنے مرنے پر مستعد ہوا اور اس نے کہا کہ اگر تم حرم شریف میں نہ ہوتے، تو تمہارا منہ بگاڑ دیتا۔ اس قسم کی بات کہاں تک اسلام میں جائز ہے۔ قرآن پاک میں آیا ہے کہ کفاروں کے معبودوں کو بھی بُرا نہ کہو، ایسا نہ ہو کہ وہ بگڑ کر تمہارے معبود کو برا کہنے لگیں۔ غور کرو کہ پتھروں کی بابت یہ حکم اور رہبران دین کی عمارات اور وہ بھی حرم شریف کا جزا اس کے واسطے یہ احمقانہ الفاظ کہاں تک جائز ہیں۔ افسوس کہ جہلاہر جگہ خرابی پیدا کرتے ہیں۔ ایسی باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ مکہ میں اہل حدیث کا ہر شخص دشمن ہو گیا ہے۔ جہاں تک کلام اللہ سنانے کو رمضان المبارک میں کہیں جگہ نہ ملتی تھی ان میں دو ایک حافظ بھی تھے انہوں نے چاہا کہ ہم بھی اس سعادت میں شریک ہوں، مگر لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم ہرگز وہاں بیوں کو اپنی صفوں میں نہ آنے دیں گے۔ بڑی مشکل سے اس گرمی میں دالان کے اندر کونہ کے چبوترے پر اجازت ملی، تو کوئی قرآن شریف سننے کو نہ آتا تھا۔

اور ہنسوں میں کوا۔ یہ خود ہی پڑھتے تھے اور خود ہی سنتے تھے۔ الحمد للہ

میں بھی اہل حدیث ہوں، مگر خداوند عالم مجھ کو ان خرابیوں سے بچائے، جس سے اسلام کو داغ لگے۔ اہل حدیث کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ مشائخ اسلام کی عزت نہ کرے اور اماموں و انبیاء علیہم السلام کی وقعت نہ پہچان کر دوزخ کی طرف اپنے کو لے جائے، بلکہ اہل حدیث وہ فرقہ ہے کہ چاروں اماموں کے احکام کی وقعت کرنا ہے اور حتی الوسع پختہ احادیث پر چلنے کی کوشش ہمارے علماء تمام بزرگان دین کی عزت کو فرض تسلیم کرتے ہیں۔ ہاں ان کو خدا کے مرتبہ تک پہنچانا اور ان کی قبروں کو معبود بنانے و نیز سولتے خدا، دوسرے کے سامنے سر جھکانے کو شرک، بلکہ کفر خیالی کرتے ہیں یہ

۱۔ بیغالی اہل حدیث حضرات کا محض احترام ہے کہ اہل سنت انبیاء کو خدا کے برابر درجہ دیتے ہیں یا ان کی قبروں کو معبود بناتے ہیں یا قبروں کے سامنے جھک کر تعظیم بجالانے کا حکم دیتے ہیں یہ ۲ ملا علیہ السلام کی کسی تصنیف سے ثابت نہیں ہیں، بلکہ اس کے برعکس اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اہل مقال اور فتاویٰ رضویہ جلد ۴ میں قبروں کے آگے جھکنے کو حرام قرار دیا ہے۔ رہا بیوں کو خدا کے برابر قرار دینا یا قبروں کو پوجنا، تو امت مسلمہ کے بائیس میں یہ گمان سخت گمراہی پر مشتمل ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں پیش گوئی فرمائی ہے کہ مجھ اپنی امت پر شرک کا خوف نہیں، نیز آپ نے دعا فرمائی اللھم لا تجعل قبوری دشنا بعد اے اللہ میری قبر کی پرستش نہ کرانا، لہذا جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ امت مسلمہ شرک اور بت پرستی میں مبتلا ہوگئی، وہ حضور کی پیش گوئی کے صدق اور آپ کی دعا کی استجابت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کی تفصیلی بحث سابقہ ابواب میں گزر چکی ہے، البتہ عالی اہل حدیث اور عقیدت سے محروم وہابی جب اہل سنت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اصحابہ اور انبیاء اللہ کے آثاروں کو تعظیماً بوسہ دیتے ہوئے دیکھتے ہیں، تو اس کو سجدہ عبودیت پر محمول کر کے جھٹ شرک کا فتویٰ لگا دیتے ہیں یا امیر عبدالعزیز بن سعود کو خطاب کر کے کہتے ہیں۔

تو ہم آنے سے بغیر از ساغر دست کہ باشی تا ابد اندر برد دست

سجود سے نیست اے عبدالعزیز اس بردم از ترہ خاک در دست

تو سلطان مجازی، من نصیب ام دلے در کشور معنی امیر ام (ارمغان حجاز)

تو بھی محبوب کے ساغر سے محبت کی شراب پی تاکہ مجھ ہمیشہ کے لیے محبوب کی بارگاہ میں پذیرائی حاصل ہو اے عبدالعزیز بن سعود جس کو تو سجدہ سمجھتا ہے۔ یہ سجدہ نہیں ہے۔ یہ تو میں اپنی پلکوں سے محبوب کے دروازہ کی جاروب کشی کرتا ہوں مانا کہ تو سلطنت حجاز کا امیر ہے اور میرے پاس کوئی ظاہر سلطنت نہیں، لیکن محبت کی مملکت کا میں بادشاہ ہوں جس میں تیرا کوئی حصہ نہیں ہے، علامہ اقبال نے ان اشعار میں محبت رسالت اہلسنت اور خشک اور محبت و عقیدت سے محروم وہابیوں کے درمیان فرق ظاہر کر دیا ہے کہ اہلسنت متعزین بارگاہ الوہیت کی محبت میں جو محض ان کے قرب الی اللہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ آساں بوسی کرتے ہیں اور خشک ابی اس کو سجدہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ قادی غفران

ہم سے علماء ہرگز لابن عبدالوہاب کی روش پر چلنے کا حکم نہیں دیتے، مگر افسوس ہے کہ نیم ملاں خطرہ ایمان ہو گئے اور انہوں نے احادیث جیسی چیز کو بدنام کیا۔ (ابن) عبدالوہاب کے دل میں تو کوئی نہیں گھساتھا اگر وہ فاسد خیالات لکھتا تھا، تو ضرور وہ راہ بھولا ہوا تھا، ہم کو اس سے کیا غرض وہ کوئی نبی نہ تھا، امام نہ تھا، رہا عالم ہونا، تو بہت سے عالم بھی راہ بھول جاتے ہیں اور اپنے علم کے زعم میں اپنے ساتھ دوسروں کا بھی ناس لگاتے ہیں۔ احادیث میں آیا ہے، بہت سے عالم مع اپنے گھروں کے دوزخ کی طرف ہنکالیے جاتیں گے۔

نااہلوں کی حرکات کی وجہ سے لوگوں نے اہل حدیث کو دہائی کا خطاب دیا ہے، لیکن ہم کو اس سے کوئی تعلق نہیں، علماء کو چاہیے کہ ضرور اس خرابی کی طرف متوجہ ہوں اور اصلاح کریں اور بذریعہ وعظ جاہلوں کو راہ پر لائیں، ہر ملت، ہر قوم، ہر طبقہ میں ایسے لوگ جاہل موجود ہوتے ہیں؛ چنانچہ شریف عون کے وقت میں کسی نیم ملانے کوئی کلمہ آنحضرت کی شان میں کہا تھا، وہ کم سخت اپنے کو اہل حدیث کہتا تھا۔ سہ

راحیل صاحبہ اہل حدیث حضرات کے تعصب اور

ابن سعود کی جہالتیں ان کی جارحیت اور جہالت پر تبصرہ کرنے کے

بعد ابن سعود کے شرمناک افعال پر تبصرہ کرتی ہیں۔

جس وقت میں نے سفر نامہ لکھا تھا، تو شریف حسین کا دور دورہ تھا، جس نے اہل حدیث کی مٹی خراب کی تھی اور اب ابن سعود رنگ لاپسے ہیں۔ انہوں نے حنیفیوں کو شکست دینے کے خیال سے توقیر اسلام کو ہی مٹانے کا تہیہ کر لیا ہے۔ کیسے افسوس کی بات ہے کہ تمام نشانات بزرگان دین کے نابود کر دیے، جہاں تک کہ سرور کائنات کی پیدائش کی جگہ کو مسمار کر دیا۔ اس خدا کے بندہ کے دل میں

یہ خوفِ خدا نہ آیا کہ اپنے راہبر کے اس مقامِ متبرک کے پامال کرنے سے کیا دنیا میں سرسبز بیگے ہرگز نہیں، جس طرح آج شریف حسین کا صرف نام نیکی یا بدی سے ہماری زبان پر رہ گیا ہے۔ اسی طرح بہت جلد ابن سعود کی حرکات کو یاد کریں گے، مگر اسلام کے نشانات کیا ایک ادنیٰ شخص کے مٹانے سے مٹ جائیں گے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ اگر ہم ایک کام معمولی اہمیت سے انجام دیتے ہیں، تو اس کی یادگاریں قائم ہوتی ہیں اور اسلام جیسے اہم کام کے بانیوں کے نشان کو مٹا دینا کیا نشانِ ایمان ہو سکتی ہے۔ میں بھی شکر کرتی ہوں کہ اہل حدیث ہوں اور اس بات کو مانتی ہوں کہ ان مقامات پر بدعات اور بعض اوقات شرک (غیر مقلدوں کا خود ساختہ) بھی ہوتا تھا، مگر کیا اس کا تدارک یہ تھا کہ اس جگہ کو بھی مٹا دو۔ نہیں بلکہ شانِ بادشاہت یہ تھی کہ ابن سعود کو رابر دار مقرر کرتے کہ جو شخص خلافِ شرع اور حد سے بڑھے، اس کو تعزیر کر کے خدا کے سامنے پوسے طور پر سرخروئی حاصل کی ہوتی اور بندگانِ خدا کی نگاہ میں بھی وقعت ہوتی۔ اگر ابن سعود ایسا کرتے، تو آج دنیا اسلام ان کے پیروں کو بھی خوش ہوتا، لیکن صد حیف اسلام میں حمیت باقی نہیں رہی ہم اپنے اعجاز کو خود پائمال کرتے ہیں۔

احادیثِ شریف سے قبور گنبد اگر نا جائز ثابت ہوتے ہیں (کسی حدیث صحیح میں قبور گنبد بنانے کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ بکثرت فقہاء اسلام نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے) (قادری) مگر میلاد النبی یا میلاد فاطمہ وغیرہ کے گنبد توڑنے سے کیا حاصل۔ اس کا تو شرع شریف میں کہیں حکم نہیں ہے۔ ان کا قول ہے کہ اس جگہ کا ثبوت نہیں ہے کہ یہ مولد النبی یا حجرہ عائشہ صدیقہ کا ہے، تو مکہ میں کسی جگہ تو ضرور حجرہ عائشہ صدیقہ اور مولد النبی ہوگا۔ اس جگہ کو تلاش کرنا تھا۔ علاوہ اس کے یہ ہی کیا ثبوت ہے کہ اس جگہ پر مولد النبی یا مولد فاطمہ نہیں ہے۔ مولد فاطمہ میں تو میرے جانے کے

وقت غزبار کا مدرسہ تھا، جس کو اسلام صدقہ جاریہ کہتا ہے، لیکن اس کو بھی برباد کیا
 میں ہرگز اس بات کے ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ ابن سعود کی یہ حرکتیں فی سبیل اللہ
 یا حکم شرع کی بنا پر ہیں نہیں۔ وہ محض ملیت کے تعصب سے منطوب ہوئے ہیں
 ورنہ کلام مجید کی نص صریح سے کہ کفار کے معبودوں کو ان کے سامنے برانہ کہو کہیں
 تمہارے معبود کو وہ برا کہتے نہ لگیں، بلکہ ان کی غلطیاں ان پر آساں اور علم سے
 ثابت کر دو پھر بتائے گا کہ جب بتوں کو برا کہنے سے اسلام روکتا ہے، تو بزرگان
 دین کے واسطے گستاخی کہاں تک جائز ہے۔

ہم کو افسوس ہے کہ ہمارے محترم بزرگ مولانا محمد علی صاحب اور نواب صدیق
 جنگ بہادر عرب کو گئے اور اس باسے میں کچھ کر کے نہ آتے، مجھ کو پوری امید تھی
 کہ یہ لوگ ابن سعود کو ضرور تعصب سے بچنے پر مجبور کریں گے۔ خاص کر علماء لوگ
 تو جا کر ان سے احادیث کی رو سے بحث کر کے قائل کر سکتے ہیں (علماء نے ابن سعود
 کو قائل تو کر لیا تھا، لیکن ابن سعود ان سے قبول اور مقامات مقدسہ کی حفاظت
 کے بہیم وعدہ اور مستحکم عہد کرنے کے بعد ان سے پھر گیا اس کا کیا علاج؟ قادری مغل
 لیکن میرے عمومی صاحب محترم صدر الصدور امور مذہبی حیدرآباد دکن۔ ایسا عالم شخص
 جا کر ابن سعود کو راہ راست پر نہ لاسکا، تو سوائے اس کے کہ ہم اسلام کی کمزوری پر
 آٹھ آٹھ آنسو رو کر صبر کریں اور کچھ چارہ نہیں ہو سکتا۔
 آگے چل کر لکھتی ہیں :-

ابن سعود نے وہ سختی اور وہ بے رحمی برتی ہے کہ ہر مسلمان کا دل بہت دکھ
 گیا، بلکہ ناسور ہو گئے ہیں۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ ہمارے باپ دادا کا بنایا
 ہوا کچا گھر ہوتا ہے۔ اس کی ہم کیسے حفاظت کرتے ہیں اور اس کی ایک مٹی مٹی پر ہر دم
 اپنی جان دیتے ہیں اور مرنے مارنے پر تیار رہتے ہیں، پھر یہ مقامات ہمارے نگاہوں

میں کیوں وقعت نہیں رکھیں گے کہ جب اپنے قدیم آبائی مکان کی حفاظت ہم صرف
 اسی لیے کرتے ہیں کہ ہمارے دادا پاپہ دادا کے ہاتھ کی نشانی ہے۔ یادگار تو ہر
 مذہب خواہ عیسائی ہو، یہودی ہو اسلام ہندو آتش پرست ہر ایک قوم میں ضروری
 سمجھی جاتی ہے۔ آج ابراہیم خلیل اللہ کی صرف یادگار قائم رہنے کی بنا پر ہم پر حج فرض
 ہوا، ورنہ کیا ضرورت تھی کہ ہم مٹی کے بنائے ہوئے ستوں پر کنکری مار کر کہیں
 کہ شیطان کو مارنے جاتے ہیں۔ سعی کیوں لازمی ہوئی۔ طواف کس واسطے ضروری
 ہے۔ یہ سب نشان اسلام قائم رکھنے کو برقرار رکھا گیا۔ یہ سچ ہے کہ سرور کائنات
 ایک درخت سے پیٹھ لگا کر بیٹھے تھے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے
 وہ درخت کاٹ دیا گیا۔ جب امیر المؤمنین سے وجہ دریافت کی گئی، تو انہوں نے
 فرمایا۔ مجھ کو خوف ہے کہ لوگ کہیں اس کو پوجنے نہ لگیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا
 ہے کہ پوجنے کا خوف اس کے کاٹنے پر حاوی ہوا، مگر بادشاہ یا خلیفہ کس واسطے
 ہے۔ محض اس لیے کہ ان سب باتوں کی حفاظت کرے، کسی کو حد شرع سے نہ
 بڑھنے دے۔ اگر ابن سعود اس کی طاقت نہیں رکھتے کہ لوگوں کو بدعت اور شرک
 ادہابیوں کا خود ساختہ (سعیدی) سے روک سکیں، تو وہ ہرگز مکہ معظمہ کا حاکم کہلاتے
 کا مستحق نہیں۔ اس کو فوراً کنارہ کرنا چاہیے۔ ہم ہرگز نشانات اسلام مٹانے کو
 اور مؤمنین کا دل دکھانے کے واسطے ابن سعود کو حاکم بنانے کو تیار نہیں ہیں کیونکہ
 کا حاکم خدا ہے۔ بادشاہی کا پہلا فرض شان اسلام کو قائم رکھنا ہے۔ اگر یہ نہیں تو
 ہرگز ہم کو حاکم کی ضرورت نہیں اگر تمام نشانات اسلام، سمار کر دیا، تو تم حفاظت
 کس چیز کی کرو گے۔ میں یقین دلاتی ہوں۔ اگر ابن سعود نے اپنی بے جا حرکتوں سے
 توبہ نہ کی تو چند روز کی ہوا ہے۔ ہرگز وہ قائم نہیں رہ سکتے۔ (ابن عبد الوہاب
 نے اسلام کے ساتھ سرکشی کرنے کا بیڑہ اٹھا یا آج اس کا نشان دنیا سے نیرت و

تا بود ہے، نیز اہل حدیث کو کوئی دہائی کہتا ہے، تو اس طرح برامانتے ہیں۔ جیسے شیخہ رافضی کہنے سے صرف اس لیے ہماری نگاہ میں (ابن) عبدالوہاب کی وقعت اس نے عمائدین اسلام کی شان میں گستاخیاں کیں اس وجہ سے دنیا میں پھلا پھولا نہیں ہم اہل حدیث گروہ کو بے شک بندہ کو خدا بنانے کا حکم نہیں (الحمد للہ مسلمانوں میں کوئی شخص بندہ کو خدا نہیں بنانا یہ محض اہل حدیث حضرات کا افتراء ہے (تادیب) مگر محنت کسی قدر کیسے نہ کریں گے۔ کوئی معمولی شخص اگر معرکہ کا کام کر جائے، تو عمر بھر اچھے الفاظ میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ فلاں شخص نے یہ کیسا بڑا کام کیا، پھر خدمت گزار اسلام کی وقعت ہمارے دل میں کیسے نہ ہوگی۔ کہ انہوں نے وہ کار نمایاں کیے ہیں۔ س۔

ترکوں کی خدمات پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے،
ترکوں کی یاد
راجیل صاحبہ لکھتی ہیں۔

میں نے دیکھا ہے کہ ترکوں کا یہاں بہت اثر ہے۔ حکومت کا ذرا ذکر کرو، تو ہر کس زار نزار رونے لگتا ہے اور ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعا کرتے ہیں کہ خداوند کریم جلد ترکوں کا بول بالا کرے، وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو پرواہ نہیں کہ ہمارا بچہ بچہ مارا جائے، مگر ترکوں کی سلطنت حرمین میں ہو جائے۔ بات یہ ہے کہ ترک ہر خادم حرم کو صرف خاص سے تنخواہیں دیتے تھے اور اہل بدینہ میں کوئی ایسا ہوگا، جس کا تعلق حرم سے نہ ہو، اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ ہر گھر میں کسی نہ کسی کو ضرور ترکی سے تنخواہ مقرر تھی اور بعض تو چین کرتے تھے۔ اب حالت یہ ہے کہ فوج کے سپاہی اور پولیس کے لوگوں کو بھی سال ڈیڑھ سال سے پیسہ نہیں ملا، یہاں کارسکاری اور غیر سرکاری ہر فرد بشر شریف حسین کو بد دعا سے یاد کرتا ہے۔ کیا کرے مرزا کیا نہ کرتا، یہاں

کے خواجہ سراؤں کو آپ دور سے دیکھیں، تو سفید پوش معلوم ہوتے ہیں اور
 قریب جا کر دیکھو تو کسی گئی پیوندان کے جسد میں نظر آئیں گے۔ ل

اقبال کا پیغام ابن سعود کے نام

تو ہم آل سے بگیر از ساغر دوست کہ باشی تا ابد اندر بر دوست
 جو سے نیست اے عبدالعزیز ایں برو ہم از مژدہ خاک در دوست

تو سلطان حجازی من فقید ام ولے در کشور معنی امیر ام
 جہانے کو ز تخم لا الہ است بیا بنگر باغوشش ضمیر دم

سراپا درو درماں نا پذیرم نہ پنداری زبوں و زار پیرم
 ہنوزم در کمانے سے توں راند ز کیش ملتے افتادہ تیرم

بیا باہم در آویزم و قصیم ز گیتی دل بر انگیزیم و قصیم
 یکے اندر حریم کوچہ دوست ز چشماں اشک خوں ریزم و قصیم

تیرا اندر بیابانے مقام است کہ شامش چوں سحر آند نام است
 بہر جائے کہ خواہی نیم گستر طناب از پیکراں جہتس حرام است

مسلمانیم و آزاد از مکانیم بروں از حلقہ نہ آسمانیم
 ہماں موختند آل سجدہ اکڑے بہائے ہر خداوندے برانیم

د افرنگی صنم بیگانہ تر شنو کہ پیمانش نمی ارزو بہک جو
 نگاہے و نام کن از چشم فارق قدم بے باک نہ در عالم نو

باب

شاہ سعود کا دورِ حکومت

۹ نومبر ۱۹۵۳ء کو ابن سعود کی رحلت کے بعد شاہ سعود تخت نشین ہوا۔ ابن سعود کے دور حکومت میں امیر فیصل وزیر خارجہ تھے۔ سعود نے بادشاہ ہونے کے بعد فیصل کو نائب وزیر اعظم بھی بنا دیا۔ ۱۹۵۸ء میں شاہ نے امیر فیصل کو وزیر اعظم بنا دیا۔

۱۹۵۹ء میں امیر فیصل نے نائب وزیر اعظم کی حیثیت سے بھارت کا دورہ کیا۔ بھارت میں امیر فیصل کا

امیر فیصل کا دورہ بھارت

شاندار استقبال کیا گیا۔

روزنامہ نوائے وقت لکھتا ہے:

بھارتیوں نے امیر فیصل کے استقبال میں بھارت سعودی عرب زندہ باد، راجہ مار سعودی عرب زندہ باد کے نعرے لگائے۔ امیر فیصل نے بھارت میں قیام کے دوران میں ڈاکٹر راجندر شاد، ڈاکٹر ادھاکشن اور پنڈت ہنرو سے ملاقاتیں کیں اور راج گھاٹ پر مہاتما گاندھی کی سادھی پر پھول چڑھانے گئے، نیز ایک گاؤں رتن گڑھ میں تشریف لے گئے، جہاں دیہات سد بار کا گاؤں دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئے کہ وہیں دس ہزار روپے کا عطیہ عنایت فرما دیا۔

یاد رہے کہ جو شخص مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی جالیوں کو چومنے کی کوشش کرتا ہے یا جنت البقیع کی مقدس قبروں کو ہاتھ لگانے کی کوشش کرتا اس کو نجدی سپاہی کوڑوں سے پیٹتے ہیں، کیونکہ اس سے توحید میں فرق آتا ہے اور مسلمانوں کے دشمن اور بدترین مشرک گاندھی کی سادھی پر پھول چڑھانے سے شاید توحید

(بحوالہ تاریخی حقائق ص ۱۲) روزنامہ نوائے وقت ۱۱ مئی ۱۹۵۵ء

میں فرق نہ آتا ہوگا۔ ۱۹۷۳ء میں جب شاہ فیصل پاکستان کے دورے پر آئے، تو انہوں نے حضرت داتا دربار جاکر فاتحہ پڑھی، نہ قائد اعظم کے مزار پر جا کر ایصالِ ثواب کیا۔

۱۹۵۵ء کے اخیر میں شاہ سعود نے بھارت
شاہ سعود کا دورہ بھارت
 کا دورہ کیا۔ ہندوستان کا اخبار سیاست اس دورہ

کی بعض تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

”شاہ سعود جب ہندوستان میں آئے، تو شملہ سے آٹھ میل دور آپ نے ہماچل پردیش کے لوگوں کا پیش کیا ہوا لوک ناچ کا ایک پروگرام دیکھا اور جناب صدر معزز وزراء خواتین اور راجندر پرشاد کے جواب میں شاہ سعود نے تقریر فرمائی۔ مدرسہ دیوبند کو پچیس ہزار روپیہ دیا اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ ہندوستان اور سعودی عرب کے اتحاد اور دوستی کے رشتے ہمیشہ مضبوط رہیں گے“۔

بھارت کے شاندار استقبال اور روح پرور تقریبات سے مسرور ہو کر شاہ سعود نے حکومت بھارت کو مسلمانوں کو امن سے رکھنے کی سند عنایت فرمادی۔

روزنامہ کوہستان شاہ سعود کا بیان نقل کرتا ہے۔

میں بھارتی مسلمانوں کے حالات سے مطمئن ہوں ان کے ساتھ منصفانہ برتاؤ ہو رہا ہے۔

جن دنوں شاہ سعود بھارت کے دورے پر گئے ہوئے تھے، ان دنوں مکہ ٹیلیو سے شاہ سعود کے دورہ کی کٹری نشر ہو رہی تھی۔ بھارت میں شاہ سعود کے اعزاز میں دیئے جانے والے جلسوں، دعوتوں اور تقریروں کا خلاصہ بیان ہوتا تھا اس موقع کا ایک خاص قابل ذکر پروگرام کا ذکر روزنامہ غریب لائلپور سے سینے۔

(۱) بحوالہ تاریخی حقائق ص ۱۳ (روزنامہ سیاست کا پور ۲ دسمبر ۱۹۷۳ء بحوالہ تاریخی حقائق ص ۱۳) روزنامہ

کوہستان ۲۵ دسمبر ۱۹۷۳ء بحوالہ تاریخی حقائق ص ۱۳ (روزنامہ غریب لائلپور ۲۳ جنوری ۱۹۷۴ء)

کنٹری کے پہلے اور بعد اور درمیان میں جو موسیقی پیش کی جاتی ہے وہ ہندوستانی فلموں کے گیتوں کی موسیقی ہوتی، جس میں خالص ہندوانہ مذہبی فلموں کی دھنیں بھی شامل ہوتی تھیں اور آرٹھی وغیرہ کے پس منظر میں ساز بھی بجاتے تھے۔

سطوت توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذر برہمن ہو گئیں

شاہ سعود نے بھارت سے روانگی کے وقت
ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال

پنڈت ہنرو کا دورہ سعودی عرب

ہنرو کو سعودی عربیہ آنے کی دعوت دی؛ چنانچہ ستمبر ۱۹۵۶ء کے اخیر میں پنڈت ہنرو نے سعودی عربیہ جانے کی تیاری شروع کر دی۔

پنڈت ہنرو کے استقبال کے لئے جس تڑک و احتشام میں سعودی عرب میں تیاریاں ہو رہی تھیں ان کے بارے میں روزنامہ امروز لکھتا ہے۔

سعودی عرب میں پنڈت ہنرو کی مدارات کا ایسا انتظام کیا جا رہا ہے جو الفت لیلہ کے جاہ و جلال کی یاد کو تازہ کر دے گی۔ ہر روز ظائف کے باغوں سے گلاب کے تازہ پھول طیارہ کے ذریعہ ان محلات میں لائے جائیں گے جہاں ہنرو قیام کریں گے۔ وزیر اعظم اور ان کی پارٹی کے لئے شاہی نوشہ خانوں میں خاص انتظامات کئے جا رہے ہیں۔ ہوا کی مستقر سے ریاض میں شاہ سعود کے نہایت پر شکوہ محل تک ہنرو کو جلوس کی صورت میں لے جایا جائے گا، جس کی پیشوائی شاہ کا محافظ اور موٹر سائیکلوں پر سوار فوجی کریں گے۔ تمام شاہراہوں کو بھارتی اور سعودی پرچموں سے مزین کیا جائے گا۔

روزنامہ کوہستان نے پنڈت ہنرو کے استقبال کی رپورٹنگ کرتے ہوئے لکھا:

روزنامہ البلاد السعودیہ نے پنڈت جواہر لال ہنرو کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اپنے ادارے میں ”بھارتی ہنرو کو عرب میں خوش آمدید“ میں لکھا ہے کہ ”سعود عرب ایک

(کوالہ تاریخی حقائق ص ۱) لہ روزنامہ امروز لاہور ۲۱ اگست ۱۹۵۶ء

رہنا کو خوش آمدید کہنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ مسٹر نہرو ایک ایسی شخصیت ہیں جو ہمیشہ پر امن اور دانشمندانہ پالیسی کے قائل رہے ہیں۔ آخر میں اس اخبار نے دعا کی ہے کہ امن کا یہ داعی ہزاروں برس جئے "شاہ سعود کی موثر اسلامی کے سیکرٹری کرنل انور السادات نے بھی سرکاری طور پر روزنامہ "الجہوریہ" میں پنڈت نہرو کو "ایشیائی فرشتہ بنایا" ہے۔ یہ اخبار لکھتا ہے کہ اسے ایشیا کے فرشتہ تم پر سلامتی ہو۔ آگے چل کر کرنل سادات لکھتے ہیں۔ مسٹر نہرو کی نرم اور ملائم آواز توپوں کی گرج سے کہیں زیادہ بااثر ہے، کیونکہ یہ سچائی کی علمبردار ہے۔

روزنامہ جنگ اپنی ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶ ستمبر ۱۹۵۶ء

پنڈت نہرو کی ریاض میں آمد

کی اشاعتوں میں لکھا ہے۔

سعودی عرب میں نہرو کا مرحبا نہرو رسول السلام رائلے امن کے پیغمبر ہم تیرا خیر مقدم کرتے ہیں، اور جے ہند کے نعروں سے استقبال کیا گیا۔ سعودی عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ نہرو کے استقبال کے لئے سجدی عورتیں بھی موجود تھیں۔ یہ خواتین ٹرکوں اور کیڈلاک کاروں میں بیٹھی ہوئیں مسٹر نہرو کو نقابوں سے جھانک جھانک کر دیکھ رہی تھیں۔ ریاض پہنچنے پر شاہ سعود نے نہرو کو گلے لگایا۔

سرزمین حجاز پر پہلی مرتبہ بھارتی ترانہ "جانانا گا نا بجا یا" گیا۔ پنڈت نہرو جب سعودی عرب کے دار الحکومت ریاض پہنچے، تو جن میں شاہ سعود، سعودی شہزادے، وزیر اور سعودی فوج کے اعلیٰ افسر شامل تھے، نہرو کا استقبال کیا اور ایک فوجی افسر نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ اس کے بعد نہرو ایک کھلی کار میں شاہ سعود کے محل روانہ ہو گئے۔ راستے میں سڑک پر دونوں طرف کھڑے ہزاروں افراد نے نہرو کو دیکھ کر زندہ باد کے نعروں لگائے۔ چوبیس ستمبر کی رات کو شاہی محل اکھرا میں شاہ سعود نے نہرو کے اعزاز میں شاہی ضیافت دی۔ اس کمرے کو رنگارنگ روشنیوں سے سجایا گیا تھا، جب نہرو کمرے میں داخل ہوا، تو شاہ سعود نے آگے

(بحوالہ تاریخی حقائق ص ۱۰) ۱۷ روزنامہ کوہستان لاہور ۲۵ ستمبر ۱۹۵۶ء

بڑھ کر ان کی شہزادانی کے کاج میں سرخ رنگ کا ایک گلاب چھک دیا۔

دہران میں سعودی عرب کے گورنر نے ہنرو کی خدمت میں ایک

سپاسنامہ

سپاسنامہ پیش کیا گیا جس میں کہا گیا کہ پنڈت ہنرو اور ان کی حکومت نے اسلام اور مسلمانوں کی دوستی اور ان کے مفادات کے تحفظ کے لئے جو شاندار خدمات کی ہیں سعودی عرب کے لوگ ان کی قدر کرتے ہیں اور انہیں ہنرو پر فخر ہے۔ نینر کہا گیا کہ پنڈت ہنرو دنیا کی عظیم ترین شخصیتوں میں شمار ہوتے ہیں۔ بھارتی سفیر نے اس موقع پر کہا اس دورہ سے ظاہر ہے کہ ہنرو اور شاہ سعود کو ایک دوسرے سے کتنی عقیدت ہے۔

بھارتی وزیر اعظم ہنرو کو ریاض میں ایک سکول

بچوں میں گیتا بچلی کے بھجن

میں لے جایا گیا جس میں سعودی عرب کے شہزاد

بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں، جب ہنرو اس اسکول کے ایک کمرہ میں داخل ہوئے، تو انہیں یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ طلباء "گرو دیو ٹیگور" کی گیتا بچلی کے بھجن مل کر گارے سے تھے جو اسکول کے نصاب تعلیم میں شامل ہے۔

جب ہنرو ایک اور کمرے میں پہنچے، تو طلباء

سعودیوں کا ہنرو پر بھروسہ

نے ان کا استقبال عظیم گاندھی کے جانشین کا

نعرہ لگا کر کیا، انہوں نے یہ نعرہ بھی لگایا کہ "عربوں کا غیر متنازعہ دوست"۔

پنڈت ہنرو نے بھی یہاں مسٹر گاندھی کا پر و پیگنڈا کیا۔ اس اسکول میں شاہ سعود کے

بھائی سٹام نے ہنرو کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا آپ امن کے ہیرو۔ اور جدوجہد آزادی میں حصہ لینے والے لیڈروں کے قائد ہیں، نینر کہا کہ ہنرو ایک ایسا مضبوط ہاتھ ہے جس پر عرب بھروسہ کر سکتے ہیں۔ شہزادے نے کہا آپ عرب نہیں لیکن ہمارے بھائی ہیں۔

شاہ سعود نے پنڈت جوہر لال ہنرو کو نئے

جانبین سے محبت کا مظاہرہ

ماڈل کی سات نشستوں والی ایک کیتلاک

کار کا تحفہ دیا، اس کے علاوہ سونے کی ایک جلیبی گھڑی اور دو عرب پوشاکیں بھی دیں۔ اور نہرو نے شاہ سعود کو راجھستان کا بنا ہوا پتیل کا ایک لیمپ دیا جس پر قرآن مجید کی ایک آیت کندہ ہے اور عرب شہزادوں کو نہرو نے ایرکنڈیشنڈ ریڈیوسٹ اور بھارت کی بنی ہوئی سلائی کی مشینیں دیں۔

بہرو کے دوہ سعودیہ پر ہندوستانی اخبارات کا رد عمل

ہندوستان کا ایک
سہ روزہ دیونیدی اخبار

مدینہ بجنور نے ۵ اکتوبر ۱۹۵۶ء کے ادارہ کا عنوان لکھا "مرحبا نہرو رسول السلام"

اخبار مذکور اپنی یکم نومبر ۵۶ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:-

وزیر اعظم بہرو کے دورہ سعودی عرب کے مقدس موقع پر حیدرہ میں مولانا اکرم علی نے وزیر اعظم کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا جس کے بعض اقتباسات یہ ہیں "محترم وزیر اعظم ہم ایک ایسی سرزمین پر آپ کا استقبال کرتے ہوئے بہت مسرور ہیں، جس کی نگرانی ایک ایسی محترم ذات کے ہاتھ میں ہے جو ہمارا مذہبی امام اور خلیفۃ المسلمین ہے۔ ہم آپ کی محبوب ترین شخصیت پر فخر کرنے آئے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ آپ ہمارے عظیم ترین رہنما کی حیثیت سے ہمیشہ زندہ سلامت رہیں۔ محترم پنڈت جی ہمیں آج آپ کے احسانات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بڑی خوشی محسوس کرتے ہیں۔"

محترم رہنما پنڈت جی! ہم آپ کے استقبال اور خوش آمدید کہنے کے لئے جو کچھ بھی کہیں یا کریں وہ سب آپ کی عظیم ترین شخصیت کو دیکھتے ہوئے کم ہے۔ ہم آپ کی ذات پر فخر کرتے ہوئے آپ کو برکت و سلامتی کا پیغامبر سمجھتے ہیں۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم سب مل کر یہاں اپنے محبوب ترین لیڈر کی آمد کی یادگار قائم کریں۔ عالی جناب وزیر اعظم مبارک باد۔ اے عظیم شخصیت کے مالک۔ عرب ہندوستان زندہ باد۔ شاہ سعود زندہ باد، جو اہر لال نہرو زندہ باد۔

بھارت کے ہندو اخبار تیج کے ادارہ میں خوش آمدید پیغمبر امن کے تحت حسب ذیل جملے بھی موجود ہیں۔

(۱) پردھان منتری شری جواہر لال نہرو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں پہنچے، تو ان کا استقبال پیغمبر امن کے نعروں سے کیا گیا۔

(۲) اگر ہم غلطی نہیں کرتے، تو اسلام کے معنی امن کے ہیں سلامتی کے ہیں۔ پیغمبر اسلام کے معنی بھی امن و سلامتی کے پیغمبر ہیں۔

(۳) پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ملک باسیوں نے پنڈت جی کی عزت افزائی کے لئے وہی لفظ منتخب کیا جس پر اسے ناز ہے جس کی وجہ سے دینائے اسلام میں عرب دلش کی عزت ہے۔

(۴) پنڈت جی کے اس دورہ کا نتیجہ کیا ہوگا۔ یہ تو وقت بتائے گا، مگر اس سے کفر اور کافر کے فلسفہ میں تبدیلی ہوگئی ہے۔

پاکستانی اخبارات و رسائل کا ردِ عمل

سکھر۔۔۔۔۔ یہاں میونسپل مسافر خانے میں ایک بہت بڑا جلسہ عام منعقد ہوا،

جس میں نہرو کو سعودی عرب میں ”رسول اسلام“ کہنے پر شدید احتجاج کیا گیا اور لوگوں نے شاہ سعود اور حکومت سعودی عرب کے خلاف نعرے لگائے۔ جلسہ عام آل پارٹیز کانفرنس کے تحت ہوا۔

روزنامہ کوہستان لکھتا ہے:-

ہم شاہ سعود سے پوچھتے ہیں کہ کیا پنڈت نہرو کا دورہ ترتیب دیتے ہوئے انہوں

(بحوالہ تاریخی حقائق ص ۲۳) ۱۷ سہ روزہ مدینہ بجنور ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۶ء

(بحوالہ تاریخی حقائق ص ۲۵) ۱۷ روزنامہ تیج دہلی، ۲ اکتوبر ۱۹۵۶ء

(بحوالہ تاریخی حقائق ص ۵۲) ۱۷ روزنامہ زمیندار ۲ اکتوبر ۱۹۵۶ء

نے یہ نہیں سوچا کہ وہ کس شخص کو اس مقدس سرزمین میں آنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ اس شخص کو جس کی قوم اور جس کی حکومت کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں، جس کے جیب و دامان پر ناموس رسالت کی بے حرمتی کے دھبے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ سعودی عرب کے آسمان پر اسلام کا آفتاب گہنا چکا ہے اور وہاں حضرت عمر کی حکومت نہیں ہے، جن کے دور میں سعودی عرب کیا پورا جزیرہ الغرب میں کوئی کافر اور مشرک قدم نہیں رکھ سکتا تھا، لیکن ہمیں یہ نہیں معلوم تھا کہ آل سعود کی دینی غیرت اتنی بے حس ہو چکی ہے کہ وہ مسلمانوں کے دشمن کو اسلام کے گہوارے میں بلا کر سینے سے لگائیں گے۔ شاہ سعود کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ وہ جس سرزمین پر حکومت کرتے ہیں وہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے متبرک ہے۔

اس پر مسلمانوں کی ایک بدخواہ حکومت کے وزیر اعظم کا اترتے پھرنادینا کے ۲۰ کروڑ مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے کے مترادف ہوگا۔

ایک اور اشاعت میں روزنامہ کوہستان لکھتا ہے:-

آل سعود نے پہلی مرتبہ خالص سیاسی مصلحتوں کے تحت ایک بت پرست قوم کے نمائندے کو ریاض بلایا اور اس کے استقبال کے لئے خواتین اور بچوں کو ساتھ لے گئے اور ان سے جیسے ہند کے نعرے لگوائے۔ سعودی عرب کا یہ فعل برابر بدعت ہے، جس کی کوئی مسلمان بھی حمایت نہیں کر سکتا۔ عجیب بات ہے کہ جن حکمرانوں نے صحابہ کی نچتہ قبریں اور قبۃ تک اس لئے ڈھادیئے ہوں کہ وہ ان کی نظر میں اسلام کی تعلیمات کے منافی تھے۔ وہی حکمران آج اپنی سیاسی مصلحتوں کے لئے ایک ایسے شخص کو حجاز میں مدعو کر کے استقبال کرنے میں جو بت پرستوں کا نمائندہ ہے اور اسلام کے ہر کتبہ بخیاں کے علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ کوئی بت پرست اسلام کے اس گہوارے میں قدم نہیں رکھ سکتا۔

(بحوالہ تاریخی حقائق ص ۵۲) ۱۵ روزنامہ کوہستان ۲۴ ستمبر ۱۹۵۶ء

(بحوالہ تاریخی حقائق ص ۵۲) ۱۵ روزنامہ کوہستان ۲۰ ستمبر ۱۹۵۶ء

روزنامہ کوہستان ہی لکھتا ہے :-

آج عربوں کے امیر المومنین کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ وہ اسلام کے بنیادی معتقدات سے انحراف کرنے لگا ہے، قرآن حکیم کا یہ واضح حکم ہے انما المشرکون نجس فلا یقرّبوا المسجد الحرام بعد عامہم ہذا (مشرک ناپاک ہیں اور انہیں اس سال کے بعد مکہ معظمہ کے قریب نہ پھٹکنے دینا۔

اور شاہ سعود پنڈت ہنر و کوسر زمین مقدس پر سیر سپاٹہ کر رہے ہیں، اب یہ معلوم نہیں کہ شاہ سعود کے نزدیک پنڈت ہنر و مشرک کی تعریف سے بالاتر ہیں یا ان کا خیال ہے کہ مشرک کو مکہ معظمہ کے بالکل قریب نہیں آنا چاہیے، اسے کسی قدر دور رکھ کر گھما پھرا دیا جائے، تو کوئی مضائقہ نہیں، بہر حال قرآن پاک کا یہ مفہوم ایسا ہی ہے جو شاہ سعود پر ہی منکشف ہوا۔

شاہ سعود و پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس روایت کو توڑا اور صنم خانے کے ایک پاسبان کو ارض کعبہ پر بلایا اور صرف بلایا ہی نہیں، بلکہ خلاف روایا اس انداز سے اس برہمن بچے کا استقبال کیا۔ استقبال کے وقت جو نعرے بلند کئے گئے، ان میں ایک نعرہ دنیا کے اسلامی حلقوں میں خاص طور پر قابل اعتراض سمجھا جا رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ پنڈت جی کو رسول اسلام کہا گیا ہے جس کے معنی پیغمبر اسلام کے ہیں۔ پنڈت ہنر و کے حالیہ دورے سے یہ تاثر بھی شدت اختیار کرتا جا رہا ہے کہ سعودی مملکت جو اسلام کے نام پر قائم ہوئی تھی، محض نام کی اسلامی حکومت ہے اور اس کا طرز عمل ازمنہ وسطہ کی عیسائی کیوکریٹیک حکومتوں سے قطعاً مختلف نہیں، جو مذہب کے نام پر لوگوں کا ناجائز استحصال کرتی تھیں۔

ایک اور اگلی اشاعت میں کوہستان نے لکھا :-

ارے! صاحب ابھی تو شروعات ہیں۔ کعبہ اور بیت خانہ کو ہم دوش کرنے کے

(بحوالہ تاریخی حقائق ص ۵۵) ۱۷ روزنامہ کوہستان لاہور ۲ اکتوبر ۱۹۵۶ء

لئے شاہ سعود اور نیڈر ہنڈ جو کوششیں کر رہے ہیں۔ اس میں برہمن کا تو کچھ نہیں جائے گا، البتہ مؤجد جو بت شکنی میں سبک دست ہوتا ہے، اس کے مصلحت شناسی اور رو باہی آجائے گی اللہ اکبر: ایک دور وہ تھا، جب علامہ ابن عبدالوہاب کے نام لیوایہ نعرہ لگاتے تھے کہ ہمارے لئے قرآن و حدیث کافی ہیں۔ اب وہ گیتا بخلی پڑھتے اور پڑھتے ہیں یہ دیکھ کر نیڈر ہنڈ کو کتنی مسرت ہوئی ہوگی وہ کیوں نہ خوش ہوں وہ کہتے ہوں گے کہ بھارت کے مسلمانوں کو ہندو ہزار سال سے اپنا مذہب پڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن وہ پڑھتے نہیں دیتے اور میرے سعودی عرب کے ایک دورے سے عربوں کی نئی نسل میں گیتا بخلی سننے کا ذوق شوق پیدا کر دیا سعودی عرب کے اس تجربے کے بعد عجب نہیں کہ بھارت کے مسلمانوں کو حکم ہو جائے کہ تم اپنی مسجدوں میں آشوب بھی سنایا کرو۔

ابراہیم جلیس متوفی ۱۹۷۸ء لکھتے ہیں :-

قاطع بدعات و مناہی مقلد ابن عبدالوہاب نجدی
محافظ حرمین شریفین جلالة الملك شاه سعود کے نام!

فدایان رسول و مالیمان اسلام کا پیغام

جلالة الملك اللہ آپ کو محبت رسول دے

خدا معلوم آپ کو معلوم ہے یا کہ نہیں کہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں نے ۱۹۴۷ء میں پاکستان کے نام سے ایک الگ ملک بنالیا تھا۔ اس نوزادہ ملک کے بنتے ہی دشمنان اسلام و مسلمین نے مسلمانان ہند کو اپنے ترغے میں لے لیا تھا اور پھر ان کا قتل عام شروع کر دیا تھا؛ چنانچہ ہندوستان سے مظلوم مسلمانوں نے اپنے آبائی وطن اور گھروں سے بھاگ بھاگ کر مرتے گرتے بجانے کیا کیا مصائب برداشت کرنے کے بعد پاکستان میں سکونت اختیار کر لی۔ لیکن اس کے باوجود اب بھی ہندوستان میں پانچ کروڑ مسلمان موجود ہیں، یہاں نہ ان کی

جانیں محفوظ ہیں نہ ان کی عورتوں کی عصمتیں۔

لیکن ابے کلید بردار مرم!

جب آپ اچھلے دنوں ہندوستان کے سرکاری دورے پر آئے، تو ان حالات کے باوجود آپ نے ہندوستانی حکومت کو یہ سند شاہی عطا فرمادی کہ:-

میں بحیثیت محافظ الحرمین الشریفین اس بات سے مطمئن ہوں کہ ہندوستان میں مسلمان امن و سکون میں اور ان کی جانیں محفوظ ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

یقین کیجئے شاہ!

آپ کی اس سند شاہی کی تشہیر کے بعد ہمیں محمد شاہ رنگیلے کے فرمانین بے ساختہ یاد آگئے تھے اور ہم یہ بھی سمجھ گئے تھے کہ ترک کی مسلمان قوم آپ اور آپ کی حکومت سے کیوں غیر مطمئن رہی ہے۔ اس واقعے کے بعد آپ نے ایک غیر مسلم سربراہ مملکت کو سرزمین حجاز مقدس کے سرکاری دورے کی دعوت دی اور ۲ ستمبر ۱۹۵۶ء کو بھارت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو جب آپ کے دار الخلافہ ریاض پہنچے، تو آپ کی حکومت کے اکٹھے کئے ہوئے عوام نے یا رسول السلام نہرو کے شرمناک نعروں سے ان کا استقبال کیا تھا اس استقبال کرنے والوں میں عرب کے وہ قبائلی بدو اور عورتیں بھی شریک کئے گئے تھے۔ جو کسی دشمن اسلام فرد یا قوم کے لئے اپنے دلوں میں جذبات احترام نہیں رکھتے پھر سب سے بڑا جہاد تو آپ جیسے قاطع بدعات نے کیا، وہ یہ تھا کہ عرب کی خواتین کو غیر محرموں کے انبودہ کہریشمیں لا کر ان سے ایک غیر محرم غیر مسلم شخص کا استقبال سرزمین حجاز پر رسول جیسے متبرک و مقدس خطاب سے کرایا۔

شاہ قبلہ شکن!

پنڈت جواہر لال نہرو کو رسول کے نام سے آپ نے یا آپ کی قوم نے یاد کر کے پاکستان کے ہر کروڑ مسلمانوں کی جو دل آزاری ملی وہ ناگفتہ بہ ہے۔ آپ کو کسی نے یہ بات

غلط بتادی کہ پاکستان میں ایسی قوم آباد ہے جو عربی زبان سے ناواقف ہے اور عربی زبان کے معنی و مطالب سے آگاہ نہیں ہے۔ آپ کے سفارتی نے لفظ رسول کے لئے جو تاویلات وضع کر رہے ہیں، اس سے ان کی بے چارگی اور ندامت جرم مترشحہ ہو رہی ہے۔

جلالہ الملک

ہم مسلمانان عالم حیران ہیں اور آپ جیسے عقائد مذہبی رکھنے والے لوگ ایک ایسے شخص کو تو "یا رسول" جیسے عظیم لقب سے خوش آمدید کہہ سکتے ہیں جو لطفنا و تسلا بت پرست اور مسلکاً لامذہب ہے، لیکن کوئی مسلمان حیات النبی خاتم المرسل حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو فوراً جذبات و عقیدت لوازم احترام اور واجبات استغاثہ میں یا رسول، یا محمد، یا مصطفیٰ کہہ کر یاد کر لے تو اسے کافر و مشرک قرار دے دیا جاتا ہے۔

یہ کون سی منطق ہے؟ ————— یہ کون سا عقیدہ ہے؟

یہ کون سا مذہب ہے ————— استغفر اللہ ربی

آپ لوگوں نے جنت البقیع کے تمام آثار مقدسہ کو شہید کر دیا، صدما اصحاب کبار کے قبور کو سہا کر دیا، گنبد خضریٰ آرام گاہ رسول سرخشمہ انوار الہی کے معاویے سے زمین بوسی کو حرام اور جرم قرار دیا ہے اور آپ اور آپ کے ہم مسلک عقیدہ لوگوں نے یہ حکم بھی لگا دیا کہ ختم المرسلین بنی آخر الزمان حیات النبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شخص کھڑے ہو کر یا رسول سلام علیک پڑھے وہ مشرک کافر اور اس عقیدے پر اصرار کرے، تو مرتد اور واجب القتل!

لیکن آج یہ کیا ہوا کہ احترام رسول کو بدعت و شرک و کفر کہنے والے مقلدین ابن عبدالوہاب نجدی ایک ایسی قوم کے سربراہ کا استقبال یا رسول السلام کے نعروں سے کرتے ہیں جو دشمن رسول صلعم والسلام ہے اور لاکھوں دیوبندیوں کا پجاری ہے

اللہ اکبر!

اے شاہ!

ہم آج سمجھے کہ بڑے بڑے جو غادریوں کے عقائد و مسلک کے آہنی قلعوں کو سیاسی تقاضے ایک ہی جھٹکے میں مسمار کر دیتے ہیں۔

ہم پوچھتے ہیں — کہ کیا آج سعودی عرب نے کسی ڈاکٹے یا پوسٹ میں یا کسی بھی پیغام رساں کو اہل زبان یا دیہاتی لوگ رسول کہہ کر پکارتے ہیں؟
ہم پوچھتے ہیں کہ عرب سے کسی بھی گوشے میں کیا کوئی ایسا بد نصیب شخص ہے جو رسول کا لفظ انبیاء مرسلین کے علاوہ عام آدمیوں علی الخصوص کسی مشرک و بت پرست یا لامذہب شخص کے لئے لوتیا یا لکھتا ہو۔

ہمارے سوالات کا جواب یقیناً نفی میں ہے اور ہم نہایت وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ حضور پر نور (رحمی قدا ہو) کی شان میں گستاخانہ خیالات رکھنے اور بارگاہ رسالت میں اپنے معاملات صاف نہ رکھنے کی پاداش میں عرب حاکموں سے یہ حماقت اور دیوانگی سرزد ہوئی ہے۔ توضیح و میزبانی عربوں کا طرزہ امتیاز ہے لیکن :-

اے کلید بردارِ حرم!

آپ نے یہ بھی غور کیا کہ سیاسی استحکام اور ذاتی حب جاہ کے لئے آج آپ کی میزبانی اپنی حدود سے بڑھ کر دشمنی دین اور شہادت رسالت کے قصرِ منزلت اور ظہورِ عنلالت کی سرحدوں پر آ پہنچی ہے۔

آپ تمام حضرات غیر مشروط طور پر اقرار گناہ کر لیں۔ اس نازک مرحلے پر تاویلات اور استدلال کے سہارے بڑے شرمناک ہیں اس راستے میں عہد
با خدا دیوانہ باشد با محمد ہوشیار

کا عقیدہ واجب لازم ہے اور تاویلات ”عذر گناہ بہتر از گناہ کے مترادف ہیں۔ خداوند کریم آپ کو محبت رسول دے اور یہ توفیق بھی ارزاں فرمائے کہ آپ یا آپ کی حکومت مسلمانان عالم کی اس دل آزاری کے سلسلے میں ناواقف ہو۔

احتشام الحق تھانوی

روزنامہ جنگ کے پہلے صفحے پر چلی سرخیوں کے ساتھ
احتشام الحق تھانوی صاحب کا یہ بیان شائع ہوا۔

کراچی، ۲۲ ستمبر (سٹاف رپورٹر) مولانا احتشام الحق تھانوی نے آج رات ایک بیان میں کہا ہے کہ سرزمین حجاز کے دارالخلافہ حجاز میں بھارتی وزیر اعظم پنڈت ہنرو کے استقبال پر مر جبا ہنرو رسول السلام سے جو جنگ اسلام اور اسلام سوز غرے لگائے گئے، ان سے نہ صرف یہ کہ مسلمان عالم کے دینی و ملی جذبات غیرت کو ناقابل برداشت صدمہ پہنچا ہے، بلکہ متولی حریم شریفین کی اس موحدانہ دین داری کا پول بھی کھل گیا، جس کا سارے عالم اسلام میں دبا بیوں کی طرف سے ڈنکا پٹیا جاتا رہے، اس سے قطع نظر کہ سرزمین توحید اور گہوارہ اسلام میں ایک صنم پرست بلکہ منکر خدا اور اللہ کے باغی کو دعوت تکریم دینا اور جو رسول میں بسنے والے موحدین مردوں اور عورتوں سے خیر مقدم و استقبال کرنا پاسبان حرم کے لئے کہاں تک زیب دیتا ہے یا اس احساس ذمہ داری کو کہاں تک پورا کرتا ہے جو حریم شریفین کی تولیت پر مسلمانان عالم کی طرف سے عائد ہوتی ہے۔ خود یہ بات بھی اپنی جگہ انتہائی شرمناک اور غیر اسلامی ہے کہ پنڈت ہنرو کے لئے رسول اسلام جیسے اصطلاحی الفاظ استعمال کئے جائیں۔ سعودی عرب کے سفارت خانے سے جو وضاحتی بیان دیا گیا ہے کہ نامہ نگار عربی کی ابجد سے بھرا واقف نہیں ہے اور رسول سے قاصد کے معنی مراد ہیں۔ بنی کے معنی مراد نہیں۔ میرے نزدیک یہ عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے اور ممکن ہے کہ نامہ نگار عربی کی ابجد حقیقت میں واقف نہ ہو، لیکن سعودی عرب کے سفارتی ترجمان سے زیادہ واقف اسلام ضرور معلوم ہوتا ہے اور الزام کی تردید کرنے والے ترجمان ممکن ہے کہ عربی کی ہدایت نامہ رکھتے ہوں، مگر اسلام اور تعلیمات اسلام کی ابجد سے بھی نا آشنا معلوم ہوتے ہیں۔ مر جبا رسول اللہ کے

۱۹ ابرہیم طیبس متوفی ۱۹۷۸ء (بحوالہ تاریخی حقائق ص ۵۵) بہنامہ نقاد کراچی ص ۱۲۔ نومبر ۱۹۵۶ء

نفرہ سے ادنیٰ سی ادنیٰ عقل رکھنے والے کو بھی یہ غلط فہمی نہیں ہوتی ہے کہ پیڑت ہنرو کو بنی یا بیغیر بنا دیا یا اس لفظ سے بنی کے معنی مراد لئے ہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہوئے بھی کہ رسول سے قاصد کے ہی معنی مراد لئے گئے ہیں۔ یہ اعتراف ہے کہ لفظ رسول اسلام اور قرآن کریم کی بالخصوص اصطلاح ہے جس کی حیثیت شعائر الہہ اور شعائر اسلام کی ہے جیسے قرآن، مسجد حرام، مسجد اقصیٰ وغیرہ قسم کے بے شمار الفاظ اسلامی شعائر ہیں جو اپنے لغوی معنوں سے نکل کر اصطلاحی معنی کے لئے خاص ہو گئے ہیں۔ اب ان الفاظ کو لغوی معنی میں استعمال کرنا بالخصوص ان لوگوں کی طرف سے جن کو عربی زبان کے استعمال کرنے میں حدود دین کا پاس رکھنا ضروری ہے قطعاً ناجائز و حرام ہے بلکہ شعائر اللہ کی کھلی ہوئی بھجرتی اور توہین ہے۔

۷۔ چوں کہ فراز کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمان

کیا کسی مسلمان کو یہ اجازت ہے کہ وہ اپنی تصنیف کا نام کتاب اللہ اپنے گھر کا نام بیت اللہ اور اپنی مسجد کو مسجد حرام اپنے باغ کو جنت اپنے تالاب کا نام کوثر اور تنور کا جہنم اور اپنے پوسٹ میں کا نام رسول رکھ لے، حالانکہ لغوی اعتبار سے یہ سب نام صحیح ہیں۔ کیا قرآن کریم میں: "یہا الذین آمنوا لقولنا عننا وقولنا نظرنا میں الفاظ کا ادب مسلمانوں کو نہیں سکھایا گیا ہے۔ کیا حدیث کے اندر مسلمانوں کو خبیث نفسی کی ممانعت سے یہی ادب الفاظ نہیں بتلایا گیا ہے۔ سعودی عرب کے سفارتی ترجمان کو معلوم ہونا چاہیے کہ مسلمان کی عربی زبان بھی وہ زبان ہے جس میں اصطلاحات قرآن کی حرمت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اگر اللہ کے باعث کے احترام میں آج ناموس رسول کو یہ کہہ کر مجنیت چڑھایا گیا کہ رسول کے معنی قاصد کے ہیں، تو آئندہ تمام شعائر اسلام کی حرمت کبھی باقی نہ رہ سکے گی۔ پھر سلامتی اور امن کا استعمال بھی کس قدر حیا سوز اور عزت کش ہے کہ جس کے ملک میں "دن خور" مسلم سے ہولی کھیلی جاتی ہو، ہو وہ قاصد امن تو کیا ہوتا اس میں امن و سلامتی کا ادنیٰ شائبہ بھی موجود نہیں ہے۔ کی شان ہے کہ مردم خور دزدوں کو قاصد امن کے لقب سے یاد کیا جائے۔

جنوں کا نام خرد رکھ لیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کوشمہ ساز کرے

ہم آخر میں پاسبانِ حرم سے صاف طور پر یہ کہہ دیتا چاہتے ہیں کہ حرمین شریفین مسلمانانِ عالم کی امانت ہے اور ان پاسبانوں کی طرف سے ناموسِ رسولِ صلعم کی بے حرمتی کبھی برداشت نہیں کی جاسکتی بلکہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ۴۰-۱۹۵۹ء میں ممالک
عربیہ کا سفر کیا۔ اس سفر میں ان کے رفیق محمد عاصم نام

کے ایک غیر مقلد عالم تھے۔ مودودی صاحب نے سعودی عربیہ کی ہند نواز پالیسی اور نپڈت نہڑ
سربا یا رسول اسلام کہنے پر سخت تنقید کی۔ ملاحظہ فرمائیے محمد عاصم لکھتے ہیں:-

۳ بجے کے قریب دوپہر کا کھانا ہوا۔ بالکل مغربی طرز پر مولانا نے کھانے کے دوران

اپنی گفتگو میں عرب قومیت کے فتنہ کی خوب خبر لی اور ان لوگوں کو بتایا کہ مسلمانوں کے ساتھ

ہندوستان کا معاملہ، عربوں کے ساتھ اسرائیل کے معاملہ سے کسی طرح کم یا مختلف نہیں

ہے، لیکن عرب قومیت کا نتیجہ یہ ہے کہ جب آپ کے اس ملک میں نپڈت نہڑ آئے

تو یہاں کے بہت سے اخبارات نے انہیں رسولِ اسلام (امن کا پیامبر) کا لقب دیتے

ہے۔ ان کا شاندار استقبال کیا، لیکن آپ ہی بتائیں کہ اگر پاکستان کے بن گوریوں —

سید پر عظیم اسرائیل — کو اپنے ہاں بلوائی اور پھراس کا اسی شان سے استقبال

کریں، تو آپ لوگوں کی کیا کیفیت ہوگی۔ امیر عبداللہ نے اس بات کی مذمت کی کہ بعض عرب

حکومتیں ہندوستان کو پاکستان پر ترجیح دیتی ہیں، لیکن اپنی مملکت کے متعلق انہوں نے

یہاں کہ یہاں بہر حال پاکستان کو مقدم سمجھا جاتا ہے۔

انتظام الحق قذافی (بحوالہ تاریخ حقائق میں ۲۹) روزنامہ جنگ کراچی ۲۹ ستمبر ۱۹۵۹ء

۱۱۵-۱۱۴

ایک اور مقام پر محمد عامر صاحب لکھتے ہیں!

ایک نوجوان نے مولانا سے سوال کیا۔ آپ پاکستانی حضرات نے عربوں کے قومی مسائل میں کیا کہہ سکتے ہیں؟ مولانا نے اس سوال کا جواب دیا کہ ہم نے اپنے عرب بھائیوں کے مسائل میں ہمیشہ تائید کی ہے اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے، لیکن اس تائید کی بنیاد آپ لوگوں کا یہ نعرہ نہیں ہے جیسے آپ عرب قومیت کے نام سے لگا رہے ہیں، بلکہ اس کی بنیاد وہ دینی رابطہ ہے جو ہمارے اور آپ کے درمیان اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے۔ آپ حضرات اس دینی رابطہ کو ختم کرنے کے درپے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم اب تک اس کی پاسداری کر رہے ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی کرتے رہیں گے، جب سے پاکستان معرض وجود میں آیا ہے، اس نے نہ صرف فلسطین اور الجزائر بلکہ عربوں کے تمام دوسرے مسائل میں ان کی تائید کی ہے، لیکن آپ حضرات کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہر قوم جو ایک خاص ملک میں رہتی ہو، اس کے کچھ اپنے مسائل بھی ہوتے ہیں جن سے اسے بہر حال نپٹنا ہوتا ہے۔ اگر آپ لوگوں کو فلسطین اور الجزائر یا دوسرے مسائل درپیش ہیں تو ہم پاکستانیوں کو بھی کشمیر کا مسئلہ درپیش ہے۔ اگر یہودیوں نے آپ کے دس لاکھ افراد کو قتل اور جلا وطن کیا ہے تو ہندوؤں نے ہمارے ایک کروڑ کے قریب افراد کو قتل اور جلا وطن کیا ہے اور اب تک ہندوستان اور کشمیر میں ان کے ظلم و ستم کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ لوگ اپنی یادداشت پر زور ڈال کر ذرا مجھے بتائیے کہ اس پورے المیہ میں آپ لوگوں نے ہماری کہاں تک تائید کی ہے؟ مجھے یقین ہے کہ آپ لوگ اس کا کوئی جواب نہ دے سکیں گے؛ لہذا میں خود ہی اس کا جواب دیتا ہوں۔ آپ لوگوں نے ہماری مدد یوں کی ہے کہ جب ہندوستان و کشمیر میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی تھی، تو آپ لوگوں نے اپنی زبانوں پر قفل چڑھالئے تھے۔ آپ کے اخبارات نے اس کی مذمت میں چند سطریں لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی، اس کے مقابلہ میں پاکستان کے تمام اخبارات نے آپ لوگوں پر کسی طرف سے جو بھی زیادتی ہوئی اس کی ہمیشہ مذمت کی ہے

اور اب تک کر رہے ہیں۔ کاش آپ لوگوں کی کرم فرمائی یہیں تک محدود رہ جاتی۔ مگر آپ نے اثباتی غیر جانبداری اور امن و سلامتی کے علمبردار (ابطال الحیاد الایجابی و رسل السلام) کا لقب دیتے ہوئے ان لوگوں کی طرف دوستی و محبت کا ہاتھ بڑھایا، جن کے ہاتھ اب تک مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ کاش ہندوستان کو آپ لوگوں کی دوستی کا واقعی پاس ہوتا مگر اس نے آپ کو کوئی وقعت نہ دیتے ہوئے اسرائیل کو تسلیم کیا اور اب تک تسلیم کئے ہوئے ہے۔ اس کے مقابلے میں پاکستان نے اب تک نہ اسرائیل کو تسلیم کیا ہے اور نہ کبھی اسرائیل کے کسی باشندے کو اپنی سرزمین میں قدم رکھنے کی اجازت دی ہے سوچئے! اگر خدا نخواستہ آپ لوگوں کی ضد میں ہم لوگ بھی اسرائیل کو تسلیم کر لیں اور اس کے ساتھ دوستی و محبت کے روابط پیدا کرنے لگیں اور بن گوریوں کو اپنے ملک میں آنے کی دعوت دیں اور اس کے لئے رسول اسلام کے نعرے لگا کر اس کا استقبال کریں، تو کیا اس صورت میں آپ لوگ ہمیں کچھ بھی ملامت کرنے کا حق نہیں رکھتے ہیں؟ لیکن ہمیں میں تو اسے آپ لوگوں کے سامنے ایک مفروضہ کے طور پر بیان کر رہا ہوں ورنہ ہم پاکستانی مسلمان اس کا خیال تک دل میں نہیں لاسکتے کہ اس لئے کہ ہمارا دین ہمیں اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا؛ لہذا مجھے امید ہے کہ اس مفروضہ کے ذکر سے آپ لوگوں کی دل آزاری نہیں ہوگی۔

سعودی عربیہ کے عام اندرونی حالات

سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ۱۹۵۹-۶۰ء میں ممالک عربیہ کا جو سفر اختیار کیا تھا اس کی پوری روداد ان کے رفیق سفر ایک غیر مقلد عالم محمد عاصم نے قلم بند کی ہے جو سفر اور حضر خلوت اور خلوت میں ہمہ وقت شریک رہے، انہوں نے تمام واقعات کو اسی طرح بیان کرنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ خود دیکھا ہے یا سنا ہے۔ ہم اس سفر نامہ کے بعض اقتباسات ہدیہ قارئین کر رہے ہیں جس سے سعودی عرب کے عام اندرونی حالات ناظرین کے سامنے آ جائیں گے۔

محمد عاصم صاحب لکھتے ہیں:-

کسٹم پر مجھے کوئی دقت پیش نہ آئی۔ اگرچہ میرے

کسٹم کی چیکنگ

ساتھ کچھ کتابیں تھیں اور ان میں سے بعض کتابیں ان لوگوں کی اصطلاح کے مطابق مذہبی تھیں، لیکن کسٹم آفیسر صاحب ان کتابوں پر شک و شبہ کی نگاہ نہیں ڈالی، کیونکہ بعض کتابوں کے دیکھنے سے انہیں یہ اندازہ ہو گیا کہ میں بھی ایک سلف العقیدہ یعنی غیر مقلد المحدثین (سعودی) آدمی ہوں، اس لئے انہوں نے میری سختی سے تلاشی لینے کو ضروری نہ سمجھا، مجھے بھی سب سے زیادہ ڈر کتابوں ہی کا تھا، کیونکہ کتابوں کی تلاشی کے سلسلے میں گزشتہ سفر ۵۶ء میں جدہ کے ہوائی اڈے پر ہمیں جس پریشانی کا سامنا ہوا تھا وہ مجھے خوب یاد تھی۔ دنیا کے دوسرے ملکوں میں غیر مذہبی کتابوں کی تو خوب جانچ پڑتال ہوتی ہے، لیکن مذہبی کتابوں پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا۔ سعودی عرب کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہاں دوسری کتابوں کا تو یوں سمجھئے کہ کوئی نوٹس ہی نہیں لیا جاتا، لیکن مذہب اور خصوصاً عقائد سے متعلق کتابوں کو بڑے شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور بعض اوقات جب کسٹم والے خود ان کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کر سکتے، تو انہیں تحقیق کے لئے علماء کو پاس بھیج دیتے

ہیں۔ یعنی جب تک علماء انہیں ناقابل اعتراض قرار نہ دیں، انہیں ملک کے اندر داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔

سعودیوں کی عبادات کی کیفیت

محمد عاصم صاحب لکھتے ہیں:-

مغرب کی نماز ہم نے محلہ کی مسجد میں پڑھی

مسجد نئی بنی ہوئی تھی اور سادگی کے ساتھ سچتہ کشادہ اور خوبصورت۔۔۔ معلوم ہوا کہ سعودی حکومت نے خیر، دماغ، ظہران، داس، تنورہ، بقیق کی تمام لہستانیوں اور کلبنی کے ملازمین کے تمام کوارٹروں میں ایسی مسجدیں تعمیر کروائی ہیں اور ان کے مصارف بھی خود برداشت کر رہی ہے مسجدوں کا ذکر آیا ہے، تو قارئین کے لئے یہ بات غالباً دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ تمام عرب ممالک میں ہمارے ہاں کی طرح مسجدوں میں وضو وغیرہ کا انتظام نہیں ہوتا۔ تمام لوگ اپنے اپنے گھروں سے وضو کر کے مسجد آتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ تمام عرب ممالک میں لوگ جوتے پہنے پہنے مسجدوں میں بے دھڑک چلے آتے ہیں اور صرف نماز پڑھنے سے پیشتر چٹائی یا درمی کے قریب جوتے آمار دیتے ہیں، بلکہ بعض تو اس وقت بھی جوتا نہیں اتارتے اور جوتوں سمیت نماز پڑھ لیتے ہیں۔ یہ چیز اگرچہ تمام عرب میں مشترک ہے، لیکن سعودی عرب خصوصاً نجد کے باشندے تو اس میں انتہائی غلو برتتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ مسجد میں جوتا پہن کر داخل ہونا جائز ہے اور بکثرت موقعوں پر بنی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے مسجد کے اندر جوتوں کے ساتھ نماز پڑھی ہے، لیکن ایسا صرف ضرورت کے تحت ہی ہوا ہے۔ اگر مسجد کا فرش سچتہ نہ ہو یا دھوپ سے گرم ہو رہا ہو تو جوتا پہن کر مسجد میں داخل ہوا جاسکتا ہے اور جوتوں کے ساتھ نماز پڑھی جاسکتی ہے، لیکن سچتہ فرش اور بہترین قسم کی چٹائیوں اور درلیوں کی موجودگی میں بھی جوتے لے کر مسجد میں داخل ہونا اور جوتوں سمیت نماز پڑھنا خواہ مخواہ کی زیادتی اور

ہٹ دھرمی ہے، اس کے برعکس ہمارے ہاں ہر حال میں مسجدوں کے اندر جوتے پہن کر جانے اور جوتوں سمیت نماز پڑھنے کو مسجد اور نماز کے احترام کے منافی خیال کیا جاتا ہے، بلکہ اگر کوئی شخص میدان میں بھی جوتوں سمیت نماز پڑھ لے، تو اس پر سخت اعتراض کیا جاتا ہے، حالانکہ اعتدال کی راہ دونوں کے درمیان ہے۔

مسجد کے امام صاحب ایک نجدی نوجوان تھے جو ابھی ریاض کے کسی مدرسہ سے فارغ ہو کر آئے تھے وہ نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو بکیر تحریمہ سے پہلے جیب سے مسواک نکال کر منہ میں پھیرنے لگے اور پھر اسی طرح انہوں نے اسے جیب میں ڈال کر نماز شروع کی۔ نماز اتنی تیز پڑھائی کہ ہم لوگوں کے لئے ان کا ساتھ دینا بڑا مشکل تھا۔ قرآن اس طرح روکھے سوکھے بلکہ غلط طریقے پر پڑھا کر ہمیں نہ صرف اس کے سننے سے کوئی لطف نہیں آیا، بلکہ سخت کوفت ہوئی۔ مولانا کے بقول ہمارے دیہات کے ملا بھی ان سے اچھا قرآن پڑھتے اور سکون سے نماز پڑھاتے ہیں۔

ہمارے پاکستانی احباب نے بتایا کہ یہ امام صاحب تو پھر بھی قرآن مجید غنیمت پڑھتے ہیں ورنہ یہاں کی دوسری مسجدوں کا حال تو اس سے بھی برا ہے۔ ایک طرف تو مصریوں شامیوں اور عراقیوں کی یہ ترمی ہے کہ وہ قرآن مجید کو بھی قوالوں کی طرح گا گا کر پڑھتے ہیں اور دوسری طرف نجدی حضرات کی یہ خشکنی کہ ان کے بڑے بڑے علماء تک گویا قرآن مجید کو صحیح مخارج اور عمدہ آواز کے ساتھ پڑھنا بدعت سمجھتے ہیں۔ پھر نجدی حضرات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو کبھی سکون سے کھڑے نہیں ہوتے۔ کبھی اپنے کپڑے ٹھیک کرنے لگ جاتے ہیں اور کبھی انہیں یاد آتا ہے کہ ان کے کرتے کے بٹن بند نہیں ہیں یا ان کے سرکار دھال ٹیڑھا ہو گیا ہے اور وہ اسے ٹھیک کرنے لگتے ہیں حتیٰ کہ بعض لوگ تو نماز کے دوران گھڑی پر وقت دیکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے۔ یہ سب باتیں اگرچہ ہمارے لئے نئی

نہیں تھیں اور پہلے بھی ان کا تجربہ تھا، لیکن اس سفر میں کیونکہ پہلی مرتبہ ان کا مشاہدہ ہو رہا تھا، اس لئے ہمیں سخت کوفت ہو رہی تھی۔ مولانا تورات گئے تک بار بار ان کا ذکر کرتے رہے۔

اسی موضوع پر ایک اور جگہ محمد عاصم صاحب لکھتے ہیں۔

۱۳ نومبر کو ہم اپنے پروگرام کے مطابق ظہران گئے اور وہاں بھی گیارہ بجے پہا ۱۲ بجے تک سوالات و جوابات کا سلسلہ رہا۔ اس دن جمعہ تھا۔ جمعہ کی نماز ہم نے کوارٹروں کی ہی ایک مسجد میں پڑھی خطیب و امام ایک نجدی عالم تھے۔ خطبہ تو انہوں نے غنیمت دیا، لیکن نماز میں قرآن مجید کی قرأت صحیح نہ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نجد میں قرآن مجید کی صحیح قرأت سکھانے کا کوئی انتظام نہیں ہے اور یہ اعتماد کر لیا گیا ہے کہ جب یہ لوگ عرب ہیں تو قرآن آپ سے آپ صحیح پڑھیں گے۔

سعودیوں کی دینی تعلیمات سے لا پرواہی
آل شیخ نجدی کیلئے مراعات
 اور شیخ نجدی کی آل کے لئے خصوصی

مراعات کے سلسلے میں محمد عاصم لکھتے ہیں۔

اس روز جمعہ تھا۔ نماز کے وقت سے کچھ پہلے استاد عبدالحکیم عابدین اپنے ایک دوست شیخ عبداللہ المسعری کے ساتھ تشریف لائے جو سعودی حکومت کی وزارت قانون کے سیکرٹری ہیں، ان کے ساتھ ہم یونیورسٹی کے قریب ایک مسجد میں جمعہ پڑھنے کے لئے گئے۔ ایک نوجوان خطیب خطبہ دے رہا تھا۔ خطبہ کیا دے رہا تھا اس نے پہلے سے ایک خطبہ کاغذ پر لکھ رکھا تھا یا کہیں سے نقل کر لیا تھا اور اسی کو پڑھ رہا تھا۔ سنا ہے کہ ریاض میں بڑے بڑے علماء تک کا یہی حال ہے جیسا کہ مفتی اکبر شیخ محمد بن ابراہیم

سفرنامہ ارض قرآن ص ۵۹ - ۵۷

سفرنامہ ارض قرآن ص ۴۹ - ۴۸

لہ محمد عاصم

لہ محمد عاصم

بھی ”مجموعہ خطب ایام الجمعۃ“ نامی کتاب سے ایک خطبہ زبانی یاد کر کے سنا دیتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بڑے بڑے دینی مناصب آل شیخ (شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خاندان) کے لئے مخصوص ہیں اور دوسرے لوگ صرف اسی صورت میں کسی دینی منصب پر مقرر کئے جاتے ہیں جب کہ آل شیخ میں کوئی آدمی موجود نہ ہو۔ حرم مکی کے خطیب اگرچہ شیخ عبدالملہین (مصری) ہیں لیکن وہ حرم کے خطیب اول نہیں ہیں بلکہ خطیب آل شیخ کے ایک فرزند شیخ عبدالعزیز بن حسن ہیں۔ جوان دنوں وزارتِ مسلم کے سیکرٹری تھے اور اب وزیر ہو گئے ہیں ساہل ریاض میں رہتے ہیں البتہ کبھی کبھار مکہ معظمہ جا کر حرم میں خطبہ دے آتے ہیں۔

بندگیوں اور غیر مقلدوں کے
بندگیوں کے پاکستانی غیر مقلدوں روابطہ سے

لکھتے ہیں:-

امیر مساعد کا مکان بھی قدیم ریاض کی ایک گلی میں واقع ہے اور اس پر کوئی جھنڈا یا علامتی نشان بھی نہیں ہے اور نہ ڈیڑھی پر پولیس کا پہرہ ہے (دو چار سپاہی اندر کہیں ہوں تو اور بات ہے) اس لئے شیخ کا ڈرائیور ان کا مکان نہ پہچان سکا اور ہم ایک دوسری گلی میں ایک دوسرے امیر کے ہاں پہنچ گئے۔ ہمیں تو خیر کچھ پتہ ہی نہ تھا، لیکن شیخ عبدالعزیز اور اسٹاذ عبدالحکیم عابدین کو وہاں پہنچتے ہی اندازہ ہو گیا کہ ہم غلط جگہ آ گئے ہیں۔ وہاں سے نکلنے کے بعد اسٹاذ عبدالحکیم عابدین نے ہمیں حقیقت حال سے مطلع کیا۔ اس کے بعد ہم امیر مساعد کے ہاں پہنچے، مگر وہ بھی موجود نہ تھے۔ پھر شیخ عبدالعزیز ہمیں اپنے مکان پر لے آئے جو قدیم ریاض ہی کی ایک گلی میں واقع ہے۔ وہاں ان کے شاگردوں اور عقیدت مندوں کا حلقہ لگا ہوا تھا۔ مجلس نہایت سادہ اور

زمین پر قالین کے فرش کی محقی تمام حاضرین نے رسمی سلام و مصافحہ کے بعد اپنا اپنا تعارف کرایا اور اپنے پاکستانی سلفی بھائیوں کا حال دریافت کرنے لگے۔ سجدی علما اور ان کے متعلقین جب بھی کسی پاکستانی یا ہندوستانی مسلمان سے ملتے ہیں یہاں کے اہل حدیث حضرات کے متعلق ضرور سوال کرتے ہیں۔ ہم نے مجمل الفاظ میں انہیں پاکستان کے اہل حدیث حضرات کی ضرورت کی اطلاع دی، اس کے بعد مولانا نے شیخ کی خدمت میں اپنی چار عربی کتابیں رسالہ دنیات، اسلام کا نظام حیات، مسلمانوں کا ماضی و حال اور قرآن چار بنیادی اصطلاحیں پیش کیں۔

سعودی عربیہ میں رجعت پسندی اور ترقی پسندی کی جنگ جاری

قدیم اور جدید طبقوں کی نظریاتی کشمکش

ہے۔ ایک طبقہ علماء کا حامی ہے اور بیشتر مغربی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اس موضوع پر محمد عاصم لکھتے ہیں:-

اسی رات ہمیں ایک اور صحبت میں عرب کی دو اہم شخصیتوں کے درمیان ایک دلچسپ اور گرم بحث سننے کا اتفاق ہوا جس سے سعودی عرب کی اندرونی حالت کے متعلق ہماری معلومات میں بڑا اضافہ ہوا۔ ان میں سے ایک صاحب علماء کی تعریف اور مدافعت کر رہے تھے اور دوسرے صاحب کہہ رہے تھے کہ ان علماء کی عوام نوجوانوں کی نظر میں کوئی قیمت نہیں ہے نوجوان یہ سمجھتے ہیں کہ یہ علماء اسلام کے صحیح نمائندہ نہیں ہیں۔ دوسری طرف سے شیخ عبدالعزیز بن باز کا نام لیا گیا۔ فریق مخالف نے کہا وہ بلاشبہ جبری مخلص اور اپنی حد تک عالم ہیں، لیکن ان کا دائرہ معلومات نہایت تنگ ہے اور یہ سوائے چھوٹے چھوٹے فقہی مسائل بیان کرنے کے موجودہ زمانے کے بڑے اور اہم مسائل کا اسلامی نقطہ نظر سے حل پیش نہیں کر سکتے مانا کہ یہ تمام علماء

بے ایمان نہیں، لیکن عاجز ضرور ہیں۔ پہلے صاحب کہہ رہے تھے کہ اصلاح بہر حال انہی علماء کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ ضرورت ان سے اچھے انداز میں کام لینے کی ہے۔ دوسرے صاحب کہہ رہے تھے کہ ”یہاں اصلاح نوجوانوں کے ذریعے ہوگی۔ اس وقت اسلام سے انحراف، بے دینی اور مغرب پرستی کی جو روح پھیلتی جا رہی ہے، اس کا مقابلہ کرنا ان علماء کے بس کا روگ نہیں یہ علماء عوام کو انگریزی تعلیم حاصل کرنے اور اس زمانہ کی دوسری مفید ایجادات کے استعمال سے روکتے ہیں، حالانکہ یہ تعلیم پھیلے گی اور اس وقت یہ علماء کچھ نہ کر سکیں گے اور سوا اس کے کہ ان کے خلاف عوام میں نفرت بڑھ جائے گی اور کچھ نہ ہوگا۔ دوسری طرف یہ امراء کی عیاشیوں کو دیکھتے ہیں لیکن کچھ نہیں کر سکتے۔ شیخ عبدالعزیز بڑی ہی جرأت اور بے باکانہ انداز سے بادشاہ اور دوسرے امراء پر تنقید کرتے ہیں، لیکن بادشاہ اور بعض امراء تو بلاشبہ ان کی بڑی قدر کرتے ہیں، لیکن عام امراء اور اصحاب اقتدار خوب سمجھتے ہیں کہ ان کی گرمی اور تنقید کا وزن کیا ہے۔ اس لئے وہ ان کو خوش کرنے کے لئے بس چھوٹے چھوٹے معاملات میں ان کی باتوں کو مان لیتے ہیں۔

ان دونوں صاحبوں کی زبانی ہمیں یہ معلوم کر کے بڑی پریشانی ہوئی کہ یہاں کے امراء میں سے امیر عبداللہ بن عبدالرحمان اور مسعود بن عبدالرحمان کو چھوڑ کر قریب سب ہی کے گھروں میں وہ سب کچھ ہوتا ہے جو اس زمانہ کے کسی مغرب زدہ گھرانے میں ہو سکتا ہے ان لوگوں کے بیٹے اور بیٹیاں انگریزی اور فرینچ پڑھتی اور بولتی ہیں۔ گھروں میں عورتوں کے لباس اور وضع قطع پوری طرح مغربی ہیں۔ بعض تو اس حد تک آگے بڑھ گئے ہیں کہ ان کے بیٹے اور بیٹیاں امریکہ ہی میں تعلیم حاصل کرتی ہیں اور ان کی استائیاں اور نگران سب کی سب امریکن ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ نئی پود جب بڑھے گی اور اقتدار کی باگیں اس کے ہاتھ میں آئیں گی،

تو ملک کا کیا حال ہوگا۔

اے بچے کے قریب ہم ہوٹل واپس آئے اور بڑی دیر تک اس صورت حال پر افسوس کرتے رہے۔

عودی عربیہ کے دار الخلافہ ریاض کی شان و شوکت کے بارے میں محمد عاصم لکھتے ہیں۔

ریاض کی شان و شوکت

صبح ناشتہ کے بعد فکر ہوئی کہ ریاض میں جن حضرات سے ہمیں ملنا ہے ان سے ملاقات کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ استاذ عبدالعظیم عابدین کے متعلق معلوم تھا کہ وہ ایک ہوٹل ”زہرۃ الشرق“ میں ٹھہرے ہیں۔ خبر کی ملاقات کے دوران میں انہوں نے ہمیں اپنے کمرے کا نمبر بھی دے دیا تھا۔ سوچا کہ پہلے ان سے ملا جائے اور پھر کوئی پروگرام طے کیا جائے مولانا ہوٹل میں رہے۔ میں اور چودھری صاحب ٹیکسی لے کر زہرۃ الشرق گئے جو ریاض کا سب سے شاندار ہوٹل ہے اور اس کی سب سے شاندار سڑک شارع ”المطار“ (ہوائی اڈے کی سڑک) پر واقع ہے اس کے تمام کمرے گرمی اور سردی دونوں موسموں میں ایئر کنڈیشنڈ ہیں اور اس میں ایک دن قیام کا کرایہ ساٹھ ریال (اسی روپیہ) فی کس ہے۔ شان و شوکت اور خوبصورتی کے لحاظ سے اس کے پایہ کا ہوٹل کم از کم میرے اندازے کے مطابق نہ پاکستان میں اور نہ مصر، شام اور عراق میں ہے۔ شارع المطار کی خوبصورتی اور شان و شوکت کے بھی کیا کہنے۔ ہمارے ہاں کراچی لاہور کی کوئی سڑک بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس کے دونوں کناروں پر زراعت، مالیات، تعلیم، مواصلات اور دوسری وزارتوں کے جدا جدا شاندار دفاتر واقع ہیں، جن میں سے ہر ایک کی تعمیر پر لاکھوں روپیہ صرف آیا ہے۔ یہ سب جدید ترین مغربی طرز پر بنی ہوئی ہیں اور ہر ایک کا طرز تعمیر نرالا ہے۔ گزشتہ چار سال کے اندر سعودی حکومت کے

تمام وزارتوں کے دفاتر ریاض منتقل ہو گئے ہیں۔ صرف وزارت خارجہ اور وزارت داخلہ ابھی تک علی الترتیب جدہ اور مکہ معظمہ میں ہیں اور شاید آئندہ کئی سال تک وہیں رہیں :-

استاذ عبدالحکیم عابدین کے متعلق دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ایک دوسرے ہوٹل ”فندق الیمامہ“ میں منتقل ہو گئے ہیں۔ یہ ہوٹل بھی قریب ہی شارع المطار پر واقع ہے اور اپنی شان و شوکت اور انتظامات میں ”زہرۃ الشرق“ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ وہاں استاذ موصوف مل گئے انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ ہم ایک معمولی ہوٹل میں ٹھہر گئے ہیں تو انہوں نے چاہا کہ ہمیں شاہی ہمان بنوانے کی کوشش کریں۔ لیکن خواہ مخواہ کوشش کر کے ہمان بننا ہمیں پسند نہ تھا۔ استاذ عابدین کو ساتھ لے کر ہم مولانا کے پاس ”فندق اسلام“ آئے اور یہاں یہی طے ہوا کہ جتنے دن بھی ریاض میں ٹھہرنا ہوا ہم اسی ہوٹل میں ٹھہرے رہیں گے۔ معلوم ہوا کہ ریاض میں یا تو اسی طرح کے چند معمولی ہوٹل ہیں یا پھر ”زہرۃ الشرق“ اور ”الیمامہ“ جیسے دو شاندار ہوٹل ہیں، جن میں ٹھہرنا ہماری بساط سے باہر تھا۔

سعودی کھاتے | سعودی عربیوں میں کس قسم کے کھانے کھائے جاتے ہیں یہ محمد عاصم صاحب سے سنیئے۔

راس التنورہ پیپے تو پاکستان اور ہندوستان کے ملازمین کیسٹی کے کوارٹروں میں ایک جگہ ڈیڑھ دو سو کے قریب پڑھے لکھے نوجوان جمع تھے احمد مولانا کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ سلام اور تعارف کے بعد ان کے اور مولانا کے درمیان سوالات اور جوابات کا سلسلہ شروع ہوا جو پہلا سے پہلا ۱۲ تک جاری رہا۔ تمام سوالات سنجیدہ اور علمی انداز کے تھے۔ مولانا بھی موڈ میں نظر آ رہے تھے ہر سوال کا جواب نہایت اطمینان اور تفصیل کے ساتھ دے رہے تھے۔ زیادہ طرح سوالات سو دو آسٹریلیا

سے درآمد شدہ ڈبوں سے گوشت، زکوٰۃ، صنیط ولادت اور کرنسی کے متعلق تھے، یوں تو ان کے سارے ہی سوالات تحقیقی ضروریات اور مشکلات کے تحت تھے لیکن جس مسئلہ نے ان کو سب سے زیادہ پریشان کر رکھا تھا وہ تھا گوشت کا مسئلہ۔ کمپنی کے عرب ملازمین آسٹریلیا وغیرہ سے درآمد شدہ ڈبوں کا گوشت بے تکا کھاتے ہیں اور اس میں کسی طرح کی قباحت محسوس نہیں کرتے، غضب یہ ہے کہ کمپنی کی کنٹین میں سور کے گوشت کے جو ڈبے فروخت ہوتے ہیں وہ دوسرے گوشت کے ڈبوں کے ساتھ ملا کر رکھے ہوتے ہیں اور ان پر صرف انگریزی (PORK) لکھا ہوتا ہے بعض لوگ تو خیر جانتے بوجھتے یہ ڈبے خریدتے ہیں، لیکن اکثر یا تو انگریزی نہیں جانتے یا جانتے ہیں مگر (PORK) کا مطلب نہیں سمجھتے اس لئے وہ غلطی سے یہ ڈبے خرید کر کھالیتے ہیں۔ آسٹریلیا سے درآمد شدہ یہ گوشت چونکہ مقامی گوشت کے مقابلہ میں بہت سستا ہوتا ہے اور صاف ستھرا بھی اس لئے اس کی خوب فروخت ہوتی ہے۔ مولانا نے ان لوگوں کو اصل مسئلہ سمجھایا اور یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر موقع ملا، تو ریاض کے علماء کی توجہ اس طرف مبذول کرائیں گے۔

عربی کھانوں ہی کے سلسلے میں محمد عاصم شاہ سعود کی دی ہوئی ایک ضیافت کا حال لکھتے ہیں :-

مغرب کے بعد انہوں نے ہم لوگوں کو کھانے پر بلایا۔ مغرب کے بعد دارالامارۃ پہنچے، تو امیر خود تو موجود نہ تھے انہوں نے کھانے میں شرکت سے اپنی خرابی صحت کی بنا پر معذرت کر دی۔ ان کے بڑے صاحبزادے امیر عبدالعزیز ان کی نیابت کے لئے موجود تھے اور اسی نے ہمارے ساتھ کھانا کھلایا۔ کھانے پر ہمارے علاوہ بہت سے شیوخ موجود تھے۔ وزیر اعظم قطر کا بڑا لڑکا اور امریکن بھی شریک تھے۔ کھانا بالکل مغربی طرز کا تھا اور مغربی طرز پر ہی چھری اور کاٹنے سے کھایا گیا۔ شاہ سعود اور

دوسرے امراء کی جو دعوتیں صرف عربوں کے لئے ہوتی ہیں وہ غالباً اب بھی مغربی طرز پر ہوتی ہیں۔ اس دعوت پر میرے اور اختر صاحب کے ساتھ ایک عجیب لطیفہ پیش آیا جو شاید دوسروں کے لئے تو لطیفہ ہو لیکن ہمارے لئے ندامت کا باعث تھا اور وہ یہ کہ سروس کرنے والے خادم باری باری تمام بہانوں کے سامنے کھانے کی ڈش پیش کر رہے تھے۔ دوسری مرتبہ وہ مرغی کے گوشت کی ڈش لائے۔ مولانا سمجھ گئے اور انہوں نے یہ گوشت نہ اٹھایا لیکن میں اور راؤ صاحب سمجھ نہ سکے اور ہم نے وہ گوشت لے کر کھالیا۔ سروس کرنے والے خادم ہندوستانی تھے انہوں نے ہمیں بعد میں بتایا کہ یہ ڈبہ کی مرغی تھی۔ ہمیں سخت افسوس ہوا۔ یاد نہیں کہ چودھری صاحب بھی محفوظ رہے یا وہ بھی ملوث ہو گئے۔

سعودی کھانوں کی ایک اور دلچسپ روایت سنئے۔

ظہر کے بعد مفتی اکبر کے ہاں ہمارے کھانے کی دعوت تھی۔ تین بکے کے قریب ہم ان کے ہاں پہنچے۔ مفتی صاحب نے دعوت کا خاص اہتمام کیا تھا۔ ... الی ان قال ... استاذ عبد الحکیم نے بکرے کی سری سے آنکھ نکالی اور مولانا سے پوچھنے لگے کہ کیا آپ اسے کھانا پسند فرمائیں گے؟ مولانا نے جھرجھری لی اور یہ تھفہ لینے سے معذوری ظاہر کی۔ معلوم ہوا کہ عربوں کے ہاں آنکھ کو بڑا ہی مزے دار تصور کیا جاتا ہے اور اسے بڑے شوق سے کھایا جاتا ہے۔ ہمارے لئے یہ چیز بڑی حیرت انگیز تھی۔

عصر کے بعد
سعودی عربیہ میں لونڈی غلاموں کی فروخت | ہندوستان کے

چند طلباء نے جو ریاض کے کلیتہ الشریعہ یا اس کے معہد میں پڑھتے ہیں۔ ہمیں اپنے

سفرنامہ ارض قرآن ص ۷۵-۷۴

لہ محمد عامر

سفرنامہ ارض قرآن ص ۱۲۶-۱۲۵

لہ محمد عامر

ہاں چائے پر بلایا اس وقت سحت بارش ہو رہی تھی، لیکن یہ حضرات ہمیں لینے کے لئے بروقت پہنچ گئے۔ ہمیں قدیم ریاض کی ایک گلی میں جانا تھا۔ بارش میں تمام گلیوں کا برا حال تھا اور پرنالوں سے پانی گزرنے والوں کے سروں پر گر رہا تھا بڑی مشکل سے ہم اپنی منزل مقصود پر پہنچے نہایت خستہ اور تنگ و تاریک قسم کا مکان تھا معلوم ہوا کہ کلیتہً الشریعہ کے طلباء کے لئے قیام کا کوئی باقاعدہ انتظام نہیں ہے۔ اپنے طور پر طالب علم یہاں چاہے انتظام کر سکتا ہے۔ ریاض کے بہت سے لوگوں نے تھے محلوں میں پختہ مکان بنا لئے ہیں اور اپنے پرانے کچے مکان وقف کر دیئے ہیں۔ عموماً طلبہ کا قیام انہی مکانوں میں ہوتا ہے۔ وہاں طلبہ کے علاوہ شیخ عبدالرزاق عصفی سے بھی ہماری ملاقات ہوئی۔ ان سے تسریٰ ————— یعنی لونڈیوں ————— کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ سعودی عرب میں اس زمانہ میں بھی غلاموں اور لونڈیوں کا رواج ہے۔ شیخ عصفی نے بتایا کہ یہاں جو غلام اور لونڈیاں آتی ہیں وہ یا تو مسقط اور عمان کی طرف سے آتی ہیں یا لبنان کی طرف سے ان کے جواز کی وجہ صرف یہ بیان کی جاتی ہے کہ لونڈی ————— یا غلام ————— آخر یہ کہتی ہے کہ میں لونڈی ہوں اور میرے آباؤ اجداد قدیم زمانہ سے غلام چلے آتے ہیں اس کے صرف اس بیان پر اسے خرید لیا جاتا ہے اور اس کے لانے والے سے یہ معلوم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی کہ وہ اسے کیسے لایا وہ اسے لپک دے کر بھی لاسکتا ہے۔ ڈرا کر بھی لاسکتا ہے اور اس کے ماں باپ سے خرید کر بھی لاسکتا ہے۔ ہاں اگر لونڈی یا غلام کہدے کہ مجھے زبردستی لونڈی یا غلام بنایا گیا ہے تو اسے آزاد کر دیا جاتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ آخر وہ یہ بات کسے کہہ سکتی ہے؟ آزاد ہو کر وہ تہنا جائے گی کہاں؟ اس پر شیخ عصفی خاموش ہو گئے انہوں نے پھر بتایا کہ لونڈیوں کے جواز پر بعض لوگ فقہاء کی کتابوں سے یہ مسئلہ بھی نکالتے ہیں کہ کافر کو فروخت کیا جاسکتا ہے۔ کافر خود بھی اپنے

آپ کو فروخت کر سکتا ہے اور اپنے بیٹے یا بیٹی کو بھی فروخت کر سکتا ہے؛ لہذا اسے یا اس کے بیٹے یا بیٹی کو خریدنا جا سکتا ہے گویا فی عنق الفقیہہ تخرج سالما (الابلا بکر ملا) والا معاملہ ہے۔

نوٹ :- محمد صدیق قریشی نے فیصل نامی کتاب میں لکھا ہے کہ سعودیہ میں اب یہ لعنت ختم ہو چکی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں!

شاہ سعود کے دور حکومت میں امیر فیصل کے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالنے کے بعد ان کا ایک اہم کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے غلامی کو غیر قانونی قرار دے کر اس لعنت کو ختم کر دیا۔ یہ فرمان چھ نومبر ۱۹۶۲ء کو جاری کیا گیا۔ ایک اندازے کے مطابق تیس ہزار غلام آزاد کئے گئے۔ ۲۴ دسمبر ۱۹۶۳ء کو نیویارک ٹائمز نے انکشاف کیا کہ حکومت نے ان کے مالکوں کو بائیس لاکھ ڈالر ادا کئے۔ (فیصل ۵۵ ملخصاً) تاہم شاہی محلات کی کینیزوں کی فوج ظفر موج اس حکم سے اب تک مستثنیٰ ہے۔ (قاوری)

سعودی ثقافت کے بارے میں محمد عاصم لکھتے ہیں!

ظہران میں ٹیلیویشن کے دو مرکز ہیں۔ ایک آراکو کے ہیڈ کوارٹر میں اور دوسرا ایئر پورٹ پر۔ ایئر پورٹ کے پروگرام صرف انگریزی میں ہوتے ہیں اور آراکو کے انگریزی اور عربی دونوں میں۔ یہ پروگرام صرف علمی اور معلوماتی ہی نہیں ہوتے، بلکہ ان میں ہر طرح کے پروگرام شامل ہوتے ہیں۔ عرب نوجوانوں پر جن کے پاس پیسہ وافر ہے اور وقت بھی فالتو ہے اور ان پر اخلاقی لحاظ سے بھی کوئی پابندی نہیں ہے ان پروگراموں کا جو اثر ہوتا ہوگا اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔
المر بالمعروف والنہی عن المنکر والے سینما پر تو پابندی لگا سکتے ہیں، لیکن ٹیلی ویژن سے

عرب نوجوانوں میں جو مغربی تہذیب کی تقلید کے برے اثرات پھیلتے ہیں ان کی روک تھام کیسے ہو سکتی ہے؟

سعودی عرب میں آزادانہ طور پر کہیں جانے کی اجازت نہیں

ہے، اس موضوع پر محمد عاصم لکھتے ہیں :-

اس کے بعد میں اور چودھری صاحب وزارتِ داخلہ گئے جس کا دفتر ریاض کی بجائے مکہ معظمہ میں ہے، اس کے مدیر سے ملاقات ہوئی، انہوں نے ہمیں بتایا کہ امیر مساعد کے نام پر ہم نے مدیر الامن العام (انسپکٹر جنرل پولیس) کو ہدایات بھیج دی ہیں آپ لوگ ان سے ملئے مدیر الامن العام کے پاس آئے تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے تمام مقامات پر آپ لوگوں کو السنہیلات والارشادات الازمہ (ضروری ہدایات اور آسانیاں) بہم پہنچانے کے لئے تار روانہ کر دیئے ہیں اس لئے اب آپ لوگ پورے ملک میں جہاں چاہیں پھر سکتے ہیں کہیں کوئی دقت پیش آئے تو پولیس والوں سے مدد لیجئے۔ یہ سب آسانیاں امیر مساعد کے تار کی وجہ سے حاصل ہوئیں ورنہ محض پاسپورٹ پر ایک اجنبی مسافر کے لئے سوائے ان مقامات کے جن کی تفریح اس کے پاسپورٹ پر کر دی گئی ہو۔ سعودی مملکت کے اندر گھومنا ممکن نہیں۔ جو لوگ عمرہ کے لئے جاتے ہیں انہیں صرف مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں گھومنے پھرنے کی اجازت ہوتی ہے۔

ترکوں کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے
محمد عاصم صاحب لکھتے ہیں!

ترکوں کی خدمات

سفر نامہ ارض قرآن ص ۷۴-۷۵

۱۵ محمد عاصم

۱۵۱-۱۵۰

۱۵

ہم پہلے منیٰ گئے وہاں مسجد محصب اور مسجد الکبش اور بعض دوسری مساجد باہری سے دیکھیں۔ مسجد محصب منیٰ کے راستہ میں ہے اور لوگوں کے کہنے کے مطابق اس جگہ بنی ہوئی ہے جہاں حجۃ الوداع سے واپس آتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ نمازیں ادا فرمائیں تھیں۔ مسجد الکبش منیٰ کے اندر ہے اور یہ اس جگہ بنی ہوئی ہے جہاں کے متعلق لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس جگہ مینڈھا زبح کیا تھا یہ سب مسجدیں ترکی عہد کی بنی ہوئی ہیں۔ بخدی حضرات کے برعکس ترک اور اشراف مکہ بہت خوش عقیدہ واقع ہوئے تھے اس لئے ہر جگہ کوئی نہ کوئی مسجد بنا ڈالتے تھے جن کے متعلق انہیں یہ خیال پیدا ہو جاتا کہ یہاں فلاں واقعہ پیش آیا ہوگا اس لئے جن علمائے مکہ معظمہ کے آثار کی تحقیق کی ہے وہ گھروں اور مسجد میں دارالرقم کی نسبت کو تو بڑی حد تک صحیح مانتے ہیں لیکن دوسرے آثار کی نسبت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے۔

ترکوں پر مظالم | ترکوں کے ساتھ سعودی عربیہ کے حکام کا جو ظالمانہ رویہ ہے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے محمد عاصم صاحب لکھتے ہیں!

رات کو عشاء کے بعد ترک حضرات نے ایک جگہ ہماری دعوت کا اہتمام کیا، جس میں ان کے اکثر بزرگ اور علماء موجود تھے اس بہانے ہمیں ان کے ساتھ اطمینان سے مل بیٹھنے اور ان کے حالات سننے کا موقع ملا۔ بے چارے بڑی تکلیف اور کسپرسی کی حالت میں ہیں، ان کی سب سے بڑی تکلیف یہ ہے کہ اگرچہ انہیں سعودی عرب میں رہتے ہوئے ایک مدت گزر گئی ہے، مگر ابھی تک انہیں تابعیہ (مستقل شہریت) نہیں دیا گیا جس کی وجہ سے انہیں آئے دن دفتروں اور تھانوں کا چکر لگانا پڑتا ہے اور ہر سال اپنی مدت اقامت بڑھوانے کے لئے چالیس بیالیس

ریال فی کس ادا کرنے پڑتے ہیں جب تک تالیفید نہ ہو۔ وہ عرب میں کسی جگہ شامی نہیں کر سکتے، بلکہ اگر ان کا کوئی آدمی مر جائے، تو عام قبرستان میں دفنانے میں بھی بڑی کاٹیں اور دقتیں پیش آتی ہیں۔ چینی ترکستان کے ہاجرین کو اس بات پر بھی مجبور کیا گیا کہ وہ چینی سفیر سے پاسپورٹ لیں اور پھر یہاں ویزا لے کر جب تک ویزا کی توسیع ہوتی ہے مقیم رہیں۔ مسلمان حکومتوں کے لئے مغربی تصور قومیت کی یہ تقلید اسلامی تصورات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ اگر یہ لوگ کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مسلمان ملکوں میں پناہ نہ ڈھونڈیں تو اور کہاں ڈھونڈیں۔ اور مسلمان ملک بھی انہیں پناہ نہ دیں تو پھر ایمان کا رشتہ انہوت کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ ترکستانی ہاجر درحقیقت اس زمانہ کے تمام ہاجرین سے زیادہ ہمدردی اور ہر قسم کی امداد کے مستحق ہیں اور لوگوں کی ہجرت میں تو کوئی اور جذبہ بھی کارفرما ہو سکتا ہے، لیکن ان کی ہجرت کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ انہیں اسلام ہر چیز سے زیادہ عزیز تھا اور کمیونسٹوں کے غلبہ کے بعد وہ اپنے وطن میں رہتے ہوئے چونکہ وہ اپنے دین کو محفوظ نہ رکھ سکتے تھے اس لئے انہیں وہاں سے ہجرت کرنا پڑی۔ ایسے حالات میں انہیں سب سے بڑھ کر مسلمان ملکوں میں امان ملنا چاہیے تھی نہ

حکومت سعودی نے جس طرح صحابہ کرام
 رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار اور بزرگوں
 سعودیہ کا آثار و مشاہد کو مٹانا

کے مقابر اور دینی مشاہد کو مٹایا ہے اس پر ہر طبقہ کے مسلمانوں نے افسوس اور رنج کا اظہار کیا ہے۔ محمد عاصم صاحب اور مولانا مودودی اگرچہ عقیدہ سعودیہ کے ہم مشرب ہیں، لیکن آثار صحابہ کے ساتھ سعودیہ کا یہ ظلم و ستم انہیں بھی متاثر کئے بغیر نہ رہ سکا؛ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

سفر نامہ ارض قرآن ص ۱۸۳-۱۸۲

لد محمد عاصم

دارالارقم | مکہ معظمہ میں جتنے دوسرے آثار اور مساجد ہیں، ان کی نسبت تاریخی لحاظ سے بہر حال یقینی نہیں ہیں، لیکن دارالارقم کی

نسبت تاریخی لحاظ سے تقریباً یقینی اور قطعی تھی۔ یہ جس جگہ پر آج سے چند سال پہلے قائم تھا۔ تمام مسلمان بادشاہوں اور امرار نے اس کی اس لحاظ سے ہمیشہ حفاظت کی کہ یہ وہ جگہ دارالارقم قائم تھا۔ ہر دور میں اس جگہ قرآن و حدیث کی تعلیم کا کوئی نہ کوئی سلسلہ جاری رہا۔ عمارتیں اگرچہ گرتی اور پھر سے بنتی رہی ہوں گی، لیکن بہر حال جگہ وہی ہی۔ آخری عمارت جسے ہم نے ۹۴۹ میں خود دیکھا ہے غالباً نویں صدی ہجری کی بنی ہوئی تھی، اس کے دروازے پر بھی دارالارقم لکھا ہوا تھا اور اس کے اندر بھی بڑے پتھر رکھے ہوئے تھے، جن میں سے ایک پر یہ عبارت آئی تھی:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فی بیوت اذن اللہ ان ترفع و یذکر فیہ اسمہ

یسبح لہ فی الغدو والاصال — ہذا مسنجد

رسول اللہ و دار الخیران و فیہا مبر الاسلام

دوسرے پتھر پر عمارت کے بانی کی حیثیت سے ابو جعفر محمد بن علی بن ابی منصور الاصفہانی وزیر الشام و الموصل کا نام کندہ تھا۔ ہمارے پہلے سفر کے زمانہ میں شیخ ابوالسمع، عبدالزہد مرصم (موجودہ خطیب حرم کے بڑے بھائی) ادرس قرآن و حدیث ہو کر تاتھا، گراب و مال کیا دیکھتے، افسوس کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ تاریخی آثار سے سعودی حکومت کا تغافل ایک ایسی چیز ہے جو عرب کی سیاحت کرنے والے ہر شخص کو بری طرح کھٹکتی ہے۔ مشرکانہ افعال (یعنی من یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب پر عمل کرنے والے لوگ) شعائر اللہ کی تعظیم کرتے ہیں اور ایسے مقامات پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے استجابت کی توقع پر دعا کرتے ہیں۔

انہیں افعال کو وہابیہ مشترکانہ افعال قرار دیتے ہیں۔ سعیدی) کو روکنا بالکل برحق مگر اسلام کے ہنایت قیمتی آثار تاریخ کو ضائع کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

کچھ اور آگے بڑھیں تو بایں ہاتھ کو مکہ معظمہ کا قبرستان جسے

المعلیٰ کا قبرستان

المعلیٰ یا المعطلات کہا جاتا ہے، آگیا۔ المعلیٰ جاہلیت کے زمانہ سے آج تک اہل مکہ کا قبرستان ہے اس میں کوئی مشک نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب، چچا ابو طالب، اہلیہ مکرمہ حضرت خدیجہ اور دوسرے تمام اعزہ یہیں دفن ہوئے ہوں گے اور بہت سے صحابہ کرام و صحابہ کرام جنہیں اور بعد کے صلحا۔ فقہا، محدثین کی قبریں بھی یہیں ہوں گیں، لیکن ان کی جگہوں کا تعین قطعی ناممکن ہے۔ بجدلیوں کی حجاز میں آند سے پہلے یہاں بہت سی پختہ قبروں پر بڑے شاندار قبہ بنے ہوئے تھے جو اکابر صحابہ کی طرف منسوب کئے جاتے تھے اور لوگ ان پر طرح طرح کے نذرانے پیش کرتے تھے۔ بجدلیوں نے آکر ان تمام قبوں کو گرا دیا اور پختہ قبروں کو مسمار کر دیا۔ اب یہاں کوئی پختہ قبر نہیں ہے اب بھی بعض قبروں کو بعض صحابہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، لیکن اس نسبت کی کوئی حقیقت نہیں ہے اس قبرستان میں ایک جگہ پر حضرت خدیجہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب اور چچا ابو طالب کی قبروں کی نشاندہی کی جاتی تھی، لیکن سعودی حکومت نے ان قبروں کو بھی مسمار کر کے ان کے آگے پختہ دیوار بنا دی ہے تاکہ کوئی شخص اس دیوار سے آگے نہ بڑھ سکے۔

منیٰ کے وسط میں مسجد الخیف ہے اور یہ اس جگہ واقع

بیعت عقبہ

ہے جہاں حجۃ الوداع کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا اور صحابہ کرام کے ساتھ پانچ نمازیں ادا فرمائی تھیں۔ حجرہ اولیٰ اور ثانیہ

سفرنامہ ارض قرآن ص ۱۵۳-۱۵۲

لہ محمد عاصم

سفرنامہ ارض قرآن ص ۱۰۶

لہ محمد عاصم

کے درمیان ایک چھوٹی سی مسجد ہے، جسے مسجد المنحر کہا جاتا ہے، کہتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قربانی کے اونٹ یہاں ذبح فرمائے تھے، لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جمرہ عقبہ (جمرد کبریٰ) سے کچھ پہلے ایک چھوٹی سی مسجد اور ہے جسے مسجد العشرہ کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ پہلے سال مدینہ کے جن آدمیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ یہاں جمع ہوئے تھے۔ جمرہ کے ساتھ ہی ایک اونچی سی جگہ تھی جس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں دوسرے سال مدینہ منورہ کے بہتر آدمیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور جو تاریخ کی کتابوں میں بیعت عقبہ کے نام سے مشہور ہے اور اسی لئے اس جمرہ کا نام بھی جمرہ عقبہ رکھا گیا ہے، مگر یہ جگہ بھی اب نیٹو سڑک کے پتھے آگئی ہے، حالانکہ بیعت عقبہ سے اہم واقعہ کی تاریخی یادگار کو ذرا سی توجہ سے محفوظ رکھا جاسکتا تھا۔

مسجد ابن عباس | مسجد ابن عباس کے محل وقوع کو دیکھتے ہوئے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مسجد اس جگہ بنی ہوئی ہے جہاں محاصرہ طائف کے موقع پر مسلمانوں کا لشکر ٹھہرا ہوا تھا اور جنگ ہوئی تھی اس کے بالکل سامنے جنوب مغرب میں ان صحابہ کرام کی قبریں ہیں جو غزوہ طائف میں شہید ہوئے۔ لوگوں نے ہمیں بتایا کہ پہلے ان قبروں پر تختے بھی لگے ہوئے تھے، لیکن اب یہ تختے مٹا دیئے گئے ہیں۔

حنین | سیل کبیر پہنچ کر ہم نے عمرہ کا احرام باندھا اور کچھ دیر وہاں رک کر آگے روانہ ہوئے۔ طائف جاتے ہوئے ہمارا ڈرائیور بالکل جاہل تھا اس لئے وہ راستہ کی کوئی چیز ہمیں نہ بتا سکا۔ آتے ہوئے جو ڈرائیور طاوہ قدرے

سفر نامہ ارض قرآن ص ۱۵۹-۱۵۸

سفر نامہ ارض قرآن ص ۱۸۱-

محمد عاصم

محمد عاصم

پڑھا لکھا تھا۔ زمیہ اور شراغ کے درمیان سڑک کی دائیں طرف ایک کھلے میدان کے متعلق اس نے ہمیں بتایا کہ غزوہ حنین یہاں واقع ہوا تھا۔ ہم نے موٹر سے اتر کر متعدد تصویریں لیں، افسوس یہاں بھی کوئی علامت موجود نہیں ہے۔

البقیع | اسی روز عصر اور مغرب کے درمیان ہم مدینہ منورہ کے قبرستان البقیع کی زیارت کے لئے گئے جو مسجد نبوی سے مشرق کی سمت واقع ہے اور معمولی رفتار سے زیادہ پانچ منٹ کا راستہ ہے۔ پہلے البقیع جانے والے کو بہت سی گلیوں سے گزرنا پڑتا تھا، مگر اب حکومت نے مسجد نبوی اور البقیع کے درمیان کھلی اور پختہ سڑک بنا دی ہے جس سے البقیع آنا جانا بہت آسان ہو گیا ہے۔ یہ قبرستان بھی جاہلیت کے زمانے سے اہل مدینہ کا قبرستان چلا آ رہا ہے۔ ترکوں کے دور میں یہاں بھی بہت سی پختہ قبریں اور ان پر خوبصورت قبہ بنے ہوئے تھے، مگر سجدی حضرات نے شریف حسین کو شکست دے کر جب مدینہ منورہ پر قبضہ کیا تو یہاں کے اکثر قبہ گرا دیئے اور قبریں توڑ دیں، لیکن بہر حال مکہ معظمہ کے المعطلات کی بہ نسبت یہاں پختہ قبروں کی تعداد اب بھی زیادہ ہے اور اس میں راستوں کا عمدہ انتظام ہے۔

انہی نام مشاہد و ماثر پر اہل عرب کے تاثرات | اگلے دن (۱۴ دسمبر) صبح کے وقت میں اور

پروفیسر صاحب مدینہ منورہ کے گورنر (امیر المدینہ) کے دفتر گئے۔ مدینہ کے گورنر رضا ایلم کے لحاظ سے شاہی خاندان کے ایک شہزادہ ہیں لیکن وہ عملاً سارا سال نجد میں رہتے ہیں، ان کے وکیل (سیکرٹری) عبداللہ اسدھیری ان کی جگہ تمام فرائض انجام دیتے ہیں، اس لئے عموماً انہی کو امیر المدینہ کہا جاتا ہے۔ اسدھیری نجد کا ایک بار سوخ خاندان ہے۔ سعودی خاندان

سفرنامہ ارض قرآن ص ۱۸۵-۱۸۴

محمد عاصم

ص ۲۳۶-۲۳۷

” ”

کی اس سے رشتہ داریاں بھی ہیں، اس لئے اس کے بہت سے افراد کئی جگہوں مثلاً بتوک، العجمہ اور حائل کے امیر یا وکیل الامیر ہیں۔ مدینہ میں جس عمارت میں امیر کا دفتر ہے، نہایت خستہ اور پرانے طرز کی عمارت ہے اس کی اب تک قسمت نہ جاگنے پر ہمیں تعجب ہوا۔ امیر عبداللہ سدھیری سے ہماری ملاقات نہ ہو سکی، ان کے وکیل جو ان کے بڑے صاحبزادے ہیں اس سے ملاقات ہوئی، انہوں نے مغرب کے بعد مولانا کو اپنے والد کے ہاں آنے کی دعوت دی۔ مغرب کے بعد ہم ان کے ہاں گئے، نہایت سادہ لیکن باخبر قسم کے آدمی معلوم ہوئے۔ اسلامی آثار کی حفاظت سے عقلیت پر افسوس نظر کرتے رہے اور اس کے مقابلہ میں یورپ اور امریکہ والے جس طرح اپنے آثار کی حفاظت کرتے ہیں، اس پر رشک کرتے رہے۔

صحابہ کرام کی قبروں کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ان کے نزدیک قبروں پر حاضر ہونا پھول چڑھانا یہ سب اور شاہ سعود کی حکومت کے نزدیک بدعت تھے، لیکن کیا کافروں کی قبر پر حاضری دینا اور پھولوں کی چادر چڑھانا یہ ان کے نزدیک بدعت تھی، عین کارثواب تھا ہم نہیں کہتے روزنامہ کوہستان سے سینے۔

سعودی عرب کے وزیر دفاع امیر فہد بن سعود (موجودہ ولی عہد) نے جو شاہ سعود کے ہمراہ امریکہ آئے ہیں کل امریکہ کے پہلے صدر جارج واشنگٹن کی قیام گاہ کی سیر کی بارش کے باوجود انہوں نے پائیں باغ کی سیر کی اور جارج واشنگٹن کی قبر پر پھول چڑھائے۔ یہ تو ایک شہزادے کا عمل تھا اب خود بادشاہ کا تاب و سنت پر عمل ملاحظہ فرمائیں۔
نوائے وقت لکھتا ہے :-

واشنگٹن یکم فروری راج صبح شاہ سعود پٹو مک دریا عبور کر کے ارلنگٹن قبرستان

سفرنامہ ارض قرآن ص ۲۱۸-۲۱۷

۱۰ محمد عاصم

روزنامہ کوہستان لاہور، ۲۰ فروری، ۱۹۵۷ء

۱۰ بحوالہ تاریخی حقائق ص ۴۱

گئے اور گنام پساہی کی قبر پر پھول چڑھائے۔

اس کے علاوہ ایک اور نقطہ نظر سے دیکھیے۔ اسلامی مقابر، ماثر اور مشاہد کے ساتھ شاہ سعود کے مظالم کی داستان آپ نے ملاحظہ فرمائی کہ کس طرح ان کی حکومت نے المعلیٰ اور البقیع کے قبرستان ویران کئے صحابہ کرام اور حضور کے اعزہ کے نشانات تک مٹا دیئے گئے۔ اسلامی آثار اور مشاہد کو پیوند زمین کر دیا گیا، کیونکہ اگر یہ سب کچھ نہ کیا جاتا، تو شاہ سعود کے نزدیک توحید مجروح ہو جاتی اور رسالت کا پیغام مرجھا جاتا۔ آئیے ہم آپ کو اسلامی ماثر و مشاہد کی ویرانی کے مقابلہ میں شاہ سعود کے محلات کی سد بہار بساط عشرت و نشاط دکھلائیں۔ دیکھیے صحابہ کرام اور اعزہ رسول کے ماثر کو ویران کرنے والا یہ بادشاہ اپنے محلات کو بیگمات اور کنیزوں کے غول کے غول سے کس طرح شاداب رکھتا ہے، شاید اس کے نزدیک اس کے اس کسیر و اتہ کردار سے نہ توحید کے تقاضے مجروح ہوئے ہیں اور نہ پیغام رسالت میں کوئی فرق آتا ہے۔

شاہ سعود کی حیرت خیز عیاشیاں

روزنامہ کوہستان لکھتا ہے:-

شاہ سعود کا دورہ امریکہ

امریکہ کی صنعت موٹر سازی کے مرکز کی

ایک اطلاع میں بتایا گیا ہے کہ وہاں سعودی عرب کے حکمران شاہ سعود کے لئے خاص قسم کی ساٹھ کیڈلاک کاریں تیار کی جا رہی ہیں، ان کی مجموعی لاگت دس لاکھ ڈالر ہوگی۔

شاہ سعود جب واشنگٹن پہنچے تھے، تو صدر آئزن ہاؤر نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے انہیں اسلام کے مقدس مقامات کے کسٹوڈین کی حیثیت سے امریکی عوام کے سامنے پیش کیا تھا۔ اب امریکی عوام بجا طور پر کہتے ہوں گے کہ مسلمانوں کے عشق و عشرت

صفحہ بحوالہ تاریخی حقائق ص ۳۱) روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲ فروری ۱۹۵۷ء

کے جو افسانے تاریخوں میں بیان کئے گئے ہیں وہ صحیح ہیں، کیونکہ بیسیویں صدی کا ایک ”مسلمان“ حکمران اب بھی اتنا مسرف اور فضول خرچ ہے کہ وہ ہر سال ایک نیا محل تعمیر کرواتا ہے اور ہر سال لاکھوں ڈالر کاروں پر صرف کرتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شاہ کے محلات کی تعداد بیالیس ایک پہنچ گئی ہے۔ گراں قدر تحفہ تحائف دینے میں وہ پچھلے بادشاہوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔

امریکہ کے مشہور میگزین ٹائم نے امریکی عوام سے شاہ کا جس انداز سے تعارف کرایا ہے، اس سے شاہ سعود کی شخصیت کے ساتھ اسلام اور قرآن کو بھی مجروح کیا گیا ہے۔ مثلاً ٹائم کہتا ہے کہ سعودی عرب میں غلامی اس لئے جائز ہے کہ اسلام اس کو جائز قرار دیتا ہے، حرم عورتوں سے اس لئے بھرے ہوئے ہیں کہ اسلام اس عیاشی اور ہوسناکی پر اعتراض نہیں کرتا۔ وہاں جمہوریت کنسٹیٹیوشن، اسمبلی اس لئے نہیں ہے کہ اسلام ان امور کے بارے میں خاموش ہے۔

ہمارے نزدیک یہ باتیں گمراہ کن ہیں۔ سعودی عرب کا نظام حکومت شخصی اور جاہلانہ ہے اس کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ اسلام کے نزدیک، مسلمان حکمرانوں کے لئے یہ کسی طرح جائز نہیں ہے کہ وہ گزربسر سے زیادہ سرکاری خزانے پر بار ڈالیں اس بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طرز عمل اسلام کے عین مطابق تھا۔

آج شاہ سعود جس ملک پر حکومت کر رہے ہیں۔ وہاں اسلام کے عہدِ اول میں مسلمان ایسے خوشحال تھے کہ لوگ زکوٰۃ، صدقے اور خیرات کی رقوم اور اشیاء لئے پھرتے تھے، لیکن انہیں قبول کرنے والا کوئی نہ ملتا تھا، لیکن آج اس سرزمین کی تین چوتھائی آبادی زندگی کی ہر مسرت سے محروم ہے، اس کے برعکس شاہی خاندان، شیوخ اور سعودی حکام ایسی کاروں میں پھرتے ہیں جو صدر امریکہ کو بھی نصیب نہیں۔ اور ایسے محلوں میں رہتے ہیں جن میں رہنے کا تصور اس زمانہ کا کوئی حکمران بھی نہیں کر سکتا۔ قاہرہ، اسکندریہ کے مضافات

لبنان کے خوبصورت علاقوں میں سعودی عرب کے شہزادوں کے محلات نہ صرف اپنے حسن و جمال، بلکہ عیش و عشرت کے لوازمات سے بھی بے نظیر ہیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ ان باتوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلامی نظام حکومت میں تو ایک حکمران کی اقتصادی حیثیت ایک عام مسلمان سے کسی طرح بلند نہیں ہوتی، اس کے باوجود امریکہ میں شاہ سعود کا جس انداز سے تعارف ہوا ہے اور جن شانانہ اداؤں کا وہ مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اسے اسلام کی نائندگی سے تعبیر کرنا ہمارے لئے انتہائی تکلیف دہ امر ہے۔

شاہ سعود نے بیسیویں صدی کے دور میں صدیوں پرانی شاہی عیاشیوں کی تاریخ کو زندہ کر دیا تھا، ان کے حرم میں قانونی اور غیر قانونی بیویوں کی ایک بڑی تعداد اور کنیزوں کی لمبی کھیپ تھی۔ شاہ کی انہی عیاشیوں پر روزنامہ کوہستان شاہ سعود کی الف لیلوئی شخصیت کا عنوان قائم کر کے لکھا ہے۔

شاہ سعود کی الف لیلوئی شخصیت

سعودی عرب کے مطلق الحکم بادشاہ سعود بن عبدالعزیز

دنیا کے آخری تاجدار ہیں جن کے ہر فرمان کو قانون کی تقدیس کا درجہ حاصل ہے۔ موجودہ شاہ سعود سلطان ابن سعود کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں۔ سلطان نے اپنی تلوار کی نوک سے سعودی عرب کی حدیں متعین کی تھیں اور وہ مغرب (انگریزوں کے ساتھ تعاون کے پر زور حامی تھے۔ عربین امریکن آئیل کمپنی کے منافع میں سعودی خاندان کا پچاس فی صد حصہ ہے۔ شاہ سعود ریشمی لباس زیب تن کرتے ہیں۔ اپنے سر پر مخصوص عربی عمامہ پہنتے ہیں ان کی عادات و اطوار میں اب بھی بعض الف لیلوئی داستانوں کی باقی موجود ہیں۔ آپ کی قریب کی نظر کمزور ہے اور اس لئے ہر وقت ایک سنہری فریم کا چشمہ

(بحوالہ تاریخی حقائق ص ۵۵) روزنامہ کوہستان لاہور، ۱۹ فروری ۱۹۵۷ء

لگائے رکھتے ہیں وہ اس چھپن سال کی عمر میں بھی شکار کھیلتے ہیں۔ بازوں اور عربی النسل گھوڑوں کا شوق رکھتے ہیں، ان کی چار منگوتہ بیویاں ہیں۔ درجنوں عورتوں کو طلاق دے چکے ہیں۔ ان کے چالیس بیٹے ہیں، مگر اس معاملے میں وہ اپنے والد کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ وہ ایک سو پچاس عورتوں کو اپنے رشتہ مناکحت میں لائے تھے اور ان کی کل اولاد چار سو پچاس تھی۔

کچھ عرصہ قبل شاہ سعود کو خیال آیا کہ ان کے حرم کے لئے سنگ مرمر کا ایک حسین و جمیل اور ایئر کنڈیشنڈ محل تعمیر ہونا چاہیے۔ یہ خیال آتے ہی انہوں نے اٹلی کے مشہور ماہر تعمیر سنور آر سنبڈو بریزی کو حکم دیا کہ وہ ایسا عشرت کدہ تعمیر کرے جسے دیکھ کر الف لیلا کی داستانیں یاد آجائیں، لیکن وہ اس کی تعمیر کے اخراجات ادا کرنا محمول گئے محل کی تعمیر پر ۳۹ ہزار پاؤنڈ (دس لاکھ روپیہ لاگت آئی تھی۔

اسی سلسلے میں نوائے وقت لکھتا ہے:-

سنور بریزی نے بتایا کہ میں اس سلسلے میں دوبارہ سعودی عرب گیا تھا میرے ہمراہ میرا بیٹا اور میرے دو کارنگر بھی تھے وہاں جا کر مجھے معلوم ہوا کہ شاہ سعود ایک محل کی بجائے ایک بہت بڑا قلعہ سا تعمیر کرانا چاہتے ہیں جو چالیس عمارتوں پر مشتمل ہوگا اور ہر عمارت دو درمی عمارت سے برساتی کے ذریعے ملحق ہوگی اس میں ان کی چار منگوتہ بیویوں اور اسی لوٹدیوں کے لئے ایک حرم بھی ہوگا یہ پورا قلعہ تقریباً ۳۴ لاکھ مربع گز میں پھیلا ہوا ہوگا۔ اس سلسلے میں ہمیں زمین کے ایک بہت بڑے قلعہ کو ہوار کرنا پڑا۔ میں نے اور میرے مددگاروں نے اس منصوبہ پر اٹھارہ مہینے کام کیا۔

یہ تو بیرونی محل کا ایک اجمالی نقشہ تھا۔ اب محل کے اندرونی حصے کی کیفیات کو ایک

(بحوالہ تاریخی حقائق ص ۸۱) روزنامہ کوہستان لاہور ۲۵ جنوری ۱۹۵۴ء

(بحوالہ تاریخی حقائق ص ۲۲) روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۵ مئی ۱۹۵۸ء

واقف کار امریکی خاتون نے بیان کیا جو نوائے وقت نے چھاپ دیا ہے۔

اندرون محل | ایک امریکی خاتون شاہ سعود کے حرم میں داخل ہوئی اس نے جو کچھ دیکھا ذیل میں اس کے مضمون کے بعض اقتباسات درج ہیں۔

امریکی خاتون لکھتی ہے کہ: میں محل میں ایرانی قالین پر چلتے ہوئے ایک وسیع کمرے میں پہنچی جو کسی بڑے ہوٹل کے ہال روم سے کم نہ تھا۔ اس کمرے میں ایک دبیر قالین بچھا ہوا تھا جو فرش زمین سے کئی اونچا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ حرم کا دربار ہال ہے اور شاہ ہر شام اپنی بیویوں کے ساتھ خوش گپیوں میں صرف کرتے ہیں۔ اس ہال میں نقش و نگار سے مرصع بہت سی گدی ملی سنہری کرسیاں قطاروں میں بچی ہوئی تھیں۔ قریب ہی ایک منقش سنہرا کام دار صوفہ رکھا ہوا تھا۔

شاہ کی بیگمات اونچے گلے کے موردار کرتے پہنے ہوئیں تھیں، جن کا پٹرا ہنایت منقش تھا۔ لباس میں جواہرات بکثرت لگے ہوئے تھے اس کے ساتھ انہوں نے عام قسم کے دھاری دھار موتے بھی پہن رکھے تھے۔ یہ بیگمات سونے کے زیورات اور جواہرات سے اس قدر لدی ہوئی تھیں کہ یقیناً وہ ان کا خاصا بوجھ محسوس کرتی ہوں گی۔ گلہ، کان، گردن، ہاتھ کی کلائی اور کمر سب سونے اور ہنایتی بیش قیمت جواہرات کے زیورات کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ ایک ایک انگلی میں انہوں نے کئی کئی انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں وہ میک اپ کا بل سرفی وغیرہ سے پرانے وقتوں کے ہالی وڈ کی ساکن پیکچروں کی ہیروئن لگتی تھیں، ان کے عطرات تیز تھے کہ ان کی بو میرے لئے شروع میں بڑی ناگوار تھی۔

شاہ سعود کی چار بیویاں ہیں ان چار بیویوں کے علاوہ باقی سابق بیویاں اور لونڈیاں ہیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ شاہ سعود کی سترہ قانونی سابق بیویاں ہیں اور حرم میں ان کے لئے علیحدہ جگہ مقرر ہے۔ بعض اوقات شاہ اپنے منظور منظر شیوخ کو اعزاز دینے کے لئے

اپنی کسی سابق بیوی کو اس کے نکاح میں دیتے تھے۔

حرم میں لونڈیاں بھی ہیں اور لونڈیوں کے لئے بھی علیحدہ علیحدہ کوارٹر موجود ہیں۔ حال ہی میں حرم میں داخل ہونے والی عورتوں کی تعداد دس سے ساٹھ تک بتائی جاتی ہے۔ سفارتی حلقوں کے مطابق شاہ کے بچپن میں بیٹے ہیں۔ بیٹیوں کی تعداد نامعلوم ہے۔ ہر لڑکے کے لئے علیحدہ موٹر اور ڈرائیور موجود ہے۔ شاہ نے اپنے کمرے میں جدید طرز کی بجلی کی گھنٹیاں لگوائیں، مگر چونکہ شاہ کی نظر کمزور ہے وہ غلط بٹن دباتے تھے وہ جس بیوی کو بلانا چاہتے اس کی جگہ اور آجاتی۔ شاہ کا غسل خانہ ایک بہت بڑے کمرہ اور خالص سونے کی منسگر پر مشتمل تھا۔ محل کا دروازہ منقش تھا جہاں رافل پر سنگین چڑھائے ایک سنتری پہرہ دے رہا تھا۔ شاہ کی ایک بیگم نے ایک طلائی مردانہ گھڑی جس کے ڈائل پر شاہی نشان بنا ہوا تھا مجھے تحفہ دی۔

اسی عنوان کے تحت روزنامہ کوہستان لکھا ہے!

شاہ خرچیاں

شاہ سعود جس بحری جہاز سے امریکہ پہنچے اس سے اترتے وقت موصوف نے جہاز کے اراکین کو ۲۰ ہزار ڈالر کی بخشش دی۔ عملہ کے ہر رکن کو دوسو سے چار سو ڈالر تک بخشش ملی۔ اس نقد رقم کے علاوہ شاہ نے انہیں سونے کی گھڑیاں بھی دیں۔ جہاز کے کپتان کو ایک ہیش قیمت گھڑی ملی۔

یہ خبر شاہ سعود کی شاہ خرچیوں کی ایک ادنیٰ سی مثال ہے جو شامانہ ادا ہیں وہ قیام امریکہ کے دوران دکھائیں گے ان کے تذکرے کچھ دنوں بعد آئیں گے، مگر شاہی خاندان کے دوسرے افراد جو کچھ کرتے ہیں وہ خالص الف لیلوی داستان کی باتیں ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس خاندان کی نجدی مملکت میں ابھی درسگاہوں اور مہذب زندگی کی دوسری ابتدائی ضروریات کا تصور بھی نہیں پیدا ہو سکا۔

(بحوالہ تاریخی حقائق ص ۲۲) روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۹ دسمبر، ۱۹۵۷ء

روزنامہ کوہستان لکھتا ہے کہ :-

شاہ فرچیوں کی شہرت

سعودی عرب کے شاہی و باہی خاندان کی

مصرفانہ عیاشیوں کی داستانیں بڑی عام ہیں۔ شاہی خاندان کو تیل کے ذخائر سے کروڑوں ڈالر کی سالانہ آمدنی ہوتی ہے جس پر شاہی خاندان کے شہزادوں کا تصرف ہے۔ ایک ایک شہزادے کے پاس کئی کئی ملکات محلات اور کاریں ہیں۔ غیر ملکی بینکوں میں لاکھوں ڈالر کے حسابات کھلے ہوئے ہیں اور کچھ دنوں سے یہ افواہ بھی گرم ہے کہ نجدی شہزادے ریگستان کے خفیہ مقامات پر اپنی دولت چھپا رہے ہیں۔ شاہی خاندانوں کی مصرفانہ عیاشیوں کی داستانیں بڑی رنگین ہیں، جب کوئی شہزادہ سیر و سیاحت پر نکلتا ہے تو اس کے ہمراہ اترو حدام کا پورا لشکر ہوتا ہے اور ایسے شہزادوں کا یہ گروہ ایک دن کی شاپنگ پر لاکھوں روپے ضائع کر دیتا ہے۔ یہ ہے اس ملک کے شاہی خاندان کی حالت جس کے عوام کی غربت دنیا میں ضرب المثل ہو۔ جہالت، نکبت اور بیماری نے غریب عوام کو اپنے شکوے میں جکڑ رکھا ہے۔ میلوں تک کسی مدرسہ، ہسپتال اور متمدن زندگی کے کسی نشان کا پتہ نہیں چلتا ہے۔

شاہ سعود ملک کی تمام دولت کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتے تھے اور اپنے ملک کے عوام

شاہ سعود کا شانہ غرور

کو اپنا زرخیز غلام گردانتے تھے، ان کے پاس بے پناہ دولت تھی جس کے نشہ میں چور شاہ سعود کے سامنے اپنی ذات کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس سلسلے میں روزنامہ کوہستان لکھتا ہے :-

دنیا کی سب سے زیادہ غیر جمہوری جاگیر دارانہ مملکت کا یہ تاجدار شاہ سعود مغرب

۱۷ روزنامہ کوہستان ۵ فروری ۱۹۵۷ء (جوالہ تاریخی حقائق ص ۸۴)

۱۷ روزنامہ کوہستان ۹ اکتوبر ۱۹۵۶ء (جوالہ تاریخی حقائق ص ۸۵)

کی سب سے بڑی جمہوریت امریکہ کا حیرت انگیز دوست ہے۔ شاہ سعود کسی پارلیمنٹ یا کونسل کے سامنے جوابدہ نہیں اور سعودی عرب کے کسی باشندے کو ووٹ دینے کا حق حاصل نہیں۔ شاہ کے ایئر کنڈیشنڈ بلند قیصر ایسی سرزمین پر تعمیر ہو رہے ہیں جہاں ایک ہتھیاری آبادی اب بھی سیاہ خیموں میں خانہ بدوشی کی زندگی گزارتی ہے اور صرف پانچ فیصد باشندے اپنا نام لکھنا جانتے ہیں۔ ————— جب شاہ ابن سعود (والد سعود) کو تیل کی دولت ملی، تو ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کا کیا کیا جائے۔ ملک کی ہر چیز بادشاہ کی ملکیت تھی اس لئے انہوں نے اس دولت کو بھی ذاتی دولت سمجھا۔ ان کے لڑکوں کو ساری دنیا کا سفر کرنے کے لئے بے شمار روپے ملتے تھے۔ قاہرہ کی ہر شبینہ کلب میں کوئی نہ کوئی سعودی شہزادہ رقص والی عورتوں کے جھرمٹ میں نظر آتا..... ایک قصہ مشہور ہے کہ قاہرہ کی ایک کلب میں جو مصریوں کے لئے مخصوص تھی۔ ایک سعودی شہزادہ شراب میں مدہوش داخل ہوا اور چلا چلا کر کہنے لگا۔ اے سوئے کے بچو تم شاہی خاندان کے ایک فرد کے سامنے کھڑے ہو کر تعظیم کیوں نہیں بجالاتے!

روزنامہ کوہستان اس موضوع پر لکھتا ہے:-

سعودی شہزادوں کے مٹھا مٹھا باٹھ

گزشتہ ماہ لبنان میں اس پر فہنا پہاڑی مقام پر سیر و تفریح کی غرض سے سعودی عرب کے ۳۲ تیس شہزادے آئے جن میں عمویں چار سے سولہ برس تک تھیں۔ ان تیس شہزادوں کی دیکھ بھال کے لئے تیس خدام بھی ان کے ہمراہ تھے اور ان کے پاس جدید ترین ماڈلوں کی سچپیں کاریں تھیں۔ ہوٹل والوں کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ شہزادے کے قیام و طعام میں شانانہ مٹھا مٹھا باٹھ کا ثبوت دیا جائے چنانچہ رات کے وقت ان کے لئے نزدیکی فلموں کی خاص طور پر نمائش کی جاتی اور مقامی رقص گاہ میں بھی ان کے لئے خاص

(بحوالہ تاریخی حقائق ص ۸۶) روزنامہ کوہستان لاہور یکم فروری ۱۹۵۶ء

بروز گرام ترتیب دئے جاتے۔ گزشتہ ہفتہ یہ تمام شہزادے اپنے وطن واپس چلے گئے مگر ان کے اس مختصر سے قیام کابل ایک لاکھ ڈالر سے زیادہ بیان کیا جاتا ہے۔

شاہ سعود کا زوال | شاہ سعود جس بیدردی کے ساتھ شاہی خزانے کو لٹا رہے تھے یہ رالہ سے بولوں کے لئے زیادہ عرصہ تک

قابل برداشت نہ تھی، چنانچہ اس موضوع پر محمد صدیق لکھتے ہیں!

شاہ سعود کے اسرارہ نہ الی بحران پیدا کر دیا تھا، معیشت تباہ ہو چکی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ شاہی خزانہ میں صرف ۳۱ ریال رہ گئے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سعودی نژاد نے فرانس اور برطانیہ کا معاشی مقاطعہ کر رکھا تھا، جس سے معیشت پر برا اثر پڑا تھا۔ ملک میں تعلیم یافتہ طبقہ بھی جنم لے چکا تھا جو ملک میں اصلاحات کا خواہش مند تھا۔ امیر فیصل نے وزارتِ عظمیٰ پر فائز ہوتے ہی کابینہ میں ضروری رد و بدل کیا اور وزارتِ خزانہ سمیت چار محکمہ اپنی نگرانی میں لے لئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک ہی سال میں ملک میں توازن پیدا ہو گیا۔

اہم سرکاری قرضے ادا کر دیئے گئے اور کرنسی میں استحکام پیدا ہو گیا۔ ادھر خارجی محاذ پر سعودی عرب نے غیر جانبداری کو ترجیح دی تاہم خارجہ تعلقات میں کوئی خاص تبدیلی نہ آئی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۹۵۸ء میں عراق میں انقلاب برپا ہوا، تو سعودی عرب نے متحدہ عرب جمہوریہ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

امیر فیصل کے وزیر اعظم بننے سے عیاش افراد کا قافیہ تنگ ہونے لگا۔ یہ لوگ قومی خزانہ پر سفید ہاتھی بن کر بیٹھے تھے۔ ان کی اب ایک نہ چلتی۔ امیر فیصل کے خلاف سازش ہونے لگیں۔ شاہ کے گرد خوشامدیوں کا حلقہ تنگ ہوتا یا ان لوگوں میں شہزادے بھی تھے اور عام مصاحب بھی۔ اس طرح کشیدگی نے سراٹھایا۔ دسمبر ۱۹۶۰ء میں کابینہ میں

(بحوالہ تاریخی حقائق ص ۷۷) روزنامہ کوہستان لاہور ۲۵ اگست ۱۹۵۷ء

بحران پیدا ہوا۔ دو وجوہات فوری تھیں۔ قانون ساز مجلس اور بجٹ اول الذکر کو شاہ کا قرب حاصل تھا۔ اچانک یہ مطالبہ پیش کیا گیا کہ آئین کی تشکیل کی جائے جو ایک نمائندہ مجلس تیار کرے۔ وزیر اعظم کے نزدیک یہ مطالبہ قبل از وقت تھا، جہاں تک بجٹ کا تعلق تھا ان پر یہ لازم تھا کہ وہ آمدنی اور اخراجات کی مکمل تفصیلات شاہ کو پہنچایا کریں لیکن وہ ایسا نہ کرتے کیونکہ وہ اس خیال سے متفق ہی نہ تھے کہ شاہ پھر سے قومی خزانہ دونوں ہاتھوں سے لٹا کر شروع کر دیں۔ نتیجہ یہ کہ جنوری ۱۹۴۱ء میں امیر فیصل نے استعفیٰ دے دیا جسے شاہ نے فوراً منظور کر لیا۔ نئی کابینہ بنی تو شاہ خود وزیر اعظم بن گئے۔ کابینہ کی اہم ترین شخصیت تیس سالہ امیر طلال تھے جنہیں وزارت خزانہ دی گئی۔ کابینہ میں شہزادوں کے علاوہ مغربی درس گاہوں کے تعلیم یافتہ شہری بھی لئے گئے۔ خاندان کے بااثر افراد نے شاہ سعود اور امیر فیصل کے درمیان مصالحت کرنے کی کوشش کی تاکہ آل سعود میں یکجا نکت قائم رہے۔ مارچ ۱۹۴۲ء میں امیر فیصل وزیر اعظم بنا دیئے گئے۔

اب وزیر اعظم فیصل زیادہ با اختیار تھے۔ انہوں نے حکمران خاندان کے اخراجات کم کرنے اور فلاح و بہبود کے کام انجام دینے کی کوشش کی۔ انہوں نے یہ کوشش بھی کی بیرونی ممالک سے ملازمت کے لئے جو لوگ سعودی عرب کا رخ کرتے ہیں ان کی آمد سے سعودی باشندوں کے حقوق صلب نہ ہوں اور نہ ہی ان پر ایسا معاشرتی اثر پڑے۔ جو سعودی روایات کے خلاف ہو۔ اس قسم کی پالیسی مصر، شام اور عراق سے آئے ہوئے کاریگروں کے معاملہ میں بھی اختیار کی گئی جو محدود تعداد میں سعودی عرب میں ملازمت کر رہے تھے۔ ۱۹۵۵ء میں کئی فلسطینیوں، شامیوں اور لبنانیوں کو سعودی عرب سے نکال دیا گیا۔

اکتوبر ۱۹۴۲ء میں وزیر اعظم فیصل مصر ہی میں تھے کہ ملک کی مجلس اعلیٰ کا اجلاس

شاہ سعود کی معزولی

فیصل ص ۵۲-۵۴

تفصیلاً فرمائی

ہوا اور فیصلہ ہوا کہ شاہ سعود کی حکمت عملی کی وجہ سے ملک بتاہی کے کنارے آہنچا، اس لئے انہیں سبکدوش کر کے امیر فیصل کو فرماں روانہ کیا جائے۔ اس مجلس میں سعودی خاندان کے بڑے اور جید علماء شامل تھے۔ مصر سے واپسی پر فیصل کو مجلس کے فیصلے کا پتہ چلا انہیں اس فیصلے سے اختلاف تھا، لیکن مجلس کے ارکان مصر تھے انہوں نے شاہ سعود کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ انہوں نے حصص حصص سے کام لیا۔ مجلس نے یورپ کے علماء اور آل سعود کے تمام بزرگوں کا اجلاس طلب کر لیا جو مجلس اکتوبر ۱۹۶۳ء کو شہزادہ خالد کی رہائش گاہ پر منعقد ہوا۔ دوسرا اجلاس مفتی اعظم کے مکان پر ہوا اور تیسرا صحرا ہوٹل میں ہوا جس میں ایک سو شہزادوں اور تتر علماء نے شرکت کی۔ شاہ سعود کو متفقہ طور پر برطرف اور فیصل کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا۔

باب

شاہ فیصل کا دور حکومت

Handwritten text in Urdu script, partially visible on the left margin.

شاہ فیصل سعودی بادشاہوں میں سیاسی اعتبار سے سب سے زیادہ کامیاب حکمران ثابت ہوئے۔ ۲۹ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو شاہ سعود کو معزول کر کے شاہ فیصل کو سعودی عرب کا بادشاہ بنا دیا گیا۔ جب شاہ فیصل نے اپنے عہدِ حکومت کا آغاز کیا، تو سعودی عرب قرضوں کی گرفت میں تھا اور عرب عوام کی اکثریت غربت اور افلاس اور جہالت میں اپنی زندگی گزار رہی تھی، لیکن شاہ نے قدرت کے عطیہ سیال تیل کی بدولت ملک کو قرضوں کی گرفت سے آزاد کیا اور تیل کی دولت سے اپنے ملک کو ترقی اور خوشحالی کی راہ پر ڈال دیا۔

محمد صدیق قریشی شاہ فیصل کے کارناموں کے بارے میں
فیصل میدان عمل میں لکھتے ہیں۔

فیصل ۲ نومبر ۱۹۵۲ء کو تخت نشین ہوئے، انہوں نے داخلی حکمت عملی میں اپنے عظیم والد کی تقلید کی۔ ان کے والد نے قبائلی عربوں کو متحد کر کے بزرگ شمشیر سلطنت قائم کی تھی اس سلطنت کو جہالت اور پسماندگی سے پاک کرنے اور اس کو معاشی، معاشرتی اور سیاسی ترقی سے ہمکنار کرنے کا جو بھی کام ہوا وہ شاہ فیصل کا مرہونِ منت ہے، جب وہ بربرِ اقتدار آئے، تو خزانہ خالی ہو چکا تھا، لیکن ان کی تگ و دو سے وہ وقت بھی آیا، جب ملک کا ترقیاتی بجٹ ایک ارب چالیس کروڑ ریال تک پہنچ گیا۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ دولت مند ہونا اور بات ہے اور خرچ کرنا اور اس معاملہ میں شاہ فیصل اپنی مثال آپ تھے۔ دنیا میں بہت کم رہنما ایسے ہوں گے، جو قومی دولت شاہ کی طرح استعمال کرتے ہو۔ ان کے دور میں سعودی عرب نے معاشی اور معاشرتی شعبوں میں معجز نما ترقی کی ہے۔

سعودی عرب مشرق وسطیٰ کا واحد ملک ہے، جہاں

بنیادی ضروریات بے روزگاری بالکل نہیں۔ تمام لوگوں کو ملازمت کے

بہترین مواقع پیش کیے ہیں۔ عام طور پر ایک ہنرمند کارکن بیس روپے روزانہ اجرت لیتا تھا، لیکن بڑھتی ہوئی مانگ کے پیش نظر اب روزانہ اجرت (کم از کم) پچاس روپے کو دی گئی ہے۔ اس کے باوجود کاریگر کی بے حد مانگ ہے۔

اس موضوع پر محمد صدیق قریشی لکھتے ہیں۔

تعلیم شاہ فیصل نے سعودی عرب کو تدریجاً بیسویں صدی میں لانے کی کوشش

کی، اس کے لیے انہوں نے تعلیم کا سہارا لیا اور تعلیم محضت اور لازمی قرار دی نیویارک ہیئرلڈ ٹریبیون اکتوبر ۱۹۶۲ء کی ایک اشاعت میں رقم طراز ہے۔

سعودی عرب میں جب پہلے تیل دریافت ہوا، تو حکومت نے اسے محض آمدنی کا ذریعہ سمجھا، لیکن موجودہ حکومت کو پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ یہ سیال سونا نہ صرف آمدنی کا ذریعہ ہے، بلکہ دنیا سے عرب کی عظمت کے اجیا۔ کا سبب بھی بن سکتا ہے، چنانچہ حکومت نے موجودہ نسل کو تعلیم سے بہرہ ور کرنے کا ایک جامع اور ہمہ گیر پروگرام مرتب کیا ہے۔ یگستانوں کو گلزار میں بدل دیا گیا ہے اور شہریوں کو ہر ممکن سہولت پہنچائی گئی ہے۔

اس موضوع پر محمد صدیق قریشی لکھتے ہیں۔

صحت عامہ شاہ نے اپنے دور حکومت میں عام سعودی شہری کی زندگی میں

ایک انقلاب برپا کر دیا۔... صدیوں سے زندگی کی بنیادی آسائشوں اور سہولتوں سے محروم لوگوں کو جدید زندگی کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ قدرت نے سعودی عرب کو تیل کی بے پناہ دولت سے مالا مال کر رکھا ہے، لیکن اس کے ثمرات سے عام شہریوں نے فائدہ شائع

۱۔ محمد صدیق قریشی فیصل ص ۲۰ و ۵۹

۲۔ محمد صدیق قریشی فیصل ص ۲۱

دور ہی میں اٹھایا۔ شاہ نے اس دولت کا خاصہ حصہ رفاہ عامہ کے کاموں پر صرف کیا۔ انہی میں ایک شعبہ صحت عامہ کا بھی ہے۔ ہسپتال اور ڈسپنسریاں قائم کی گئیں جن میں سات ہزار بستروں کا انتظام کیا گیا۔ کلینک اور فکسٹریوٹ ان کے علاوہ ہیں۔ گشتی شفاخانوں کا بھی خاطر خواہ انتظام کیا گیا۔ جن میں جدید ترین آلات ہیں۔ یہ گشتی شفاخانے قصبے قصبے جاتے ہیں باقاعدہ اور منظم دورے کرتے ہیں۔ اس طرح دور افتادہ علاقے کے لوگ طبی سہولتوں سے استفادہ کرتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے یہ بھی انتظام کیا گیا کہ ملک کے ڈاکٹر کسی بیماری کا علاج نہ کر سکیں، تو مریض سرکاری خرچ پر دنیا کے کسی بڑے ہسپتال میں بذریعہ طیارہ بھیجا جائے۔

۱۹۴۲ء میں سعودی عرب میں تقریباً ساڑھے ساٹھ لاکھ کی آبادی کے لیے ۲ ہسپتال اور ۱۴۷ ڈسپنسریاں اور ۲۵۲ ہیلتھ سنٹر تھے، لیکن اب ان کی تعداد میں معتدبہ اضافہ ہو چکا ہے۔ السدادی شعبہ میں ۳۳ قریظینے اور بلڈ بینک قائم کیا گیا۔ ملک کا اہم ترین قریظینہ جڈہ میں ہے۔ جس کی تعمیر پر ایک کروڑ پچاس لاکھ ریال، یعنی تقریباً ۳۳ لاکھ امریکی ڈالر خرچ ہوئے۔ یہ قریظینہ ایک شہر نظر آتا ہے اس کا مجموعہ رقبہ ۲,۲۸,۰۰۰ مربع میٹر ہے اور اس میں بیک وقت ۲,۳۰,۸۰۰ افراد رکھے جاسکتے ہیں۔

اس موضوع پر محمد صدیق قریشی لکھتے ہیں

ذرائع آمد و رفت شاہ فیصل نے اقتدار سنبھالتے ہی جہاں زندگی کے دوسرے

شعبوں کی ترقی میں گہری دلچسپی لی۔ وہاں ذرائع آمد و رفت بندرگاہوں اور مواصلات پر بھی خصوصی توجہ دی۔ سعودی عرب کے جغرافیائی محل وقوع نے اس کی فوجی اہمیت بہت بڑھادی ہے یہ مشرق و مغرب کے درمیان رابطہ کا کام دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے دنیا کے ہر خطے سے منسلک کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ سڑکوں کی تعمیر میں ہر علاقہ کی ضروریات کو مد نظر

رکھا گیا اور اس بات پر زیادہ دھیان دیا گیا کہ ان علاقوں میں سڑکوں کا خاطر خواہ انتظام ہو، جہاں زرعی اور معدنی پیداوار زیادہ ہوتی ہے، تاکہ اس پیداوار کو منڈیوں تک لانے میں کسی قسم کی کوئی دقت نہ ہو۔ ۱۹۴۵ء میں سعودی عرب میں سڑکوں کی کل لمبائی ۵۱۰ و ۲۲۷ کلومیٹر تھی۔ شاہ کے دور میں ۱۰۰۰ کلومیٹر کی سڑکیں تعمیر ہو چکی تھیں اور ان کے آخری دنوں میں ۲۰۰۰ کلومیٹر لمبی سڑکوں کی تعمیر جاری تھی، چونکہ سعودی کا رقبہ بہت زیادہ ہے اور اکثر علاقہ غیر آباد ہے۔ اس لیے اعلیٰ قسم کی سڑکیں بنانا مشکل کام ہے۔ علاوہ انہیں ان کی تعمیر پر اخراجات بھی زیادہ اٹھتے ہیں، لیکن ان کے بغیر خاطر خواہ ترستی بھی ممکن نہیں، یہی وجہ ہے کہ شاہ نے سالانہ بجٹ کا ۲۰ فیصد حصہ ذرائع آمد و رفت کے لیے مختص کر رکھا تھا۔ حاجیوں کی سہولت کے پیش نظر جدہ، مکہ اور مدینہ کے درمیان پکی سڑکوں کا جان بچا دیا۔ اس ضمن میں محمد صدیق لکھتے ہیں!

مواصلات

پہلے ڈاک کا انتظام بھی معقول نہ تھا۔ شاہ نے اسے بہتر بنایا۔

۱۹۴۳ء میں ملک بھر میں ۳۰۲ پوسٹ آفس تھے، جن کی تعداد میں معقول اضافہ کیا گیا اور اب کئی جگہوں پر کمپیوٹر سے کام لیا جا رہا ہے۔ ۱۹۵۵ء میں ٹیلیفون سسٹم شروع ہوا اور ۱۹۶۱ء میں ملک بھر میں ۲۲۰۰ ٹیلیفون تھے۔ اب تو گھر گھر ٹیلیفون ہیں اور دنیا کے کسی بھی شہر سے فوری طور پر رابطہ قائم ہو سکتا ہے۔ ٹیلی پرنٹر کی سہولتیں بھی عام ہیں۔

محمد صدیق لکھتے ہیں:-

معدنی وسائل

یہاں کی سب سے بڑی دولت تیل ہے، جس پر آج کل سعودی

عرب کا کلینٹ انحصار ہے، تاہم ملک دیگر معدنی وسائل سے بھی مالا مال ہے۔ ملک بھر میں جو سرے کیا گیا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ زیر زمین دولت ہی دولت ہے۔ ان دھاتوں میں

فیصل، ص ۶۶

محمد صدیق قریشی

۶۷ ، ۶۸ ، ۶۹

”

کرومائیٹ، ٹینینیم، ابرتس، نمک اور جسم شامل ہیں۔ سونا بھی معقول مقدار میں پایا جاتا ہے۔ ۱۹۷۳ء میں شاہ کے حکم پر مختلف مطالعاتی گروپ قائم کیے گئے اور پٹرول اینڈ منرل تنظیم (پٹرومن) قائم کی گئی۔ اس نے کامیابی کے ساتھ وسیع پیمانے پر معدنیات تلاش کیں۔
محمد صدیق رقم طراز ہیں۔

صنعتی ملک میں وسیع پیمانے پر قائم کرنے کا منصوبہ بھی شاہ فیصل کی حکومت نے بنایا۔ دوسرے پنج سالہ ترقیاتی منصوبہ میں ۴ کروڑ ڈالر صنعت کاری کے لیے مختص کیے گئے ہیں۔ ۱۹۶۷ء میں جدہ میں ۶۰ لاکھ ڈالر کی لاگت سے فولاد کا کارخانہ لگایا گیا۔ علاوہ ازیں ملک میں سینٹ، صابن، پھینی، نمک، کھجوروں کی پیکنگ کے ڈبہ، ہلکے مشروبات اور صنعتی گیس بھی تیار ہوتی ہے۔ ۱۹۶۹ء میں چار کروڑ سچاس لاکھ ڈالر کے سرمائے سے کماؤ کا کارخانہ لگایا گیا، جب امریکہ اور یورپ کی مختلف حکومتوں سے یہ کہا گیا کہ وہ صنعتیں لگانے میں سعودی عرب کو فنی امداد دیں، تو انہوں نے لیت دلتل سے کام لیا، کیونکہ مغربی طاقتوں کے اپنے مفاد پر ضرب پڑھتی تھی۔ ۲

محمد صدیق لکھتے ہیں!

تیل بردار جہاز سعودی عرب پٹرولیم برآمد کرنے والے عرب ملکوں کی تنظیم اور اوپک (دونوں کا اہم رکن ہے۔ سعودی عرب اس خیال کا زبردست حامی ہے کہ تنظیم کے اراکین کا تیل بردار جہازوں کا اپنا بیڑہ ہوتا کہ اس طرح وہ دولت بچ سکے جو مغربی ملکوں کی جہازوں کو کھپنیاں کرنے کی شکل میں لے جاتی ہیں؛ چنانچہ شاہ فیصل کے زمانہ میں تیل بردار جہازوں کی خریداری کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ۳

۴۸	فیصل ص	۱ محمد صدیق قریشی
۴۸ - ۴۹	" "	" ۲
۷۱	" "	" ۳

شاہ فیصل نے جدید ذرائع سے فائدہ اٹھانے کی بھی پوری
ریڈیو اور ٹیلیویشن کوشش کی۔ ۱۹۴۴ء میں ملک بھر میں سات ریڈیو اسٹیشن

قائم ہو چکے تھے۔ ان سے عالمی سروس کا بھی اہتمام کیا گیا، تاکہ دنیا بھر کے لوگ سعودی عرب
 کے بارے میں تازہ ترین حالات سے باخبر ہوتے رہیں۔ ۱۹۴۰ء میں شاہ نے ٹیلیویشن
 کا اجرا کیا، ان کی وفات تک ملک بھر میں چھ ٹیلیویشن اسٹیشن قائم ہو چکے تھے۔
 اس عنوان کے تحت محمد صدیق نے لکھا ہے۔

معیار زندگی شاہ برسر اقتدار آتے، تو حکومت کو آراؤں کے بھاری قرضے

ادا کرنے تھے۔ شاہ نے ایسے حسن تدبیر سے کام لیا کہ سعودی عرب پوری دنیا کی مالیات پر
 چھا گیا۔ اس کی فی کس آمدنی آٹھ سو روپیہ سے تجاوز کر گئی۔ شہریوں کو سستے داموں اناج و
 دیگر اشیاء ضرورت مہیا کی گئیں۔ سعودی عرب ریلوے کے مرحلہ سے نکل کر کاروں اور
 طیاروں کے مرحلہ میں پہنچ گیا۔ میلانز کے اخبار اورگی نے اپنی ۲۴ اگست ۱۹۴۴ء میں لکھا
 کیچڑ اور اینٹوں کے بنے ہوئے دیہات کے قریب تیل کے بھارے نے ایک سراب سا پیدا کر دیا
 ہے۔ جدید شہر، پرتکلف ہوٹل، بین الاقوامی ہوا کی مستقر، اہم صنعتیں اور یونیورسٹیاں۔
 محمد صدیق لکھتے ہیں۔

غیر ملکی سرمایہ کاری شاہ کی حکومت نے کوشش کی کہ سعودی عرب زیادہ سے

زیادہ ترقی کرے، تاکہ زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تبدیلی ہو۔ غیر ملکی سرمایہ داروں کی توجہ
 سرمایہ کاری کی طرف منڈول کرنے کے لیے شاہ نے حکم دیا کہ انہیں فیکٹریوں کے لیے
 جگہ مفت دی جائے۔ پانچ سال تک انکم ٹیکس نہ لیا جائے۔ بشرطیکہ قومی سرمایہ بھی ۲۵ فیصد
 لگایا گیا ہو۔ فیکٹریوں کی مشینری، خام مال یا پیداوار پر کوئی درآمدی یا برآمدی محصول نہ لیا

محمد صدیق قزوینی

فیصل ص ۷۶ - ۷۱

۷۶ " "

جاتا۔ اس حکمت عملی کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے بے شمار فیکٹریاں نصب ہو گئیں۔

اس موضوع پر محمد صدیق لکھتے ہیں۔

مالیاتی نظام شاہ نے ملک کی باگ ڈور سنبھالی، تو مالی حالت بہت تپلی تھی اور جب شہید ہوئے، تو تمام عظیم الشان منصوبوں کے فیاضانہ مصارف کے باوجود قومی خزانہ میں ۲۳ ارب ڈالر تھے۔ ۱۹۶۹ء میں سعودی عرب کو تیل کی فروخت سے ۲۸ ارب ڈالر کی آمدنی ہوئی۔ سعودی عرب میں مالی امور کی نگرانی سعودی عرب مالیاتی لیکسٹی کرتی ہے۔ منصوبہ بندی، معاشی حکمت عملی اور سالانہ مالی امور کی تفصیلات سہی طے کرتی ہے اور انہیں پایہ تکمیل تک پہنچاتی ہے۔

سعودی عرب نے جدید بینک کاری میں بھی نمایاں ترقی کی ہے۔ مختلف بینکوں کی ۶۵ شاخیں ملک بھر میں جا بجا پھیلی ہوئی ہیں، بینک کی تربیت کے لیے ٹریننگ سنٹر قائم کیا گیا۔ جہاں کمپیوٹر ایسی جدید ترین سہولت تک مہیا کی گئیں۔ صنعتوں کے فروغ کے لیے صنعتی بینک اور زراعت کی ترقی کے لیے زرعی بینک قائم کئے گئے۔ جو چھوٹے صنعتکاروں اور کاشتکاروں کو آسان شرائط پر قرضے دیتے، تاہم قرضے لینے کی رفتار نہایت سست تھی، کیونکہ پرائیویٹ سیکٹر ہی سے سرمائے کی فراہمی آسانی سے ہو جاتی ہے۔

۱۹۶۹ء میں ادائیگیوں کے توازن میں ۸۰ کروڑ ڈالر فاضل تھے، حالانکہ گذشتہ دس برس کی مجموعی فاضل رقم ۹۰ کروڑ ڈالر تھی۔ اس سال کل قومی پیداوار ۱۶ فیصد سے تجاوز کر گئی۔ اس کی ایک وجہ تیل کی پیداوار اور قیمتوں میں اضافہ تھی۔ شاہ تیل کی پیداوار پر پوری کلیہ انحصار پسند نہ کرتے تھے۔ اس ضمن میں انہوں نے کہا: ہمارا قطعی نصب العین یہ ہے کہ ہم اپنی معیشت میں تنوع پیدا کریں اور تمام شہرچلوں کے لیے سود مند ملازمت یقینی کریں، تاکہ

وہ ملک کی معاشی تاریخ میں حصّے لے سکیں۔ ۱۔

محمد صدیق قریشی اسی موضوع پر لکھ رہے ہیں۔ ۱۔

تیل سیال دولت

تیل پیدا کرنے والے ممالک میں سعودی عرب سرفہرست

ہے۔ اس کے تیل کے ذخائر بھی سب سے زیادہ ہیں، لیکن اس کے باوجود شاہ کے حکم سے تیل کی مزید تلاش جاری ہے۔ ربح اٹھالی، جہاں لق ووق صحرا کے سوا کسی قسم کی زندگی نہیں اس کا مکمل سروے کیا گیا۔ پہلے مرحلہ پر پانی کے گیارہ کنویں کھودے گئے۔ اس لیے امید ہے کہ یہاں تیل بھی مل جائے گا۔ مزید برآں جنرل پٹرولیم اینڈ منرل آرگنائزیشن قائم کی گئی اور اسے پیٹرولیم کی صنعتیں لگانے کا کام سونپا گیا، جن کے اس علاقہ میں فروغ کے بہت زیادہ امکانات ہیں۔ ان میں سے ایک ائل اینڈ گیس کارپوریشن آف پاکستان بھی ہے۔ ۱۹۸۰ء تک پانچ کارخانے قائم کرنے کا اعلان کیا گیا۔ ۲۔

اندرون سعودیہ کے بارے میں شورش کاشمیری کے تاثرات
 شورش کاشمیری مسلک دیوبند کے نقیب پاکستان کے مشہور اہل قلم
 اور نامور صحافی تھے۔ انہوں نے شاہ فیصل کے دور حکومت میں ۱۹۷۹ء
 میں سعودی عرب میں چودہ دن گزارے اور ان تاثرات کو اپنی مشہور کتاب
 ”شب جائے کہ من بودم“ میں لکھ دیئے۔ ہم اس کتاب کے بعض اقتباسات
 بلا تبصرہ نقل کر رہے ہیں۔ یہ تاثرات دو قسم کے ہیں۔ ایک سعودی عرب کی
 پیرس اور نیویارک کو مات کرنے والی شاہراہیں، فلک بوس عمارتیں اور
 پرتشکوہ ہوٹل، دوسری طرف صحابہ کرام اور قرابت دار رسول کی قبروں کے
 دیر لے لیجئے پڑھیئے۔

سعودی عرب کے شان و شکوہ کے بارے میں شورش
سعودی عربیہ کاشکوہ کاشمیری لکھتے ہیں۔

جدہ میں اب صرف دو چیزیں ہیں۔ ایک زبان، دوسرے افواں باقی ہر چیز پر یورپ
 کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ عربوں کا خاص لباس بھی یہاں مخلوط ہو گیا ہے۔ قطع ہے وضع
 نہیں، وضع ہے قطع نہیں۔ وضع کا بھرم ماند ہے، تو قطع میں رکھ رکھاؤ نہیں، غرض عرب
 تو ہیں ہر قسم کے عرب، غار بہ بھی اور عرب مستعربہ بھی، لیکن ارض تو ان کے عرب اب اب د
 گل کے ایک نئے سانچے میں ڈھل گئے ہیں۔

وہ طوفانوں سے کھلتے والے عرب تھے اور خود ایک طوفان تھے۔ یہ ساحل کے تماشائی
 عرب ہیں، جو کنارہ پر کھڑے خود ایک کنارہ ہو گئے ہیں۔ یہ کہنا مشکل ہو گا کہ ان کا ماضی سے
 کوئی رشتہ نہیں رہا، لیکن یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ ان کا ماضی ان سے محروم ہو چکا ہے اور اس
 چراغ کی طرح ہو گیا ہے۔ جو یادوں کے مزار پر بھولی بسری لودیتا ہے۔

جدہ بحر احمر کی ملکہ ہے۔ اس کی موجیں اس کے ساحل سے ضرور ٹھکراتی اور پیچھے بہت

جاتی ہیں۔ جہاز آتے ہیں اور نکل جاتے ہیں۔ کروڑوں روپیہ کا مال اتارا جاتا اور حجاز کے بازاروں میں بکتا ہے۔ ان عربوں میں کوئی طارق نہیں، جو ان مہجوں میں اتر جائے سفینوں کو آواز دے اور بادبان کھول دے۔ ساتھی کہیں ہم وطن سے دور ہیں تو میں گے، کیونکہ سڑک ایک اور صفحہ پر لکھتے ہیں!

جدہ جو کبھی تھا اب نہیں رہا اور جو ہے، وہ بیروت کا، ہم زلف ہے، عربوں کی دولت بیروت کے بعد یہاں نہ ہاں ہوتی ہے۔ ایک کپلی مارکیٹ ہے، جہاں یورپ کی تہذیب اپنی مصنوعات سمیت فروخت ہوتی ہے۔ یورپ کی عیش طلبیوں نے جن چیزوں کو لہجا دیا یہاں بہتات سے بکتی ہیں۔ کپڑا ہے، تو اس کے بازار لہسنے ہوئے ہیں، ایک سے ایک بڑھ کر، خیالوں سے نازک کپڑا سوال روپیہ کا نہیں۔ تیل اور سونے نے عربوں کو اتنا پیسہ دے دیا ہے کہ سوال اب اس کے خرچ کرنے کا ہے۔ شیوخ عرب اور لڑتے حجاز قیمت نہیں لگاتے، پیسہ لٹاتے ہیں۔ ان کی دولت خریدار ڈھونڈتی اور چو کڑی بھرتی ہے۔ جدہ کی ہر رات الف لیلیٰ کو محیط ہے۔ الف لیلیٰ کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ اس کے سوداگر مخملیں سجا کر اونٹوں کی قطار میں ساربانوں کے ہمراہ چلتے اور صحراؤں میں جوت جگاتے تھے، اب یہاں امویوں کے دمشق کی صبح نگار خانہ اور عباسیوں کے بغداد کی شب نے خانہ ہر لحظہ جوان ہے۔ اس کی مارکیٹ بازار عکاظ کی روایتوں کو جھٹلا چکی ہے اور سوق اعجاز کی حکایتوں سے کہیں آگے نکل گئی ہے۔ عربوں کی زمین کا روغن اور عربوں کے جسموں کا خون مغرب نے لگاتار کشید کیا اور اب تک کشید کر رہا ہے۔ جدہ کی عمارتیں کشیدہ قامت ہیں، کبھی عرب قد آور تھے، اب عمارتیں قد آور ہیں، جدہ ان کا نوشتہ ہے اور یہ اس کے برائی سڑک لگے صفحہ پر لکھتے ہیں:

۱ - شورش کاشمیری شب جائے کہ من بودم ص ۱۸ - ۱۹

۲ - " " " " ۱۴ - ۱۵

ہر چند میں اس جستجو میں رہا کہ جتدہ میں ارض قرآن کو تلاش کروں۔ افسوس ناکام رہا،
ناقد تلاش کیا، سیارہ (موٹر) پایا۔ بڑی بڑی کاریں ہمارے ہاں کی نسبت پتنگوں کی طرح اڑتی
پھرتی ہیں۔ لمبی لمبی انٹرکنڈیشنڈ کاریں جو خود یورپ استعمال نہیں کرتا۔ یہاں خراٹے بھرتی ہیں۔
مسجدوں کے باسے میں لکھتے ہیں!

مساجد کی کیفیت

مسجدیں بھی ہیں، لیکن ایک دو مسجدوں کے سوا کوئی

مسجد پر شکوہ نہیں، ان دو مسجدوں پر شکوہ کا لفظ وارد نہیں ہوتا۔ مسجد حنفی بھی ہے۔ مسجد
مالکی بھی ہے۔ مسجد شافعی بھی اور مسجد عکاشہ بھی۔ مدینہ امجاہ میں بھی خوبصورت مسجد نبی ہے
مگر ان مسجدوں سے ایک فرض کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ کسی شکوہ کا نہیں۔ کپڑا مارکیٹ کے نفل
میں ایک ٹیڑھی، میرٹھی گلی ہے۔ اس گلی میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ اس طرح کی مسجد جیسی
مسجدیں ہمارے ہاں دیہات میں ہوتی ہیں۔ بدویت کی یادگار! لیکن قد آور عمارتوں کے
پہلو میں اس کا وجود الف کے ساتھ ہمزہ کی طرح ہے۔ ان مسجدوں پر بلندینا نہیں یہ
ادھر ادھر کی سنگی عمارتوں کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے دیکھتی ہیں، جس طرح خدمت گار عورتوں کے پتے
مالکن کی بہو کے سولہ سنگار کو دیدے پھاڑ کر تیکا کرتے ہیں۔

ماثر، مقابر اور مشاہد کے باسے میں لکھتے ہیں۔

ماثر و مشاہد کی کیفیت

سعودی حکومت نے عہد رسالت کے آثار

صحابہ کرام کے مظاہر اور اہل بیت کے شواہد اس طرح مٹا دیے ہیں کہ جو چیزیں ڈھونڈ ڈھونڈ
کر محفوظ کرنی چاہیے تھیں، وہ ڈھونڈ کر محو کر دی گئی ہیں۔ کہیں کوئی قبر یا نشان نہیں لوگ
بتاتے اور ہم مان لیتے ہیں۔ حکومت کے نزدیک ان آثار و نقوش اور مظاہر و مقابر کا باقی رکھنا
بدعت ہے۔ عقیدہ توحید کے منافی ہے۔ سنت رسول کے خلاف ہے۔ لیکن عصر حاضر کی

شب جائے کہ من بودم ص ۸ -

شورش کشمیری

برجہت، جڈہ ہی میں نہیں۔ پورے حجاز میں موجود ہے، بلکہ ڈھکڑھکڑ بھیل رہی ہے۔ کیا قرآن
سنت کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا؟ شاہ فیصل کی تصویریں ہوٹلوں میں لٹک رہی ہیں انہیں
حکومت نے خود مہیا کیا ہے۔ ایئر پورٹ پر اترتے ہی شاہ فیصل کی تصویر پر نظر پڑتی ہے۔
قبوہ خانوں اور ریسٹورانوں میں ان تصویروں کی بہتات ہے، لیکن اس میں کوئی بدعت
نہیں! بدعت اسلاف کی یادیں بنانے اور باقی رکھنے میں ہے؟

اب امرائے حجاز، شیوخ عرب اور خاندان شاہی سونے اور چاندی کے تارے
کھینچے ہوئے ریشم میں تلتا اور قیاسم کے گدوں پر سوتا ہے۔ ۱۔

کسٹم کے انتظامات کے بارے میں لکھتے ہیں:

مکرم
شراب، چرس اور کتاب تینوں پر کسٹم کی نگاہیں رہتی ہیں۔
لطف یہ کہ کتاب یا رسالہ کسٹم سنسر نہیں کرتا، وہ محکمہ تعلیم کے پاس جاتا ہے اور محکمہ تعلیم
کے ارکان کی مرضی ہے کہ وہ مہینوں میں اور ہفتوں سنسر کریں، چاہے روک لیں اچھے
پاس کر دیں۔ میں اپنے ساتھ علامہ اقبال کے خطبات و کلمات کا مجموعہ فیضان اقبال لے گیا
تھا، لیکن روک لیا گیا۔ میں پندرہ روزہ کر واپس آ گیا۔ "فیضان اقبال" سنسر نہ ہو سکا، کتابیں
ان کے سنسر آفس میں کوڑا کرکٹ کی طرح پڑی رہتی ہیں۔ قرآن پاک کے ترجمے بھی ان میں
گڈ ڈھوتے ہیں۔ کوئی تخصیص یا کوئی احترام نہیں، بس جو شخص وہاں بیٹھا ہے۔ اس کی مرضی
کا نام سنسر ہے اور اس کی فرصت کا نام وقت، میں نے کسٹم کے بہتم سے بہتیرا کہا کہ ان
کتابوں میں کوئی بات مضر نہیں۔ یہ تو اس شخص کے کلمات کا مجموعہ ہے، جو حجاز کے عشق میں
گندھا ہوا تھا، لیکن اس نے پٹھے پر ہاتھ ہی نہ دھرنے دیا۔ آخر فیضان اقبال کے تمام
نسخے وہیں چھوڑے۔ ۲۔

شب جائے کہ من بوم ص ۲۳ مختصا

۱۔ شورش کشمیری

۲۹

"

"

۲۔

اس موضوع پر لکھتے ہیں:

شکر اور عشق کا فرق

میں نے سہیل سے کہا آخر اس بے توجہی اور

آثار فراموشی کی وجہ کیا ہے؟ جس جگہ کو قرآن، سیرت اور حدیث و تاریخ نے محفوظ کر لیا ہے، وہ بے اعتنائی کی مستحق ہے؟ اگر یہ چیزیں مکہ سے نکال دی جائیں، تو مکہ کے پاس کیا رہ جاتا ہے۔ بیت اللہ نے مکہ کو معراج بنجنا، لیکن اس معراج کو جس صاحب معراج کی معرفت ہم نے پہچانا اور مکہ ہمیشہ کے لیے ام القریٰ ہو گیا، اس کے آثار و نقوش نہ ہوتے، تو مکہ میں کرہ رضی کے انسان کے لیے کیا کشش تھی؟ یہ چیزیں تو بیت اللہ کے حیشے ہیں۔

عربوں کو احساس ہی نہیں کہ ان کے شرف و امتیاز کو انہی چیزوں نے زندہ کر رکھا ہے۔ یہ سب جس آقا کے دم قدم سے ہے، وہی آقا عربوں کو ابد الابد تک اعزاز دے گی۔ یہ محمد عربی نہ ہوتے، تو عربوں کی تاریخ اس کے سوا کیا تھی کہ اور قوموں کی طرح وہ بھی ایک تھے۔ حج اور عمرہ نے طلوع قیامت تک عربوں کی معیشت قائم کر دی ہے۔ ان کے بازاروں کی رونق فخر موجودات کی ذات ہے کہ لوگ ان کے عشق میں ان کی دعوت پر کچھ آتے اور مہمان ہو کر میزبانی کرتے ہیں؟

میں نے سہیل کو یاد دلایا کہ آل سعود کی حکومت یورپ کی ہر چیز سے مستمع ہو رہی ہے

حتیٰ کہ طبیعت نوجوان رکھنے کا یہ سامان یہاں موجود ہے، لیکن جس علم نے یورپ کی بالادستی قائم کی ہے اور اس نے جوڑ بٹور کر اپنی تاریخ گھڑ لی ہے، وہ علم عربوں کے ہاں حقیقی ماخذ سمیت موجود ہے اور عرب میں کہ اپنی تاریخ اپنے ہاتھوں میں ہے۔ یورپ کا مزاج یہ ہے کہ وہاں علم کھنڈر تلاش کر رہا ہے اور جستجو ویرانے کھود رہی ہے، لیکن ہم تاریخ کی اس دولت سے جو سردر کوئین کے سوانح و افکار پر روشنی ڈالتی ہے اور عظیم المرتبت معما کے حالات و کوائف سے آگاہ کرتی ہے۔ ایک ایسا برتاؤ کر سکتے ہیں کہ اس پر انمازل استبداد و دونوں کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہ تاریخ و عشق دونوں سے زیادتی ہے۔ سعودی حکومت

قرن اول کی حکومت نہیں۔ آج کی بادشاہت ہے۔ بادشاہت منشا بنی نہیں اقصیٰ کرسی کی یادگار ہے کہ ہم نے اپنے لیے اسے مشرف بہ اسلام کر لیا ہے۔

سہیل کو اصرار تھا کہ یہ ”بے حرمتی“ شرک کی خرابیوں کا رد عمل ہے، لوگوں نے ان جگہوں کو معابد بنا لیا اور معبود حقیقی سے ہٹتے جا رہے تھے۔ ان کے لیے بیت اللہ سے زیادہ بیت رضوان کا درخت عزیز تھا کہ جس کے پاں بچہ نہیں ہوتا، وہ عورتیں اس سے لپٹ کر دعا مانگتی تھیں۔

میں نے سہیل سے کہا یہ کہانی صحیح بھی ہو، تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ چیزیں مٹا دی جائیں، جو بہر حال تاریخ کی یادگار ہیں۔

آخر خانہ کعبہ اور مسجد نبوی بھی تو آثار ہیں؟ صفا و مروہ بھی تو شعائر اللہ ہیں، مزدلفہ کیوں جاتے ہیں؟ منیٰ کیوں پہنچتے ہیں؟ عرفات کیا ہے جمرۃ العقبیٰ، جمرۃ الوسطیٰ اور جمرۃ الاولیٰ کیا ہیں؟ آثار ہیں جو رسمیں وہاں ادا کی جاتی ہیں، وہ منظر ہیں۔ انہیں عقیدہ کی بنا پر محفوظ کیا گیا، تو یہ عقیدہ جس کی معرفت ہم تک پہنچا اور جس نے یہ ملت تیار کی، بہ قول اقبال دین اللہ کی طرف سے آتا ہے اور ملت پیغمبر بنا تے ہیں۔ اس عالیشان پیغمبر کا مولد و مسکن، اس کی دعوت کے مراکز منازل اور نزول وحی کے محور و مہبط کیوں نہ محفوظ کیے جائیں۔ اس کے سانچے میں ڈھلے ہوئے انسانوں کی یادگاریں کیوں نہ باقی رہیں؟ یہ سب یادگاریں انسانوں کی ہیں، جو تاریخ کے دھارے کو ابداً آباد تک موڑ کے زندہ جاوید ہو گئے۔ جن کا نام اور کام صبح قیامت تک زندہ رہے گا۔ جن کے لیے تمام عزتیں ہیں، جو حضور کے اہل بیت تھے و جہان جنہیں عشق کی آنکھوں سے اب بھی چلتا پھرتا دیکھتے ہیں۔ ان کے آثار محفوظ نہ رہیں، تو پھر کون سی چیز محفوظ کی جائے گی۔ سعودی حکومت نے شرک (سعودی حکومت کا خود ساختہ، سعیدی) کو منہدم کیا، لیکن ساتھ ہی عشق کو بھی مسمار کر دیا ہے، وہ شرک اور عشق میں امتیاز نہ کر سکی، حالانکہ یہ چیزیں عقیدہ نہیں،

تاریخ میں۔ جس قوم نے سب سے پہلے دنیا کو تاریخ دی اور جس کے ماخذ کلام اللہ نے محفوظ کیے ہیں، وہ قوم آج اپنی تاریخ مٹانے پر تلی ہو، تو یہ ایک المیہ ہے۔ ان آثار کی تعظیم دین کا مسئلہ نہیں۔ بلاشبہ توحید باری ان پرستشوں (اگر یہ پرستش ہو تو ۹۹ قدری) کی اجازت نہیں دیتی، لیکن یہ مسئلہ تہذیب کا ہے۔

اسلام کی اس سرزمین پر آل سعود کی حکمرانی ضروری ہے اور اس کا نظم و نسق بھی اسی کے حوالہ ہے، لیکن یہ علاقہ آل سعود کی میراث نہیں، بلکہ ملت عربی بھی کہنا اس کی وارث نہیں۔ یہ سرزمین خصوصاً مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک کی سرزمین جہاں جہاں رسول اللہ آتے جاتے رہے۔۔۔۔۔ بلکہ پورا عرب و نیلے اسلام کا ضامن ہے۔ تمام مسلمان حکومتوں کو مذہباً اس کی تالیف حاصل ہے۔ آل سعود تو اس کی مسئول ہے۔

سہیل کو میرے جذباتی ہونے کا یقین ہو گیا۔ اس کے باوجود میں نے اسے قائل کر لیا کہ یہ چیزیں اس بے رخی کی سزاوار نہیں، یہ تاریخ کے اجرام ہیں اور انہیں اس لحاظ سے باقی رہنا چاہیے کہ علم کے چار ذریعے ہیں۔ پہلا وحی، دوسرا آثار قدما جس کی بنیاد قرآن حکیم نے سیرونی الارض پر رکھی اور تاریخ کو ایام اللہ کے ذکر کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ تیسرا ذریعہ علم النفس اور چوتھا صحیفہ منطرت ہے۔ سیرونی الارض کی غایت کیا ہے؟ آثار قدما کا مطالعہ یہی چیزیں ہیں، جو تاریخی عصبیت کو زندہ رکھتی اور عقیدہ میں عقیدت پیدا کرتی ہیں۔

جنت المعلیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں!

جنت المعلیٰ

جنت المعلیٰ مکہ معظمہ کا قدیم ترین، لیکن جنت البقیع کے بعد

سب سے افضل قبرستان ہے، مٹی کے راستے پر مسجد الحرام سے ایک میل دور ہے، یہاں سے ایک چوڑی سڑک نکالی گئی ہے۔ جس سے قبرستان کے دو حصہ ہو گئے ہیں، اگر دگرد

شب جانے کہ من بوم ص ۷۱ - ۷۸

شورش کا شیری

ایک سچتہ چہار دیواری ہے۔ کسی قبر پر کوئی نشان یا کتبہ نہیں سب نشان ڈھائیے گئے ہیں۔ ہر طرف مٹی کے ڈھیر ہیں۔ چراغ نہ پھول، کسی کسی قبر پر نشانہ ہی کے لیے کنکریاں پڑی ہیں۔ عجب دیرانہ ہے۔ جس حصہ میں حضرت اسماعیل، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن مبارک، امام ابن جبیر اور سعید بن مسیب (کشتگال حجاج بن یوسف) کی قبریں ہیں، وہاں اندر جانے کے لیے ایک دروازہ ہے، لیکن وہ قبور پر حاضری کے لیے نہیں نئی میتوں کے لیے ہے اور جس حصہ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور ان کے افراد خاندان آرام فرما رہے ہیں یا حضور کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا، حضور کے لخت جگر قاسم اور حضور کے چچا ابوطالب مدفون ہیں، وہاں کوئی دروازہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ ٹوٹی پھوٹی قبریں، مٹی کی ڈھیریاں ہوتی ہیں۔ کسی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ نہیں۔ دھوپ کا چھڑکاؤ ضرور ہے، پوری دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی قبرستان بے بسی کی اس حالت میں نہ ہوگا۔

میں اور سہیل ایک پہاڑی پر چڑھ گئے، وہاں سے حضرت خدیجۃ کی قبر پر نگاہ کی، ام المومنین کا مزار۔۔۔۔۔؟ میں کانپ اٹھا میرا دل دھک دھک کرنے لگا۔ مسلمانوں نے اپنی بیویوں کے تاج محل بنا ڈالے، لیکن جس عورت کو پیغمبر آخر الزمان کی پہلی شریک حیات ہونے کا شرف حاصل ہوا، ہونا ظمہ الزہرا کی ماں تھیں، وہ ایک قبر دیران میں پڑی ہیں۔ میں اپنے تئیں ضبط نہ کر سکا۔ آنکھوں میں بدلیاں آگئیں۔ میں نے کہا سہیل! عربوں کا مزاج ہی ان کے لئے سزا ہے۔ کیا خدیجۃ الکبریٰ مکی زندگی نہیں گزاریں۔ حضور کو بعثت سے پہلے گیارہ سال ستایا گیا۔ ام المومنین کو اب ستایا جا رہا ہے۔ حضور مدینہ میں؟ ام المومنین مکہ میں! اس عورت۔۔۔۔۔ عظیم عورت کا انسانیت پر کتنا بڑا احسان ہے؟ سب سے پہلی آواز جس نے نبوت کی بشارت پر صا د کیا۔ اپنی جسارت پر مجھے حیرت ہوتی کہ میں نے اس ڈھیری (لحد) کے سامنے کھڑا ہونے کا حوصلہ کیا، میں ہل گیا ایک کپکپی طاری ہو گئی۔

مرائے کاشکے مادر نہ زائے

ع

جو لوگ اس کا نام قرآن و سنت رکھتے ہیں وہ خود کس منہ سے تاج شہی پہنتے ہیں، اپنے اونچے نال بناتے، محمد عربی کی دولت سمیٹتے اور اس کا نام خزانہ شاہی رکھتے ہیں۔ جس ذاتِ قدس کے صدقہ میں عزتیں پالیں ہیں۔ اس کے آثارِ اقدس کی یہ بے حرمتی! یہ قرآن و سنت نہیں اہانت اور صریح اہانت ہے۔ اللہ کی زمینیں اور دینے سب اللہ کا مال ہیں۔ اس کی مخلوق کا مال ہیں کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ انسانوں کو گلہ بنانے خود چرواہا بن بیٹھے، گوشت کھالے کھالیں پڑھ ڈالے۔ موت کسی کا بیچا نہیں چھوڑتی۔ جو موت کی اس طرح ہٹک کر رہے ہیں۔ موت ان سے بھی متعاقب ہے، لیکن جنت معلیٰ میں زندہ لوگ سو رہے ہیں، جو ہمیں زندہ کر گئے، ہمیں بقا دے گئے، جو منہ پھیر کے شاہوں پر نگاہ کرتے، تو ان کی گودریوں سے خلعتِ فاخرہ کانپ اٹھتے تھے۔ سعودی حکومت شش اور شرک میں فرق نہ کر سکی ہے۔ رحمت ان قبروں میں ہونے والوں پر، اور شہرت ہمارے لیے!

کتنی عظیم زندگیاں ان قبروں میں سو رہی ہیں۔

وادی بدر پر تبصرہ کرتے ہیں:

وادی بدر

ملک عباس نے کہا وہ سامنے ہے، وادی بدر اور موثر دو منٹ بعد ایک بڑے چائے خانے کے سامنے رک گیا۔ اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا۔ تالہ کے بغیر سب کچھ بند بڑا تھا۔ ایک سناٹا، ٹیاں تھیں اور مخروطی لوسٹے، وضو کیا نفل پڑھے شہدائے بدر کی قبروں پر گئے، وہی عالم اور حالت جو حجاز میں قبروں کی ہے، نشان نہ کتبہ قبریں بھی کیا مٹی کی ڈھیروں ہیں۔ سورہ انفال کی ۵ آیتیں نضار کا احاطہ کیے ہوئے ہیں کہ یہاں وہ سو رہے ہیں، جو ان آیتوں کے مین السطور میں ہیں، جو کل تین سو تیرہ تھے اور

شب جائے کہ من بودم ص ۷۳ - ۷۱

شورش کاشمیری

جن میں یہاں ہونے والے چودہ ہیں، جو اللہ کی راہ میں مارے گئے۔ جنہیں شہادت نے سر بلند کیا اور جن کی مدد کو اللہ نے فرشتے بھیجے تھے۔ یہ وہ جنگ ہے، جس کے احوال کا ذخیرہ کلام اللہ میں محفوظ ہو گیا ہے، یہی وہ جنگ ہے جس میں مسلمانوں کی بے سرو سامانی پر حضور نے اپنے اللہ سے کہا تھا۔

اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے، آج پورا کر

پھر سجدہ میں گر کر عرش الہی سے ہم کلام ہوتے تھے۔

خدا یا! اگر یہ چند لوگ آج مٹ گئے، تو پھر قیامت تک تیرا کوئی نام لیا نہیں ہوگا اللہ نے کہا:-

فوج قریش (کو شکست دی جائے گی، وہ پشت پھیریں گے (قر ۲)

وہی ہوا جو اللہ کے رسول نے چاہا اور اللہ نے پورا کیا۔

اس ویرانہ میں اب بھی حضرت سعد بن عبادہ کی آواز گونج رہی ہے، خدا کی قسم آپ

فرمادیں، تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔

حضرات مقداد اعلان کر رہے ہیں:-

”ہم قوم موسیٰ کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں، ہم آپ کے

دائیں سے، بائیں سے، سامنے سے، پیچھے سے لڑیں گے“

تین سو تیرہ نے، جن میں صرف دو گھڑ سوار تھے۔ قریش کی ایک ہزار فوج کو جس میں

ایک سو سوار تھے، تین تیرہ کر دیا۔ قریش کے نامور دوسار میں ننانوے فیصد لقمہ اجل ہو

گئے۔ ابو جہل، معوذ اور معاذ دونوں عمر بھائیوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ عبد اللہ بن مسعود

نے اس کا سر کاٹ کے حضور کے قدموں میں ڈال دیا۔ عقبہ جو دوسار مکہ میں پہلے نمبر پر

قریش کے لشکر کا سالار تھا۔ حضرت حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ سب کچھ اس جنگ ہی کی

فتوحات تھیں اور وہ شہداء جنہیں حضور نے خود دفنایا تھا۔ ان کی قبریں آج دار ثمان سنت

کے ہاتھوں پامال ہو چکی ہیں۔ تاریخ کے وہ عظیم آثار مٹا رہے ہیں، جنہیں عقبہ و ابو جہل نہ مٹا سکے، انہیں ہم اپنے ہاتھوں مٹا رہے ہیں

میں جھنجلا گیا یہ قرآن و سنت نہیں، یہ سنگینی و سنگدلی ہے کہ رسول اللہ کی یادگاریں مٹاتی جائیں اور اپنی یادگاریں کھڑی کی جائیں کیا عرب اس اہانت اور بغاوت کی سزا نہیں پائے؟ عربوں کو شرف انسانی کن سے حاصل ہوا۔ ان کی بدولت؟

آج یہی منع مٹا جا رہے ہیں۔ سورہ انفال کے مہبط سے یہ سلوک عشق و ایثار کی توہین ہے۔ کیا قرآن و سنت کے داعی جو احادیث پر زندگی بسر کرتے ہیں بھول گئے ہیں کہ رسول اللہ نے جبرائیل امین سے کہا تھا کہ اہل بدزب مسلمانوں میں افضل ہیں۔ اس پر جبرائیل امین نے کہا تھا جو فرشتے بدر میں شریک ہوئے تھے۔ ان کا بھی ملائکہ میں یہی درجہ ہے۔

(صحیح بخاری)

ادھر حضرت زبیر نے برہچی سے الو کرش کا صفایا کر دیا۔ رسول اللہ نے وہ برہچی لے لی چاروں خلفاء کے پاس منتقل ہوتی رہی۔ پھر عبداللہ بن زبیر کے پاس آئی۔ آخر اس برہچی میں کیا خصوصیت تھی؟ کیا اس کے لیے قرآن میں کوئی حکم آیا تھا؟ لیکن یادگار تھی منتقل ہوتی گئی، آخر ان بادشاہوں نے جو امیہ کے خاندان میں سے تھے اور یادگاروں کی طرح اسے بھی گم کر دیا۔

جنت البقیع کے بارے میں لکھتے ہیں!

جنت البقیع

جنت البقیع کوئی آٹھ ایکڑ رقبہ میں ہوگا۔ چاروں طرف

چار، ساڑھے چار فٹ کی فسیل ہے۔ ایک ہی دروازہ اس دروازہ پر ایک سپاہی کھڑا رہتا ہے۔ کئی لوگ باہر زائروں کے انتظار میں رہے اور کوئی معاوضہ طے کیے بغیر وہ ڈھیر یوں کی نشاندہی کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے، کون سی قبر کس وجود

شورش کاشمیری شب جلتے کہ من بودم اس ۱۲۷-۱۲۳ ملخصا

مبارک کی ہے؟ یہاں کوئی پھول والا نہیں، کوئی ٹھیکڑہ نہیں، شمع و گل ناپید ہیں، جنت المعلیٰ کا بھی یہی حال تھا، بلکہ وہاں کچھ بے اہمیتاں زیادہ ہے، لیکن جنت البقیع جو خاندان رسالت کے دو ٹہائی افراد کا مدفن شروع اسلام کے درخشندہ چہروں کی آخری آرام گاہ اور ان گنت شہدائے اسلام صلیحائے امت اور اکابرین دین کے سفر آخرت کی منزل ہے۔ ایک ایسی امانت کا شکار ہے کہ دیکھتے ہی خون کھول اٹھتا ہے۔ دامن یزدان چاک کرنے کا حوصلہ نہیں۔ کلا و سلطانی تک رسائی نہیں، اپنا گریبان چاک کرنے سے فائدہ نہیں۔ عمر فاروق نے ٹھیک ہی کہا تھا۔

”عرب والے سرکش اونٹ ہیں، جن کی مہار میرے ہاتھ میں دی گئی ہے، لیکن میں ان کو راستہ پر چلا کر چھوڑ دوں گا۔“

جنت البقیع میں کوئی عرب نہیں آتا۔ اصل عرب قبروں میں سو رہے ہیں اور وہی ہیں عرب تھے، جن کے لیے قرآن اترتا تھا۔ اب وہاں ہم سے عجیب جاتے ہیں اور ایک ایسے منظر سے واسطہ پڑتا ہے کہ دل بکھر جاتا ہے۔ ان عربوں کا طرہ کیا ہے۔ یہی کہ ان کے خطہ میں کعبۃ اللہ اور مدینۃ البنی واقع ہیں۔ ان کے دامن میں جبل نور، جبل رحمت جبل صفا، اور جبل احد ہیں۔ ان کے راستے رسول اللہ کے قدموں سے مستفید ہیں۔ ان کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کو خطاب کیا ہے آخری نبی ان میں سے مبعوث فرمایا نوے فیصد تاریخ اسلام ان کی آغوش میں استراحت کر رہی ہے، لیکن ان یادگاروں کے محفوظ کرنے سے انہیں شرع روکتی ہے، مگر ان کے اپنے وجود لفظی و معنوی ماورائی ہے انہیں ذرا برابر احساس نہیں کہ اسی مٹی میں کون سو رہے ہیں، رسول مقبول کے تخت پارے ہیں۔ ان کی نور نظر اور اس نور نظر کے چشم و چراغ ہیں، چچا ہیں، چچا کے بیٹے ہیں۔ امت کی مائیں ہیں، جنت کی شہزادیاں ہیں، اولیا ہیں، فقہار ہیں، علماء ہیں، حکما ہیں، علمبر سعد یہ ہیں، لیکن عرب میں کہ قبریں ڈھاتے اور محل بناتے جا رہے ہیں۔ مجھ پر لکھی

عہدہ نحمدی دہلی (تالیف قصویٰ)

طاری ہو گئی۔ بید لہزاں کی طرح ہنسنے لگا۔ دل یوں ہو گیا، جس طرح کنویں میں عالی ڈول تھرتا ہے۔

داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ کے ایک کونے میں حضور کی چھو پھیاں ہیں، ہاتھ صفیہ اور فاطمہ کے مزار ہیں۔ آگے بڑھیں، تو نو امہات المؤمنین مخواب ہیں عائشہ، سودہ، زینب، حفصہ، ام المساکین، ام سلیمہ، جوہرہ، ام حبیبہ اور صفیہ ان کے ساتھ کی روش پر حضرت عقیل، حضرت جعفر طیار، امام مالک اور امام نافع آسودہ خاک ہیں۔ ان کے ایک طرف شہداء کے مزارات کا ٹکڑا ہے۔ سامنے حضور کے فرزند ابراہیم کی لحد ہے، ادھر ادھر عبدالرحمن بن عوف، رقیہ بنت عثمان منطعون، سعد بن ابی وقاص، فاطمہ بنت اسد، عبداللہ بن عمر، مالک انصاری، اسماعیل بن جعفر صادق کے مدفنوں کی ڈھیریاں ہیں۔ آخری نکرہ پر حضرت عثمان کا مزار ہے۔ اس مزار سے ہٹ کر دیوار کے ساتھ علیمہ سعدیہ کی قبر ہے۔ یہی ایک قبر ہے جو اس قبرستان میں درخت کے سلتے تلے ہے۔ باقی پورے قبرستان میں کوئی درخت، پورا یا کھاری نہیں ہے۔

امہات المؤمنین کے مزارات سے دس بارہ گز آگے ایک غیر کشیدہ مثلث ٹکڑی میں جو زیادہ سے زیادہ ۳ x ۵ گز کی ہوگی۔ چھ ڈھیریاں ہیں۔ ان پر کوئی نشان نہیں قبروں کی شکل ہے۔ سنگریزوں کا حاشیہ، سینہ پر کنکریاں، دائیں طرف بنت رسول پڑی ہیں۔ سامنے رسول اللہ کے چچا حضرت عباس ہیں۔ حضرت عباس کے جسد مبارک کی داہنی طرف امام حسن، امام زین العابدین، امام زین العابدین اور امام جعفر صادق لیٹے ہیں یہ ساری جگہ مسجد نبوی میں واقع حضرت فاطمہ کے حجرے سے بھی چھوٹی ہے۔ اس کمر بلا میں چچا نگران ہیں۔ بچے ماں کی گود میں ہیں اور جو کمر بلا میں رو گئے تھے ان کی جدائی کا حزن ماں کی قبر سے محسوس ہو رہا ہے۔ شوہر نجف اشرف میں اور باپ وہ سامنے کز پچ میں چند مکان حائل ہیں۔ دنیا والوں نے مرنے کے بعد بھی دیواریں کھینچ دی ہیں، گنبد خضریٰ

کو اس رُخ سے دیکھتے سو گوار معلوم ہو گیا ہے اور اس دیرانی کو ٹکر ٹکر دیکھ رہا ہے
اس کے ہونٹوں پر جنبش سی ہے۔

گوش نزدیک بسم آرم کہ آواز سے ہست
”فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے، جس سے اس کو دکھ پہنچے گا، مجھے بھی اذیت ہوگی۔“
(ارشاد نبوی)

بنت رسول کے سامنے میں کوئی گھنٹہ بھر ساکت و صامت کھڑا رہا، جیسے کوئی
چیز گڑ گئی ہو اور اس میں زندگی کے آثار مطلقاً نہ رہے ہوں، ملک عباس دیر تک
دعا میں مانگتے رہے، لیکن میں تھا کہ ”بے دست و پا“ کھڑا تھا۔ جب محویت یہاں تک
پہنچ گئی کہ ہوش رہے نہ ہو اس، جیسے کوئی آہ نارسا بھجدا ہو چکی ہے یا آنسوؤں کی طغیانی
رک گئی ہے، تو عباس ملک نے مجھے گم سم پا کر کہا:
آغا صاحب فاتحہ پڑھیے۔

میں پوری طرح ہل چکا تھا۔ عباس نے میرے شانہ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ آغا صاحب؟
اور میں نقش کا لجر کی طرح تھا۔ انہوں نے جھنجھٹا ————— فاتحہ پڑھیے۔ میں نے کہا
ملک صاحب فاتحہ کس لیے کیا انہیں ہمارے ہاتھوں کی احتیاج ہے۔ ہم کیا اور ہمارا
دعا سے مغفرت کیا؟ ہم تو خود ان کے محتاج ہیں۔ ہماری مغفرتیں ان کی بدولت ہونگی۔
ملک صاحب حیران رہ گئے۔ میں نے قبر سے ٹھٹھکی باندھ رکھی تھی۔ میں کہہ رہا
تھا۔ فاطمہ (سلام اللہ علیہا) تو اب بھی کربلا میں ہے۔ تیرے باپ کا کلمہ پڑھنے والوں
نے تجھے اب تک ستایا ہے۔ تیری کہانی زخموں کی کہانی ہے، تو نے کعبۃ اللہ میں باپ
کے زخم دھوئے تھے، کربلا میں تیری اولاد نے زخم کھاتے، کوفہ میں تیرا شوہر امت
کے زخم کھا کے واصل بحق ہو گیا۔ تیرے ابا کی امت نے تیری اولاد کو ہمیشہ ستایا ہے۔
آج چودہ صدیاں ہونے کو آتی ہیں۔ تیری اولاد قبروں میں بھی ستاتی جا رہی ہے۔ پورا

عرب تیری اولاد کی قتل گاہ ہے۔۔۔۔۔ فاطمہ تیرے ابا نے کہا تھا۔

فاطمہ! میری رحلت کے بعد جو مجھے سب سے پہلے ملے گا، وہ تو ہوگی تو ان کے پاس چلی گئی۔ محمد کا گھرانہ اب بھی کربلا میں بڑا ہے، جو لشکر و سپاہ اور تاج و کلاہ کی تلواروں سے پنج ہے تھے۔ ان کی قبریں قتل کر دی گئیں۔ اپنی قبر کے قتل پر مجھے رونے دے، تو اس قبر میں ہے اور میں تیرے سامنے زندہ ہوں۔ مجھے اپنی زندگی ایک نفل عبث محسوس ہو رہی ہے۔ تیرے مرقد کے ذمے تمام کام۔۔۔ کے مرادارید سے افضل ہیں، ان میں مہر و ماہ سے بڑھ کر درخشانی ہے، لیکن زمانے آنکھیں پھیر لی ہیں اور اس کا شیشہ دل غیرت و حمیت سے خالی ہو گیا۔؟

میں لوٹ آیا رات پھر بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ مینڈاڑ چکی تھی اور میں بھی سوچ رہا تھا کہ عربوں کے پاس زبان کی نخوت کے سوا کچھ نہیں رہا، ماضی کا گھنڈہ رہ گیا ہے، لیکن وہ شرف قطعاً نہیں رہا جو ان کے ماضی کی سب سے بڑی میراث ہے۔

آج صبح فاطمہ کے مزار پر گم سم کھڑا سن رہا تھا۔ ام المؤمنین کہہ رہی ہیں، اسے اہل عرب حیا کر دو، میری نور چشم کے مرقد سے یہ سلوک کر رہے ہو۔ اس کے باپ نے تمہیں شرف بخشا اور خیر الامم بنایا تھا۔

حضرت سودہ آیہ حجاب کے جلو میں تھیں۔ حضرت عائشہ کا حجرہ حضور کا دفن مہرک ہے۔ عائشہ ہی کے سینہ پر سر رکھ کر حضور نے وفات پائی تھی، انہی کی بدولت خدانے تبسم کا حکم صادر کیا۔ حضور کے مرض الموت میں مسواک جیبا کر انہی نے دیا تھا۔ ان کا باپ دنیا میں تیسرا مسلمان تھا اور فارحرا میں دوکا، دوسرا جو صدیق کے لقب سے ملقب ہوا جو خلافتِ نبوی کا پہلا فرمان روا تھا۔ آج جنت البقیع میں اس کی بیٹی، حضور کی بیوی اور ہماری ماں ایک بے نام و نشان قبر میں استراحت پذیر ہیں۔ حضرت حفصہ نام النہار قائم العلیل تھیں۔ حضرت عمر کی بیٹی اور رسول کی ان بیوی کا مزار بھی اس شرعی سنگینی کا شکار

ہے۔ حضرت زینب ام المساکین کی لمحہ اپنی کنیت کا عکس ہے۔ حضرت ام سلمہ کا بچھونا حضور کی جانماز کے سامنے بچھتا تھا۔ ابو بباہر کی توبہ قبول ہو گئی، تو ان ہی کے جوہ میں وحی اتری تھی۔ غزوہ خیبر میں شریک تھیں۔ مدینہ کے سفر میں ساتھ تھیں۔ حجۃ الوداع میں ہمراہ رہیں۔ حضرت امام حسین کی شہادت کے بعد خواب دیکھا کہ رسول اللہ نہایت پریشان ہیں۔ سردار ریش گرد میں اٹے ہوئے ہیں۔ پوچھا یا رسول اللہ کیا حال ہے۔ ارشاد ہوا مقتل حسین سے آ رہا ہوں۔ اہل عراق نے حسین کو قتل کیا، خدا ان کو قتل کرے، حسین کو ذلیل کیا، خدا ان پر لعنت کرے۔

ابو ہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ انہی حستہ حال قبروں میں ایک قبر ان کی بھی ہے۔ حضرت زینب بنت جحش اپنے دست بازو سے معاش پیدا کرتیں اور فقر اور مساکین میں تقسیم کرتی تھیں۔ حضور کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ جنت البقیع کے دیر لے میں وہ بھی سوراہی ہیں، حضرت جوہرہ یہ نیر مصطلق کے سردار کی بیٹی اور میرا ام کے حرام کا چراغ تھیں۔ ان کی آخری آرام گاہ کا چراغ بھی اسی دیرانہ میں ہے۔ حضرت ام حبیبہ امیر معاویہ کی بہن تھیں۔ ان کے باپ ابو سفیان فتح مکہ سے پہلے ان کے گھر میں آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچھونے پر بیٹھنا چاہا۔ آپ نے بچھونا لٹ دیا۔ باپ نے بگڑ کر کہا: بچھونا اس قدر عزیز ہے۔ فرمایا! رسول اللہ کے فرش پر کوئی مشرک نہیں بیٹھ سکتا۔ روایت ہے کہ مدینہ میں حضرت علی کے مکان میں آپ کی قبر تھی، لیکن علی کا مکان نہ رہا یہ قبر کہاں رہتی؟ ہے نام اللہ کا۔

حضرت میمونہ کا انتقال مدینہ میں ہوا۔ حضرت ابن عباس نے جنازہ پڑھایا، جنازہ اٹھا، تو حضرت ابن عباس بولے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کا جنازہ ہے۔ با ادب اور آہستہ چلو۔ حضرت صفیہ عاتل افضل اور علیم تھیں (اسد الغابہ) وہ غزوہ خیبر میں گرفتار ہو کر آئیں تھیں۔ سرور دو عالم کے حرم میں داخل ہو گئیں۔ ایک دن آبیہ

تھیں جنہوں نے تشریف لائے سبب پوچھا فرمایا کہ حصہ وراثت کہتی ہیں کہ ہم ازواج میں افضل ہیں، ہم آپ کی زوجہ ہونے کے علاوہ چچا زاد بھی ہیں۔ جنہوں نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ میرے باپ موسیٰ ہارون میرے چچا اور محمد میرے شوہر ہیں۔

جنت البقیع ان گیارہ میں سے نو کی آخری آرام گاہ ہے، لیکن حکمرانوں کی شرعی خشونت کا شکار، رسول اللہ کے اہل بیت رسول کی اولادیں، رسول کے ساتھی، رسول کے جانشین، رسول کے جانشین، رسول کے فدائی حتیٰ کہ رسول کو گود میں کھلانے والی حلیمہ سعدیہ یہاں اس طرح بیٹی ہوئی ہیں، جس طرح گنہگاروں کے ادھوے مشوروں پر عبارت میں قلم کی کثرت سے دم توڑ دیتی ہیں۔ ۱۔

احد کے بارے میں لکھتے ہیں:-

دامن احد اسی احد کے دامن میں زمین سے روزینہ بلند اور پہاڑ سے ڈھیروں نیچے حضرت امیر حمزہ، عبداللہ بن جحش اور مصعب بن عمیر کی قبریں ہیں، لیکن آل سعود کی شرعی یلغار نے ہموار کر دی ہیں۔ یہیں ہندہ نے حضرت امیر حمزہ کا سینہ چاک کر کے ان کا کلیجہ چبایا اور مشلہ کیا تھا۔ انہی شہداء کے فراق میں مدینہ اشکبار تھا ہر گھر سے چیخیں آ رہی تھیں۔ انہیں چیخوں پر حضور نے کہا تھا:-

آہ حمزہ کا رونے والا کوئی نہیں ا
ہندہ نے تو حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا، لیکن انہوں نے حمزہ کی قبر چبا ڈالی ہے۔ مصعب بن عمیر اور عبداللہ بن جحش دفن ضرور ہیں، لیکن وہ قبریں نہیں ان کا سایہ ہیں۔ عرب کہتے ہیں کہ یہاں امیر حمزہ دفن ہیں یہ عبداللہ بن جحش یا مصعب بن عمیر کی قبریں ہیں اور اکثر شہداء اسی مٹی میں سو رہے ہیں۔ ہم ان کے حافظہ پر اعتماد کرتے اور سر جھکاتے ہیں کہ احد کا یہ میدان مگر انہی صحابہ میں سے بیشتر کی خواب گاہ ہے۔

شب جائے کہ من بوم ص ۱۴۹-۱۵۱ ملخصاً

۱۔ شورش کشمیری

حضور نے فرمایا تھا احد پر آؤ تو اس کے درخت سے خواہ وہ درخت خاردار ہی کیوں نہ ہو، کچھ ضرور کھاؤ، لیکن احد اسی طرح نگر سلطانی کے اغماض کا شکار ہے جس طرح اور آثار ہیں، کوئی نشان یا کتبہ نہیں اور یہ تو پورے جہاز میں ہے۔ جہاں تہاں سے اسلام اٹھا اور پھیلا، وہ جگہیں خود بولتی ہیں کہ ہم فلاں ہیں — حالانکہ اس وادی کے چپہ چپہ کی نشان دہی ہونی چاہیے کیا انہیں قائم رکھنے یا قائم کرنے سے دوسری عبادت گاہ بن جائے گی؟ یہ کوئی عذر نہیں، بلکہ عذر لنگ ہے۔ عربوں کو جس تاریخ پر نانہ ہے، بلکہ جس تاریخ نے انہیں شرف بخشا وہ کعبۃ اللہ اور حرام نبوی ہیں یا پھر یہ مقام جنہیں غزوات نبی نے دوام بخشا اور کفار مکہ ڈھیر ہو گئے۔ تاریخ کے یہ پٹا تو اس طرح نہیں رہنے چاہتیں کہ علم کے اس زمانہ میں مٹ جائیں۔ آخر عرب شہزادے یورپ میں گھومتے پھرتے ہیں، وہاں کیا نہیں کرتے اور کیا نہیں لاتے کیا وہاں نہیں دیکھتے کہ فرانس نے اپنے شاہوں کی مثل گاہیں تک محفوظ کی ہوئی ہیں۔ رومانے وہ تماشا گاہ محفوظ کر لی ہے، جہاں شاہان روم وحشت کے دور میں درندوں سے انسان کی چیر بھار کا تماشا دیکھا کرتے تھے۔ برلن میں روس نے اپنی فتح کی عظیم الشان یادگاریں قائم کی ہیں۔ انگلستان قدامت کا گھر ہے، وہ اپنے شاہوں کی پرانی یادگاریں سینے سے لگائے بیٹھا ہے۔ شاہ کا محل اور وزیر اعظم کا مکان نہیں بدلا کہ اس کی پرانی تاریخ ہے، جو ماضی کو حال سے ملاتی ہے کیا یہ چیزیں عبادت گاہیں بن گئی ہیں؟ جب ان لوگوں نے جو قرآن کے نزدیک معصوم و معتوب ہیں اپنے تاریخی سرمایہ کو عبادت گاہ نہیں بنایا، تو مسلمان جن کی تربیت توحید و رسالت کی آب و ہوا میں ہوتی ہے۔ ان آثار قدیمہ کو حیوانت گاہ بنا لیں گے؟ جہاں بیت اللہ اور گنبد خضریٰ ہوں۔ وہاں اور کونسی جگہ جہین نیاز کی سجدہ گاہ ہو سکتی ہے۔ لوگوں کی کج روی اور گمراہی کا علاج یہ نہیں کہ وہ چیزیں اس لیے مٹا دی جائیں کہ عوام الناس بہ الفاظ شریعت شرک کرتے ہیں، کسی نے انکو راور کھجور کو مٹا لیا ہے

کہ لوگ اس سے شراب کشید کرتے ہیں۔

ہذہ کو جدید اور ریاض کو جنت بنانے والے مکہ میں آکر آستین چڑھالیتے ہیں اور مدینہ میں جا کر پانچے اور پانچے کر لیتے ہیں، انہیں اپنے نفس میں نواہی محسوس نہیں ہوتے رہا۔
جبل سلع کے بارے میں لکھتے ہیں!

جبل سلع مسجد فتح یا اضراب جبل سلع کے مغربی کنارہ پر ہے۔ اس کے گرد اگر دو سلمان فارسی نے غزوہ اضراب میں خندق کھودی تھی۔ یہاں حضور کے سامنے ابو بکر، عمر، عثمان اور علی نے خیمہ نصب کیے تھے۔ یہاں ان کے اور فاطمہ الزہراء و سلمان فارسی کے نام پر مساجد بنی ہوئی ہیں۔ یہ مسجدیں بھی شاہی سطوت اور شرعی خشونت کے نرغہ میں ہیں۔ قریب امریکی طرز کا شاہی محل ہے۔ محل میں بہت بڑا باغیچہ ہے، لیکن وہاں تشریح مفرد ہو گئی ہے۔ ۲۔

مدینہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

مدینہ مدینہ میں نئی چیزیں صرف ہوٹل ہیں، حرم کے چاروں طرف یورپی مصنوعات کی لدی پھندی دکانیں ہیں، زرمبادلہ کے بیو پارمی ہیں، بیروت کے رسائل و جرائد ہیں، بال کٹائی کے سیلون ہیں، اونٹ غائب ہو چکے اور سیارے اڑے پھر رہے ہیں۔ ۳۔

رخصت ہونے سے پہلے میں نے روضہ اقدس کے گرد کئی پھیرے الوداع ڈالے ایک ستون پر کھڑا ہوا، اصحاب صفہ کے چبوترے پر قرن اول کو تلاش کیا، حضرت فاطمہ کے حجرہ پر تہجد کی نمازوں کو محسوس کیا، جو سرد کا کنارہ بہر

۱۔ شورش کاشمیری شب جائے کہ من بودم ص ۱۷۷-۱۷۵ ملخصاً

۲۔ " " " " ۱۷۹

۳۔ " " " " ۱۸۰

رات یہاں ادا فرماتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا۔
 ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے۔

۲۰۵ - شب جائے کہ من بودم ص
 سٹیشن کشمیری

فاطمہ الزہراء کے مزار پر

جنت البقیع میں مزارات کی حالت حد درجہ ناگفتہ بہ ہے۔ پہلو میں فلک بوس عمارات کھڑی کی جا رہی ہیں اور بہت سی قد آور عمارتیں کھڑی ہو چکی ہیں جس میں صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر کا مکان نہ بنایا، اس کے نام لیوا بنگلوں اور محلوں میں رہ کر رہے ہیں، لیکن جنت البقیع ہی ایک ایسی جگہ ہے، جہاں قبروں کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "ہدایت" پر یارانِ نجد نے عبرت کے نوشتے بنا رکھا ہے، گویا اسلاف کی قبروں پر "سنت نبوی" نافذ ہے، لیکن خود زندہ قبریں سنگ مرمر کے محلوں میں رہ رہی ہیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزارِ اقدس پر میرے اشکبار دل کی جو حالت ہوئی عرض کرنا مشکل ہے، ایک دیرانہ میں ماں پڑھی سوتی ہیں۔ ذرا ہٹ کے امام حسن، امام زین العابدین، امام جعفر صادق اور امام باقر آرام کر رہے ہیں۔ ان کی جڑواں قبروں کے روبرو حضور کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کی قبر ہے۔۔۔ ذیل کے اشعار اسی حاضری کی یادگار ہیں۔

شورشِ کاشمیری

اس سانحہ سے گنبدِ حضرت ہے پُر ملال	لختِ دل رسول کی تری ہے خستہ حال
دل میں ٹھٹک گیا کہ نظر میں سمٹ گیا	اس جنت البقیع کی تعظیم کا خیال
طیبہ میں بھی ہے آلِ پیمبر پہ ابتلا	اس ابتلا سے خاطر کونین ہے نڈھال
سوتے سوتے میں ماں کی لحد ہی کے آس پاس	پورِ خلیل، سبطِ پیمبر، علی کے لال
اُٹتی ہے دھولِ مرقدِ آلِ رسول پر	ہوتا ہے دیکھتے ہی طبیعت کو اختلال

افتادگانِ خواب میں آلِ ابو تراب
 فرشتہ ہی روا ہے؟ پیغمبر کے دین میں
 اسلام اپنے مولد و منشا میں اجنبی
 تو ندین بڑھی ہوئی ہیں غریبوں کے خون سے
 جس کی نگاہ میں بنتِ نبی کی جیسا نہ ہو
 پھٹتی ہے پو، تو صبح بھی ہوتی ہے بالفرد
 کب تک ہے گی آلِ پیغمبر لٹی پٹی
 از بسکہ ہوں غلامِ غلامانِ اہل بیت

اب تک وہی ہے گردشِ دوراں کی چالِ ڈھال
 لیکن حرام شے ہے؟ مقابہ کی دیکھ بھال
 تیرا غضب کہاں ہے؟ خداوندِ ذوالجلال
 مخلوق کی آب و تاب ہے احکام پر حلال
 اُس شخص کا نوشتہ تقدیر ہے زوال
 پھرتے ہیں روز و شب، تو پلٹتے ہیں ماہ و سال
 کب تک رہیں گے جعفر و باقر گستاخ
 ہر لحظہ ان کی ذات پہ قربان جان و مال

کیا یوں ہی خاک اڑے گی مزارِ اقدس پر
 فیصل کی سلطنت سے ہے شورشِ مراسل

(مطبوعہ ہفت روزہ پٹان لاہور، بابت ۹، ماہِ پچ ۱۹۷۰ء)

فائل بریلوی
اور
ترک موالات

پروفیسر محمد مسعود احمد
ایم اے - پی ایچ - ڈی

رضنا پبلی کیشنز - لاہور

حضورِ عالمِ محبوبِ العلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بار
میں لیا ایمان کھنسا چاہیے، قرآن و حدیث کی روشنی میں

تمہید ایمان

علیٰ حضرت امام اہل سنت وینا شاہ احمد رضا بریلوی
قدس سرود العزیز

رضایلی کیشنز

مین بازار داتا صاحب لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سنت و جماعت کا مستند معجم
بہارِ اہل سنت و جماعت

کنز الایمان

بے دہلی و بے حرمتی سے مبرا بے نظیر ترجمہ بے عدیل تفسیر

ترجمہ: امام اہل سنت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت
شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ

تفسیر: صدر الافاضل حضرت علامہ نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ علیہ

ترجمہ خریدتے وقت کنز الایمان کا نام ضرور یاد رکھیں

کنز الایمان کے فرائض اور دیگر تراجم کی غلطی سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے محاسن کنز الایمان کا مطالعہ نہایت ضروری ہے یہ کتاب ۲۰ پیسے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر مرکزی مجلس رضا کے دفتر سے طلب فرمائیے

مرکزی مجلس رضا (رجسٹرڈ)

نوری مسجد بالمقابل ریلوے اسٹیشن، لاہور

مذہب اسلام

- مولف : مولانا حکیم نجم الغنی رام پوری (مرحوم)
- تقدیم : پروفیسر محمد ایوب قادری ایم اے
- مذہبِ اسلامیہ اور اسلام کے نام پر پیدا ہونے والے جملہ باطل فرقوں کی ایک مبسوط تاریخ۔
- شیعہ فرقہ اور خوارج کی تمام شاخوں کے حالات و عقائد پر ایک جامع و سارے برصغیر میں وہابیت و دیوبندیت کے شیوع کی تحقیق ،
- قادیانی کذاب کی تحریک کا تفصیلی جائزہ۔
- نصف صدی سے نایاب کتاب جسے رضا پبلی کیشنز لاہور کو پاکستان میں اشاعت کا فخر حاصل ہوا۔
- علماء، وکلاء، محققین، مناظرین، مصنفین خصوصاً تقابل ادیان پر کام کرنے والوں کیلئے انتہائی مفید۔
- اعلیٰ کاغذ، خوبصورت عکسی طباعت ڈائی وار اور لکشمی جلد
- صفحات ۸۰۲، قیمت ۷۵ روپے، سائز ۲۶×۲۰

ملنے کا پتہ

رضا پبلی کیشنز میں بازار اٹا صنادریار لاہور

وَعَلَىٰ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ يَا حَبِیْبُ اللّٰهِ

مجلس

بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

کی بارخِ رسالت پہ لاکھوں سلام

تو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

نوشتہ بزمِ حجت پہ لاکھوں سلام

فرش کی طیب و زینت پہ لاکھوں سلام

نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

اس سرائے سیادت پہ لاکھوں سلام

اس کی قاہرہ ریاست پہ لاکھوں سلام

شاہ کی ساری اُمت پہ لاکھوں سلام

بھیجیں سب انکی شوکت پہ لاکھوں سلام

بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

نوشتہ بزمِ حجت پہ لاکھوں سلام

فرش کی طیب و زینت پہ لاکھوں سلام

نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

اس سرائے سیادت پہ لاکھوں سلام

اس کی قاہرہ ریاست پہ لاکھوں سلام

شاہ کی ساری اُمت پہ لاکھوں سلام

بھیجیں سب انکی شوکت پہ لاکھوں سلام

بزمِ ہدایت کے قدوسی کہیں مانِ رُخا

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

وَعَلَىٰ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ يَا حَبِیْبُ اللّٰهِ

مجلس

بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

کی بارخِ رسالت پہ لاکھوں سلام

تو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

نوشتہ بزمِ حجت پہ لاکھوں سلام

فرش کی طیب و زینت پہ لاکھوں سلام

نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

اس سرائے سیادت پہ لاکھوں سلام

اس کی قاہرہ ریاست پہ لاکھوں سلام

شاہ کی ساری اُمت پہ لاکھوں سلام

بھیجیں سب انکی شوکت پہ لاکھوں سلام

بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

نوشتہ بزمِ حجت پہ لاکھوں سلام

فرش کی طیب و زینت پہ لاکھوں سلام

نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

اس کی قاہرہ ریاست پہ لاکھوں سلام

شاہ کی ساری اُمت پہ لاکھوں سلام

بھیجیں سب انکی شوکت پہ لاکھوں سلام

بزمِ ہدایت کے قدوسی کہیں مانِ رُخا

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام